قرآن و حدیث، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار
بزرگانِ دین، اولیائے کرام اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان افروز، باطل سوز،
وجد آفرین، اور انتہائی دلنشین ۲۰۰ بابرکت واقعات

بابرکت واقعات

تصنیفِ لطیف

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

ناشر

قرآن و حدیث، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام علیہم الرضوان، اہل بیت اطہار
بزرگان دین، اولیائے کرام اور مسلمان حکمرانوں کے ایمان افروز، باطل سوز،
وجد آفرین اور انتہائی دلنشین ۲۰۰ بابرکت واقعات

تصنیف لطیف
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری
مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 37352022

الصلوۃ والسلام علیك یا سیدی یا رسول اللّٰہ
وعلی الك واصحابك یا حبیب اللّٰہ

نام کتاب	....	۲۰۰ بابرکت واقعات
مؤلف	....	الحافظ القاری مفتی غلام حسن قادری مفتی دارالعلوم حزب الاحناف لاہور
پروف ریڈنگ	....	مولانا قاری محمد اصغر نورانی
خصوصی دعا	....	پیر سید طاہر حسین شاہ کاظمی' پاک پتن شریف
حسب فرمائش	....	پیر حافظ محمد عثمان نوشاہی قادری الحافظ القاری محمد اختر سیالوی' گڑھی شاہو لاہور
صفحات	....	672
تعداد	....	600
کمپوزنگ	....	عبدالسلام' قمر الزمان
اشاعت	....	ستمبر 2013ء
ناشر	....	محمد اکبر قادری
قیمت	....	450 روپے

انتسابِ اوّل

اپنے پیارے آقا امام الانبیاء حبیب کبریا' اعلیٰ و اولیٰ' آرزوئے مسیحا' دعائے خلیل اللہ' ابر جود و عطا' جن کی رضا رب کی رضا' آئینۂ حق نما' جمال کبریا' انجی و اتقیٰ' اخشیٰ و مزکّیٰ' مصطفیٰ و مجتبیٰ' آفتاب ہدیٰ اشرف انبیاء' اکمل الاتقیاء' انجم وطٰہٰ' ابن عبداللہ' شب اسریٰ کے دولہا' خزینۂ اسرارِ خدا' گنجینۂ انوارِ کبریا' ملجا و ماویٰ' اکرم و اطیب' افتخار آدمیت' احترام انسانیت' امجد و اسعد' ارشد و احمد' اطہر و انور' محور و مرکز' شافع عرصۂ محشر' اقلیم رسالت کے آخری تاجدار' انبیائے کرام و رسل عظا کے سید و سردار رسولِ رحمت' شفیع اُمت' روح نبوت' سایۂ رحمت' نبی اکرم' نورِ مجسم' شفیع معظم تاجدار عرب و عجم' احمد مجتبیٰ حضرت جناب

کے نام جو اس کائنات میں جلوہ گر ہوئے تو بابرکت واقعات بھی رونما ہوئے کیونکہ حضور ﷺ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا لولاک لما خلقت الافلاک

ہے انہی کے دم قدم سے باغ عالم میں بہار
وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو

انتسابِ ثانی

منظورِ نظر و مرید خاص و فیض یافتہ سلطان العارفین، بُرہان الواصلین حجۃ الکاملین، قدوۃ السالکین حضرت سلطان باہو رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیکر مہر و وفا، صاحبِ دستِ عطا، منبع صدق وصفا الحاج شیخ محمد ہاشم علی قادری سلطانی زید شرفہ کی دینی خدمات کے نام، صحت وتندرستی کی ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ

اور اُن کے اکلوتے صاحب زادے جواں سال وجواں بخت عاشقِ مدینہ جناب الحاج محمد اعظم زید مجدہ کے نام، روشن مستقبل کے لیے کامیابی وکامرانی کی ہزاروں نیک تمناؤں کے ساتھ

اور اِن کے فرزند ارجمند مدنی منے محمد احمد رضا بارک اللہ فی عملہ وعمرہ کے نام اہل محبت اور رجال دین کے دِلوں کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلنے والی لاکھوں دعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اس سارے گھرانے کو ہر قسم کی (زمینی، آسمانی، روحانی، جسمانی، ذہنی، قلبی، دنیوی واخروی) آفتوں وبلاؤں سے محفوظ رکھے۔ آمین بجاہ النبی الکریم الامین علیہ وآلہٖ واصحابہٖ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم برحمتک یا ارحم الراحمین۔

دعا گو وطالبِ دعا: غلام حسن قادری عافاہ اللہ فی الدارین بجاہ سید الثقلین وابقاہ مدی الزمان سالما عن مطاعن اہل البدعۃ والطغیان بحرمۃ امام القبلین جد الحسن والحسین آمین! آمین! آمین

فہرست

عنوان — صفحہ

الاهداء

اپنے تمام احباب کی خدمت میں جو میرے لیے ہر وقت دست بہ دعا رہتے ہیں اور حقیقت بات یہ ہے کہ انہی کی دعاؤں کی برکت سے یہ سلسلہ نہ صرف بہتری سے چل رہا ہے بلکہ دن بدن شرف قبول بھی پا رہا ہے۔ خدا گواہ ہے کہ دُور دراز علاقوں سے بلکہ بیرونِ ملک سے اہلِ محبت خطوط وفون کے ذریعے ایسی ایسی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں کہ کئی مرتبہ خوشی کے آنسوؤں سے آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ یااللہ! اپنے پیارے محبوب کے صدقے اس گئے گزرے دور میں بھی تیرے دین کی خدمت کرنے والوں کے لیے تیرے نبی کے غلام کس طرح اپنی آنکھیں فرشِ راہ کرتے ہیں اگر ان کا بس چلے تو قلب وجگر کے ٹکڑے کر کے خادمانِ دین کے قدموں میں بچھا دیں۔ اے اللہ! میرے ان تمام چاہنے والوں کو سلامت باکرامت تا قیامت رکھ اور اپنے دین کی برکت سے جو تو نے مجھ جیسے ہیچمدان کو اعزازات عطا فرمائے ہیں، مجھے اس پر اپنا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

ہیں جیسے فلک پہ چمکتے ستارے　ہمارے یہ ہیں مہرباں ایسے ایسے
خدا کے کرم سے نبی کی عطا سے　ہوئے ہم کو ارزاں جہاں ایسے ایسے
زمانے کی دھوپوں سے بچنے کی خاطر　ہوئے ہیں عطا سائباں ایسے ایسے
دعائیں ہیں جن کی مجھے مثل تحفہ　خدا نے دیئے ارمغاں ایسے ایسے
رفاقت پہ ان کی بجا ہم ہیں نازاں　ملے ہیں ہمیں دوستاں ایسے ایسے

واقعات کی برکات

(حضرت مولانا محمد منشا تابش قصوری جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (پاکستان)

جب سے ہوش سنبھالا ہے نہ جانے کتنے ہی واقعات سنے اور سنائے' بیسیوں سینکڑوں کی تو بات ہی کیا ہزاروں لاکھوں کہانیاں کانوں سے ٹکرائیں اور نسیاً منسیاً ہوگئیں ان واقعات میں بچگانہ بھی تھے اور بزرگانہ بھی شباب کی بہار بھی لیے ہوئے اور زوال کی داستاں بھی ان میں عروج و کمال بھی آشکار دیکھا اور جلال و جمال کا اظہار بھی پایا۔

مجھے تو کائنات کی ہر چیز میں کئی کئی کہانیاں نظر آتی ہیں۔ زمین و آسمان' چاند' سورج' ستارے' سیارے' صحرا' دریا' سمندر' پہاڑ' میدان' باغات' نباتات' جمادات' حجر و شجر' چرند' پرند' حیوان' انسان الغرض ہر چیز ظہور سے نابود تک کہانی حکایت اور واقعہ سے عبارت ہے۔

تعمیر و تخریب کی داستانوں سے ماضی پُر ہے حال بڑی بے حالی میں اپنی داستانیں جنم دے رہا ہے اور مستقبل کے لیے نہ جانے کتنا عظیم سرمایہ جمع ہو جائے' داستانوں سے مستقبل' ماضی و حال کی طرح پُر ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے انسان کی کہانی شروع ہوتی ہے ان کی زمین پر تشریف آوری سے جنت و جہنم کے راز واشگاف ہوئے' ابلیس کے واقعات سے دنیا بھری پڑی ہے جس کی نافرمانی سے نہ جانے کتنی کہانیاں وجود میں آئیں اور ابھی کار شیطان جاری ہے۔

آدم وحوا ُ مور ُ سانپ اور ابلیس ہی نہیں ' ہابیل اور قابیل کے ساتھ کوے کی عقلمندی کے قصہ پر بھی قرآن ناطق ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان سے ہی سبق نہیں ملتا بلکہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے آتشِ نمرود کو گلزار بنا کر بھی واقعات کی فہرست میں قابلِ قدر اضافہ فرمایا ہے۔ قربانی اسلام کی محض ایک رسم ہی نہیں بلکہ نورانی واقعات میں ایک سنہری کڑی کی حیثیت رکھتی ہے جس سے ہر انسان اپنی صلاحیتوں کو تعمیری امور میں صرف کر کے کامرانی کی ابدی دولت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی نازنین قوم نہ صرف من وسلویٰ سے کام و دہن کی کہانیاں بناتی رہی ہے بلکہ نافرمانی کا شکار ہونا بھی اس کا ضرب المثل بنا۔

عذابِ الٰہی کی داستانیں بھی بڑی عبرت آموز ہیں جن سے ان بطش ربک لشدید کی عملی تفسیر نظر آتی ہے۔ شداد' ہامان' نمرود' فرعون' قارون' ابوجہل اسی قبیل کے واقعات بناتے ہوئے جہنم رسید ہوئے۔

تعرف الاشیاء باضدادھا اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

صادقین اور کاذبین کی داستانوں سے یہی پہلو نمایاں ہوتا ہے جنسی و رومانی کہانیاں' شیطان کی کارروائی کو کامیاب بنانے کا ذریعہ ہیں۔ ریڈیو' ٹی وی اور جدید میڈیا اس کے خصوصی معاون ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نہ صرف میلوں دوری پر چیونٹی کی معنی خیز باتیں سن کر مسکراتے نظر آتے ہیں بلکہ ملکہ صبا کی نیازمندانہ حاضری کا منظر بھی واقعہ کی زبان میں قرآن پاک سنا رہا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مہد میں اپنی نبوت کا اعلان ہی تعجب خیز نہیں بلکہ ان کا زندہ آسمان پر چلے جانا بھی حیران کن حکایت سے عبارت ہے۔ آسمان پر جانے سے قبل ان کا یہ اعلان مبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد' نورانی واقعات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے مگر جب رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت واقعہ کے رنگ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنائی اس دنیائے رنگ و بو میں

جلوہ افروز ہوئے ہیں تو ان کی قدر و منزلت کو جان بوجھ کر نہ ماننے والے پکار اُٹھتے ہیں یہ تو جادوگر ہے۔ (معاذ اللہ) آخر یہ معاملہ کیا ہے میری نظر جب قرآن و حدیث پر جاتی ہے تو مجھے ایک ایک لفظ، کلمہ، جملہ، آیت، رکوع، سپارہ، منزل الغرض ایک ایک نقطہ نورانی واقعہ سے مرصع نظر آتا ہے۔ یہ قصے پر اسرار بھی ہیں اور پُر انوار بھی ان سے اہلِ محبت اپنے اپنے ذوق کے مطابق اسرار و انوار کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں اور ایمان و ایقان کی دولت گراں مایہ سے بھی سرفراز ہو سکتے ہیں۔ ففی کل شیء لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

پس ہر چیز میں اس وحدہ لاشریک کے انوار کا کوئی نہ کوئی واقعہ نہاں ہے جو اس کی یکتائی پر عیاں طور پر دلالت کر رہا ہے جس سے اس کی ذات کو واقعات سے سمجھایا جا رہا ہے وہ خود قرآن میں قصص کو احسن مقام عطا فرما رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ خالقِ کائنات کے ہاں قصص و حکایات کی بھی قدر و منزلت ہے اور وہ واقعات جن کا منبع و مرکز اسلام ہو جن کا محور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو جن کا دار و مدار اس عظیم جماعت کے نصب العین پر ہو جس نے مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا اور ہر دل میں اسے سمو دینے کی سعی فرمائی یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں منظور ہوں گے۔ اسی پاکیزہ خیال کے پیشِ نظر بابرکت واقعات کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا گیا ہے جن میں انبیائے کرام علیہم السلام، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم، سلاطین اسلام، اہلِ بیت اطہار کے بابرکت واقعات حضرت علامہ مفتی غلام حسن صاحب قادری مدظلہ کے بابرکت قلم سے منصہ شہود پر جلوہ افروز ہو رہے ہیں جو قارئینِ کرام کے قلوب و اذہان کے اطمینان کا باعث ہوں گے اور ان واقعات کی روشنی میں وہ اپنے عشقِ الٰہی اور محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و اہلِ بیت کو مزید مستحکم کریں گے

حضرت موصوف کثیر کتب کے مصنف ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ جل و علیٰ کا ان پر خصوصی

کرم ہے کہ ان کی حیات حسن میں ہر تصنیف اشاعت وطباعت کی جملہ خوبیوں سے مرصع ہو رہی ہے۔

ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم دعا ہے اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کی جملہ تصانیف کو اپنی بارگاہِ اقدس میں قبولیت کا ثمرہ عطا فرمائے اور تمام مسلمان ان سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں۔

فقط

محمد منشا تابش قصوری

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

محمد منشا تابش قصوری

(۱)

میرا دل لذتِ ایمان سے سرشار ہے

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بنو مخزوم کے غلام تھے' یہ اپنے والدین کے ساتھ اسلام کی نعمت سے مشرف ہوئے تھے۔ مشرکینِ مکہ انہیں طرح طرح کی دردناک سزائیں دیا کرتے۔ چلچلاتی دھوپ میں گرم اور پتھریلی زمین پر ان تینوں کو لٹا دیا جاتا اور انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر مارا جاتا۔ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس سلسلے میں لکھا ہے:

كَانَ الْمُشْرِكُونَ وَعَلٰى رَأْسِهِمْ أَبُوْجَهْلٍ يُخْرِجُوْنَهُمْ إِلَى الْأَبْطَحِ إِذَا حَمِيَتِ الرَّمْضَاءُ فَيُعَذِّبُوْنَهُمْ بِحَرِّهَا۔"

"مشرکینِ مکہ جن کے پیش پیش ابوجہل ہوتا' ان تینوں (عمار' ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ) کو چلچلاتی دھوپ میں جب کہ شدتِ تپش سے زمین گرم ہو جاتی بطحاے مکہ میں نکالتے اور وہاں کی گرم زمین پر لٹا کر انہیں سزائیں دیا کرتے تھے۔"

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کے پاس سے ہوتا اور آپ انہیں اسلام کی خاطر یہ سخت ایذائیں برداشت کرتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے:

"صَبْرًا آلَ يَاسِرٍ فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ۔"

آلِ یاسر! صبر سے کام لو یقیناً تمہارے وعدے کی جگہ جنت ہے۔"

(مستدرک للحاکم ۳/۳۸۳)

اس دردناک ایذاء کی تاب نہ لا کر حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد حضرت یاسر

رضی اللہ عنہ دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے اور ابوجہل نے آپ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو نیزہ مار کر شہید کر ڈالا۔ اسلام میں خلعتِ شہادت سے سرفراز ہونے کی سعادت سب سے پہلے اسی خاتون کے نصیب میں آئی پھر اس کے بعد کفارِ مکہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو طرح طرح کے عذاب دینا شروع کیے۔ چنانچہ کبھی تو انہیں گرم پتھریلی زمین پر لٹا کر' کبھی ان کے سینے پر گرم چٹان رکھ کر اور کبھی پانی میں ڈبکیاں دے کر انہیں اذیت سے دوچار کرتے اور کہتے:

"لَا نَتْرُكُكَ حَتّٰى تَسُبَّ مُحَمَّدًا وَّتَذْكُرَ اٰلِهَتَنَا بِخَيْرٍ۔"

"جب تک کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے نامناسب الفاظ نہیں کہے گا اور ہمارے معبودوں کو اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرے گا' ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے۔"

حافظ ابن کثیر نے ابنِ جریر سے نقل کیا ہے کہ مشرکینِ مکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو جب سخت سے سخت سزائیں دینے لگے تو انہوں نے مشرکوں کے مطالبہ پر چند نامناسب باتیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہہ دیں پھر انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا شکوہ کیا کہ مشرکین جب مجھے مارتے ہیں اور سخت ترین عذاب میں مبتلا کرتے ہیں تو اس وقت میں ان کے مطالبہ پر آپ کی شانِ اقدس میں چند گستاخانہ کلمات کہہ دیتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟"

"اس وقت تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟"

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"مُطْمَئِنًّا بِالْاِيْمَانِ۔"

"میرا دل دولتِ ایمان سے سرشار ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَإِنْ عَادُوْا فَعُدْ۔"

"اگر وہ پھر مجبور کریں تو تمہیں اجازت ہے۔"

اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ ۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ ۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

"جو شخص ایمان لانے کے بعد جان بوجھ کر اللہ سے کفر کرے اس پر تو اللہ کا غضب ہے اور وہ عذابِ عظیم کا مستحق ہے مگر جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل حالتِ ایمان پر مطمئن ہو (تو اس پر کوئی گناہ نہیں)" (النحل:۱۰۶)

بلاذری نے محمد بن کعب سے بیان کیا ہے:

"كَانَ عَمَّارٌ يُعَذَّبُ حَتّٰى لَا يَدْرِيْ مَا يَقُوْلُ۔"

"عمار رضی اللہ عنہ کو اتنا سخت عذاب دیا جاتا کہ (وہ حواس کھو بیٹھتے اور) انہیں معلوم نہ ہوتا کہ ان کی زبان سے کیا کچھ نکل رہا ہے۔"

ابن سعد نے محمد بن کعب ہی کے حوالے سے لکھا ہے:

"أَخْبَرَنِيْ مَنْ رَأَى عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ مُتَجَرِّدًا فِيْ سَرَاوِيْلَ۔"

"مجھے اس آدمی نے بتایا ہے جس نے عمار رضی اللہ عنہ کی پشت پر زخم کے آثار دیکھ کر پوچھا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا:

"هٰذَا مَا كَانَتْ قُرَيْشٌ تُعَذِّبُنِيْ فِيْ رَمْضَاءِ مَكَّةَ۔"

"مکہ کی گرم زمین پر لٹا کر قریش مجھے جو سزائیں دیتے تھے یہ اسی کے آثار ہیں۔"

قارئینِ کرام! آپ کے سامنے مکہ کی سرزمین پر ظلم کا پہاڑ توڑنے والے مشرکین

مکہ اور ان کی بیہمانہ کارروائیوں کا شکار ہونے والے ایک ہی خاندانِ مظلوماں کا یہ عکس پیش کیا گیا جب کہ حقیقت اس سے کہیں زیادہ دل دہلا دینے والے واقعات سے عبارت ہے!!

مردانگی و بہادری، خودداری و جوانمردی، حوصلہ مندی و روشن ضمیری اور کرامتِ انسانیت کا سر اس وقت شرم سے جھک جاتا ہے جب کوئی سنتا ہے کہ ''فرعون ھذہ الأمۃ'' کے لقب سے ملقب ظالم و جابر بدبخت ابوجہل عمرو بن ہشام نے ایک مظلوم و مسکین، غریب و نادار اور لاچار لونڈی کو زیرِ ناف نیزہ مار کر صرف اس لیے موت کے گھاٹ اُتار دیا کہ وہ کہتی تھی: ''رَبِّیَ اللّٰہُ''

''میرا رب اللہ ہے۔''

اگر اس اُمت کے فرعون نے یہ حرکت پسِ پردہ بھی کی ہوتی تب بھی وہ قابلِ سرزنش و قابلِ ملامت ہوتا اور انسانیت اسے بخشنے کو تیار نہ ہوتی!! پھر ایسی صورت میں اس کا جرم کس قدر قابلِ نفرت اور گھناؤنا ہو جاتا ہے کہ اس نے یہ سب کچھ قریش کی آنکھوں کے سامنے کیا؟!!

یہ واقعہ سیرت و تاریخ کی کتابوں کے علاوہ حدیث کی متعدد کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ (دیکھیے السیرۃ الشامیۃ (۲/۴۸۱)، مسند امام احمد، مستدرک حاکم وغیرہ)

(۲)

سیدنا عمر فاروق کا توہینِ رسالت پہ ایمان افروز فیصلہ

وَمِمَّا جَاءَ فِیْ لَعِبِ الْغِلْمَانِ مَا حُکِیَ أَنَّ غِلْمَانًا مِنْ أَهْلِ الْبَحْرَیْنِ خَرَجُوْا یَلْعَبُوْنَ بِالصَّوَالِجَةِ وَأَسْقُفُ الْبَحْرَیْنِ قَاعِدٌ، فَوَقَعَتِ الْکُرَةُ عَلٰی صَدْرِهٖ، فَأَخَذَهَا، فَجَعَلُوْا یَطْلُبُوْنَهَا مِنْهُ فَأَبٰی، فَقَالَ غُلَامٌ مِنْهُمْ: سَأَلْتُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ إِلَّا رَدَدْتَهَا عَلَیْنَا، فَأَبٰی لَعَنَهُ اللّٰهُ وَسَبَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَأَقْبَلُوْا عَلَیْهِ بِصَوَالِجِهِمْ، فَمَا زَالُوْا یَخْبِطُوْنَهُ حَتّٰی مَاتَ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِ، فَرُفِعَ ذٰلِكَ إِلٰی عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا فَرِحَ بِفَتْحٍ وَّلَا غَنِیْمَةٍ کَفَرْحَتِهٖ بِقَتْلِ الْغِلْمَانِ لِذٰلِكَ الْأُسْقُفِ، وَقَالَ: اَلْآنَ عَزَّ الْإِسْلَامُ إِنَّ أَطْفَالًا صِغَارًا شُتِمَ نَبِیُّهُمْ فَغَضِبُوْا لَهٗ وَانْتَصَرُوْا وَأَهْدَرَ دَمَ الْأُسْقُفِ.

(المستطرف فی کل فن مستظرف امام شہاب الدین محمد بن احمد ابی الفتح الابشیی باب:۷۵ صفحہ ۶۸۹ مطبع موسسۃ المختار قاہرہ مصر)

ترجمہ: بحرین میں چند بچے ہاکیوں سے کھیل رہے تھے اور بحرین کے عیسائیوں کا (بڑا پادری) بشپ بھی (قریب ہی) بیٹھا ہوا تھا، دورانِ کھیل گیند اس کے سینے پر جا لگی اس نے گیند اٹھا کر (اپنے پاس رکھ لی اور)

منت سماجت کے باوجود (گیند) دینے سے انکار کر دیا۔ بچوں میں سے
ایک نے آگے بڑھ کر گیند واپس کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا:
"سَأَلْتُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ ﷺ اِلَّا رَدَدْتَهَا عَلَيْنَا ۔"
"تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ گیند ہمیں واپس کر دو۔"

اس ملعون نے گیند واپس دینے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کر دی۔ (پادری کی طرف سے توہینِ رسالت ہوتے ہی) غیرتِ اسلامی سے سرشار ننھے منے محمدی شیروں نے اس ملعون پادری کو ہاکیوں ہی سے مار مار کر واصلِ جہنم کر دیا۔

یہ مقدمہ خلیفۂ وقت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش کیا گیا (تو اس وقت آپ کی کیفیت دیدنی تھی) راوی کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے قبل سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بڑی بڑی فتوحات حاصل ہوئیں اور بیش قیمت مالِ غنیمت بھی ملا لیکن آپ ان سب چیزوں سے اتنا خوش نہ ہوئے جتنا ان بچوں کے ہاتھوں گستاخِ رسول عیسائی پادری کے قتل پر خوش تھے اس موقع پر آپ نے تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا "الان عزّ الاسلام" یعنی (گستاخِ رسول کے ناپاک وجود سے زمین کو پاک کرنے کی برکت سے) آج اسلام غالب (معزز) ہو گیا۔

پھر عیسائیوں کو مخاطب ہو کر فرمایا جب ان بچوں کے آقا و مولا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گندی زبان استعمال کی گئی تو کیا پھر بھی وہ غصے میں نہ آتے؟ اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وفاداری کا ثبوت نہ دیتے؟ (اس کے بعد سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے گستاخ پادری کے قتل کو درست قرار دیتے ہوئے بچوں کے حق میں فیصلہ صادر کیا اور فرمایا) سنو! اس (گستاخ) عیسائی پادری کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

(۳)

میرا تو یہی فیصلہ ہوگا

وَأَخْرَجَ الثَّعْلَبِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ (أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ آمَنُوْا......) الآية قَالَ نَزَلَتْ فِيْ رَجُلٍ مِّنَ الْمُنَافِقِيْنَ يُقَالُ لَهٗ بِشْرٌ خَاصَمَ يَهُوْدِيًّا فَدَعَاهُ الْيَهُوْدِيُّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَدَعَاهُ الْمُنَافِقُ إِلٰى كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ، ثُمَّ إِنَّهُمَا احْتَكَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَضٰى لِلْيَهُوْدِيِّ فَلَمْ يَرْضَ الْمُنَافِقُ۔ وَقَالَ: تَعَالَ نَتَحَاكَمُ إِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ لِعُمَرَ: قَضٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَرْضَ بِقَضَائِهٖ۔ فَقَالَ لِلْمُنَافِقِ: أَكَذٰلِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ۔ فَقَالَ عُمَرُ: مَكَانَكُمَا حَتّٰى أَخْرُجَ إِلَيْكُمَا۔ فَدَخَلَ عُمَرُ فَاشْتَمَلَ عَلٰى سَيْفِهٖ، ثُمَّ خَرَجَ فَضَرَبَ عُنُقَ الْمُنَافِقِ حَتّٰى بَرَدَ ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا أَقْضِيْ لِمَنْ لَّمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ: فَنَزَلَتْ)

(الدر المنثور فی التفسیر الماثور، امام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی ف:۹۱۱ھ، جلد۲، صفحہ:۳۲۰، طبع: دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: ثعلبی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ آمَنُوْا ...... الخ والی آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یوں نقل کیا ہے کہ ایک یہودی اور بشر نامی ایک منافق کے مابین کسی معاملہ میں جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے بشر کو کہا

کہ اس تنازع کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں لے جاتے ہیں۔ بشر منافق نے اس یہودی کو کہا کہ (نہیں) کعب بن اشرف کے پاس لے جاتے ہیں۔ (یہودی کے نہ ماننے پر) آخرکار وہ دونوں اس جھگڑے کے فیصلے کے لیے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوگئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاملہ سماعت فرما کر) یہودی کے حق میں فیصلہ کردیا۔ منافق اس فیصلے پر راضی نہ ہوا چنانچہ وہ یہودی کو کہنے لگا کہ اس کا (دوبارہ) فیصلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کرواتے ہیں۔ جب وہ دونوں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس فیصلہ کروانے پہنچے تو یہودی نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حق میں فرما چکے ہیں۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے منافق سے پوچھا: کیا بات اسی طرح ہے جس طرح تیرا مقابل کہتا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں!

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا کہ تم دونوں میرے واپس آنے کا انتظار کرو۔ (یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے اور) تھوڑی ہی دیر میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تلوار ہاتھ میں لیے واپس تشریف لائے اور آتے ہی اس منافق کا سر تن سے جدا کردیا۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ میں یہی کرسکتا ہوں۔

فولاد کہاں رہتا ہے شمشیر کے قابل
پیدا ہو اگر اس کی طبیعت میں حریری

(۴)

کتے نے گستاخِ رسول کا کام تمام کردیا

ذُكِرَ عَنْ جَمَالِ الدِّيْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ الطِّيْبِيِّ أَنَّ بَعْضَ أُمَرَاءِ الْمُغْلِ تَنَصَّرَ فَحَضَرَ عِنْدَهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ كِبَارِ النَّصَارٰى وَالْمُغْلِ فَجَعَلَ وَاحِدٌ مِّنْهُمْ يَنْتَقِصُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُنَاكَ كَلْبُ صَيْدٍ مَّرْبُوْطٌ فَلَمَّا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَثَبَ عَلَيْهِ الْكَلْبُ فَخَمَشَهُ فَخَلَّصُوْهُ مِنْهُ وَقَالَ بَعْضُ مَنْ حَضَرَ هٰذَا بِكَلَامِكَ فِيْ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ كَلَّا بَلْ هٰذَا الْكَلْبُ عَزِيْزُ النَّفْسِ رَاٰنِيْ اُشِيْرُ بِيَدِيْ فَظَنَّ اَنِّيْ أُرِيْدُ اَنْ اَضْرِبَهُ ثُمَّ عَادَ اِلٰى مَا كَانَ فِيْهِ فَأَطَالَ فَوَثَبَ الْكَلْبُ مَرَّةً أُخْرٰى فَقَبَضَ عَلٰى زَرْدَمَتِهِ فَقَلَعَهَا فَمَاتَ مِنْ حِيْنِهِ فَأَسْلَمَ بِسَبَبِ ذٰلِكَ نَحْوُ أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا مِّنَ الْمُغْلِ ۔

(الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ، امام حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی، جلد ۲، حصہ ۳، صفحہ ۷۶، مطبع دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان)

ترجمہ: حضرت جمال الدین ابراہیم بن محمد الطیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض تا تاری سپہ سالاروں نے عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کیا جس کے لیے ایک محفل منعقد کی گئی اور بڑے بڑے نصرانی (عیسائی) اور تا تاری بلائے گئے اس دوران ان میں سے ایک پادری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بات کر دی۔ ایک شکاری کتا بھی وہاں قریب ہی بندھا ہوا

تھا جونہی بدبخت پادری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بات کو لمبا کرنے کی کوشش کی تو قریب ہی بندھے ہوئے شکاری کتے نے رسی توڑ کر اس گستاخ پادری کے منہ پر پنجا (تھپڑ) مارا۔ لوگوں نے کتے کو پادری سے چھڑوا کر دوبارہ باندھ دیا۔ حاضرین میں سے کسی نے (اس گستاخ پادری کو) کو کہا کہ کہیں اس کتے نے تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بات کرنے کی وجہ سے تو نہیں مارا؟

پادری نے جواباً کہا' نہیں! ایسی کوئی بات نہیں بلکہ یہ کتا بڑا غیور ہے' میں نے دورانِ تقریر ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا تو (وہ سمجھا کہ میں نے اسے مارنے کا اشارہ کیا ہے لہٰذا) اس نے طیش میں آ کر یہ کام کیا اس بدبخت پادری نے اس واقعہ کو اتفاق قرار دے کر دوبارہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اُگلنا شروع کر دیا۔ شکاری کتے نے دوبارہ رسی توڑ کر اتنا زوردار حملہ کیا کہ اس گستاخ پادری کا سر تن سے جدا کر دیا۔ امام جمال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی عزت و ناموس کے تحفظ کی خاطر ایک کتے کی غیرت کو دیکھتے ہوئے عیسائیت قبول کرنے کی خاطر اکٹھے ہوئے) مجمع میں سے چالیس ہزار تاتاری امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ کر غلامی رسول میں داخل ہو گئے۔

چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان و رفعنالک ذکرک دیکھے

(۵)

مجھے شرم آتی ہے کہ اللہ کے گھر میں آ کر غیر سے مانگوں

ہشام عبدالملک بن مروان کے بیٹوں میں سے چوتھا بیٹا تھا جو یزید بن عبدالملک کے بعد منصب خلافت پر فائز ہوا اس کے عہد میں ترکوں نے بار بار بغاوتیں کیں۔ ہشام نے نصر بن سیار کو خراسان کا گورنر مقرر کیا تو اس نے نومسلموں سے جزیہ لینا موقوف کیا جس کے نتیجے میں ترکوں میں اسلام بڑی سرعت سے پھیلنے لگا۔ ہشام کے جرنیل سعید جریشی نے خزر اور آذربائیجان کے ترکوں کو بار بار شکستیں دیں۔ رومیوں کے خلاف بھی کئی فتوحات حاصل ہوئیں۔ ہشام کے عہد میں زید بن علی زین العابدین نے کوفہ میں خروج کیا مگر جب موقع آیا تو اہلِ کوفہ ساتھ چھوڑ گئے۔ چنانچہ زید بن علی نے انہیں ''رافضی'' کا خطاب دیا۔ آخری معرکے میں زید پیشانی میں تیر لگنے سے انتقال کر گئے۔ ہشام نے ساڑھے انیس برس خلافت کرنے کے بعد ۱۲۵ھ ۷۴۲ء میں وفات پائی۔

(تاریخ اسلام از اکبر شاہ خان نجیب آبادی ج ۲ صفحہ ۷۸۸-۸۰۲)

چنانچہ اپنے وقت کا بادشاہ سلیمان بن عبدالملک کا بھائی ہشام بن عبدالملک بن مروان بیت اللہ شریف کے حج کو آیا۔ طواف کے دوران میں اس کی نگاہ زاہد و متقی اور عالم ربانی سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر پڑی جو اپنا جوتا ہاتھ میں اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے ان کے اوپر ایک کپڑا اور ایک عمامہ تھا جس کی قیمت تیرہ درہم سے زیادہ نہیں تھی۔ ہشام نے کہا:

"سَلْنِیْ حَاجَةً"

"کوئی حاجت ہو تو فرمایئے۔"

سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "اِنِّیْ لَاَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰہِ اَنْ اَسْأَلَ فِیْ بَیْتِہٖ غَیْرَہٗ۔"

"مجھے اللہ سے شرم آرہی ہے کہ میں اس کے گھر میں ہوتے ہوئے کسی اور کے سامنے دستِ سوال دراز کروں۔"

یہ سننا تھا کہ خلیفہ کے چہرے کا رنگ سرخ ہونے لگا اس نے سالم بن عبداللہ کے جواب میں اپنی سبکی محسوس کی جب سالم بن عبداللہ حرم شریف سے باہر نکلے تو وہ بھی ان کے پیچھے ہی حرم سے نکل پڑا اور راستے میں ان کے سامنے آکر کہنے لگا:

"اَلْاٰنَ قَدْ خَرَجْتَ مِنْ بَیْتِ اللّٰہِ، فَسَلْنِیْ حَاجَةً"

"اب تو آپ بیت اللہ شریف سے باہر نکل چکے ہیں، کوئی حاجت ہو تو فرمائیں (بندہ حاضر ہے)" سالم بن عبداللہ گویا ہوئے:

"مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا، اَمْ مِنْ حَوَائِجِ الْاٰخِرَةِ؟"

"آپ کی مراد دنیاوی حاجت سے ہے یا اُخروی حاجت ہے؟"

ہشام: اخروی حاجت کو پورا کرنا تو میرے بس میں نہیں البتہ دنیاوی ضرورت پوری کرسکتا ہوں فرمائیں۔ سالم بن عبداللہ کہنے لگے:

"مَا سَأَلْتُ الدُّنْیَا مَنْ یَّمْلِکُھَا، فَکَیْفَ اَسْأَلُھَا مَنْ لَّا یَمْلِکُھَا؟"

"میں نے دنیا تو اس سے بھی نہیں مانگی ہے جس کی یہ ملکیت ہے پھر بھلا میں اس شخص سے دنیا کیوں کر طلب کرسکتا ہوں جس کا وہ خود مالک نہیں؟"

یہ کہہ کر اپنے گھر کی طرف چل دیئے اور ہشام بن عبدالملک اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ (البدایة والنہایة: ۹/۲۳۵)

(۶)

رشتے ایسے بھی ہوسکتے ہیں

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم لوگ طواف کررہے تھے' میں نے طواف کے دوران حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بیٹی سے شادی کا پیغام دیا تو وہ خاموش رہے اور میرے پیغام کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا کہ اگر یہ راضی ہوتے تو کوئی نہ کوئی جواب ضرور دیتے اب اللہ کی قسم! میں ان سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔ اللہ کی شان وہ مجھ سے پہلے واپس پہنچ گئے۔ میں بعد میں مدینہ آیا' چنانچہ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہوا اور جا کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرنے کی کوشش کی پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے خوش آمدید کہا اور فرمایا: کب آئے ہو؟ میں نے کہا ابھی پہنچا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہم لوگ طواف کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہونے کا دھیان جما رہے تھے اس وقت تم نے مجھ سے (میری بیٹی) سودہ بنت عبداللہ کا ذکر کیا تھا حالانکہ تم مجھ سے اس بارے میں کسی اور جگہ بھی مل سکتے تھے۔ میں نے کہا ایسا ہونا مقدر تھا اس لیے ایسا ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا اب تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ میں نے کہا اب تو پہلے سے بھی زیادہ تقاضہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں حضرت سالم اور حضرت عبداللہ کو بلا کر میری شادی کر دی۔ (حیاۃ الصحابہ: ۳/۳۵۴)

(۷)

ایک تاریخی شادی

ایک باپ جب اپنی بیٹی کو کسی کے حوالے کرتا ہے تو یہ اس کے لیے نازک ترین وقت ہوتا ہے اس کا اندازہ شاید وہی لوگ کر سکتے ہیں جو خود اس تجربے سے گزرے ہوں۔ بڑے بڑے لوگوں کے قدم اس مقام پر آ کر پھسل جاتے ہیں۔

ان حالات میں بظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کے نکاح کے لیے امیر کبیر شہزادے کے بجائے ایک غریب طالب علم کو پسند کرے۔ موجودہ زمانے میں تو اس کو سوچا بھی نہیں جا سکتا مگر تاریخ کا ایک دور ایسا گزرا ہے جب یہ ناممکن چیز نہ تھی بلکہ وقوع پر آئی تھی۔

حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ ایک جلیل القدر تابعی ہیں' وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال مدینہ کے ایک صحابی کے گھر پیدا ہوئے اور ۷۵ سال کی عمر میں ۹۴ھ کو انتقال فرمایا۔

سعید بن مسیب کو بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا' مشہور حافظ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے خسر تھے اس وجہ سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کا موقع ملا چنانچہ سعید بن مسیب کی مرویات کا بڑا حصہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی احادیث پر مشتمل ہے۔ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور عالم تھے۔ میمون بن مہران رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ میں جب مدینہ

گیا اور وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کا پوچھا تو لوگوں نے مجھے سعید بن مسیب کے گھر پہنچا دیا۔ ابن حبان کے الفاظ ہیں وہ تمام اہلِ مدینہ کے سردار تھے۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ جیسے بزرگ کو جب کوئی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تو وہ ان کے پاس لکھ بھیجتے تھے۔

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے بارے میں فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔ نماز باجماعت کا اتنا اہتمام تھا کہ چالیس سال تک ایک وقت کی نماز بھی باجماعت ناغہ نہیں ہوئی۔ مدینہ کے تاریخ میں حرہ کا واقعہ نہایت مشہور ہے۔ یہ واقعہ یزید اور عبداللہ بن زبیر کے اختلاف کے زمانے میں پیش آیا۔ اہلِ مدینہ نے جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حمایت میں عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کو سردار بنا کر یزید کی بیعت توڑ دی اس وقت یزید کی فوجیں تین دن تک مدینۃ الرسول میں قتل عام کرتی رہیں اور اس کو لوٹتی رہیں اس پر آشوب زمانہ میں کوئی شخص گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ مسجدوں میں بالکل سناٹا رہتا تھا ایسے نازک وقت میں بھی سعید بن مسیب مسجد ہی میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔ لوگ انہیں دیکھ کر کہتے ذرا اس بوڑھے مجنوں کو دیکھو کہ اس حالت میں بھی مسجد نہیں چھوڑتا۔

اموی حکومت کے بانی مروان بن حکم نے اپنے بعد علی الترتیب عبدالملک اور اس کے بھائی عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا تھا۔ مروان کے بعد عبدالملک کی نیت میں فتور آیا تو اس نے عبدالعزیز کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنا کر ان کی بیعت کے لیے صوبے داروں کے نام فرمان جاری کر دیے۔ ہشام بن اسماعیل جو مدینہ کا والی تھا' اس نے اہلِ مدینہ سے بیعت کے لیے سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کو بلایا' انہوں نے جواب دیا میں عبدالملک کی زندگی میں دوسری بیعت نہیں کر سکتا۔

یہ ایک بہت سنگین معاملہ تھا کیونکہ سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کی مخالفت کے معنی یہ تھے کہ مدینہ سے ایک بھی ہاتھ بیعت کے لیے نہ بڑھے۔ چنانچہ ہشام نے سعید بن

مسیب کو کوڑے سے پٹوایا اور ان کو سخت سزائیں دیں۔ اس کے بعد ابوبکر بن عبدالرحمٰن کو ان سے گفتگو کے لیے بھیجا گیا۔ واپسی کے بعد ہشام نے پوچھا' کیا سعید مار کے بعد کچھ نرم پڑے؟ ابوبکر نے جواب دیا' تمہارے اس سلوک کے بعد خدا کی قسم! وہ پہلے سے زیادہ سخت ہو گئے ہیں' اپنا ہاتھ روک لو۔

عبدالملک نے تدبیر سوچی اور جو شخص کوڑوں کی مار سے راضی نہیں ہوا تھا اس کو دنیا کے لالچ سے رام کرنے کا منصوبہ بنایا۔ سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کی ایک لڑکی جو خوب صورتی اور سیرت دونوں میں بہت ممتاز تھی اور اس کے ساتھ اعلیٰ تعلیم (یافتہ) بھی تھی اس نے سوچا کہ ولی عہد سے اس کا نکاح کر کے اس کو اپنی بہو بنا لے اس طرح باپ خود نرم پڑ جائے گا اس نے امیر مدینہ ہشام بن اسماعیل المخزومی (جو سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کے عزیز بھی تھے) کے ذمہ سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کو راضی کرنے کا کام سپرد کیا۔

ہشام کو اپنی ناکامی کی پوری امید تھی لیکن خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے تھے اس کے بعد کہا:

"جیسا کہ آپ کو علم ہے عبدالملک بن مروان نے اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کے لیے عوام سے بیعت لینے کا ارادہ کیا ہے' بیعت لینے سے قبل امیر المومنین یہ بھی چاہتے ہیں کہ ولید کو آپ اپنی دامادی کا شرف بخشیں۔"

یہ سنتے ہی سعید بن مسیب کے چہرے کا رنگ غصہ سے متغیر ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ "مجھے ان دونوں میں سے کچھ بھی منظور نہیں۔"

اس انکار کے نتیجے میں سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کو دوبارہ مختلف قسم کی سختیاں جھیلنی پڑیں اور طرح طرح سے ان پر دباؤ ڈالے گئے مگر وہ اپنے انکار پر برابر قائم رہے اور دوسری طرف یہ سوچتے رہے کہ کوئی مناسب رشتہ سامنے آئے تو لڑکی کا عقد کر دیا جائے اس کے بعد قریش کے ایک گم نام اور غریب آدمی ابو وداعہ کے ساتھ اس کی شادی

کردی۔
مشہور مؤرخ ابن خلکان نے خود ابو وداعہ کی زبانی یہ واقعہ نہایت تفصیل سے نقل کیا ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''میں سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں پابندی سے بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کچھ مدت تک حاضر نہ ہو سکا اس کے بعد جب گیا تو انہوں نے پوچھا' اتنے دنوں سے تم کہاں تھے؟ میں نے جواب دیا کہ میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔ انہوں نے کہا پھر ہمیں کیوں نہ تم نے باخبر کیا؟ ہم بھی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتے اس کے بعد جب میں اُٹھنے لگا تو انہوں نے کہا' تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کیا؟ میں نے کہا' خدا آپ پر رحم فرمائے' کون میرے ساتھ شادی کرے گا؟ جب کہ میں دو، چار درہم سے زیادہ کی حیثیت کا آدمی نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں کروں تو تم کرنے کے لیے تیار ہو؟ میں نے کہا' بہت خوب اس سے بہتر کیا ہے اس کے بعد انہوں نے اللہ کی حمد بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور اسی وقت دو یا تین درہم پر میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔ (حنیفہ کے نزدیک دس درہم سے کم پر نکاح جائز نہیں) ابو وداعہ کہتے ہیں کہ میں اس کے بعد وہاں سے اُٹھا اور میری خوشی کا یہ عالم تھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں؟ میں نے مغرب کی نماز پڑھی اور اس دن میں روزہ سے تھا' نماز کے بعد چاہا کہ میں کھانا کھاؤں' جو کی روٹی تھی اور زیتون کا تیل اتنے میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ میں نے پوچھا' کون ہے؟ آواز آئی سعید: میں نے سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ کر اس نام کے ہر شخص کو تصور کیا کیونکہ سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کو چالیس سال سے اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں دیکھے نہیں گئے۔ اُٹھ کر دروازہ کھولا تو وہاں سعید

بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کھڑے تھے ان کو دیکھ کر معاً خیال ہوا کہ شاید ان کا خیال بدل گیا ہے اور وہ فسخ نکاح کرانے آئے ہیں۔ میں نے کہا' اے ابو محمد (ابن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کی کنیت) آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ مجھے بلا بھیجا ہوتا۔ انہوں نے کہا' نہیں اس وقت مجھ ہی کو تمہارے پاس آنے کی ضرورت تھی۔ میں نے کہا' پھر کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا مجھے خیال آیا کہ تم اپنے گھر میں تنہا ہو گے حالانکہ اب تو تمہاری شادی ہو چکی ہے' مجھے گوارا نہیں ہوا کہ تم تنہا رات بسر کرو اور یہ ہے تمہاری بیوی۔ انہوں نے صاحب زادی کو دروازہ کے اندر کر کے باہر سے خود ہی دروازہ بند کر دیا اور واپس چلے گئے۔

میری بیوی شرم کے مارے گر پڑی پھر میں نے اندر سے دروازہ بند کیا اور اس کے بعد چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی' وہ لوگ جمع ہوئے اور پوچھا کیا قصہ ہے؟ میں نے کہا سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ نے آج اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا اور آج ہی اچانک وہ گھر بھی پہنچا گئے اور یہاں وہ گھر میں موجود ہے۔ لوگوں نے آکر اسے دیکھا اور میری ماں کو خبر ہوئی تو وہ بھی آگئیں اور انہوں نے کہا اس کو چھونا تمہارے لیے حرام ہے جب تک میں حسب دستور تین دن تک اسے بنا سنوار نہ لوں چنانچہ میں تین دن تک رکا رہا۔ اس کے بعد اس کے پاس گیا میں نے پایا کہ وہ ایک حسین و جمیل خاتون ہے۔ کتاب اللہ کی حافظہ اور سنتِ رسول اللہ عزوجل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمہ ہے اور حقوق شوہر کو خوب پہچاننے والی ہے۔ ابو وداعہ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ایک ماہ تک میں گھر ہی پر رہ گیا اس دوران میں سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کا نہ کوئی حال معلوم ہوا اور نہ ان سے ملاقات ہوئی پھر ایک مہینے کے بعد میں ان کی صحبت میں حاضر ہوا اس وقت

وہاں مجلس قائم تھی۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد کوئی بات چیت نہ کی یہاں تک کہ جو لوگ مسجد میں تھے سب چلے گئے اس کے بعد جب میرے سوا کوئی وہاں نہ رہ گیا تو انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھی کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا بہتر حال ہے۔ انہوں نے کہا:

"ان رابك شئی فالعصا ۔"

"یعنی وہ کوئی ناپسندیدہ حرکت کرے تو اسے مارو۔"

پھر میں اپنے گھر لوٹ آیا۔ یہ سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کی لڑکی تھی جس کے لیے خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اپنے لڑکے ولید کا پیغام دیا تھا جب اس نے اس کو ولی عہد بنایا تھا تو سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ نے شہزادہ ولید سے رشتہ کرنے سے انکار کیا جس کی وجہ سے عبدالملک سعید بن مسیب رحمتہ اللہ علیہ کے پیچھے پڑ گیا' یہاں تک کہ سخت سردی کے دن انہیں کوڑے سے پیٹا گیا اور ان پر ٹھنڈا پانی ڈالا گیا۔

(ابن خلکان: ۱/ ۲۰۷' ماہنامہ رضوان لکھنؤ' اکتوبر ۱۹۶۶ء: ۸)

(۸)

میرا خچر میری سواری کے لیے کافی ہے

بادشاہ ولید بن عبدالملک کی وفات کے بعد جمادی الاخریٰ ۹۶ھ میں سلیمان کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ جہادِ قسطنطنیہ کے لیے فوج روانہ کرنے کے بعد سلیمان نے وابق متصل قنسرین میں جہاد کے نتیجے کا انتظار کرتے ہوئے صفر ۹۹ھ میں وفات پائی اس سے پہلے وہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا جانشین نامزد کر گیا تھا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خاں ج:۱ ص:۷۵۶ تا ۷۶۳)

امام ابن سیرین کہتے ہیں:

"اللہ سلیمان پر رحم کرے انہوں نے اپنی خلافت کا آغاز احیائے نماز سے کیا اور اختتام عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ نامزد کرنے پر ہوا۔"

(سیر اعلام النبلاء ج:۵ ص:۱۱۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ عبدالملک بن مروان کے بھتیجے اور داماد تھے ان کی والدہ اُم عاصم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔ ان کے والد عبدالعزیز اکیس سال مصر کے گورنر رہے۔ ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ ۹۹ھ میں سلیمان بن عبدالملک کی وفات پر اس کی وصیت کے مطابق عمر رحمۃ اللہ علیہ نے منصب حکومت سنبھالا۔ انہوں نے لوگوں کے غصب شدہ اموال اصل حق داروں کو لوٹا دیئے۔ بیت المال کے مصارف کی اصلاح کی اور فدک کا علاقہ اسی طرح

بیت المال کے نام کر دیا جس طرح وہ خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔
آپ کی وفات ۱۰۱ ہجری میں سل کے مرض سے ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے غلام کو بعض لوگوں نے ہزار دینار دے کر اس کے ہاتھوں آپ کو زہر دلوا دیا۔ آپ جب زہر کے اثر سے بیمار ہوئے تو غلام کو بلا کر پوچھا اس نے زہر پلانے کا اعتراف کیا اور ہزار دینار کی وصولی کے بارے میں بتلایا۔ آپ نے وہ رقم اس سے لے کر بیت المال میں جمع کروا دی اور اس سے کہا:
''لوگوں کو خبر ہونے سے پہلے پہلے بھاگ جاؤ ورنہ وہ تجھے قتل کر دیں گے۔''

(البدایہ والنہایہ ترجمہ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز: ۱۲/۶۹۴ تا ۷۰۲)

سلیمان بن عبد الملک کا جب کفن دفن ہو گیا تو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کا رُخ کیا۔ آپ کے ہمراہ لوگ بھی ہو لیے۔ مسجد پہنچ کر منبر کی زینت بنے اور لوگوں کا مجمع ہو گیا پھر یہ تقریر فرمائی:
''لوگو! حکومت کے عہدے میں میری آزمائش ہوئی ہے جبکہ نہ تو میری یہ چاہت ہے نہ کوئی طلب اور نہ ہی مسلمانوں کی طرف سے کوئی مشورہ ہے۔ تمہاری گردنوں پر جو میری بیعت کا بوجھ ہے میں اسے اُتارتا ہوں' تم لوگ اپنے لیے کوئی مناسب حاکم منتخب کر لو۔'' یہ سن کر لوگوں کا ہجوم یک زبان ہو کر چیخ اُٹھا:
''ہم نے آپ کو چُن لیا ہے اے امیر المومنین! اور ہم آپ کی حکمرانی پر راضی ہیں۔''
جب آوازیں کم ہوئیں تو عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور تقریر کی:
''میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں کیونکہ اللہ کے

تقویٰ سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور اپنی آخرت سنوارنے کے لیے اعمال صالح کرو کیونکہ جو آخرت کا متلاشی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دنیاوی امور کے لیے کفایت کر جاتا ہے۔ اپنے اندرونی معاملات کو درست کرلو اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری معاملات کی اصلاح فرما دے گا۔ تم میں سے جو کوئی اپنے آباؤ اجداد میں سے کسی پر فخر کرے گا وہ زندگی ہی میں موت کے شکنجے میں گرفتار ہوگا۔ یہ اُمت اپنے پروردگار کے معاملے میں کبھی اختلاف کا شکار رہی نہ اپنے نبی کے بارے میں اور نہ ہی اپنی کتاب (قرآن کریم) کے بارے میں بلکہ اس اُمت کا اختلاف درہم و دینار میں ہوا۔

اللہ کی قسم! میں کسی کو ناجائز طریقے سے نہیں دوں گا اور نہ ہی کسی کا حق ماروں گا اور میں کوئی خازن نہیں ہوں بلکہ میں وہیں صرف کروں گا جہاں کرنے کا مجھے حق حاصل ہے۔

لوگو! مجھ سے پہلے ایسا خلفاء بھی گزرے ہیں جن کے ظلم وطغیانی سے بچنے کے لیے تم ان کی خدمت میں ناپائیدار محبت و اُلفت کا گلدستہ بطورِ نذرانہ پیش کرتے تھے (لیکن میری بات سُن لو اور) آگاہ ہو جاؤ! اللہ کی معصیت و نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے جو کوئی اللہ کی اطاعت و بندگی بجا لاتا ہے اس کی اطاعت تو لازم ہے لیکن اللہ کی نافرمانی کرنے والے کی اطاعت تو کجا اس کی حیثیت پر کاہ سے بھی زیادہ نہیں اس لیے اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ میں تمہارے معاملے میں جب تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجا لاؤں تم میری اطاعت کرنا لیکن جب میں اللہ کی اطاعت چھوڑ دوں تو تم پر میری کسی بھی اطاعت کا حق نہیں۔ میں نے جو کچھ مناسب سمجھا' کہا اور عظیم و برتر اللہ سے اپنے اور تمہارے لیے مغفرت و بخشش کی دعا کرتا ہوں''۔ خطبے سے فارغ ہوئے تو آپ نے زمین کے دھمکنے کی آواز سنی۔

چنانچہ انہوں نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" لوگوں نے جواب دیا:
اے امیرالمؤمنین! یہ حکومتی سواریاں ہیں جو آپ کی خدمت کے لئے لائی گئی ہیں
فرمایا: "مجھے ان سواریوں کی کیا ضرورت ہے۔ میرا خچر لاؤ وہ میری سواری کے لیے وہی کافی ہے۔"

تخت سکندری پر وہ تھوکتے نہیں ہیں
بستر لگا ہوا ہے جن کا تری گلی میں

(۹)

انسانی چہرے والا جانور خلفائے راشدین کی شان بیان کرتا ہے

حضرت سیدنا امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:
''میں نے مکہ مکرمہ میں ایک نصرانی کو طواف کرتے ہوئے دیکھا جو اسقف کے نام سے مشہور تھا' میں نے پوچھا: ''کس چیز نے تمہیں اپنے آباؤ اجداد کے دین سے منحرف کیا؟'' اس نے کہا: ''میں نے اس سے بہتر چیز اختیار کی۔'' تو اس نے اپنا واقعہ بیان کیا: ''میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار تھا' تھوڑی دُور پہنچنے کے بعد کشتی ٹوٹ گئی۔ میں اس کے ایک تختے پر لٹک گیا' سمندر کی موجیں مجھے دھکیلتی رہیں یہاں تک کہ کسی جزیرے میں ڈال دیا اس میں کثیر درخت تھے جن کے پھل شہد سے زیادہ میٹھے اور مکھن سے زیادہ نرم تھے۔ ایک صاف و شفاف نہر تھی۔ میں نے اس پر اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا اور کہا اب میں یہ پھل کھاؤں گا اور نہر سے پانی پیوں گا جب تک کہ کوئی راستہ نہیں ملتا جب رات ہوئی تو میں جانوروں کے خوف سے درخت پر چڑھ کر کسی ٹہنی پر سو گیا' رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد میں نے سطحِ آب پر ایک جانور کو بزبانِ فصیح تسبیح کرتے ہوئے دیکھا جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

''اللہ عزیز و جبار کے سوا کوئی معبود نہیں' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول اور چنے ہوئے نبی ہیں۔ ابوبکر ان کے غار کے رفیق ہیں' عمر فاروق شہروں کو فتح کرنے والے' عثمان گھر میں شہید اور علی کفار پر اللہ عزوجل کی تلوار ہیں' ان سے بغض رکھنے والوں پر عزیز و جبار کی لعنت ہو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔''

وہ جانور یہی کلمات بار بار دہراتا رہا' طلوعِ فجر کے بعد اس نے پھر چند کلمات کہے جن کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

''اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں جس کا وعدہ و وعید سچے ہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول ہیں' ہدایت دینے والے اور رہنمائی فرمانے والے۔ ابوبکر کو صحیح رائے کی توفیق دی گئی' عمر بن خطاب کفار پر آہنی جنگلے کی طرح (سخت) ہیں' عثمان فضیلت والے شہید ہیں اور علی بن ابی طالب زبردست قوت والے ہیں۔ ان سے بغض رکھنے والوں پر رب مجید کی لعنت ہو۔''

جب وہ جانور خشکی پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اس کا سر شترمرغ جیسا چہرہ انسان جیسا ٹانگیں اونٹ کی ٹانگوں کی طرح اور دُم مچھلی کی دُم جیسی ہے' میں ہلاکت کے خوف سے بھاگنے ہی والا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ کر کہا: ''رُک جاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔'' میرے رُکنے کے بعد اس نے مجھ سے میرے دین کے متعلق دریافت کیا تو میں نے جواب دیا: ''نصرانیت'' اس نے کہا: ''اے نقصان اُٹھانے والے! بربادی ہے تیرے لیے' دینِ اسلام اختیار کر لے کہ تو مومنین جنات کی قوم میں پہنچ چکا ہے' ان سے سوائے مسلمان کے کوئی نجات نہیں پا سکتا۔'' میں نے پوچھا: ''اسلام کیسے لاؤں؟'' اس نے بتایا: ''اس بات کی گواہی دے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔''

چنانچہ میں کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا پھر اس نے کہا: ''تیرا اسلام کامل تب ہوگا جب تو خلفاء اربعہ سے راضی رہے۔'' میں نے کہا: ''تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟'' اس نے جواب دیا: ''ہماری ایک قوم نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں حاضر ہوئی' انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو جنت لائی جائے گی' وہ عرض کرے گی: ''یا اللہ عزوجل! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے کونوں کو مضبوط کرے گا۔'' اللہ عزوجل فرمائے گا: ''میں نے تیرے کونوں کو خلفاء اربعہ سے مضبوط کر دیا ہے اور تجھے حسن وحسین سے زینت بخشی ہے۔''

پھر اس جانور نے مجھ سے پوچھا: ''تم یہاں ٹھہرنا چاہتے ہو یا اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹنا چاہتے ہو؟'' میں نے کہا: ''اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا: ''تو پھر یہاں کھڑے رہو' ایک کشتی کا یہاں سے گزر ہوگا۔'' میں وہاں کھڑا رہا۔ وہ جانور سمندر میں اُتر کر میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا پھر ایک کشتی گزری جس میں چند افراد سوار تھے۔ میرے اشارہ کرنے پر انہوں نے مجھے بھی سوار کر لیا اس میں بارہ نصرانی تھے جب میں نے ان کو اپنا واقعہ بتایا تو سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے پھر مجھے یقین ہو گیا کہ ان لوگوں کا اللہ عزوجل کے یہاں ضرور کوئی راز ہے کہ ان کی برکت سے مجھے اسلام کی دولت ملی اور بلند مقام نصیب ہوا۔''

(الروض الفائق فی المواعظ والرقائق للشیخ شعیب حریفش المتوفی ۸۱۰ھ اردو ترجمہ ص ۶۰۵ تا ص ۶۰۷ مدنی علماء شعبہ تراجم کتب مکتبۃ المدینہ)

(۱۰)

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

علامہ ابن جوزی بغداد میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنے مواعظ کی بدولت (جن میں ان کی فصاحت و بلاغت اور ان کے علم نے چار چاند لگا دیئے تھے) بڑی شہرت پائی۔ ۵۷۰ھ میں ابن جوزی نے بغداد کے درب دینار میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور وہاں درس دینے کا سلسلہ شروع کیا اسی سال انہوں نے اپنے مواعظ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی پوری کر دی۔ عالم اسلام کے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مجالس وعظ میں پورے قرآن مجید کی تفسیر کی ہو۔ تصنیف و تالیف سے ابن جوزی کو غیر معمولی شغف تھا۔ انہوں نے تین سو سے زائد کتابیں تصنیف کیں جن میں سے بعض کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے جو کتابیں آج موجود و معلوم ہیں ان کی تعداد سو کے قریب ہے۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱)

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"ذکر اذکار کی مجلسوں میں میرے ہاتھ پر ایک لاکھ سے بھی زائد افراد نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور دو سو سے زائد لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ نیز میرے وعظ و نصیحت سے کتنی پتھر نما آنکھوں نے آنسوؤں کے سمندر بہائے جن کا کبھی رونا محال تھا۔

جس آدمی کو یہ انعام و اکرام حاصل ہو جائے پھر وہ اگر خیر کی امید رکھے تو

اس کا یہ حق بجا ہے لیکن بسا اوقات میری آنکھوں کے سامنے خوف کے اسباب رونما ہو جاتے ہیں جو میری کوتاہیوں اور لغزشوں کی نشاندہی کرنے میں تھوڑا سا بھی بخل سے کام نہیں لیتے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے اردگرد بہت سارے افراد اکٹھے تھے' ان میں سے ہر آدمی کا دل نرم وگداز ہو گیا تھا یا کم از کم ان کی آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہہ رہے تھے۔ میں نے یہ منظر دیکھ کر دل ہی دل میں کہا: تمہارا کیا ہو گا جب یہ سارے لوگ نجات پا جائیں گے اور تم خود ہلاکت کے بھنور میں پھنس جاؤ گے؟

یہ سوچتے ہی عالم تصور میں چیخ اُٹھا: یا الٰہی! اگر کل کو تو نے میری قسمت میں عذاب لکھ دیا ہے تو میرے عذاب کے متعلق ان لوگوں کو (جو میری مجلس میں بیٹھے ہیں) مت بتلانا' اپنی شان کی حفاظت کے لیے نہ کہ میرے لیے تاکہ یہ لوگ یہ نہ کہیں: رشد وہدایت کی راہ بتلانے والا جہنم رسید ہوا!!

الٰہی! تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ عبداللہ بن ابی منافق کو قتل کر دیں؟ تو آپ نے فرمایا:

"لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ۔"

"نہیں' کہیں لوگ یہ نہ کہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہے۔"

(صحیح البخاری' التفسیر' باب قولہ (سواء علیھم استغفرت لھم' حدیث: ۴۹۰۵ وصحیح مسلم' البر والصلۃ' باب نصر الاخ ظالما او مظلوما' حدیث: ۲۵۸۴)

الٰہی! اپنے فضل وکرم سے میرے بارے میں ان کا اچھا گمان برقرار رکھنا اور انہیں میرے عذاب کے متعلق نہ بتلانا۔

لَا تَبْرَ عُودًا أَنْتَ رَيَّشْتَهُ حَاشَا لِبَانِي الْجُودِ أَنْ يَنْقُضَا

''(الٰہی!) اپنی تراشیدہ لکڑی کو توڑ مت دینا' کہیں ایسا نہ ہو کہ میری سخاوت کی رسی ٹوٹ کر بکھر جائے۔''

لَا تُعْطِشِ الزَّرْعَ الَّذِیْ نَبَّتَہٗ بِصَوْبِ اِنْعَامِكَ قَدْرَوَّضَا

''جس کھیتی کو تو نے سینچا اور جو تیری نظرِ کرم کے سامنے سرسبز و شاداب ہوئی' اسے خشک نہ کر دینا۔'' (صید الخاطر' ص:۲۱۷)

یاد رکھو مسلمانو! حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''حضور نبی پاک' صاحبِ لولاک' سیاحِ افلاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے:

''اللہ عزوجل تین اشخاص کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ (۱) امانت دار تاجر (۲) عادل حکمران (۳) دن میں سورج کی رعایت کرنے والا۔'' (یعنی وقت میں نماز پڑھنے والا)

(کنز العمال' کتاب المواعظ......الخ' الحدیث۴۳۲۵۲' ج۱۵' ص۳۴۶)

(۱۱)

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں سے

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ جب حدیث بیان کرنے کا ارادہ کرتے تو وضو کر کے مسجد کے فرش کے اگلے حصہ پر بیٹھتے پھر داڑھی میں کنگھی کرتے اور پورے وقار کے ساتھ جلوہ افروز ہو کر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے۔

ان سے جب اس سلسلے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

"میں احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا بے حد خواہاں رہتا ہوں اور بغیر طہارت کے حدیث بیان نہیں کرنا چاہتا۔"

امام مالک رحمتہ اللہ علیہ راستے میں یا کھڑے ہو کر یا جلد بازی میں حدیث بیان کرنا ناپسند کرتے تھے اور فرماتے:

"میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اچھی طرح سمجھ کر بیان کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بوڑھے اور عمر رسیدہ ہونے کے باوجود مدینۃ الرسول میں سوار ہو کر نہیں چلتے تھے اور فرماتے تھے: "لَا أَرْكَبُ فِيْ مَدِيْنَةٍ فِيْهَا جُثَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَدْفُوْنَةٌ"۔

"میں اس شہر میں سواری پر نہیں چڑھ سکتا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر مدفون ہے۔"

(وفیات الاعیان لابن خلکان: ۴/ ۱۳۵، تذکرۃ السامع والمتکلم، ص: ۳۱)

مولانا روم علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے ۔

از خدا خواہیم توفیق ادب

بے ادب محروم ماند از فضل رب

ہم اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب فضلِ رب سے محروم ہے۔ بزرگانِ دین نے تو یہاں تک فرمایا ''الایمان کلہ ادب'' ایمان نام ہی ادب کا ہے۔ عارف کھڑی اور رومی کشمیر نے کیا خوب کہا ہے

بے ادباں مقصود نہ حاصل نہ درگاہِ ڈھوئی

تے منزل مقصود نہ پہنچیا باجھ ادب دے کوئی
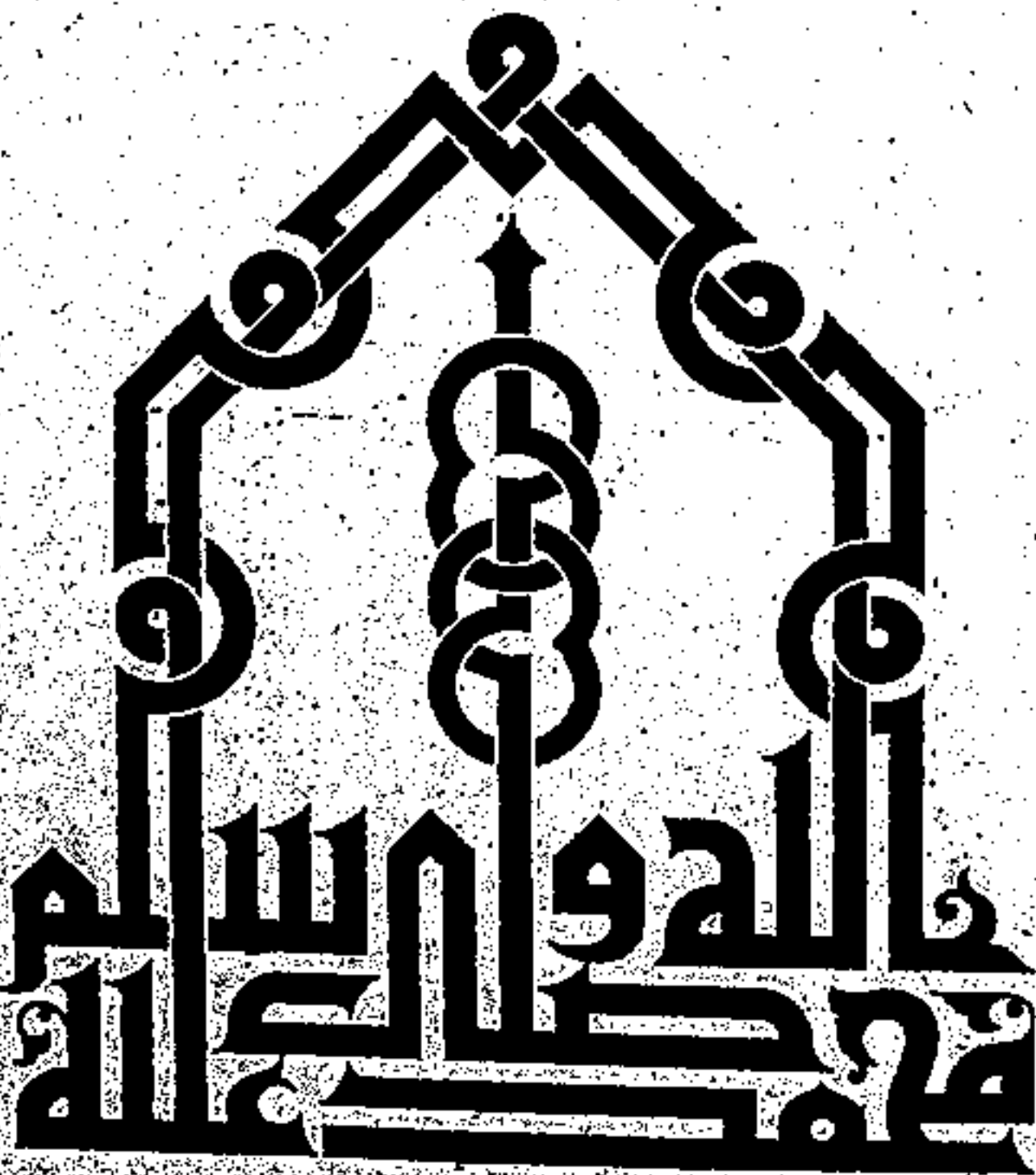
(۱۲)

اور پاؤں کی ٹھوکر سے چٹان سے چشمہ بہ نکلا

حضرت سیدنا مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:
''ایک سفر کے دوران مجھے سخت پیاس لگی تو میں پانی کی تلاش میں اپنے راستے سے ہٹ کر ایک وادی کی جانب چل پڑا۔ اچانک میں نے ایک خوف ناک آواز سنی، میں نے سوچا شاید! یہ کوئی درندہ ہے جو میری طرف آرہا ہے۔ چنانچہ میں بھاگنے والا ہی تھا کہ پہاڑوں سے کسی پکارنے والے نے مجھے پکار کر کہا: ''اے انسان! ایسا کوئی معاملہ نہیں جس طرح تم سمجھ رہے ہو، یہ تو اللہ عزوجل کا ایک ولی ہے جس نے شدتِ حسرت سے ایک لمبی سانس لی تو اس کی آواز بلند ہو گئی'' جب میں اپنے راستے کی جانب واپس مڑا تو ایک نوجوان کو عبادت میں مشغول پایا۔ میں نے اسے سلام کیا اور اپنی پیاس کا بتایا تو اس نے کہا: ''اے مالک! اتنی بڑی سلطنت میں تجھے پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملا۔'' پھر وہ چٹان کی طرف گیا اور پاؤں کی ٹھوکر مار کر کہا: ''اس ذات کی قدرت سے ہمیں پانی سے سیراب کر جو بوسیدہ ہڈیوں کو بھی زندہ فرمانے پر قادر ہے۔'' اچانک چٹان سے پانی ایسے بہنے لگا جیسے چشمہ سے بہتا ہے۔ میں نے جی بھر کر پینے کے بعد عرض کی: ''مجھے ایسی چیز کی نصیحت فرمایئے جس سے مجھے نفع

ہوتا رہے تو اس نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اندر مشغول ہو جائیے' وہ آپ کو مشکلات میں پانی سے سیراب کردے گا۔'' اتنا کہہ کر وہ اپنے راستے پر چل پڑا۔

(الروض الفائق مترجم:۳۱۹)

(۱۳)

علمِ نبوت کی وسعتیں

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن مغیرہ بن بردزبہ رحمۃ اللہ علیہ نامور محدث تھے۔ آپ کی پیدائش شوال ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور تھے۔ بچپن میں امام بخاری کی آنکھیں جاتی رہی تھیں لیکن ماں کی دعا اور گریہ وزاری کی بدولت بصارت پھر لوٹ آئی۔ حافظہ بلا کا پایا تھا اور ذہانت میں ضرب المثل تھے۔ آپ نے ایک ہزار سے زائد اساتذہ وشیوخ سے احادیث لکھیں۔ انہیں ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث ازبر تھیں۔ صحیح البخاری آپ کی معروف ومشہور تالیف ہے۔ سولہ برس کی مسلسل محنت کے بعد صحیح بخاری پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ انہوں نے شوال ۲۵۶ھ میں خرتنگ کے مقام پر وفات پائی۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج:۴)

آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہودیوں کے بڑے عالم عبداللہ بن سلام کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کی خبر پہنچی تو اس وقت وہ اپنے باغ میں پھل چن رہے تھے وہ سیدھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

"اِنِّیْ سَائِلُكَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ اِلَّا نَبِیٌّ: فَمَا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ؟ وَمَا اَوَّلُ طَعَامِ اَهْلِ الْجَنَّةِ؟ وَمَا يَنْزِعُ الْوَلَدُ اِلٰی اَبِيْهِ اَوْ اِلٰی اُمِّهٖ؟"

''میں آپ سے تین سوالات کروں گا جن کا جواب کوئی نبی ہی دے سکتا ہے:

(۱) قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟

(۲) جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟

(۳) بچہ اپنے باپ یا اپنی ماں کے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟''

نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابھی ابھی ان سوالوں کا جواب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے بتایا ہے۔'' عبداللہ بن سلام نے پوچھا:

''جبریل؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں! جبریل'' عبداللہ بن سلام نے کہا:

"ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُوْدِ مِنَ الْمَلَآئِكَةِ"

''وہ تو فرشتوں میں سے یہودیوں کا دشمن ہے۔''

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ

''اگر کوئی جبریل کا دشمن ہے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریل ہی نے اللہ کے حکم سے یہ قرآن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلب پر اُتارا ہے۔''

(البقرۃ:۲/۹۶)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوْتِ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدُ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ۔''

''قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو مشرق سے گھیر کر مغرب کی طرف اکٹھا کرے گی اور جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کا جگر ہے (جو بڑا لذیذ ہوتا ہے) اور جب مرد کی منی عورت کی منی پر غالب آجائے تو بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے لیکن جب عورت کی منی مرد کی منی پر غالب آجائے تو بچہ اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔''

یہ سن کر عبداللہ بن سلام نے کلمہ شہادت پڑھا:

''أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ''

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

پھر انہوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہود بہتان تراش لوگ ہیں اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ مجھ پر بہتان تراشی کریں گے اس لیے آپ ذرا پہلے ہی میرے بارے میں ان سے پوچھ لیں۔''

یہودی جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا: ''أَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ فِيكُمْ؟''

''تم میں عبداللہ کیسا آدمی ہے؟''

یہودیوں نے جواب دیا: ''خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا، وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا۔''

''وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے اچھے کے صاحب زادے ہیں، ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔''

پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ؟''

''تمہاری کیا رائے ہے اگر عبداللہ بن سلام دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں؟ (تو کیا تم بھی اسلام قبول کر لو گے؟)''

یہودی کہنے لگے: ''أَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ۔''

''اللہ انہیں اس سے محفوظ رکھے۔''

اتنے میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو اندر چھپے ہوئے تھے) نکلے اور کلمہ شہادت پڑھا:

''أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ''۔

یہودیوں نے جب دیکھا کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں تو فوراً ہی اپنے مؤقف سے پلٹ گئے اور کہنے لگے:

''شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا۔'' ''ہم میں سب سے بُرا اور سب سے بُرے کا بیٹا''

اور ایسے ہی اَناپ شناپ بکنے لگے۔

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''فَهٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ أَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ''

''اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اسی بات سے ڈر رہا تھا۔''

(صحیح البخاری، التفسیر، باب من کان عدوا لجبریل، حدیث: ۴۴۸۰)

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ

''اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان یہودیوں سے یہ) کہہ دیں: کبھی تم نے سوچا بھی کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کر دیا (تو تمہارا انجام کیا ہوگا؟) اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس جیسی (کتاب اُترنے) کی گواہی دے چکا پھر وہ ایمان لے آیا اور تم نے تکبر

کیا۔'' (الاحقاف:۴۶/۱۰)

اس حدیث کو امام بخاری نے چونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لہٰذا ان کا تھوڑا تعارف ذہن نشین رہے کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابیِ رسول ہیں۔ انہوں نے دس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ نبی' کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ازراہِ مزاح انہیں یاذاالاذنین (اے دو کانوں والے) کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کی والدہ معروف صحابیہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ خلافتِ صدیقی و فاروقی میں بحرین کے عامل رہے۔ انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی چنانچہ جب بھی وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کرتے' زاروقطار رو پڑتے تھے۔ انہوں نے نوے سال کی عمر میں بصرہ میں وفات پائی۔ ان کی وفات پر مُورِّق عجلی نے کہا: آج دنیا سے آدھا علم رخصت ہو گیا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف اس طرح ہے: عبداللہ بن سلام بن حارث رضی اللہ عنہ یوسف بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا نام حصین تھا جب آپ مشرف بہ اسلام ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ نام رکھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تو عبداللہ بن سلام آپ کو دیکھنے کے لیے نکلے۔ آپ کے سراپا پر نظر پڑتے ہی بے اختیار پکار اُٹھے: اللہ کی قسم! یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے انہوں نے نبی' کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا: سلام کو عام کرو' لوگوں کو کھانا کھلاؤ' رشتے داری کو ملاؤ' رات کو جب لوگ آغوشِ نیند میں ہوں تو نماز پڑھو' عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ۴۳ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ' ج:۳)

(۱۴)

ایک سیاہ فام غلام کا قصّہ

حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

''ایک سال میں حج کے ارادے سے نکلا جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو دیکھا کہ لوگ شہر سے باہر نمازِ استسقاء کے لیے جا رہے ہیں۔ میں بھی تین دن ان کے ساتھ جاتا رہا مگر بارش نہ ہوئی۔ میں انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر حجرِ اسود کے پاس چلا آیا۔ اچانک میں نے سبز لبادے میں ملبوس ایک زرد چہرے والا سیاہ فام شخص دیکھا اس پر دو چادریں تھیں۔ ایک تہبند کے طور پر اور دوسری جسم پر لپیٹی ہوئی تھی۔ وہ اس قدر رویا کہ آنسوؤں سے اس کے کپڑے بھیگ گئے پھر آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہنے لگا: ''گناہوں اور عیبوں کی کثرت کی وجہ سے چہرے رسوا ہو گئے ہیں۔ اے میرے مالک عزوجل! نافرمانیوں کی کثرت کی وجہ سے تیرے بندوں سے بارش روک دی گئی ہے' تیری مخلوق قحط سے ہلاک ہو رہی ہے اور بھوک میں مبتلا ہے اور تو سب کچھ جاننے والا ہے' بچے مضطرب و پریشان ہیں' مویشی ہلاک ہو رہے ہیں' میں تجھے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و وجاہت کے وسیلے سے قسم دیتا ہوں کہ اسی لمحہ بادل سے سیراب فرما دے۔ میں تیری بارگاہ میں تیرا ہی وسیلہ پیش کرتا ہوں اور تجھ پر ہی میرا اعتماد و بھروسہ ہے لہٰذا اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے والوں کے

گناہ معاف فرما دے اور ان کے جرموں کا مواخذہ نہ فرما۔ اے میرے مالک ومولیٰ عزوجل! اسی وقت بارش نازل فرمادے۔''

حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابھی اس کی دعا مکمل نہ ہوئی تھی کہ بادل چھا گئے اور ہر طرف موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ میں بیٹھ کر روتا رہا یہاں تک کہ جب وہ شخص حجرِ اسود سے دُور جانے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے ہولیا اور اس کے ٹھکانے کو پہچان لیا۔ میں اس کی قیام گاہ کا دروازہ دیکھ کر اپنے گھر لوٹ آیا لیکن ساری رات مجھے نیند نہ آئی۔ جب صبح ہوئی تو منہ اندھیرے ہی میں نے نمازِ فجر ادا کر لی اور اس مقام پر پہنچ گیا' اندر داخل ہوا تو ایک خوب صورت نوجوان سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اسے سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا اور مجھ سے پوچھا: ''اے ابوعبدالرحمٰن! کیا کسی کام سے آئے ہو؟'' میں نے کہا: ''ہاں! میں ایک غلام خریدنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا: ''میرے پاس دس غلام ہیں' ان میں سے جو آپ کو پسند آئے لے جائیں۔'' پھر اس نے ایک موٹے سے غلام کو بُلا کر اس کے اوصاف بیان کیے۔ میں نے کہا: ''مجھے اس کی ضرورت نہیں۔'' پھر اس نے ایک ایک کر کے دس غلام میرے سامنے پیش کر دیئے لیکن میں نے یہی کہا کہ ''مجھے ان میں سے کسی کی ضرورت نہیں۔'' اب وہ بولا: ''میرے پاس ایک زرد رنگ کے لاغر بدن' سیاہ فام غلام کے سوا کوئی بھی باقی نہیں بچا لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ اگر لوگ ہنستے ہیں تو وہ رونے لگتا ہے اور اگر لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھنے لگتا ہے' ساری رات نہیں سوتا' ہاں! بعض اوقات حسرت ویاس سے کسی کو پکارتا رہتا ہے' اپنی کمزوری کی زیادتی کی وجہ سے کسی کی خدمت کے قابل نہیں اس کے باوجود میرا دل اس کو پسند کرتا ہے اور اسے دیکھ کر میں برکت حاصل کرتا

ہوں۔''

پھر اس نے میمون کو آواز دی جب وہ غلام باہر آیا تو میں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ وہی شخص ہے۔ میں نے کہا: ''میں یہی غلام خریدنا چاہتا ہوں۔'' وہ نوجوان بولا: ''میں تو اس کو بیچنے کی کوئی وجہ نہیں پاتا۔'' میں نے پوچھا: ''تم اسے کیوں نہیں بیچنا چاہتے؟'' وہ نوجوان بولا: ''میں اس سے مانوس ہو گیا ہوں اور اس کو دیکھ کر برکت حاصل کرتا ہوں' اس کے ساتھ ساتھ مجھے اس پر کچھ خرچ بھی نہیں کرنا پڑتا۔ اللہ عزوجل کی قسم! یہ میرے پاس چراغ کی رسی کو بٹ کر اور کھجور کے پتوں سے کچھ بنا کر اس کے عوض ہی کچھ کھاتا ہے اور اس کے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتا۔ سارا دن نصف دانق (یعنی درہم کے چھٹے حصے) کے بدلے کام کرتا ہے اگر کوئی چیز بک جائے تو کھانا کھا لیتا ہے ورنہ بھوکا ہی رات بسر کرتا ہے۔ میرے دوسرے غلاموں نے مجھے بتایا ہے کہ یہ ساری رات عبادت کرتا ہے۔''
یہ سُن کر میں نے کہا: ''اللہ عزوجل کی قسم! اگر تم نے یہ غلام مجھے نہ بیچا تو میں حضرت سیدنا سفیان ثوری اور حضرت سیدنا فضیل بن عیاض رحمہما اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے آؤں گا۔'' تو وہ بولا: ''اگر ایسا ہے تو میں آپ کی ضرورت پوری کرتا ہوں۔''

چنانچہ وہ غلام میں نے اس سے خرید لیا پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر راستے پر چلنے لگا راستے میں وہ میری جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا: ''اے میرے آقا!'' میں نے کہا: ''لبیک!'' تو وہ بولا: ''آپ لبیک نہ کہیں کہ غلام اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ لبیک کہے۔'' پھر کہنے لگا: ''میں اللہ عزوجل کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ تو بتائیں کہ آپ نے مجھ جیسے کمزور و ناتواں غلام کو کیوں خریدا حالانکہ میرے مالک نے مجھ سے زیادہ عمدہ

غلام آپ کے سامنے پیش کیے تھے اور میں تو کسی کی خدمت کرنے سے بھی قاصر ہوں۔'' میں نے اسے کہا: ''اللہ عزوجل کی قسم! میں تیرا خادم بن کر رہوں گا اور تجھ سے اپنا کوئی کام نہیں لوں گا۔'' تو وہ بولا: ''اللہ عزوجل کے نام پر آپ مجھے بتائیں کہ آپ نے مجھے کس وجہ سے خریدا؟'' تو میں نے اس کو گزشتہ واقعہ بتا دیا اس پر وہ کہنے لگا: ''یقیناً آپ اللہ عزوجل کے نیک بندے ہیں کیونکہ اللہ عزوجل کی مخلوق میں ستودہ صفات کے مالک اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم موجود ہیں اور وہ ان کا مقام و مرتبہ اپنے بندوں میں سے انہیں پر ظاہر فرماتا ہے جنہیں وہ پسند فرمالے۔''

حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''پیدل چلتے چلتے ہمارا گزر ایک مسجد کے پاس سے ہوا تو اس غلام نے مجھ سے کہا: ''اے میرے آقا! اگر آپ کی اجازت ہو تو اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرلوں؟'' میں نے کہا: ''ابھی تو ہم حضرت سیدنا فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے گھر جا رہے ہیں وہاں جا کر جتنی چاہے رکعتیں پڑھ لینا۔'' وہ بولا: ''مجھے کیا معلوم کہ میں ان کے گھر پہنچنے تک زندہ بھی رہوں گا یا نہیں؟ جبکہ شہنشاہِ خوش خصال، پیکرِ حسن و جمال، دافعِ رنج و ملال، رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمانِ عالی شان ہے: ''جس کے لیے بھلائی کا دروازہ کھولا جائے تو اسے چاہیے کہ بھلائی کا کام مکمل کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کب دروازہ بند ہو جائے۔''

(الزھد لابن المبارک، باب ما جاء فی فضل العبادۃ، الحدیث ۱۱۷، ص ۳۸ "فلیعتم" بدلہ "فلینتھزہ")

حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں

داخل ہو گئے اور دونوں نے نماز ادا کی لیکن اس کی نماز طویل ہو گئی' میں اس کا انتظار کرنے لگا جب اس نے سلام پھیرا تو کہنے لگا: ''اے میرے آقا! میری موت کا وقت قریب آچکا' اے میرے آقا! میرے اور پروردگار عزوجل کے درمیان بڑا عمدہ معاملہ ہے جس کو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اور اب آپ دوسروں کو بھی بتائیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ میرا راز کسی پر ظاہر ہو۔'' پھر وہ سجدہ میں گر کر مسلسل رونے اور کلمۂ شہادت پڑھنے لگا یہاں تک کہ اس کے جسم کی حرکت رُک گئی۔ میں نے اسے حرکت دی تو واصل بحق پایا (یعنی اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی)

حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''میں اس کو وہیں چھوڑ کر حضرت سیدنا فضیل اور حضرتِ سیدنا سفیان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما کو بلا لایا' ہم نے مل کر اس کی تجہیز و تکفین کی اس کے بعد میں گھر آیا تو میرے دل میں اِک آگ سی لگی ہوئی تھی جب رات ہوئی تو میں اپنے اوراد و وظائف سے فارغ ہو کر سو لیا۔ خواب میں اچانک وہی غلام میمون ریشم کے دو شملوں میں ملبوس میرے پاس آیا' وہ مسکرا رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی۔ مجھے سلام کر کے کہنے لگا: ''اے میرے آقا! جب میں تمام آقاؤں کے آقا عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو میں نے کھل کر اپنا حال بیان کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ آپ نے بغیر کسی نفع و خدمت کے مجھے خریدا تو میرے پروردگار عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اے میمون! میں پوشیدہ و مخفی باتوں کو جانتا ہوں اور دلوں میں چھپی باتوں سے بھی باخبر ہوں' عبداللہ بن مبارک نے محض میری رضا کی خاطر تجھے خریدا تھا لہٰذا میں نے تیرے سبب اور میری بارگاہ میں تیرے مقام و مرتبے کی

وجہ سے اسے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔" (پھر غلام نے کہا) اے میرے آقا! آپ نے میری جو قیمت ادا کی تھی' یہ لیں۔" حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "میں رونے لگا اور جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ وہ درہم میرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ عزوجل کی قسم! جب بھی مجھے میمون کی یاد آتی ہے تو اس کی جدائی پر رونے لگتا ہوں۔"

(الروض الفائق مترجم ص ۳۱۶ تا ص ۳۱۹)

(۱۵)

ڈھونڈا تھا آسمان نے انہیں خاک چھان کر

حضرت عثمان غنی اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا پہلے مختصر تعارف ملاحظہ ہو پھر ان کی آپس میں گفتگو پڑھیے اور اپنے ایمان کو جلا بخشیے۔

خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بن اُمیہ سے تھے' عبد مناف پر ان کا سلسلۂ نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ یہ ہجرت سے ۴۷ سال پہلے پیدا ہوئے۔ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحب زادیاں رقیہ اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں بئر رومہ خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کیا۔ وہ ۲۴ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر خلیفہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے عہد صدیقی میں قرآن کے مدون شدہ نسخے کی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھجوائیں اور دیگر نسخے تلف کرا دیے۔ یوں ساری اُمت کا ایک قرآن پر اتفاق ہو گیا۔ ان کے عہد میں طرابلس' قبرص' طبرستان' طخارستان (شمالی افغانستان)' کرمان' زابلستان (غزنہ)' خراسان اور سیستان فتح ہوئے۔ ۲۷ھ میں عبداللہ بن نافع نے سپین پر حملہ کیا۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قیصر روم کے بیڑے کو شکست دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سبائی فتنے کے نتیجے میں ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ کو شہید کر دیا گیا۔

(تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی ص ۲۱۷ تا ۲۵۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں اسلام قبول کرنے والا چھٹا آدمی ہوں۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مکہ میں قرآن مجید کی جہری تلاوت کی۔ آپ نے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں بھی آپ شامل تھے۔ آپ نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کی۔ معرکہ بدر میں ابوجہل کا سر آپ ہی نے کاٹا تھا' اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی تھی۔ انہوں نے ۳۲ھ میں مدینے میں انتقال کیا۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے زائد تھی۔ (اسد الغابۃ' ج:۵)

بہر حال! حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے جو مرض الموت میں مبتلا تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کس بات کا شکوہ ہے؟'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اپنے گناہوں کا۔'' عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ''کیا خواہش ہے؟'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ''پروردگار کی رحمت کی'' عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ''کس چیز کا خوف ہے؟'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ''عذابِ الٰہی کا'' عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ''آپ کے لیے طبیب بلا کر لاتے ہیں'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ''أَمْرَضَنِي الطَّبِيبُ۔''

''طبیب (اللہ) ہی نے تو مجھے بیمار کیا ہے۔''

پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت فرمائی:

''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔''

''اس سرزمین پر جو کچھ بھی ہے' فنا ہو جانے والا ہے۔'' (الرحمٰن:۲۶)

''قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا۔''

''کہہ دیجیے کہ ہمیں کوئی مصیبت پیش نہیں آسکتی مگر جو اللہ نے ہماری قسمت میں لکھ دی ہے۔'' (التوبہ:۵۱)

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ''ہم آپ کو کچھ عطیہ نہ دیں؟''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: جب ضرورت تھی آپ نے روک رکھا اور اس وقت دیں گے جب کہ میں بے نیاز ہوں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: ''یہ عطیہ آپ کے بعد آپ کی لڑکیوں کے کام آئے گا؟''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ''اس عطیے کی میری بیٹیوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے انہیں ان کے پروردگار کے حوالے کر دیا ہے' وہی ان کی نگہداشت کرنے والا ہے۔'' (انیس المومنین' اعداد و تقدیم: صفوان سعد اللہ المختار) اے رافضیو بدبختو!

یہ لوگ تم نے ایک ہی ٹھوکر میں کھو دیئے؟
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

(۱۶)

ایک دینی پیشوا کی ایک گناہ کی وجہ سے گھر بیٹھے رسوائی

ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی اور ایک راہب کی خانقاہ تلے رات گزارا کرتی تھی اس کے چار بھائی تھے۔ ایک دن شیطان نے راہب کو گدگدایا' وہ اس سے زنا کر بیٹھا' اسے حمل رہ گیا۔ شیطان نے راہب کے دل میں (یہ بات) ڈالی کہ اب بڑی رسوائی ہوگی اس سے بہتر ہے کہ اسے مار ڈال اور کہیں دفن کر دے۔ تیرے تقدس کو دیکھتے ہوئے تیری طرف تو کسی کا خیال بھی نہ جائے گا اور اگر بالفرض پھر بھی کچھ پوچھ گچھ ہو تو جھوٹ موٹ کہہ دینا' بھلا کون ہے جو تیری بات کو غلط جانے اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ ایک روز رات کے وقت موقع پا کر اس عورت کو مار ڈالا اور کسی اُجڑی زمین میں دبا آیا۔

اب شیطان اس کے چاروں بھائیوں کے پاس پہنچا اور ہر ایک کے خواب میں اسے سارا واقعہ سنایا اور اس کے دفن کی جگہ بھی بتا دی۔ صبح جب یہ جاگے تو ایک نے کہا کہ میں نے تو آج کی رات ایک عجیب خواب دیکھا ہے' ہمت نہیں پڑتی کہ آپ سے بیان کروں' دوسرے نے کہا' نہیں کہو تو سہی چنانچہ اس نے اپنا پورا خواب بیان کیا کہ اس طرح فلاں عابد نے اس (کی بہن) سے بدکاری کی پھر جب حمل ٹھہر گیا تو اسے قتل کر دیا اور فلاں جگہ لاش دبا آیا۔ ان تینوں میں سے ہر ایک نے کہا مجھے بھی یہی خواب آیا ہے اب تو انہیں یقین ہو گیا کہ سچا خواب ہے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر حکومت کو اطلاع دی

اور بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو خانقاہ سے ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچ کر زمین کھود کر اس کی لاش برآمد کی۔ کامل ثبوت کے بعد اسے شاہی دربار میں لے چلے اس وقت شیطان اس کے سامنے ظاہر ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب میرے لیے کیے کوتک (کرتوت) ہیں اب بھی اگر تو مجھے راضی کر لے تو جان بچا دوں گا اس نے کہا جو تو کہے! کہا مجھے سجدہ کر لے اس نے یہ بھی کر دیا۔ پس پورا بے ایمان بنا کر شیطان کہتا ہے میں تجھ سے بَری ہوں میں تو اللہ تعالیٰ سے (جو تمام جہانوں کا رب ہے) ڈرتا ہوں چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور پادری صاحب کو قتل کیا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲۴/۵)

(۱۷)

یہ لوگ کیا تھے جو حبیبِ کبریا سے ملے؟

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحب زادی فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو آپ کی زوجیت میں دے کر آپ کو داماد کے رشتہ سے بھی مشرف کیا۔ آپ کے بھائیوں میں طالب، عقیل اور جعفر رضی اللہ عنہ تھے جو آپ سے بڑے تھے۔ چاروں بھائیوں کی عمروں میں دس دس سال کا فاصلہ تھا۔ آپ کی دو بہنیں تھیں جن کے نام اُم ہانی (فاختہ) اور جمانہ تھے۔ یہ تمام اولادیں فاطمہ بنت اسد کے بطن سے تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ چہارم ہیں، آپ نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی مسلمان ہوئے۔

ایک اعرابی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے کچھ مانگا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! رات کی خوراک سے بچی ہوئی بھی کوئی چیز میرے گھر میں نہیں ہے۔ (چہ جائیکہ کوئی دوسری چیز ہو جو میں تجھے دوں)"

اعرابی یہ کہتا ہوا واپس ہوا:

"اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ضرور قیامت کے دن تجھ سے میرے اس سوال کے

متعلق پوچھے گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ اعرابی کی بات پر زاروقطار رونے لگے اور اسے واپس بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنے غلام سے فرمایا:

"اے قنبر! میری زرہ لاؤ۔"

قنبر زرہ لایا اور آپ نے زرہ اعرابی کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

"دیکھنا کوئی اس کی قیمت میں تجھے دھوکہ نہ دے۔ میں نے کئی دفعہ اس زرہ کے ذریعے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے حملوں کو روکا ہے۔"

قنبر نے عرض کیا: "امیر المومنین! اس اعرابی کو بیس درہم کفایت کر جائیں گے؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے قنبر! اللہ کی قسم! مجھے اس بات سے خوشی نہیں ہوتی کہ میرے پاس دنیا کی زینت یعنی سونے چاندی کا انبار ہو اور میں اسے صدقہ و خیرات میں لٹا دوں پھر اللہ تعالیٰ میرے اس صدقہ و خیرات کو قبول بھی کر لے لیکن مجھ سے یہ برداشت نہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس اعرابی کے متعلق پوچھ لے!!" (نوادر من التاریخ: ۱/۸۲) تالیف: صالح محمد الزمام)

مجھے تو ان کے مقدر پہ رشک آتا ہے
یہ لوگ کیا تھے جو حبیب کبریا سے ملے

☆ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جس شخص کو چار خصلتیں نصیب ہو گئیں اس نے دنیا و آخرت کی بھلائیاں پالیں اور پوری طرح کامیابی اس کو میسر ہو گئی۔

۱) "وَرَعٌ يَعْصِمُهُ عَنْ مَحَارِمِ اللهِ"۔

''تقویٰ جو اسے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچائے۔''

۲) ''حُسْنُ خُلُقٍ یَعِیْشُ بِهِ النَّاسَ۔''

''حسنِ اخلاق جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کے ساتھ بودوباش اختیار کرے۔''

۳) ''حِلْمٌ یَدْفَعُ بِهٖ جَهْلَ الْجَاهِلِ۔''

''حلم و بردباری جس کے ذریعے سے وہ نادان کی جہالت وحماقت دُور کرے۔''

۴) ''زَوْجَةٌ صَالِحَةٌ تُعِیْنُهٗ عَلٰی اُمُوْرِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ''

''نیکوکار بیوی جو دنیوی واخروی امور میں اس کی مدد کرے۔''

(نوادر من التاریخ:۱/۹۰)

(۱۸)

عجیب اندازِ نصیحت

ایک سوداگر کی بیوی اس زمانے میں حسن و جمال میں یکتا تھی اور سوداگر اس سے بہت محبت کرتا تھا۔ عین جوانی میں جب کہ وہ مرنے لگا تو اس نے اپنی بیوی کو بلا کر کہا:

''تم جوان ہو' میرے بعد اگر تم کو شادی کی ضرورت پڑ جائے تو پڑوس میں ایک مولانا صاحب ہیں ان سے مسئلہ دریافت کر لینا وہ جیسا فرما دیں ویسا ہی عمل کرنا۔''

سوداگر کا انتقال ہو گیا' دو سال تک وہ عورت صبر کے ساتھ رہی بعد میں اپنی شادی کے متعلق مسئلہ پوچھنے کے لیے پڑوس کے مولانا صاحب کے پاس گئیں تو اس وقت مولانا استنجاء کرنے کے لیے بیت الخلاء جا رہے تھے اور پرانے لوٹے میں پانی لیا ہوا تھا جس سے پانی گر رہا تھا۔ مولانا صاحب نے ہاتھ کی انگلی سے لوٹے کے سوراخ کو بند کر رکھا تھا' وہ عورت یہ ماجرا دیکھ کر چلی آئی' چند دن کے بعد پھر مسئلہ دریافت کرنے کے لیے گئی تو دیکھا کہ وہ لوٹا لیے ہوئے استنجاء کے لیے جا رہے ہیں جب استنجاء سے فارغ ہو کر آئے تو عورت نے ان سے پوچھا:

''حضرت کیا وجہ ہے؟ آپ اس سوراخ والے لوٹے کو بدلتے نہیں؟! اگر حکم فرمائیں تو میں آپ کے لیے نیا لوٹا خریدوں؟''

مولانا صاحب نے جواب میں فرمایا:

"بات یہ ہے کہ یہ لوٹا بچپن سے میرا ساتھی ہے اور میرے مقام مستور سے واقف ہے اس لیے اس کو بدلنا نہیں چاہتا کہ دوسرا لوٹا اسے نہ جان سکے۔"

مولانا صاحب کے جواب سے عورت کے دل کو تسلی مل گئی اور وہ واپس آئی او شادی کے خیال کو ترک کر دیا۔" (نایاب تحفہ:۹۲)

(۱۹)

طبیب کی مہارت

یحییٰ بن اسحاق ایک ماہر طبیب تھا جو خود سے دوائیں بنایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ اپنی دُکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے سامنے سے ایک جنازے کا گزر ہوا۔ جنازے پر جب اس کی نظر پڑی تو اس کی زبان سے با آوازِ بلند یہ جملہ نکلا:

''اے میت کے گھر والو! تمہارا یہ آدمی بقید حیات ہے' تمہارے لیے اسے دفن کرنا جائز نہیں۔''

جنازے کے ساتھ چلنے والے لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا:

''اس طبیب کی بات کوئی نقصان دہ تو ہے نہیں! چلو ہم اس کو اپنا مردہ دِکھلاتے ہیں اور اس طرح اس کا امتحان بھی لے لیں گے اگر مردہ زندہ ہے تو طبیب کی بات صحیح ہے اور اگر مردہ ہوگا تو پھر ایسا کرنے سے ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔'' چنانچہ لوگوں نے طبیب کو بلایا اور اس سے پوچھا:

''تم نے جو بات کہی ہے اس کی وضاحت کرو۔''

طبیب نے ان سے مردہ گھر واپس لے چلنے کو کہا۔ گھر پہنچ کر میت کا کفن نکال کر اسے غسل خانے میں داخل کیا اور اس پر گرم پانی ڈالنے لگا اور نیم گرم پانی میں کچھ سفوف اور دیگر دوائیں ملا کر وہ مردے کو نہلانے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کے جسم میں تھوڑی سی حرکت ہوئی۔ طبیب خوشی سے چیخ اُٹھا:

''مردے کی زندگی کی بشارت قبول کرو۔''

پھر طبیب تسلسل سے مردے کا علاج معالجہ کرنے لگا تا آنکہ اس کو زندگی مل گئی اور وہ صحیح ہو گیا۔

یہ واقعہ طبیب کی مہارت وقابلیت کا مظہر تھا جس نے لوگوں میں جنگل کی آگ کی طرح شہرت پائی۔ بعد میں جب طبیب سے پوچھا گیا کہ آخر کس بنیاد پر تم نے جنازہ دیکھ کر سمجھ لیا کہ وہ مردہ نہیں بلکہ زندہ انسان ہے؟ تو اس نے بتایا:

''میں نے دیکھا کہ اس کے پاؤں کھڑے ہیں حالانکہ مردے کے پاؤں سیدھے ہوتے ہیں اس لیے میں نے اندازہ کر لیا کہ یہ مردہ نہیں ہے اور میرا یہ خیال درست نکلا۔'' (نوادر من التاریخ:۱/۱۴۴)

(۲۰)

ناقص العقل کی قابلِ داد عقل و بلاغت

ابوالاسود زیاد بن ربیعہ والی عراق کی اولاد کو پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن ابوالاسود کی اہلیہ نے زیاد کے یہاں اپنے لڑکے کی تولیت کا دعویٰ کر دیا۔ ابوالاسود کی اہلیہ نے امیر کے سامنے بیان دیا کہ یہ میرا لڑکا مجھ سے زبردستی لینا چاہتے ہیں حالانکہ میرا شکم اس کا ظرف، میری چھاتی اس کی سقایہ اور میری آغوش اس کی سواری رہی ہے۔

ابوالاسود نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ کیا تو اس طریقہ سے مجھ کو دبانا چاہتی ہے حالانکہ میں نے اس لڑکے کو تیرے شکم میں رکھا اور تیرے وضع حمل سے پہلے میں نے اس کو (بحالتِ نطفہ) وضع کیا تھا۔ عورت نے کہا کہ تیری اور میری اس سلسلے میں برابری نہیں ہو سکتی اس لیے کہ جس وقت یہ تیرے شکم میں تھا تو بہت ہلکا تھا اور جب تجھ سے منتقل ہو کر میرے شکم میں آیا تو بوجھل ہو کر رہا، تیرے شکم سے وہ شہوت کے ساتھ خارج ہوا لیکن جب میرے شکم سے برآمد ہوا تو سخت تکلیف کے ساتھ نکلا۔

امیر زیاد نے عورت کا بیان سن کر ابوالاسود سے کہا: یہ عورت مجھ کو زیادہ عاقلہ معلوم ہوتی ہے لہٰذا آپ اس کا لڑکا اس کو دے دیں۔ یہ اس کی پرورش اچھے طریقے سے کرے گی۔ (گلہائے رنگارنگ: ۳۰۱)

(۲۱)

ایک بادشاہ کو درویش کی نصیحت

ابو جعفر ہارون الرشید بن مہدی سے کون واقف نہ ہوگا چنانچہ اس نے ۱۴۸ھ میں بمقام رے ملکہ خیزران کے بطن سے جنم لیا۔ وہ ۱۷۰ھ میں اپنے بھائی ہادی کے مرنے پر تخت نشین ہوا اسی روز اس کا بیٹا مامون پیدا ہوا۔ جعفر یکے بعد دیگرے اس کے وزیر اعظم رہے۔ ۱۷۸ھ میں خارجیوں نے خراسان میں بغاوت کی اور حصین خارجی کے قتل سے یہ فتنہ فرو ہوا اسی سال بلاد روم پر فوج کشی کی گئی۔ ۱۸۲ھ میں رومی ملکہ ایرین نے جزیہ دینا منظور کر کے صلح کر لی۔ برمکیوں کی خود سری کے پیش نظر محرم ۱۸۷ھ میں ہارون نے وزیر اعظم جعفر برمکی کو قتل کرا دیا اور یحییٰ و فضل جیل میں ڈال دیئے گئے جو قید ہی میں فوت ہوئے اسی برس ہارون رشید نے ہرقلہ پہنچ کر نئے رومی حکمران نقفور کو عہد شکنی کی سزا دی۔ ہارون نے ۳ جمادی الآخرہ ۱۹۳ھ کو طوس (ایران) میں وفات پائی۔ ہارون کو علم و فضل کا بے حد شوق اور پابندی دین کا بہت خیال تھا اس کے عہد میں خلافت عباسیہ اوج کمال کو پہنچ گئی تھی۔ ہارون کی ملکہ زبیدہ نے مکہ میں پانی کی فراہمی کے لیے نہر بنوائی جو دز زبیدہ کہلائی۔

("تاریخ اسلام" از اکبر شاہ خان نجیب آبادی ج:۱)

جب ہارون الرشید حج کی نیت سے کوفہ سے گزرا تو اہل کوفہ اس کو دیکھنے کے لیے باہر نکل پڑے۔ ہارون ہودج (محمل) میں براجمان تھا۔ بہلول نے یا ہارون یا ہارون

کہہ کر آواز دی۔ ہارون رشید نے پوچھا: یہ کون پکار رہا ہے؟ بتایا گیا کہ بہلول ہے۔ ہارون رشید نے پردہ اُٹھایا تو بہلول گویا ہوئے:

''اے امیر المومنین! میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جمرہ عقبہ کو کنکریاں مار رہے تھے تو اس میں نہ تو مار مار کا شور تھا' نہ بھاگو بھاگو اور نہ ادھر رہو ادھر ہی رکو کی آواز اور اے امیر المومنین! اس سفر مبارک میں آپ کا تواضع اختیار کرنا آپ کے بڑا بننے سے بہتر ہے۔''

بہلول کی بات سن کر ہارون رشید رو پڑا اور اس کے آنسو گرنے لگے پھر یوں گویا ہوا: ''تم نے بھلی بات کہی اے بہلول! مزید کچھ نصیحت کرو۔''

بہلول نے کہا:

''أَيُّمَا رَجُلٍ آتَاهُ اللهُ مَالًا وَّجَمَالًا وَّسُلْطَانًا فَأَنْفَقَ مَالَهُ وَعَفَّ جَمَالَهُ وَعَدَلَ فِي سُلْطَانِهِ كُتِبَ فِي دِيْوَانِ اللهِ مِنَ الْأَبْرَارِ۔''

''اللہ تعالیٰ جس کو مال و جمال اور سلطنت سے نوازے پھر وہ اپنا مال بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے' اپنے حسن و جمال کو فتنے سے بچائے رکھے اور اپنی سلطنت میں عدل وانصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے جانے نہ دے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اسے ابرار (نیک لوگوں) میں لکھ دیا جاتا ہے۔''

ہارون رشید نے کہا:

''تم نے بہت ہی اچھی نصیحت کی پھر انہیں انعام سے نوازنے کا حکم دیا۔

بہلول:

''لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهَا رُدَّهَا إِلَى مَنْ أَخَذْتَهَا مِنْهُ۔''

''مجھے اس انعام کی کوئی ضرورت نہیں' یہ مال اسی کو واپس کر دو جس سے تم نے لے رکھا ہے۔''

ہارون رشید:

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے روزینہ کا بندوبست کردیں۔"

بہلول نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا:

"امیر المومنین! میں اور تم اللہ ہی کے پروردہ ہیں تو پھر یہ ناممکن ہے کہ وہ تم کو یاد کرے (تمہیں نوازے) اور مجھے بھول جائے۔ (یہ قصہ ڈاکٹر مصطفیٰ مراد کی کتاب "قصص الصالحین" کے صفحہ ۶۷ پر دیکھا جا سکتا ہے)

(۲۲)

فیضانِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

ایک مجاہد کی داستانِ جرأت واستقامت جو مدرسۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے مستنیر تھا۔

مسلم مجاہدین کا طریقہ تھا کہ یہ دشمنوں کے علاقوں کو رزمگاہ بناتے تھے' ان کی جنگی سپرٹ کا یہ عالم تھا کہ میدانِ جنگ میں پسپا ہونا جانتے ہی نہ تھے۔ بلکہ دشمن پر اتنا دباؤ ڈالتے کہ وہ پسپا ہونے پر مجبور ہو جاتے اور اپنے خزانوں اور عورتوں کو بطورِ مال غنیمت چھوڑ جاتے۔ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر روم کی جانب روانہ کیا' ان میں ایک صحابی تھے جن کا نام حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ جنگ میں عموماً یہی ہوتا ہے کہ کبھی ایک فریق کا پلڑا بھاری' کبھی دوسرے فریق کا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک یہ صحابی دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور انہیں پابند سلاسل کر دیا گیا جب جنگ ختم ہو گئی اور اس کی تپش سرد پڑ گئی تو انہیں زنجیروں میں جکڑے ہوئے شاہ روم ہرقل کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے اپنے سامنے اعتماد سے بھرپور بلند حوصلہ نوجوان کو دیکھا جس کے چہرے پر کوئی ایسی جھلک نہ تھی جو بادشاہ کے سامنے پیش ہونے والے قیدیوں کے چہروں پر ہوا کرتی ہے وہاں عاجزی'

بزدلی اور احساسِ کمتری کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بادشاہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی روحانی قوت و عظمت' دنیا سے بے نیازی اور ایمانی استقامت کے چرچے سن چکا تھا جن کی بناء پر اسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دیکھنے کا شوق تھا ایک نظر دیکھنے میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ حضرت عبداللہ کی دین سے محبت' ایمانی استقامت اور ساتھیوں کے لیے ایثار و قربانی کے معیار کو پرکھا جائے۔ بادشاہ نے پیش کش کی' عبداللہ! تم عیسائیت قبول کر لو' میں تمہیں اپنی حکومت میں شریک بناؤں گا اور تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا اس کا خیال تھا کہ میں بھاری قیمت ادا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک شاگرد کا ضمیر خرید لوں گا لیکن اس کا تیر نشانے پر نہ بیٹھ سکا اور اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ حضرت عبداللہ نے آدھی بادشاہی بلکہ دنیا بھر کی دولت کے عوض اپنے دین و ایمان کا سودا کرنے سے انکار کر دیا اور واقعی ایمان جس کی رگ و پے میں سرایت کر چکا ہو اور جو شخص تمام دنیا کو پسِ پشت ڈال چکا ہو وہ ہرگز اپنا دین و ایمان بیچنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔

انہوں نے سر کے اشارے سے نفی میں جواب دیا۔ یہ نفی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی نفی کا نتیجہ تھی جس میں ہر معبود کی نفی کر کے ایک خدا کی تصدیق ہے جو ہر شے پر قادر ہے' ہر شے کی چابی اسی کے دستِ قدرت میں ہے' وہی عزت و ذلت دینے والا ہے' تمام بندوں کے دل اور چوٹیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں' وہ جدھر چاہتا اور پسند فرماتا ہے' پھیر دیتا ہے۔

بادشاہ نے جب ان کی عظمتِ نفس اور پاکیزہ و بلند روح کی ایک جھلک دیکھی تو وہ پیش کش کی بجائے دھمکی پر اتر آیا اور حکم دیا کہ انہیں ایک بلند دیوار پر کھڑا کر کے سولی پر چڑھایا جائے اور ان پر اس قدر تیر برسائے جائیں کہ ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے۔ حضرت عبداللہ بالکل خوف زدہ نہیں ہوئے نہ زبان سے پریشانی کا کوئی جملہ نکلا اور نہ دل کی دھڑکن میں اضافہ ہوا۔ ان کے ہونٹوں پر ایک دل نواز مسکراہٹ کھیل

رہی تھی، ان کے چہرے پر دائمی زندگی کی چمک جلوہ گر تھی یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے محبوب کو بڑی محویت سے دیکھ رہے ہوں۔ حضرت عبداللہ کے اطمینان وسکون اور ثابت قدمی کو دیکھ کر بادشاہ کا خون کھول اُٹھا اور اس نے اپنے دل میں کہا کہ میں انہیں ایسا عذاب دوں گا جو آج تک کسی کو نہیں دیا گیا۔

بادشاہ کے حکم پر بہت بڑے کڑھاؤ میں پانی ڈال کر اس کے نیچے آلاؤ روشن کر دیا گیا جب پانی خوب اچھی طرح کھول اُٹھا تو ایک مسلمان قیدی کو لایا گیا اور اسے وہی پیش کش کی گئی جو حضرت عبداللہ کو کی گئی تھی، انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں زندہ رہنے کی بجائے راہِ خدا میں موت کو ترجیح دیتا ہوں اور آخرت میں جہنم کے بدلے دنیا کا جہنم قبول کرتا ہوں۔ بادشاہ کا اشارہ ملتے ہی انہیں اُٹھا کر کڑھاؤ میں ڈال دیا گیا۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں جب انہیں کڑھاؤ میں ڈالا گیا تو میں آنکھ کے کنارے سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ بخدا! چند لمحے گزرے ہوں گے کہ کڑھاؤ کے اوپر ان کی ہڈیاں تیرتی ہوئی دکھائی دینے لگیں، باقی جسم پانی میں اس طرح حل ہو گیا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔

بادشاہ نے حضرت عبداللہ کی طرف دیکھا اس کا خیال تھا کہ یہ منظر دیکھ کر ان کا دل پارہ پارہ ہو چکا ہوگا اور دوسرے لوگوں کی طرح موت کا خوف وہراس انہیں اپنی لپیٹ میں لے چکا ہوگا۔

بادشاہ نے حضرت عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یا تو عیسائیت اختیار کر لو یا کڑھاؤ میں اپنے بھائی کے پاس پہنچنے کے لیے تیار ہو جاؤ لیکن ان کے عزم اور حوصلہ میں ذرہ برابر فرق نہ آیا نہ ہی تردد دامن گیر ہوا وہ پہاڑ کی چٹان کی طرح کھڑے تھے خوف اور دہشت کی پرچھائیں تک ان کے چہرے پر نہ تھیں بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھی کی طرح انہیں بھی اُٹھا کر کڑھاؤ میں ڈال دیا جائے۔

جب انہیں کڑھاؤ کے قریب پہنچایا گیا تو ساون بھادوں کی گھٹا کی طرح آپ کے اشکوں کی جھڑی لگ گئی۔ یہ دیکھ کر بادشاہ کا دل باغ باغ ہوگیا' وہ سمجھا کہ میرا مقصد پورا ہوگیا اس نے کہا' انہیں میرے پاس لاؤ' استہزاء اور تمسخر کے انداز میں گویا ہوا:

''عبداللہ! تم کیوں رو دیے؟ کیا بیوی کی محبت نے تمہیں اشک بار کر دیا؟ یا بیٹوں اور بیٹیوں کے فراق پر پژمردہ ہو گئے ہو؟ یا عنقریب دنیا کو چھوڑ جانے پر تمہارا دل بھر آیا ہے؟''

حضرت عبداللہ نے دونوں ہاتھوں سے آنسوؤں کو پونچھا اور ایسا جواب دیا جسے تاریخ نے ہمیشہ کے لیے اپنے صفحات میں محفوظ کر دیا اور وہ جواب بعد میں آنے والے جیالوں کے لیے مشعلِ راہ بن گیا۔ انہوں نے فرمایا:

''اے شاہِ روم! خدائے برتر کی قسم! میں اپنی بیوی بچوں اور دنیا یا وطن کی یاد میں نہیں رویا' مجھے تو اس بات پر رونا آ رہا ہے کہ میری ایک ہی جان ہے جو اس کھولتے ہوئے پانی کی بھینٹ چڑھ جائے گی۔ کاش! کہ میری ایک لاکھ جانیں ہوتیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسی طرح قربان ہو جاتیں' میری آنکھوں کے اشک فشاں ہونے کا یہی ایک سبب ہے۔''

بادشاہ نے جب ایک مومنِ کامل کے دل کی یہ آواز سنی وہ دل جو ایمان' پاک دامنی اور استقامت سے لبریز تھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کے جسم میں بجلی کی رو دوڑ گئی ہے اور اس کے حواس پر چھا گئی ہے اس کے دل سے سطوتِ شاہی کا غرور حرفِ غلط کی طرح مٹ گیا اس نے نوجوان کو انتہائی بلندیوں پر فائز پایا اور اس کے دل نے گواہی دی کہ میں ذرۂ ناچیز سے بھی کم تر اور حقیر ہوں۔

اس نے نگاہ اٹھا کر حضرت عبداللہ کو قید و بند میں جکڑے ہوئے دیکھا اور جب

نا ہیں چار ہوئیں تو اسے اپنے سامنے آسمانی فرشتہ کھڑا دکھائی دیا جس کی نگاہوں میں شاہانہ رعب اور جلال تھا جو حکم دینا جانتا ہے اور اسے حکم نہیں دیا جا سکتا۔ وہ تعمیل کرنا نہیں جانتا' وہ اس لائق ہے کہ اس کی تعمیل کی جائے اس کے خائب و خاسر اور برائی کا حکم دینے لے نفس میں اچانک ہی یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ اس پاکیزہ اور پیکر اطمینان ذات کا قرب حاصل کرے اور اس کے ساتھ روحانی تعلقات قائم کرے۔ ممکن ہے اس کے قرب اور تعلق سے کوئی فائدہ حاصل ہو جائے۔

بادشاہ نے کہا:

''عبداللہ! کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تم میرے سر کو بوسہ دے دو؟ اس شرط پر کہ میں تمہیں رہا کر دوں گا اور تم جہاں جانا چاہو گے تو آزادانہ جا سکو گے؟''

اس کی سوچ یہ تھی کہ میری یہ معمولی سی خواہش ضرور پوری کر دی جائے گی اور کون نہیں چاہے گا کہ ایک غضب ناک اور بااختیار بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ دے کر طے شدہ خوف ناک موت سے رہائی پالے لیکن چشمۂ اسلام کے آب زلال سے سیراب اور سچی قربانی کے شوق سے سرشار حضرت عبداللہ کے عظیم اور بلند دل و دماغ نے اس خیال ہی کو جھٹک دیا کہ وہ تنہا رہا ہو کر عیش و راحت کی زندگی بسر کریں اور ان کے دینی بھائی قید و بند میں جکڑے ہوئے شدید مشقت جھیلتے رہیں۔

بادشاہ جواب کا منتظر تھا اور یہ شوق اس کے دل میں کروٹیں لے رہا تھا کہ کب میری پیشانی پر بوسے کی مہر ثبت کی جاتی ہے اور اس بہانے ایک تو میرے حکم کی تعمیل ہو جائے دوسرا اس عظیم انسان کا قرب حاصل ہو جائے گا۔

حضرت عبداللہ نے کمال مہارت و بے نیازی سے فرمایا:

''کیا اس طرح تم مجھے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دو گے؟''

بادشاہ کے دل میں ان کی عظمت پہلے سے کہیں زیادہ نقش ہو گئی اور ان کا جواب سن

کرسکتے میں آ گیا۔ دل ہی دل میں کہنے لگا کہ یہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے' یہ تو کوئی آسمانی فرشتہ ہے۔

اور حقیقت یہ تھی کہ ایمان کی قوت نے ایک قیدی کو شاہی مقام پر کھڑا کر دیا تھا جہاں وہ حکم دے رہا تھا اور مدمقابل طاغوتی قوت کے مالک' بادشاہ کو ایک معمولی غلام کی جگہ لا کھڑا کیا تھا۔ بادشاہ نے کہا:

''ہاں! تم بھی آزاد ہو گے اور تمام مسلمان قیدی بھی رہا کر دیئے جائیں گے۔''

اس وقت پوزیشن یہ تھی کہ اگر حضرت عبداللہ اس سے بادشاہی کا مطالبہ بھی کرتے تو وہ بخوشی اس حکم کی تعمیل کر گزرتا۔ گویا حضرت عبداللہ نے ایثار و قربانی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر کامل اعتماد کی بدولت بادشاہ سے لباسِ شاہی چھین کر اسے غلامی کا لبادہ پہنا دیا تھا۔ تب حضرت عبداللہ نے بادشاہ کی پیشانی پر بوسہ ثبت کر دیا۔ بادشاہ کی دِلی مراد بر آئی اسے یوں محسوس ہوا کہ دنیا بھر کی مسرتیں حضرت عبداللہ کے ہونٹوں میں سمٹ آئی ہیں اور انہوں نے وہ مسرتیں' سراپا اشتیاق بادشاہ کے ماتھے کا جھومر بنا دی ہیں۔

بادشاہ نے حضرت عبداللہ اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ حضرت عبداللہ مسرت سے سرشار' اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگلوں اور بیابانوں کو برق رفتاری سے طے کرتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انتہائی مسرت کے ساتھ اُٹھ کر ان کا استقبال کیا اور حضرت عبداللہ کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا:

''مسلمانوں کا حق ہے کہ عبداللہ کے سر کو بوسہ دیں۔''

یہ وہ طالبِ علم ہیں جو مدینہ طیبہ کے دارالعلوم ''صفہ'' سے فیض یاب ہوئے اور ایمان کے چشمہ صافی سے سیراب ہوئے۔ تاریخ نے اپنے نورانی صفحات میں ان کا سنہری تذکرہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔ وہ آنے والی نسلوں کے لیے منارۂ نور کی

حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے سچی قربانی کے شیدائیوں کے لیے راستہ ہموار کردیا اور جوانوں کے دِلوں میں ایمان صادق کے بیج بو دیئے۔ وہ ایمان جو منفعت اور ریا کاری کی آلائشوں سے پاک ہے یہ برکت ہے ان کے سچے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اعتماد کی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (من نفحات الخلو دشیخ محمد صالح فرفور علیہ الرحمۃ دمشقی المتوفی ۱۴۰۷ھ ترجمہ شرف ملت علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمۃ زندہ جاوید خوشبوئیں)

(۲۳)

جابر سلطان کے سامنے آوازِ حق

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی پیدائش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری برسوں میں ہوئی۔ وہ مدینہ میں پیدا ہوئے اور وادی القریٰ میں پروان چڑھے۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے جمعہ پڑھتے اور ان کا خطبہ سنتے۔ حضرت عثمان کے محاصرے کے وقت ان کی عمر چودہ سال تھی۔ آپ علم وعمل میں اپنے زمانے کے سردار تھے۔ معتمر بن سلیمان کے والد کہتے ہیں کہ حسن اہلِ بصرہ کے شیخ تھے۔ آپ کا شمار کبار تابعین میں ہوتا تھا۔ ابو بردہ کہتے ہیں:

"اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ میں نے حسن بصری سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔" یعقوب فسوی کہتے ہیں:

"میں نے حسن سے آٹھ ہزار مسائل حفظ کیے۔" (سیر اعلام النبلاء ج:۴)

جبکہ حجاج بن یوسف بن حکم بنو ثقیف میں سے تھا۔ طائف میں ۴۱ھ کے لگ بھگ پیدا ہوا۔

اموی بادشاہ عبدالملک بن مروان کے لشکر میں شامل ہو کر حجاج نے ۷۲ھ میں مکہ کا محاصرہ کیا جہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم تھی۔ سات ماہ کے محاصرے کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کے ساتھ خانہ کعبہ کے قریب لڑائی میں شہید ہو گئے۔ (۷۳ھ) اس کامیابی پر عبدالملک نے حجاج کو حجاز، یمن اور

یمامہ کا گورنر بنادیا۔ دو سال بعد وہ کوفہ (عراق) کی گورنری پر فائز ہوا اس نے خارجیوں اور دیگر باغیوں کا قلع قمع کیا۔ ۷۸ھ میں خراسان اور سیستان بھی اس کے زیر حکومت دے دیئے گئے اس نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان نیا صوبائی دار الحکومت واسط تعمیر کرایا۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں حجاج کے سپہ سالاروں قتیبہ بن مسلم مُجاعہ بن سعد اور محمد بن قاسم نے بالترتیب ماوراء النہر (ترکستان)' عمان اور سندھ و ملتان فتح کیے۔ قرآن مجید پر اعراب لگوانا حجاج کا بڑا کارنامہ ہے۔ حجاج نے ۹۵ھ میں وفات پائی اور واسط میں دفن ہوا۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ جلد ۷)

تو جلیل القدر تابعی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مقامِ واسط (کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک شہر) میں حجاج بن یوسف کے پاس گئے جب ان کی نگاہ حجاج کی عالی شان عمارتوں پر پڑی تو گویا ہوئے:

''تمام تعریف اللہ عزوجل ہی کو لائق و زیبا ہے۔ یہ بادشاہ لوگ اپنے آپ میں عشرت کے سامان دیکھتے ہیں اور ہم ان کے درمیان عبرت کے درس پاتے ہیں۔ کوئی بادشاہ جب شاہی محل کا رُخ کرتا ہے اور اس کی آرائش و زیبائش میں پوری طاقت صرف کر دیتا ہے اس کے فرش کو بہتر سے بہتر بناتا ہے تو حرص و طمع کے گداگروں کی لالچی نگاہیں اس کا خیر مقدم کرنے کو تیار رہتی ہیں اور آگ کا بستر لگانے والے اس کے آگے پیچھے پھرتے رہتے ہیں پھر یہ بادشاہ فخریہ انداز میں سینہ تان کر بڑے طمطراق سے کہتا ہے: ''یہ دیکھو! میں نے کیسی کیسی خوب صورت عمارتیں بنوائیں اور کس قدر عمدگی سے کام کروایا ہے۔ ہاں اے اللہ کے دشمن! ہم نے تمہاری کاریگری اور جو کچھ تم نے سجایا بنایا ہے دیکھ لیا!! اے فسق و فجور کو ہوا دینے والے! اے معصیت و نافرمانی کے دلدادہ! آخر یہ چیزیں تمہارے کس کام کی ہیں؟ آسمان والے تو تمہارے اوپر لعنت ملامت کر ہی رہے ہیں' زمین کے

باشندگان بھی تمہارے ظلم وطغیان سے تنگ آ کر تم سے نالاں و پریشان ہیں اور تمہارے خلاف ان کا غیظ وغضب آخری حد کو پہنچا ہوا ہے!!''

پھر حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے نکل پڑے:

''اِنَّمَا اَخَذَ اللّٰہُ الْمِیْثَاقَ عَلَی الْعُلَمَآءِ لَیُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا یَکْتُمُوْنَہٗ۔''

''اللہ تعالیٰ نے علماء سے عہد ومیثاق لے رکھا ہے کہ وہ ضرور بالضرور لوگوں سے حق بات بیان کریں گے اور کوئی بات چھپا کر نہیں رکھیں گے۔''

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ کی گفتگو سن کر حجاج بن یوسف کا غصہ یک دم بھڑک اُٹھا اور آگ بگولا ہو کر بولا:

''اے اہلِ شام! یہ بصرہ کا ایک معمولی آدمی میرے سامنے ہی مجھے بُرا بھلا کہہ کر چل دیا لیکن اس کا کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ اللہ کی قسم! اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ' میں ضرور اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔''

حجاج بن یوسف کا حکم ملتے ہی اس کے درباری حسن بصری کو پکڑنے کے لیے دوڑے اور ان کو گھیر لائے۔ راستے میں حسن بصری اپنے دونوں ہونٹوں کو ہلا رہے تھے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں' جب حجاج بن یوسف کے دربار میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ اس کے سامنے چرمی فرش بچھا ہوا ہے (چرمی فرش پر مجرم کو قتل کیا جاتا تھا تاکہ اس کے خون کے چھینٹے زمین پر نہ پڑ سکیں) سامنے تلوار رکھی ہوئی ہے اور حجاج غصے میں اس قدر آگ بگولا ہے کہ اس کی آنکھوں سے انگارے برس رہے ہیں۔

حجاج بن یوسف کی نگاہ جب حسن بصری پر پڑی تو وہ بڑی کرخت آواز میں انتہائی بھدے اور گستاخانہ الفاظ میں ان کے ساتھ ہم کلام ہوا لیکن حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے ساتھ بڑی نرمی سے گفتگو کی اور اسے پند ونصائح سے نوازتے رہے۔ تھوڑی دیر

بعد حجاج بن یوسف نے تلوار اور چرمی فرش سامنے سے اُٹھانے کا حکم دیا پھر حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ مسلسل حجاج بن یوسف سے گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ حجاج نے کھانے کا دستر خوان بچھانے کا حکم دیا جب دستر خوان چنا جا چکا تو دونوں نے اکٹھے ہی بیٹھ کر کھانا تناول کیا اور پھر حجاج نے وضو کا پانی اور مشک کی خوشبو منگوائی۔ دونوں نے وضو کیا اور حجاج نے خود اپنے ہاتھ سے حسن بصری کو خوشبو ملی اور اس کے بعد عزت و آرام کے ساتھ انہیں روانہ کیا۔

جب حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ واپس ہوئے تو ان سے کسی نے دریافت کیا:

''آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے ہوئے کیا کہہ رہے تھے؟''

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا:

''میں کہہ رہا تھا اے میری دعا قبول کرنے والے! اے میری ملامت میں ساتھ دینے والے! اے میری مصیبت میں کام آنے والے پروردگار! اے خوش حالی کے ایام میں ساتھ دینے والے مولیٰ! اے میرے پروردگار! اے ابراہیم و اسماعیل، اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد کے پروردگار! اے موسیٰ و عیسیٰ اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے رب! اے فرعون کے ظلم و دبدبے سے موسیٰ علیہ السلام کو نجات دِلانے والے! اے احزاب کے پنجوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانے والے! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود وسلام نازل فرما جو کہ بہتر اور چنیدہ لوگ ہیں اور اپنے بندے حجاج بن یوسف کے دل میں میری محبت ڈال دے اور میری طرف سے اس کی بُرائی اور شر کو پھیر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے شر کو اس کے کرم و احسان میں بدل دیا۔'' (الفرج بعد الشدۃ والضیق للحازمی)

(۲۴)

پیکر ہمت و جرأت صحابیہ رضی اللہ عنہا

حضرت اسماء تیمیہ پہلے پہل ایمان لانے والوں میں سے تھیں۔ سترہ حضرات کے بعد مکہ معظمہ میں ایمان لائیں۔ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔ ہجرت کے وقت حضرت عبداللہ ان کے شکم اطہر میں تھے' آپ کا لقب ذات النطاقین ہے۔ یہ لقب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ ہے کیونکہ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت اسماء نے آپ کے لیے کھانا تیار کیا' اسے باندھنے کے لیے کسی چیز کی ضرورت تھی تو انہوں نے اپنا پٹکا دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے سے دسترخوان باندھ دیا اور دوسرے کو پٹکا بنالیا۔ آخری عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور اپنے صاحب زادے کی شہادت تک زندہ رہیں اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد وفات پا گئیں۔ ان کی عمر شریف سو سال تھی اس کے باوجود نہ کوئی دانت گرا اور نہ ہی ان کی عقل میں کچھ فرق آیا۔

(اصابہ بتصرف)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا دین دار' دانش وفصاحت کی مالک اور خوددار خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے لخت جگر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس طرح پرورش کی کہ انہیں قوت' ذکاوت اور شجاعت کا پیکر بنا دیا اور ان کی شہادت کے وقت حیرت انگیز استقامت کا مظاہرہ کیا۔

حجاج بن یوسف نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کے لیے ایک لشکر بھیجا جس نے مکہ معظمہ کا محاصرہ کرلیا اور جبل ابوقبیس پر منجنیقیں نصب کر دیں جن سے اہلِ مکہ پر سنگ باری کی جاتی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما مردانہ وار‘ حجاج کے لشکر کے ساتھ نبرد آزما ہوئے یہاں تک کہ آپ کے ساتھی ایک ایک کر کے شہید یا روپوش ہو گئے اور آپ تنہا رہ گئے۔ آپ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر مصروفِ نماز ہو گئے۔ حجاج کے لشکریوں نے بیتِ اللہ شریف پر پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے یہ صورت حال دیکھی تو تن تنہا تلوار لے کر باہر نکل آئے اور لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ سخت جنگ کے بعد سب لشکری بھاگ گئے۔ آپ والدۂ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت وہ بڑھاپے کی منزلیں طے کر رہی تھیں اور بینائی زائل ہو چکی تھی۔ عرض کیا:

”والدہ محترمہ! آپ کا کیا حکم ہے؟ میرے تمام ساتھی مجھے چھوڑ کر جا چکے ہیں اور میں تنہا رہ گیا ہوں‘ دشمن نے مجھے امان دینے کی پیش کش کی ہے۔“

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

”میری رائے یہ ہے کہ تو شہادت کی عزت حاصل کر اور ایک کمینے فاسق کی پیروی اختیار نہ کر‘ تیرے دن کا آخری حصہ پہلے حصے سے زیادہ باعزت ہونا چاہیے۔“

حضرت عبداللہ نے عرض کیا!

”مجھے خوف ہے کہ وہ میری موت کے بعد میری ناک اور کان کاٹ دیں گے اور میری لاش کی بے حرمتی کریں گے۔“

حوصلہ مند ماں نے کہا:

”دنبہ جب ذبح ہو جائے تو اسے کھال اُتارنے کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔“

حضرت عبداللہ نے والدہ کے سر کو بوسہ دیا اور ماں نے اپنے لختِ جگر کو آخری بار سینے سے لگا کر رخصت کر دیا۔ حضرت عبداللہ باہر تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''موت کے بادل تمہارے سروں پر منڈلا رہے ہیں اور موت تمہارے ہاں قیام کرنے کے لیے اردگرد چکر لگا رہی ہے' تم اپنی تلواروں کا ہدف بنالو اور صبر کو اپنا دست و بازو بنالو۔''

یہ کہتے ہی تن تنہا دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور انہیں دھکیلتے ہوئے حرم شریف سے باہر نکال دیا اور مقابلہ کرتے ہوئے ان کے درمیان پہنچ گئے جب وہ مل کر حملہ آور ہوتے تو اس قدر شدید جوابی کارروائی کرتے کہ وہ منتشر ہو جاتے یہاں تک کہ آپ کا جسم زخموں سے چُور ہو گیا۔ منجنیق کا ایک پتھر آپ کی پیشانی پر لگا اور آپ زمین پر آ رہے' دشمن آگے بڑھے اور آپ کو شہید کر کے بیت اللہ کی دیوار پر سولی چڑھا دیا۔

حجاج نے کہا انہیں اسی طرح سولی پر لٹکا ہوا رہنے دو' میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان کی والدہ یہ منظر دیکھ کر کیا کہتی ہیں؟ اس کا خیال تھا کہ وہ دوسری ماؤں کی طرح روئیں گی' بین کریں گی اور شدتِ غم سے بے تاب ہو کر اپنے منہ پر طمانچے ماریں گی اور اپنا گریبان پھاڑیں گی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی عورت کمال صبر کا مظاہرہ بھی کر سکتی ہے اور اس کے جسم میں شیر مردوں ایسی روح بھی ہو سکتی ہے۔

جب حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کعبہ معظمہ کی طرف سے گزریں اور مردوں کے سروں کے اوپر سے اپنے بیٹے کو سولی چڑھے ہوئے دیکھا تو انہوں نے شیروں کی ایک جماعت کو جنم دینے والی ماں کی طرح گفتگو کی۔ بیٹے کی شہادت کا ان کے حواس پر کوئی اثر نہ تھا' انہیں یقین تھا کہ میرے بیٹے نے حق کی حمایت میں لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا ہے اور وہ حق پر ثابت قدم رہ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا ہے۔

انہوں نے فرمایا: ''اَمَا آنَ لِهٰذَا الْفَارِسِ اَنْ يَتَرَجَّلَ''۔

''کیا اس شہسوار کے پیدل چلنے کا وقت نہیں آیا؟''

حجاج کو یہ اطلاع ملی تو وہ ششدر رہ گیا اور حکم دیا کہ حضرت عبداللہ کے جسد عنصری کو دفن کر دیا جائے۔ یہ روح فرسا واقعہ ۶۴ھ میں پیش آیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض یافتہ ہیں جنہوں نے حضرت عبداللہ ایسے شیروں کو جنم دیا' اپنے ایمان کی صداقت سے آنے والی ماؤں کے لیے عزت و خودداری کی راہیں کھول دیں اور دنیا والوں کو استقامت اور عظمتِ انسانی کا درس دیا۔

انہوں نے تاریخ کے صفحات میں ایمان دار عورت کا وقار بلند کیا اور اپنے آپ کو بہت سے مردوں سے بلند ثابت کر دکھایا۔ آج کی تہذیب و ثقافت کی دلدادہ عورت اور حضرت اسماء و خنساء کا تقابل کیا جائے تو ان میں زمین و آسمان کا فرق دکھائی دے گا۔ سچ ہے کسی نے کہ

اِذَا کَانَ النِّسَاءُ کَمَنْ فَقَدْنَا
لَفُضِّلَتِ النِّسَآءُ عَلَی الرِّجَالِ

''اگر تمام عورتیں ایسی ہی ہوں جیسی ہم کھو چکے ہیں تو عورتیں بہت سے مردوں سے سبقت لے جائیں گی۔''

یاد رہے! ابو محمد حجاج بن یوسف بن الحکم ثقفی عبدالملک بن مروان کی طرف سے عراق اور خراسان کا گورنر تھا اسی طرح بعد میں ولید بن عبدالملک کا گورنر رہا یہاں تک کہ مر گیا۔ خونریزی میں شہرۂ آفاق تھا اس نے بہت سے علماء کو شہید کیا جن میں حضرت سعید بن جبیر تابعی بھی تھے اس کے پیٹ میں ایک ایسی بیماری پیدا ہوئی جس نے اسے بالکل کھوکھلا کر دیا۔ ۱۲ رمضان المبارک ۹۹ھ میں فوت ہوا۔) (زندہ جاوید خوشبوئیں)

(۲۵)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ

قریش کے قبیلہ بنومخزوم میں سے سب سے پہلے مدینہ منورہ ہجرت کرنے والے حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ ہیں۔ بیعتِ عقبہ سے ایک سال قبل انہوں نے قریش کے ظلم سے تنگ آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اس سے قبل وہ حبشہ کی طرف اپنی بیوی اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کر چکے تھے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جب میرے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے اپنے اونٹ پر بٹھا کر روانہ ہوئے۔ میری گود میں میرا بیٹا سلمہ بھی تھا جب ہمارے اونٹ کی لگام پکڑ کر مکہ سے روانہ ہوئے تو بنومغیرہ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا راستہ روک لیا اور کہنے لگے:

”هٰذِهِ نَفْسُكَ غَلَبْتَنَا عَلَيْهَا، أَرَأَيْتَ صَاحِبَتَنَا هٰذِهِ عَلَامَ نَتْرُكُكَ تَسِيْرُبِهَا فِي الْبِلَادِ؟“

”تمہاری جان پر تو ہمارا کوئی بس نہیں (جہاں چاہو جاؤ) مگر ہم اپنی بیٹی کو تمہارے ساتھ دوسرے ملک میں کیوں جانے دیں؟“

چنانچہ بنومغیرہ نے ابوسلمہ کے ہاتھ سے اونٹ کی لگام (مہار) چھین لی اور مجھے لے کر چل دیے جب ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے خاندان بنوعبدالاسد نے بنومغیرہ کی یہ

حرکت دیکھی تو وہ بھی غضب ناک ہو گئے اور کہنے لگے:

"وَاللّٰهِ! لَا نَتْرُكُ ابْنَنَا عِنْدَهَا إِذْ نَزَعْتُمُوهَا مِنْ صَاحِبِنَا۔"

"اللہ کی قسم! جیسے تم لوگوں نے ہمارے آدمی (ابوسلمہ) سے اپنی بیٹی کو چھین لیا، ہم بھی اپنے بیٹے (سلمہ) کو اس (ام سلمہ) کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔"

چنانچہ بنوعبدالاسد نے بنومغیرہ سے چھینا جھپٹی کر کے میرے بیٹے سلمہ کا ہاتھ مجھ سے چھڑا لیا اور چلتے بنے۔ بنومغیرہ نے مجھے اپنے پاس روک لیا اور میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اس طرح مجھے بیٹے سے بھی جدا کر دیا گیا اور شوہر سے بھی!! میں اس صورتِ حال پر بہت غم زدہ تھی، شدتِ غم سے میرا حال یہ ہو گیا کہ میں روزانہ صبح صبح بطحائے مکہ کی طرف نکل جاتی اور وہیں بیٹھ کر شام تک غم کے آنسو بہاتی رہتی۔ تقریباً ایک سال تک میرا یہی کچھ معمول رہا۔ ایک دفعہ بنومغیرہ میں سے میرے ایک چچازاد بھائی کا گزر میرے پاس سے ہوا اس نے میری حالتِ زار دیکھ کر بنو مغیرہ سے جا کر کہا:

"أَلَا تُخْرِجُوْنَ هٰذِهِ الْمِسْكِيْنَةَ؟ فَرَّقْتُمْ بَيْنَهَا وَبَيْنَ زَوْجِهَا وَبَيْنَ وَلَدِهَا؟"

"تم لوگ اس بے چاری کو جانے کیوں نہیں دیتے؟ تم نے اس کے، اس کے شوہر اور اس کے بیٹے میں جدائی ڈال دی ہے؟"

اس کے کہنے پر بنومغیرہ نے مجھ پر رحم کھاتے ہوئے کہا:

"اِلْحَقِيْ بِزَوْجِكِ إِنْ شِئْتِ۔"

"اگر چاہو تو اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ۔"

جب بنومغیرہ نے مجھے میرے شوہر کے پاس جانے کی اجازت دے دی تو بنوعبدالاسد بھی میرا بیٹا میرے حوالے کرنے پر راضی ہو گئے۔ میں نے اپنے بچے کو گود لیا،

اونٹ پر سوار ہوئی اور مدینے کو چل دی۔

"خَرَجْتُ أُرِيْدُ زَوْجِيْ بِالْمَدِيْنَةِ وَمَا مَعِيَ أَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللهِ"

"اپنے شوہر کے پاس مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئی اور اس وقت میرے ساتھ کوئی بھی اللہ کا بندہ نہیں تھا۔"

جب میں مکہ سے نکل کر مقامِ تنعیم (تنعیم مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلے پر مدینہ منورہ کے راستے میں ایک جگہ ہے وہیں مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا ہے جہاں سے انہوں نے احرام باندھا تھا۔ یہ اہلِ مکہ کے لیے حل ہے اور حدودِ حرم سے باہر) پر پہنچی تو میری ملاقات بنوعبدالدار کے عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ سے ہوئی جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے پوچھا: "ابوامیہ کی بیٹی! کہاں کا ارادہ ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"مدینہ منورہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں۔"

عثمان بن طلحہ نے پوچھا:

"تمہارے ساتھ کوئی آدمی نہیں ہے؟"

میں نے عرض کیا:

"اللہ اور اس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔"

عثمان بن طلحہ کہنے لگے:

"اللہ کی قسم! تمہیں اس حالت میں اکیلا چھوڑنا مناسب نہیں۔" اور پھر انہوں نے میرے اونٹ کی لگام اپنے ہاتھ میں پکڑ لی اور آگے آگے چل پڑے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کے اخلاقِ کریمانہ کے بارے میں بیان کرتی ہیں

''فَوَاللّٰهِ! مَا صَحِبْتُ رَجُلًا مِّنَ الْعَرَبِ قَطُّ أَرٰی أَنَّهُ کَانَ أَکْرَمَ مِنْهُ۔''

''اللہ کی قسم! میں نے عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف اور کریم النفس آدمی عربوں میں کبھی نہ دیکھا۔''

سفر کے أحوال کے بیان میں کہتی ہیں:

''جہاں آرام کرنے کے لیے اُترنا ہوتا وہ اونٹنی کو بٹھا دیتے اور مجھ سے پیچھے ہٹ جاتے جب میں اُتر جاتی تو اونٹ کو اُٹھاتے اور لے جا کر کسی درخت سے باندھ دیتے اور خود کسی درخت کے سائے میں جا کر سو رہتے جب روانہ ہونے کا وقت ہوتا تو اونٹ کو میرے پاس لاتے اور پیچھے ہٹ جاتے اور کہتے: سوار ہو جاؤ جب میں سوار ہو کر اچھی طرح بیٹھ جاتی تو لگام پکڑ کر روانہ ہو جاتے۔ راستہ بھر ان کا یہی طریقہ کار رہا تا آنکہ میں مدینہ پہنچ گئی۔ قبا میں جب بنو عمرو بن عوف کی بستی نظر آنے لگی تو انہوں نے مجھ سے کہا: دیکھو بہن! تمہارے شوہر ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اسی بستی میں آئے ہیں، تم اللہ کا نام لے کر وہاں چلی جاؤ اور خود وہیں سے مکہ واپس ہو گئے۔''

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام لائے تھے۔ حضرت خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ نے ایک ہی ساتھ مدینہ منورہ ہجرت کی تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر خانہ کعبہ کی کنجی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ان کے چچازاد بھائی شیبہ کے حوالے کی تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر ۴/۵۳۴)

(۲۶)

اسلامی عدل کی ایک درخشندہ مثال

من فحات الخلود میں شیخ فرفور علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں:

''آلِ جفنہ کے بادشاہ' جبلہ بن ایہم غسانی نے اسلام لانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عریضہ لکھ کر' باریابی کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت عطا فرمائی تو وہ اپنے پانچ سو اعزہ واقرباء کے ہمراہ عازم مدینہ ہوا جب دو منزل کا فاصلہ رہ گیا تو اس نے اپنی آمد کی تحریری اطلاع بھجوائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور چند حضرات کو اس کے استقبال کے لیے بھجوایا اور اس کے شایانِ شان مہمانی کے انتظامات کا حکم صادر فرمایا جبلہ کے حکم پر اس کے ایک سو ساتھیوں نے ہتھیار اور ریشمی لباس زیب تن کیے' گھوڑوں پر سوار ہوئے جن کی دُمیں آرائشی انداز میں باندھ دی گئی تھیں اور ان کے کانوں میں سونے اور چاندی کے زیور پہنائے گئے تھے۔ خود جبلہ نے ایک تاج پہنا جس میں قیمتی موتی اور چھلے جڑے ہوئے تھے جب وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوا تو نو عمر بچیاں اور عمر رسیدہ عورتیں اس کی سج دھج دیکھنے کے لیے نکل آئیں۔ حضرت عمر نے اسے خوش آمدید کہا' لطف وکرم سے نوازا اور اپنے پاس بٹھا کر عزت افزائی فرمائی۔

حضرت عمر حج کے لیے تشریف لے گئے تو جبلہ کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ مکہ معظمہ میں خاصہ رش تھا' طواف کے دوران بنو فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے تہ بند پر آ گیا جس سے اس کا تہ بند ڈھیلا ہو گیا' جبلہ نے پلٹ کر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ اس کے ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اس شخص نے بارگاہِ فاروقی میں مقدمہ دائر کر دیا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو بلایا اور فرمایا یہ کیا کیا؟

جبلہ! امیر المومنین! اس شخص نے دانستہ میرے تہ بند پر پاؤں رکھا تھا اگر کعبہ شریف کی عزت وحرمت کا پاس نہ ہوتا تو میں تلوار سے اس کے سر کے دو ٹکڑے کر دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' اب جبکہ تم اقرار کر چکے ہو تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس سے معافی مانگو' بصورتِ دیگر تم سے قصاص لیا جائے گا۔

جبلہ' وہ کیسے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ! میں اسے حکم دوں گا کہ تمہاری ناک توڑ دے جس طرح تم نے اس کی ناک توڑی ہے۔

جبلہ' امیر المومنین! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ میں بادشاہ ہوں اور وہ عام آدمی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' اسلام نے تمہیں اور اسے یک جا کر دیا ہے' تمہیں اس پر صرف تقویٰ و پرہیزگاری اور بھلائی میں ہی فضیلت ہو سکتی ہے اس کے علاوہ کوئی فضیلت نہیں ہے۔

جبلہ' امیر المومنین! میرا خیال تو یہ تھا کہ جاہلیت کے مقابلے میں اسلام میں مجھے زیادہ عزت ملے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ' اس بات کو چھوڑو اس وقت دو ہی راستے ہیں یا تو اس سے معافی مانگ کر اسے راضی کر لو ورنہ مجھے تم سے قصاص لینا پڑے گا۔

جبلہ: پھر تو میں عیسائیت کو ترجیح دوں گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ: اب اگر تم عیسائیت اختیار کرو گے تو تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی کیونکہ تم مسلمان ہو چکے ہو اور اسلام لانے کے بعد مرتد ہونے کی سزا قتل ہے۔

جبلہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اٹل فیصلے کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا کہ مجھے غور وفکر کے لیے ایک رات کی مہلت دیجیے۔

جبلہ اور اس اعرابی کے قبیلے کے بہت سے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر جمع تھے' قریب تھا کہ آپس میں تصادم ہو جاتا' اتنے میں شام ہو گئی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم پر ہجوم منتشر ہو گیا جب لوگ آرام سے سو رہے تھے جبلہ اپنے ساتھیوں سمیت شام کی طرف بھاگ گیا' صبح ہوئی تو مکہ معظمہ میں ان کا ایک فرد بھی موجود نہ تھا۔ شام پہنچ کر جبلہ اپنے پانچ سو ساتھیوں کو لے کر استنبول پہنچا اور شاہ روم ہرقل کے پاس جا کر عیسائیت کا اعلان کر دیا۔ ہرقل اس بات سے بہت خوش ہوا اور اس واقعہ کو اپنی عظیم فتح قرار دے دیا۔ جبلہ کو منہ مانگا انعام دیا اس کی پسند کے مطابق خطہ زمین بھی اس کے نام کر دیا اور اسے اپنا خصوصی ہم نشین بنا لیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر رحمتیں نازل فرمائے اس طیب وطاہر اور مقدس روح پر رحمت و رضوان کی برکھا برسائے جسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے ایک نادار' فقیر اور عامی بدوی کے لیے جاہ وحشمت کے مالک بادشاہ سے قصاص لینے کا فیصلہ فرما دیا۔ جبلہ اور اس کے ساتھیوں کی مرضی معلوم نہیں کی وہ دنیا پر یہ واضح کر دینا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام انسان یکساں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کا مالک اور سب اس کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری ہی سے کسی ایک کو دوسرے پر برتری حاصل ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی صرف تقویٰ و پرہیزگاری کی بدولت ہی میسر ہو سکتی ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے حکمرانوں کو سختی سے عدل وانصاف کا

حکم دے رکھا تھا اور انسانوں کے درمیان پائے جانے والے مادی امتیازات کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر صحیح طور پر کاربند تھے:

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن ذَكَرٍ وَّأُنثَىٰ وَجَعَلْنَـٰكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوٓا۟ ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد و زن سے پیدا کیا اور تمہیں شناخت کے لیے گروہوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا بے شک اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔'' (الحجرات:۱۳)

(۲۷)

لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں

عربی کا ایک مقولہ ہے: "الناس علی دین ملوکھم ."
"کہ لوگ اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔"
جیسا حکمران ہوتا ہے ویسی ہی عموماً اس کی رعیت ہوتی ہے اب ذرا دیکھیں کس کے دور میں کیا ہوتا رہا؟

حجاج بن یوسف کا دور قتل و غارت کا اور فتنہ و فساد کا دور تھا' کتنے ہی لوگ جیلوں میں ٹھونسے گئے' کتنے ہی قتل کر دیئے گئے۔ صبح سویرے لوگوں میں اس قسم کی گفتگو ہوتی:
"مَنْ قُتِلَ الْبَارِحَةَ وَمَنْ صُلِبَ وَمَنْ جُلِدَ؟"
"کل کس کو قتل کیا گیا' کون سولی پر چڑھایا گیا اور کس کو کوڑے مارے گئے؟"

اموی بادشاہ ولید بن عبدالملک عمارتیں بنانے اور کارخانے لگانے کا شوقین تھا۔ لوگ اس کے دور میں ایک دوسرے سے بلڈنگیں بنانے' کارخانے لگانے' نہریں کھودنے اور شجر کاری کے بارے میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک کا دور آیا' وہ کھانے پینے کا شوقین تھا' گانے بجانے سے بھی دل لبھا لیتا تھا۔ لوگ قسم ہا قسم کے کھانوں کی باتیں کرتے۔ مغنیات اور لونڈیوں کا ذکر ہوتا اور مجالس میں شادی بیاہ اور تقریبات کے حوالے سے گفتگو ہوتی۔

اور جب عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کا مبارک دور آیا تو لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے:

"تم نے کتنا قرآن پاک حفظ کیا ہے؟ رات میں کتنے نوافل پڑھے ہیں اس ماہ میں کتنے روزے رکھے ہیں؟ فلاں نے کتنا قرآن حفظ کرلیا ہے اور فلاں کا کب ختم ہوگا؟" (نوادر من التاریخ ا/۸۲ تالیف: صالح محمد الزمام)

اس کو کہتے ہیں جیسا حاکم ویسی رعایا' جیسا منہ ویسی چپیڑ' جیسا دیس ویسا بھیس۔

(۲۸)

ایک عظیم الشان عالمِ دین کا نعرۂ مستانہ

مصر میں اعلان ہوتا ہے:

"لوگو! تمہارے حکمران تمہارے غلام اور مملوک ہیں' وہ حکمرانی کے قابل نہیں ہیں' ان کی نہ تو خرید و فروخت صحیح ہے اور نہ ہی ان کا کوئی تصرف اور نہ نکاح درست ہے جب تک انہیں فروخت کر کے ان کی قیمت مسلمانوں کے بیت المال میں جمع نہیں کر دی جاتی اور اس کے بعد انہیں آزاد نہیں کر دیا جاتا۔

دمشق کے عالم اور قاضی' جامع بنوامیہ کے خطیب بلکہ اس دور میں عالمِ اسلام کے عظیم عالمِ دین' سلطان العلماء عز بن عبدالسلام نے یہ فتاویٰ صادر کیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے فصیح و بلیغ زبان کے ساتھ ساتھ دانش و حکمت سے معمور دل اور نورانی روح عطا فرمائی تھی۔ نیز انہیں حق کی حمایت اور باطل کی سرکوبی کے حوصلے سے سرشار فرمایا تھا۔

جوں ہی اس فتوے کا چرچا ہوا' نظامِ مملکت اور قوانین سلطنت درہم برہم ہو گئے اور حکام کے فیصلے اپنا اثر و نفوذ کھو بیٹھے' عوام الناس حیران تھے کہ کیا کریں اور حکمرانوں کی یہ حالت تھی کہ کوئی ان کے حکم کی تعمیل ہی نہ کرتا تھا۔ یہ اطلاع نائب سلطنت کو پہنچی تو وہ غصے سے پاگل ہو گیا' سوچ بچار کے بعد

امراء سلطنت کی میٹنگ طلب کی اور باہمی صلاح ومشورے کے بعد طے کیا کہ شیخ کو بلا کر جواب طلبی کی جائے۔ شیخ تشریف لا کر بھرے مجمع میں بیٹھ گئے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ہمارے بارے میں کیا فتویٰ دیا ہے؟
شیخ ان کے اجتماع سے قطعاً مرعوب نہیں ہوئے بلکہ ان کی پرواہ تک نہیں کی۔ وہ ایک ایسے پہاڑ کی طرح دِکھائی دے رہے تھے جسے بڑے سے بڑے طوفان جنبش بھی نہیں دے سکتے۔ انہوں نے پُرسکون اور بااعتماد انداز میں فرمایا:

''میرے نزدیک یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم سب غلام ہو اور اسلامی بیت المال کی ملکیت ہو شرعی طور پر تمہارے تصرفات صحیح نہیں ہیں کیونکہ غلام اپنے مولا کی اجازت کے بغیر کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی حکم اس کے آقا پر نہیں چل سکتا اس لیے میں نے فتویٰ جاری کیا ہے کہ تمہیں فروخت کیا جائے اور تمہاری قیمت بیت المال میں جمع کر دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر اور تمام علماء پر یہ فریضہ عائد ہوا ہے۔''

ارا کینِ سلطنت نے پوچھا: ''آپ کے فتوے سے خلاصی کی صورت کیا ہے؟''
شیخ نے فرمایا:

''تمہارے لیے ایک بورڈ مقرر کیا جائے گا جو تمہیں فروخت کرنے کا اعلان کرے گا، تمہیں بیچ کر قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے گی پھر تمہیں شرعی طریقے سے آزادی حاصل ہوگی تب تمہارے تصرفات صحیح ہوں گے اور شریعتِ مطہرہ کے صحیح طریقے کے مطابق تمہارے احکام قابلِ عمل ہوں گے۔''

شیخ کی گفتگو کیا تھی؟ ایک آسمانی بجلی تھی جس نے ان کے کانوں کے پردے پھاڑ دیئے اور ان کے جسموں پر لرزہ طاری کر دیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف

استفہامی انداز میں دیکھا کہ اب کیا کیا جائے؟ شیخ خاموشی سے سر جھکائے ان کی سرگوشیاں سن رہے تھے انہوں نے عمائدین حکومت سے پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ شیخ کی ہیبت اور روحانی قوت ان کے دل و دماغ پر چھا گئی اور انہیں کچھ کہنے کی جرأت نہ ہو سکی البتہ انہوں نے یہ معاملہ بادشاہِ وقت کے سامنے پیش کر دیا اور فریاد کی کہ شیخ نے بڑی زیادتی کی ہے اور یہ فتویٰ سراسر ظالمانہ ہے۔

بادشاہ نے شدت سے محسوس کیا کہ حکومت کے ذمہ دار افراد پر بڑی زیادتی کی گئی ہے اس نے شیخ کو طلب کیا اور تقاضہ کیا کہ اپنا فتویٰ واپس لے لیں۔ شیخ نے فتویٰ واپس لینے سے واشگاف الفاظ میں انکار کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء پر ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ شاہانِ وقت اور امراء دولت کے سامنے کھل کر حق کا اظہار کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی کی ملامت سے متاثر نہ ہوں۔

بادشاہ نے زیادہ زور دیا اور دھمکی آمیز گفتگو پر اتر آیا۔ تو شیخ اپنے موقف پر ڈٹ گئے اور بادشاہ کے عتاب کو کوئی وقعت نہ دی بلکہ جلال میں آ کر فیصلہ کیا کہ میں اس شہر میں نہیں رہ سکتا جہاں کا بادشاہ ظالم ہو اور اس کے بُرے امراء و وزراء باطل سے کنارہ کش ہونے کے لیے تیار نہ ہوں۔

شیخ نے اپنا ضروری ساز و سامان ایک گدھے پر لادا اور اپنے اہل و عیال کو کرائے کی سواریوں پر سوار کیا اور خود ان کے پیچھے پیدل چل پڑے۔ ارادہ یہ تھا کہ قاہرہ کو چھوڑ کر اپنے پیدائشی وطن شام چلے جائیں گے۔ انہوں نے ذلت و رسوائی کے ساتھ قیام پذیر ہونے کے بجائے مشقت اور مصیبت سے پر ہجرت کی شرافت اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے دین کے لیے دنیا اور دارِ بقاء کے لیے دارِ فنا کو قربان کر دینے کا عزم کر لیا تھا۔

لیکن وہ زندہ قوم جس کے دل کی گہرائیوں میں مخلص علماء کی محبت جاگزیں تھی جو

ان کے احکام کو دل و جان سے قبول کرتی تھی اور جوان کے مقام کو اپنی قابلِ فخر تاریخ میں محفوظ کرنا جانتی تھی اس قوم کے جیالوں نے گوارہ نہ کیا کہ یوں علم و فضل' پاک دامنی اور شجاعت' اخلاص اور خودداری اپنے وطن سے رخصت ہو جائے اور ہم بے جان جسم کی طرح اکیلے ہی یہاں پڑے رہیں اس قوم کے علماء' تاجر' عورتیں' بچے اور مرد سب کے سب شیخ کے پیچھے پیچھے چل دیئے اور یہ تہیہ کرلیا کہ جہاں شیخ جائیں گے' ہم بھی وہیں جائیں گے اور جہاں شیخ قیام کریں گے' ہم بھی وہیں رہیں گے۔ سارے کا سارا شہر خالی ہو گیا صرف چند عورتیں اور بچے باقی رہ گئے جو اپنا ساز و سامان سمیٹ کر اپنے رشتہ داروں کے پاس پہنچنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگوں کے جسموں پر حکومت کرتے ہیں' دِلوں پر تو وہ لوگ حکومت کرتے ہیں جو صحیح معنوں میں عالم ہوتے ہیں۔ جسموں اور دِلوں پر حکومت کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

بادشاہ کو بھی اطلاع مل گئی کہ شیخ ترک وطن کر کے جا رہے ہیں اور تمام آبادی ان کے پیچھے روانہ ہو چکی ہے۔ بادشاہ کو بتایا گیا کہ شہر میں ایک فرد بھی باقی نہیں رہا سب لوگ شیخ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہجرت کر گئے ہیں اب آپ کس پر حکم چلائیں گے؟ جو فیصلہ کرنا ہے فوری طور پر کیجیے۔

بادشاہ لرز گیا' اسے اپنی ذات بڑی حقیر معلوم ہوئی' اسے اپنا خوف ناک انجام سامنے دِکھائی دینے لگا اس کے اکثر و بیشتر نوکر چاکر شیخ کے ہمراہ جا چکے تھے۔ بادشاہ بلا تاخیر سوار ہوا اور بچے کھچے خدام کو ساتھ لے کر شیخ کی خدمت میں جا پہنچا اور بہت دیر تک منت سماجت کرتا رہا اور شیخ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر شیخ کی طرف سے ایک ہی انکار تھا۔ بادشاہ نے ہتھیار ڈال دیئے اور شیخ کے فتویٰ کو تسلیم کر لیا کہ اراکین دولت کو سربازار فروخت کیا جائے گا اور ان کی قیمت مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دی جائے گی۔

شیخ کی واپسی کے دوسرے دن نائب سلطنت کو شیخ اور بادشاہ کے درمیان ہونے والی گفتگو اوران فیصلے کی خبر ملی کہ امراء و وزراء کو سرعام فروخت کیا جائے گا تو اس نے اپنا ایک نمائندہ بھیجا جو اپنی حکمتِ عملی شیریں بیانی اور انعام کی پیش کش کے ذریعے شیخ کو اپنا فتویٰ واپس لینے پر آمادہ کرے لیکن شیخ کا فیصلہ اٹل تھا' وہ کسی صورت بھی اپنی رائے بدلنے پر تیار نہ ہوئے تو نائب سلطنت کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی۔

اس نے کہا:

"ہائے افسوس! یہ شیخ بازاروں میں ہمارے بارے میں اعلان کریں گے اور ہمیں معمولی مال و متاع کی طرح فروخت کریں گے حالانکہ ہم قوم کے قائد ہیں' زمین کے بادشاہ ہیں' ہم رعایا کے امراء اور سردار ہیں۔ خدا کی قسم! میں اپنی تلوار سے شیخ کا سر قلم کردوں گا اوران کا بے جان جسم میرے قدموں میں پڑا ہوا دکھائی دے گا"

یہ کہا اور اپنے ساتھیوں کی جماعت کے ساتھ شیخ کے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ مارے غصے کے اس کا بُرا حال تھا' ننگی تلوار اس کے ہاتھوں میں دیکھنے والوں کی آنکھوں کو خیرہ کررہی تھی۔

جاتے ہی پوری قوت سے دروازہ دھڑ دھڑایا۔ شیخ کے صاحب زادے یہ معلوم کرنے کے لیے باہر آئے کہ دروازے پر کون ہے؟ کیا دیکھتے ہیں کہ باہر نائب سلطنت کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں برہنہ تلوار ہے اور وہ اتنا غضب ناک ہے کہ وہ صاحب زادے ہی کا کام تمام کردے گا۔ وہ پلٹ کر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

گھبراہٹ سے صاحب زادے کا رُواں رُواں کانپ رہا تھا' خوف کسی برچھی کی طرح ان کے دل کے آر پار ہو رہا تھا اور آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اسی حالت میں انہوں نے صورت حال والد گرامی کے گوش گزار کی اوران الفاظ میں درخواست کی:

ابا جان! دروازے پر موت کھڑی ہے' خدا کے لیے آپ اپنی جان پر اور ہم پر رحم

کھائیں اور باہر نہ جائیں۔ شیخ نے اپنے بیٹے کی گفتگو کی کوئی پرواہ نہ کی' مکمل حوصلے اور سچے عزم کے ساتھ مسکراتے ہوئے اپنے لختِ جگر کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''بیٹے! تیرے باپ کی قسمت میں کہاں کہ وہ خدا کی راہ میں شہید ہو جائے؟''

بیٹے کے ہاتھ سے دامن چھڑاتے ہوئے اس طرح دروازے کی طرف لپکے جیسے تیر فضا ہو یا آسمان سے گرنے والی بجلی جیسے ہی شیخ کی نگاہ نائب سلطنت پر پڑی' اسے یوں محسوس ہوا کہ شیخ کی روحانی قوت اس پر حاوی ہو گئی ہے اور وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا' طاقت کا سارا غرور اور غیظ وغضب جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ بے ساختہ عجز وانکسار کے ساتھ جھکا ہوا سر اُٹھایا اور شیخ سے درخواست کی کہ میرے لیے دعا فرمایئے' اللہ تعالیٰ میرے اس جرم کی توبہ قبول فرمائے۔

پھر پوچھنے لگا:

''جنابِ عالی! آپ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ ہم آپ کی خدمت میں حاضر اور آپ کے اشارے کے پابند ہیں۔''

شیخ نے فرمایا:

''تمہیں فروخت کروں گا اور تمہاری قیمت مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کروں گا۔''

نائب نے کہا:

''قیمت کون وصول کرے گا؟''

شیخ نے فرمایا:

''میں بیت المال کے وکیل کے فرائض سرانجام دوں گا اگر بیت المال کا کوئی ذمہ دار منتظم نہ ہو تو قاضی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے۔''

نائب کچھ دیر خاموش رہا اور ندامت کے آنسو بہاتا رہا۔ شوکت اقتدار اور غرور شاہی کی جگہ اس پر عجز و انکسار طاری ہو گیا اور اس کے دل نے کہا کہ شیخ کا حکم مانے بغیر چارہ نہیں' بے خودی کے عالم میں کہنے لگا:

"ہم نے معاملہ آپ کے سپرد کر دیا' آپ جو چاہیں کریں ان شاء اللہ! آپ ہمیں صابر پائیں گے اور ہم آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔"

شیخ نے ایک شخص کو مقرر کیا کہ بازار میں جا کر ایک ایک امیر کو فروخت کر دے اس شخص نے سر بازار اعلان کیا اور بھاری قیمت پر تمام امراء کو فروخت کر دیا۔ شیخ نے وصول ہونے والی تمام رقوم کارہائے خیر اور عام مسلمانوں کی ضروریات پر صرف کر دیں۔

پھر شیخ نے اعلان کیا کہ عوام الناس جنہیں چاہیں اپنے حکام اور وزراء منتخب کر لیں۔ سب نے بالاتفاق ان ہی وزراء کو منتخب کر لیا' انہی کے حکام سلطنت ہونے کی توثیق کر دی اور انہیں دوبارہ ان کے مناصب پر بحال کر دیا۔

تب حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"اب امراء و حکام کے تصرفات درست ہیں۔ پہلے یہ غلام اور مملوک تھے اب آزاد ہو گئے ہیں اب انہیں اُمتِ مسلمہ کے تمام معاملات میں کارروائی کا حق پہنچتا ہے۔ اب یہ صحیح معنوں میں رعایا کے حاکم اور محافظ بنے ہیں۔"

خداداد صلاحیتوں والے یہ وہ قدسی نفوس ہیں جن کا قول' اُمت کے مستقبل کی عملی اصلاح کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے' اپنے ایمان کی صداقت' انسانی عظمت' اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد اور دین پر غیر متزلزل یقین کی بدولت تاریخ کا دھارا موڑ دیا کرتے ہیں' حکومتوں کے نقائص دُور کر دیا کرتے ہیں اور عوام الناس کو کامیابی و کامرانی کی راہ پر ڈال دیا کرتے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (من نفحات الخلود)

(۲۹)

پڑوسی کی زیادتیوں پہ احتجاج کا نبوی حکم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکوہ کیا:

''اے اللہ کے رسول! عزوجل اللہ وصلی اللہ علیہ وسلم میرا ایک پڑوسی ہے جس نے ناک میں دم کر رکھا ہے اس کی تکلیف سے میں عاجز آچکا ہوں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَتَاعَكَ اِلَى الطَّرِيْقِ۔''

''جاؤ اپنے گھر کا سامان نکال کر راستے پر رکھ دو۔''

وہ آدمی گیا اور اپنے گھر کا ساز وسامان نکال کر باہر رکھ دیا اور وہیں بیٹھ رہا۔

راہ گزر لوگ اس کے پاس آتے اور پوچھتے:

''کیا بات ہے تو گھر سے سامان نکال کر یہاں بیٹھ گیا ہے؟''

وہ جواب دیتا:

''میرا ایک پڑوسی ہے جس نے ناک میں دم کر رکھا تھا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکوہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا جاؤ اپنے گھر کا ساز وسامان باہر نکال کر بیٹھ جاؤ۔''

یہ سن کر لوگ کہتے:

"اَللّٰھُمَّ الْعَنْهُ اَللّٰھُمَّ أَخْزِهِ ۔"

"اے اللہ! اس پڑوسی پر لعنت فرما۔ اے اللہ! اس پڑوسی کو رسوا کر۔"

جب پڑوسی کو اس بات کی خبر پہنچی تو وہ اس آدمی کے پاس آیا اور کہا:

"اِرْجِعْ اِلٰی مَنْزِلِكَ، فَوَاللّٰهِ لَا أُؤْذِيْكَ أَبَدًا ۔"

"اپنے گھر واپس ہو جاؤ، اللہ کی قسم! اب میں تجھے کبھی نہ ستاؤں گا۔"

(الدر المنثور للسیوطی ۲/۵۲۹، ابوداود ۵۱۵۳، الادب المفرد، امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے)

(۳۰)

حضرت عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاک دامنی، عدالت وتقویٰ اور امام عادل، دنیا اور اس کی زیب وزینت سے بے نیازی میں خلیفہ راشد ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح نے ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اہلیہ محترمہ فاطمہ بنت عبدالملک کے پاس پیغام بھیجا کہ ہمیں اپنے شوہر کے بارے میں کچھ بتایئے۔

انہوں نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ پر رحمتیں نازل فرمائے، انہوں نے اپنی ذات اور اپنے دماغ کو مسلمانوں اور ان کے معاملات کے لیے وقف کر رکھا تھا، رات ہو جاتی اور دن کا کام ختم نہ ہوتا، وہ رات گئے تک کام کرتے رہتے جب فرصت ملتی تو ذاتی مال سے خریدا ہوا چراغ منگواتے اور اس کی روشنی میں دو رکعت نماز ادا کرتے پھر گھٹنے کھڑے کر کے زمین پر بیٹھ جاتے اور حالت یہ ہوتی کہ سر دونوں ہتھیلیوں پر رکھا ہوا ہے، آنسو رخساروں پر بہہ رہے ہیں اور اس شدت سے روتے ہیں کہ یہ خدشہ محسوس ہوتا ہے کہ شدت گریہ کے سبب ان کا دل پارہ پارہ ہو جائے گا اور جسم وجان کا رشتہ منقطع ہو جائے گا، ساری رات اسی کیفیت میں گزر جاتی اور دن کو روزہ دار رہتے۔

ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ایک وقت تھا کہ

آپ شاہانہ کروفر کی زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا' ٹھیک ہے لیکن اب تم اپنا کام کرو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کوئی نصیحت کریں۔

فرمایا: تو سنو!

میں نے جب دیکھا کہ اس اُمت کے ہر سرخ اور سفید کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی مجھے دُور دراز شہروں اور زمین کے اطراف و اکناف میں رہنے والے بھوک کے مارے ہوئے فقیروں' بے سہارا مسافروں' ستم رسیدہ قیدیوں' غریبوں اور ایسے ہی دیگر افراد کا خیال آیا تو میرے دل نے کہا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھے گا اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے حق میں' میرے خلاف بیان دیں گے پھر کیا تھا؟ میرے دل پر یہ خوف مسلط ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں میرا کوئی عذر قبول نہیں فرمائے گا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی قسم کی صفائی پیش نہیں کر سکوں گا۔

اے فاطمہ! یہ سوچ کر مجھے اپنے اوپر ترس آیا' میری آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا اور مجھے دلی صدمہ پہنچا اب میں اس حقیقت پر جتنا غور کرتا ہوں' اتنا ہی میرے خوف میں اضافہ ہو جاتا ہے اب تیری مرضی ہے کہ نصیحت حاصل کر یا نہ۔

ایسے عظیم دل و دماغ کے مالک جو اس خیال ہی سے کانپ اُٹھتے ہیں کہ ہم سے رعایا کے بارے میں باز پرس ہو گی اور ان پر یہ خوف سوار رہتا ہے کہ قیامت کے دن ہم سے رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا اس لائق ہیں کہ تمام لوگ کھلے دل سے ان کی قیادت قبول کریں اور زمام سلطنت ان

کے ہاتھوں میں دے دیں۔

ایسے ہی عدل و انصاف و ایثار و قربانی کی بدولت انہوں نے دشمنوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی' ممالک پر حکمرانی کی' عوام الناس نے ان کی اطاعت کو سعادت جانا' اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ ایمان داروں کے لیے جس عزت و کرامت کا وعدہ فرمایا تھا' وہ ایسے ہی سراپا عدل و انصاف حضرات کا حصہ ہے۔ یقیناً! انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کر کے دِکھادیا:

"كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔"

"تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔" (بخاری شریف' کتاب الجمعہ)

(۳۱)

مجھے خدا کی پناہ کافی ہے

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سابقین اوّلین میں سے ہیں، آپ سے پہلے صرف تیرہ آدمی ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے سائب کے ساتھ ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں وفات پانے والے اور بقیع قبرستان میں دفن کیے جانے والے آپ ہی تھے۔ امام ترمذی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو وفات کے بعد بھی بوسہ دیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں جب ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اَلْحَقْ بِسَلَفِنَا الصَّالِحِ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ ۔"

"ہمارے گزرے ہوئے نیک شخص عثمان بن مظعون سے جاملو۔"

(دیکھیے الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۲/۴۶۴)

بہادری وجوانمردی اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ابتلا و آزمائش پر صبر و تحمل ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے۔ یہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں ان کا دل و دماغ اس بات سے مطمئن ہونے کو پل بھر کے لیے بھی تیار نہیں تھا کہ یہ خود تو آرام و آسائش کی زندگی گزاریں اور ان کے دوسرے مسلمان بھائی اللہ کی راہ میں ظلم و ستم سہتے رہیں۔ انہوں نے اپنے ایمان کے بارے میں کبھی بھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ ولید بن مغیرہ کی پناہ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی پناہ

میں آ گئے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مختلف سزاؤں کا سامنا کرنے لگے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور پھر وہاں سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ کر مکہ مکرمہ میں ولید بن مغیرہ کی پناہ لے لی تھی چونکہ وہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں آ چکے تھے اس لیے وہ مکہ کی گلیوں میں آرام سے گھومتے پھرتے' انہیں کوئی آنکھیں دِکھانے والا نہیں تھا۔ وہ بالکل اطمینان کے ساتھ جہاں چاہتے' جاتے اس کے برعکس دوسرے کمزور مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ کفارِ مکہ انہیں طرح طرح کی سزائیں دیا کرتے اور ظلم وستم کے وہ پہاڑ توڑتے کہ ظلم و جور کی تاریخ میں دُور دُور تک اس کی مثال نہیں ملتی۔

جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی بے بسی اور ان پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کو دیکھا تو ان کا کلیجہ منہ کو آ گیا اب انہیں اپنے سکون و اطمینان کو آگ سی لگتی محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے:

"وَاللّٰہِ! اِنَّ غُدُوِّیْ وَرَوَاحِیْ آمِنًا بِجِوَارِ رَجُلٍ مِنْ اَھْلِ الشِّرْکِ وَاَصْحَابِیْ وَاَھْلِ دِیْنِیْ یَلْقَوْنَ مِنَ الْبَلَاءِ وَالْاَذٰی فِی اللّٰہِ مَالَا یُصِیْبُنِیْ لَنَقْصٌ کَبِیْرٌ فِیْ نَفْسِیْ"

"اللہ کی قسم! میرا ایک مشرک کی پناہ میں آرام سے صبح وشام کرنا جب کہ میرے دوسرے مسلمان بھائی اللہ کی راہ میں ابتلا و آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں جس سے میں محفوظ ہوں' یہ چیز میرے دین میں ایک بڑے نقص کی نشاندہی کرتی ہے۔"

وہ فوراً ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور گویا ہوئے:

"یَا اَبَا عَبْدِ شَمْسٍ! وَفَتْ ذِمَّتُکَ وَقَدْ رَدَدْتُ اِلَیْکَ جِوَارَکَ۔"

"ابو عبد شمس! آپ نے مجھے جو پناہ دے رکھی تھی اس کا حق آپ نے ادا کر دیا اب میں یہ پناہ آپ کو واپس کرتا ہوں۔"

وہ کہنے لگا:

”آخر کیوں میرے بھتیجے؟ لگتا ہے میری قوم کے کسی فرد نے تجھے کوئی تکلیف دی ہے؟“

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا:

”لَا وَلٰكِنِّیْ أَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَلَا أُرِیْدُ أَنْ أَسْتَجِیْرَ بِغَیْرِهٖ۔“

”ایسی کوئی بات نہیں بلکہ میں اب اللہ عزوجل کی پناہ میں جانا چاہتا ہوں مجھے اس کے سوا کسی کی پناہ منظور نہیں۔“

ولید بن مغیرہ نے کہا:

”فَانْطَلِقْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَارْدُدْ عَلَيَّ جِوَارِيْ عَلَانِيَةً كَمَا أَجَرْتُكَ عَلَانِيَةً۔“

”تو پھر مسجد حرام میں چل کر میری پناہ برسرعام واپس کرو جیسے کہ میں نے تمہیں برسرعام پناہ دی تھی۔“

اس کے بعد دونوں بیت اللہ میں پہنچے۔ ولید بن مغیرہ نے لوگوں کے سامنے اعلان کیا: یہ عثمان بن مظعون ہیں جو میری پناہ واپس کرنے کے لیے آئے ہیں۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کے سامنے ولید بن مغیرہ کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا:

”ہاں! ولید بن مغیرہ سچ کہہ رہے ہیں بلاشبہ انہوں نے مجھے جو پناہ دی تھی اس کو پوری طرح سے نبھایا، مجھے ان کی وفاداری کا احساس ہے مگر اب میں اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا کسی کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتا، میں ان کی پناہ انہیں واپس کر رہا ہوں۔“

ولید بن مغیرہ کی پناہ واپس کرنے کے بعد حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

قریش کی ایک مجلس میں آئے اس وقت لبید بن ربیعہ (اسلام لانے سے قبل) قریش کے سامنے یہ شعر پڑھ رہا تھا:

''أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلٌ۔''

''اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے باطل (بے کار) ہے۔''

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا:

''تم نے سچ کہا۔''

پھر لبید بن ربیعہ نے کہا:

''وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَّا مَحَالَةَ زَائِلٌ۔''

''اور ہر نعمت ضرور ہی ختم ہو جانے والی ہے۔''

اس پر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''كَذَبْتَ، نَعِيْمُ الْجَنَّةِ لَا يَزُوْلُ۔''

''تو جھوٹ کہتا ہے، جنت کی نعمت کبھی ختم نہیں ہوگی۔''

اب لبید بن ربیعہ کو غصہ آگیا اور قریش کے سامنے کہنے لگا:

''اللہ کی قسم! یہ کون آدھمکا جو تمہارے مہمان ساتھی کو تکلیف وہ باتیں کہنے لگا؟ یہ تم میں کہاں سے آگیا؟ اس کے جواب میں حاضرین میں سے ایک آدمی نے کہا: لبید! یہ ان احمقوں میں سے ایک ہے جنہوں نے ہمارا دین چھوڑ کر محمد کا دین اختیار کر لیا ہے اس لیے آپ کو اس بے وقوف کی بات سے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔''

اس پر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو بھی غصہ آگیا اور انہوں نے بھی سخت لہجے میں اس کو جواب دیا اور تو تو میں میں ہونے لگی۔ وہ آدمی (جس نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو احمق اور بے وقوف کہا تھا) اٹھا اور کھینچ کر ایک زناٹے دار تھپڑ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رسید کر دیا جس سے ان کی آنکھ پر

نشان پڑ گیا۔ ولید بن مغیرہ قریب ہی تھا اور یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اس نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر کہا:

"أَمَا وَاللّٰهِ يَا ابْنَ أَخِي إِنْ كَانَتْ عَيْنُكَ عَمَّا أَصَابَهَا لَغَنِيَّةً وَلَقَدْ كُنْتَ فِي ذِمَّةٍ مَنِيعَةٍ."

"میرے بھتیجے! اللہ کی قسم! تیری آنکھ کو ابھی جو کچھ ہوا ہے اگر تو میری پناہ میں ہوتا تو اسے کچھ نہیں ہوتا کیونکہ تو ایک مضبوط پناہ میں تھا۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کہا:

"بَلْ وَاللّٰهِ إِنَّ عَيْنِي الصَّحِيحَةَ لَفَقِيرَةٌ إِلَى مِثْلِ مَا أَصَابَ أُخْتَهَا فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَإِنِّي لَفِي جِوَارِ مَنْ هُوَ أَعَزُّ مِنْكَ وَأَقْدَرُ يَا أَبَا عَبْدِ شَمْسٍ."

"بلکہ اللہ کی قسم! میری سلامت آنکھ بھی اسی قسم کی آزمائش کی متمنی ہے جس سے میری یہ آنکھ دوچار ہوئی ہے۔ (اے ابوعبد شمس!) اب میں اس ہستی کی پناہ میں آچکا ہوں جو تم سے کہیں زیادہ طاقت ور اور کہیں زیادہ قدرت رکھنے والی ہے۔"

ولید بن مغیرہ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی حالتِ زار دیکھ کر ان سے پھر کہا:

"هَلُمَّ يَا ابْنَ أَخِي إِنْ شِئْتَ فَعُدْ إِلَى جِوَارِكَ."

"بھتیجے! اگر تم چاہو تو اپنی (سابقہ) پناہ کی طرف لوٹ آؤ' میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا:

"نہیں! میں تمہاری پناہ سے نکل کر اللہ کی پناہ میں آچکا ہوں اب مجھے کسی کی پناہ نہیں چاہیے۔" (السیرۃ الشامیۃ ۲/۳۹۰ الروض الانف ۲/۱۵۷)

(۳۲)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

دشمنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی برہنہ شمشیر ابوسلیمان خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریش کے رؤساء میں سے تھے۔ دورِ جاہلیت میں جنگی گھوڑوں کی لگامیں ان کے ہاتھ میں تھیں۔ عمرۂ حدیبیہ تک تمام جنگوں میں مشرکین قریش کے ساتھ رہے، غزوۂ خیبر کے بعد ۷ھ میں دل و جان سے اسلام لے آئے۔ غزوۂ موتہ میں حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ شریکِ جہاد رہے جب یکے بعد دیگرے تین کمانڈر شہید ہو گئے تو حضرت خالد نے آگے بڑھ کر جھنڈا سنبھال لیا۔ انہوں نے دیکھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بڑی تعداد میں شہید ہو گئے ہیں اور باقی بھی خطرے کی زد میں ہیں تو وہ حکمتِ عملی سے کام لے کر پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کو رومیوں کے نرغے سے نکال لائے۔

حضرت خالد جب اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے تو بعض حضرات نے کہا کہ وہ جنگ کی تاب نہ لا کر بھاگ آئے ہیں اور انہیں کہا کہ تم بھگوڑے ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد سے اس معرکے کی تفصیلات سنیں تو ان کی کارروائی کی تائید فرمائی اور پیچھے ہٹ جانے کو ان کی جنگی حکمتِ عملی قرار دیا کیونکہ وہ اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کو بچا لائے تھے اور اگر انہیں اسی حالت میں رہنے دیتے تو بہت زیادہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہو جاتے۔ ارشاد فرمایا:

"لَا بَلْ اَنْتُمُ الْکَرَّارُ، خَالِدٌ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ سَلَّہٗ عَلٰی اَعْدَائِہٖ۔"

"تم راہِ فرار اختیار کرنے والے نہیں بلکہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہو۔"

خالد اللہ تعالیٰ کی برہنہ شمشیر ہے جسے اس نے دشمنوں کے سر پر مسلط کر رکھا ہے۔"

فتح مکہ کے موقع پر حضرت خالد بن ولید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور انہوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ آپ ہی نے مشہور زمانہ بت لات کو اس کے پجاریوں کے سامنے پاش پاش کیا۔ حنین اور طائف کے میدان میں شریک ہوئے۔ ۹ھ میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دومۃ الجندل کے بادشاہ اکیدر کی طرف بھیجا جسے آپ نے گرفتار کر کے بارگاہِ رسالت میں پیش کر دیا بعد میں اکیدر نے جزیہ دینے کی شرط پر مصالحت کر لی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں مرتدین کے خلاف جہاد کرنے والوں کا سپہ سالار مقرر کیا اور انہیں جھنڈا عطا کرتے ہوئے فرمایا:

"خالد بن ولید! اللہ تعالیٰ کا بہترین بندہ اور اپنے خاندان کا نہایت عمدہ فرد ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی تلوار ہے جسے اس نے اپنے دشمنوں کے سر پر بے نیام کر رکھا ہے۔"

حضرت خالد بن ولید ان عظیم انسانوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اسلام کے نور سے دنیا کا گوشہ گوشہ منور کرنے میں بے مثال خدمات انجام دیں۔ انہوں نے پہلے طلیحہ اسدی کی طرف رُخ کیا اور مسیلمہ کذاب کو واصلِ جہنم کیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں اسلام کو سربلندی عطا فرمائی۔

یمامہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں عراق پہنچنے کا حکم دیا چنانچہ وہاں جا کر حیرہ کو صلح سے اور بہت سے دوسرے شہروں کو جنگ کے بعد فتح کیا۔

پھر دربارِ خلافت سے انہیں شام میں موجود امرائے افواج کی امداد کے لیے پہنچنے کا حکم ملا چنانچہ وہاں پہنچ کر جنگِ یرموک میں شامل ہوئے اور دمشق فتح کیا۔ جنگِ یرموک

میں ایک دن ان کی ٹوپی گم ہوگئی۔ حکم دیا کہ اسے تلاش کیا جائے لیکن وہ نہ ملی حضرت خالد اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ وہ مل نہ گئی کسی نے پوچھا' اتنی سختی سے ٹوپی کے تلاش کرنے کی کیا وجہ تھی؟ فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کے بعد بال منڈوائے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کے مقدس بالوں کو حاصل کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے' وہ بابرکت بال میں نے اس ٹوپی میں محفوظ کر رکھے ہیں' پھر میں جس جنگ میں بھی یہ ٹوپی پہن کر گیا وہیں میں نے جیتی جاگتی آنکھوں سے فتح مبین دیکھی۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''جنگِ موتہ میں نو تلواریں میرے ہاتھ میں ٹوٹ گئیں' صرف چوڑے پھل والی یمنی تلوار تھی جو کام دیتی رہی۔ حضرت خالد جب حیرہ تشریف لے گئے تو وہاں کے سرداروں نے چیلنج کیا کہ اگر آپ حق پر ہیں تو یہ زہر پی جائیں اور یہ بات آپ کے ذہن میں رہے کہ اسے پیتے ہی آدمی اگلے جہان روانہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا' تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا' ہاں! آپ نے وہ زہر لے لی اور کہا اس ذاتِ اقدس کے نام سے جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نقصان نہیں دیتی۔ یہ کہا اور ان کے سامنے ساری زہر پی گئے۔ زہر نے انہیں کوئی گزند نہ پہنچائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر انہیں کامل یقین وایمان تھا وہ پیکر اخلاص تھے اور صدق دل سے ایمان کی دعوت دیتے تھے۔

وہ اسلام کی نصرت اور فتوحات کا پُر جوش ولولہ رکھتے تھے۔ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ دنیا کے اس عظیم جرنیل کو تلواروں کے سائے میں شہادت کا کتنا شوق تھا؟ تو سنیئے! وہ کس حسرت اور کرب کے ساتھ فرما رہے ہیں:

''آہ! آہ! میں اسلام کی راہ میں بہت جنگوں میں شریک ہوا' ہر جنگ میں مجھے تلوار کا چرکا لگایا مجھے نیزے کا نشانہ بنایا گیا۔ میں نے بنو حنیفہ (مسیلمہ

کے ساتھیوں) سے بڑھ کر تلوار کا شدید وار کرنے اور موت پر صبر کرنے والی کوئی قوم نہیں دیکھی۔

پھر پھولتے ہوئے سانسوں میں روتے ہوئے فرمایا:

اور اب میں جانور کی طرح اپنے بستر پر دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ خدا کرے کہ بزدلوں کو نیند نصیب نہ ہو۔"

(یہ ان کی عاجزی کی انتہا ہے ورنہ وہ عظیم انسان اور بے مثال کمانڈر تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

وصال سے پہلے فرمایا:

"میں نے موت کو ان جگہوں میں تلاش کیا جہاں اس کے ملنے کی توقع تھی مگر میری قسمت میں یہی تھا کہ میری موت بستر پر آئے۔ کلمہ طیبہ کے بعد میرے لیے سب سے زیادہ باعث امید وہ رات ہے جب اوپر سے بارش ہو رہی تھی اور میں ساری رات صبح تک ڈھال سنبھالے رہا پھر جنگ میں مصروف ہو گیا۔"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے تمام عمر جہاد کرنے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان کی خواہش تھی کہ ان کے وصال کے بعد بھی ان کے ہتھیار جہاد میں استعمال ہوتے رہیں۔ اس لیے فرمایا:

"میری وفات کے بعد میرے ہتھیار اور میرا گھوڑا فی سبیل اللہ اسلام کے لیے وقف کر دینا۔"

پھر اپنی اولاد کی دیکھ بھال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کی اور وصال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں ان پر نازل ہوں' مدینہ منورہ میں بنومخزوم کی عورتیں بے ساختہ رو پڑیں۔ کچھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہیں منع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"انہیں ابوسلیمان پر آنسو بہانے دو اب خالد ایسا اسلام کا شیر، عورتوں کی کوکھ سے جنم نہیں لے گا۔"

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے روحانی قیادت اور صحیح قربانی کا راستہ کھول دیا۔ ان کی روح اس مادی جہان میں نہیں بلکہ آسمان مقاصد پر زندگی بسر کرتی تھی۔ بظاہر وہ زمین پر چلتے تھے مگر ان کی جان، جنت کے شوق میں سرشار رہتی تھی۔ شراب کے عادی کو شراب کا اتنا شوق نہیں ہوگا جس قدر انہیں جنت کا شوق تھا۔

دنیا کی نعمت و راحت سے معمور زندگی سے کہیں زیادہ انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت کا شوق تھا۔ اپنی قوم کا مخلص قائد ایسا ہی ہونا چاہیے۔ روحانی قیادت، اخلاص، قربانی اور ایثار کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں عرض کیا ہے

☆...... دنیا کی تمام تر چمک دمک کے باوجود مال دنیا آپ کو راہِ راست سے نہیں ہٹا سکا اور نہ ہی کوئی چھوٹا یا بڑا مرتبہ آپ کے لیے آزمائش بن سکا ہے۔

☆...... بلکہ آپ کی عظیم روح، بلند پرواز کے ساتھ غالب رہی اور سب لوگ آپ کی بارگاہ میں جسمانی اور روحانی طور پر جھک گئے۔

☆...... قیادت، صرف قائد کی اس روح کی ہوتی ہے جو دوسرے لوگوں سے ایمان اور ایثار میں بلند و بالا ہوتی ہے۔

اس واقعہ میں مذکور حضرات کا تعارف شیخ فرفور نے اس طرح کرایا ہے:

☆...... اکیدر: یہ اکیدر بن عبدالملک، دومۃ الجندل کا بادشاہ تھا۔ حضرت خالد بن ولید نے اسے گرفتار کیا اور لا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے اسے پناہ عطا فرمائی اور اس کے ساتھ صلح کر کے اس کے علاقے کی طرف واپس کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس نے عہد توڑ دیا، آپ نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا۔ جنگ میں شکست کھا کر وہ بھاگ گیا، انہوں نے اس

کے پیچھے چند افراد کو روانہ کیا جنہوں نے اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا۔

☆...... طلیحہ بن خویلد اسدی' اسلام لائے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے پہلے مرتد ہو گیا' کہتا تھا کہ جبریل امین ان کے پاس آتے تھے۔ قبیلہ اسد اور غطفان کے بہت سے لوگ اس کے پیروکار بن گئے۔ وہ انہیں کہتا کہ نماز میں سجدہ نہ کرو' اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے خاک آلود کرنے اور سرینوں کو بُری طرح اوپر اُٹھانے کو کیا کرے گا؟ تم کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن ولید کو اس کی طرف روانہ کیا' وہ اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے اور شام چلے گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں واپس آ کر اسلام لائے۔ کافروں کے ساتھ جنگوں میں بڑے معرکے انجام دیئے۔ عراق کے فاتحین میں شامل تھے اور مشہور زمانہ بہادروں میں سے ایک تھے۔ نہاوند میں شہید ہوئے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

مسلیمہ کذاب ہارون بن حبیب' ابوثمامہ' بنوحنیفہ میں سے تھا' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لایا پھر اپنی قوم کے پاس جا کر مرتد ہو گیا اور نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ قرآن پاک کے مقابلے میں انتہائی گھٹیا اور کمزور کلام مسجع' مقفی انداز میں پیش کرتا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خالد بن ولید کو ایک لشکر دے کر بھیجا چنانچہ انہوں نے جنگ میں مسلیمہ کو شکست فاش دی۔ یہ واقعہ ۱۱ھ کا ہے۔ (فافور)

(۴۴)

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

ابن کثیر نے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں کیا ہے وہاں سے معمولی تصرف کے ساتھ اس واقعہ کو پیش کیا جا رہا ہے۔

مصر پر احمد بن طولون کی حکومت تھی' حکمران لوگوں پر ظلم ڈھا رہے تھے' منکرات میں اضافہ ہو گیا تھا' لوگ خاصے پریشان تھے' حاکم کے پاس جا کر شکایت کرنے کی کس میں جرأت تھی۔ ڈر تھا کہ اگر شکوہ کیا تو اُلٹے مصیبت بھی پھنس جائیں گے لیکن علمائے حق ہر دور میں کلمہ حق جابر حکمرانوں کے سامنے کہتے آئے ہیں۔ ابوالحسن بنان بن محمد حمدان بن سعید اپنے وقت کے مشہور عالم اور زاہد تھے۔ وہ حاکم کے سامنے پیش ہوئے اور حکومت کی غلطیوں کی نشاندہی کی اس کو ظلم اور جور و ستم پر ٹوکا اور حق بیان کیا۔ ابن طولون کو حق کیسے برداشت ہوتا اس کو اس حق گوئی پر سخت غصہ آیا۔ حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اگلا حکم دیا کہ ان کو بھوکے شیر کے سامنے ڈال دیا جائے۔

ایک بہت بڑے ببر شیر کو کئی دنوں تک بھوکا رکھا گیا' لوگوں میں منادی کروائی گئی کہ منظر دیکھنے کے لیے جمع ہو جائیں۔ ایک بہت بڑے میدان میں لوگ اکٹھے ہوئے۔ شیخ ابوالحسن کو ہتھکڑیاں لگائے ہوئے میدان میں لایا گیا۔ شیر کو پنجرے سے نکالا گیا اور شیخ ابوالحسن کو شیر کے سامنے ڈال دیا گیا۔ مجمع میں شیخ کے شاگرد اور چاہنے والے بھی موجود

تھے ان کی چیخیں نکل گئیں' لوگوں نے دَم روک دیئے' ان کا خیال تھا کہ چشم زدن میں بھوکا شیر شیخ ابوالحسن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

مگر دیکھنے والوں نے دیکھا شیر ان کی طرف تیزی سے لپکا' قریب ہوا تو ان کے جسم کو سونگھنے لگ گیا اور پھر ایسا محسوس ہوا کوئی طاقت شیر کو شیخ سے دُور کر رہی ہے اور لوگوں نے دیکھا شیر بڑے ادب سے دُور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

لوگوں نے بلند آواز میں لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر پکارنا شروع کر دیا۔ ابن طولون کا شرم کے مارے سر جھک گیا اس نے حکم دیا کہ شیخ کو باعزت رہا کر دیا جائے۔

اس متقی اور زاہد سے لوگوں نے سوال کیا:

"ابا الحسن! جب شیر آپ کی طرف بڑھ رہا تھا تو آپ کیا سوچ رہے تھے؟ جو جواب دیا وہ ملاحظہ فرمائیں:

"لَمْ يَكُنْ عَلَيَّ بَأْسٌ كُنْتُ أَتَفَكَّرُ فِي سُؤْرِ السِّبَاعِ، هَلْ هُوَ طَاهِرٌ أَمْ نَجِسٌ۔"

"مجھے قطعاً کوئی خوف اور ڈر محسوس نہیں ہوا' میں تو اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ درندے کے منہ سے نکلنے والا لعاب پاک ہوتا ہے یا پلید؟"

(البدایہ والنہایہ ۳/۱۵ طبعہ دار ہجرۃ قاہرہ)

بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ۝"

"سن رکھو! یقیناً سچے مومنوں کے دشمنوں کو خود اللہ تعالیٰ ہٹا دیتا ہے' کوئی خیانت کرنے والا ناشکرا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔" (سورۃ الحج: ۳۸)

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(۳۴)

یہ غازی یہ تیرے پُراسرار بندے

قائد ایران' رستم پورے شاہی طمطراق کے ساتھ دربار لگائے بیٹھا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر اس کے پاس بھیجا۔ حضرت مغیرہ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے جگمگاتے تاج اپنے سروں پر سجا رکھے ہیں اور سونے چاندی کے تاروں سے بنے ہوئے سندس کے کپڑے زیب تن کیے ہوئے ہیں جن میں قیمتی پتھر جڑے ہوئے ہیں۔ حضرت مغیرہ شان بے نیازی سے جوتوں سمیت قالینوں پر چل رہے ہیں اور اپنے نیزے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے تکیوں اور قالینوں کو چھیدتے جا رہے ہیں اسی طرح چلتے چلتے رستم کے پاس پہنچ گئے۔ وہ سنہری تخت پر بت کی طرح براجمان تھا اور درباری اس کے اردگرد پجاریوں کی طرح باادب بیٹھے تھے۔ حضرت مغیرہ اس کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئے انہیں نہ تو دربانوں کی طاقت روک سکی اور نہ ہی شاہی ہیبت ان کے راستے میں رکاوٹ بنی۔

دربانوں نے جب انہیں رستم کے پہلو میں بیٹھا ہوا دیکھا تو آگ بگولہ ہو گئے' دوڑ کر ان کے پاس پہنچے اور جھنجھوڑتے ہوئے کہنے لگے:

''تخت سے نیچے اُترو۔''

حضرت مغیرہ نے قالین کا کنارہ اُلٹ دیا اور زمین پر بیٹھ گئے وہ نہ تو مرعوب تھے اور نہ ہی خوف زدہ بلکہ وہ انہیں نگاہِ حقارت سے دیکھ رہے تھے' ان کی نگاہیں کیا تھیں؟ کمانوں سے نکلے ہوئے تیز تیر تھے' انہوں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

"ہم تو سنا کرتے تھے کہ تم لوگ بڑے دانش ور ہو لیکن میں نے تم سے زیادہ احمق کوئی قوم نہیں دیکھی، ہم غریبوں میں سچی مساوات ہے، ہم میں سے کوئی شخص کسی دوسرے کی عبادت نہیں کرتا، میرا ایمان تھا کہ ہماری طرح تم بھی اپنی قوم سے ہمدردی رکھتے ہو گے۔ تمہاری موجودہ روش سے تو بہتر تھا کہ پہلے بتا دیتے کہ تم اس شخص کی پوجا کرتے ہو اور تم میں سے کچھ لوگ دوسروں کے رب ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا یہ طریقہ زیادہ دیر تک نہیں چلے گا اور دنیا میں کسی نے بھی یہ طریقہ نہیں اپنایا۔ میں تمہارے پاس خود نہیں آیا بلکہ تمہارے بلانے پر آیا ہوں۔

آج مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمہارا اقتدار ڈگمگا رہا ہے اور تم بہت جلد شکست کھا جاؤ گے۔ یاد رکھو کہ اس روش اور ان عقلوں کی بنیاد پر کوئی بھی حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔"

ان کی گفتگو کے ختم ہونے سے پہلے حاضرین مجلس کے ذہنوں میں برپا ہونے والے انقلاب کے اثرات، ان کے چہروں پر دکھائی دینے لگے اور ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں کہنے لگے، خدا کی قسم! اس عربی نے جو کہا ہے سچ کہا ہے اس کی ایک ایک بات سچی ہے۔ ایک دربان نے ان کی گفتگو پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"ہمارے غلام اس گفتگو کا عرصہ دراز تک پسندیدگی اور محبت سے چرچا کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے بڑوں کا ستیاناس کرے، وہ کتنے بے وقوف ہیں؟ جو اس قوم کو ذلیل کرتے رہے ہیں۔"

پھر تو سرگوشیوں کا سلسلہ چل نکلا۔ یہ عربی ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے، واقعی عربوں کے قائدین اور عوام کے حقوق یکساں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

ہمارے لیڈروں کو دیکھو، کھانے پینے اور بیٹھنے میں ہم سے الگ رہتے ہیں۔ برتری کا مظاہرہ کرتے ہیں اور تکبر کے پیکر ہیں۔ ہم ان کی خدمت و اطاعت اور ان کی

خواہشات پوری کرنے میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں پھر بھی ان کی نظر میں ہماری کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

حضرت مغیرہ کی گفتگو کیا تھی؟ وہ نشانے پر لگنے والا تیر تھا۔ رستم نے محسوس کیا کہ ان کی گفتگو کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی ہے اور اس کی رعایا کے دلوں کے کنول کھل اُٹھے ہیں اس کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی اور اسے اس کلام کے نتائج سے خوف آنے لگا۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم کی عزت وعظمت اور عظیم حکومت کا تذکرہ کرنے کے ساتھ ساتھ عربوں کے فقر و فاقہ' باہمی اختلاف اور کمزوری کا ذکر کر کے ان کی بے مائیگی کا اظہار ضروری سمجھا۔

رستم نے کہا ہماری قوم مختلف ممالک پر حکمران رہی ہے' دشمنوں پر غالب اور اقوامِ عالم میں سربلند رہی ہے' عزت و سلطنت میں کوئی قوم ہمارے مدمقابل نہیں ہے' ہم دوسروں پر غالب ہوتے ہیں کوئی دوسری قوم ہمارے گناہوں کی بناء پر صرف ایک یا دو دن یا ایک مہینہ ہم پر غلبہ پا لیتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ ہمیں سزا دے دیتا ہے اور ہم سے راضی ہو جاتا ہے تو دوبارہ ہمیں فتح و نصرت عطا فرماتا ہے اور ہم پھر غالب ہو جاتے ہیں۔

پھر عربوں کی تذلیل کرتے ہوئے ان کے عیوب گنوانے لگا۔ حضرت مغیرہ اور عربوں کے رعب اور دبدبے کو ختم کرنے کے لیے ان کے فقر' ناداری' کمزوری اور ذلت کا حوالہ دیتے ہوئے کہنے لگا:

"ہمارے نزدیک کوئی قوم تم سے زیادہ حقیر نہ تھی' تم تنگ حال اور نادار تھے' تمہاری معاشی حالت تباہ تھی' ہم تمہیں کسی گنتی شمار میں نہ لاتے تھے' قحط سالی کے مواقع پر تم ہمارے پاس آتے تھے تو ہم تمہیں کچھ کھجوریں اور جو دے کر واپس کر دیتے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری لشکر کشی کا باعث صرف یہ ہے کہ تم اپنے ملک میں افلاس کا شکار ہو' تم واپس لوٹ جاؤ' میں تمہارے امیر کے لیے بہترین پوشاک' خچر اور ایک ہزار درہم کا حکم دیتا ہوں اور تمہارے

ہر فرد کو کھجوروں کی بھاری مقدار دیتا ہوں۔ میں نہ تو تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی قیدی بنانا چاہتا ہوں۔

رستم چند لمحے بڑے تکبر اور غرور کے ساتھ خاموش رہا۔ اس نے خیال کیا کہ میں نے اپنے مدمقابل کا زور توڑ دیا ہے اسے شکست دے دی ہے اور اس سے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔

حضرت مغیرہ نے اس کی لن ترانیوں کو ذرہ برابر وقعت نہ دی اور جب گویا ہوئے تو ان کے ہونٹوں پر استہزائی تبسم کھیل رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا:

"ہاں! ماضی میں ہمارا وہی حال تھا جو تم نے بیان کیا پھر اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لیے ہم میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جس نے ہمارے تمام اختلافات مٹا کر ہمیں متحد اور یک جان کر دیا اور ہمیں بتایا کہ تمہارے ممالک' ہمارے لیے فتح ہو جائیں گے اور تمہارے اموال ہماری ملکیت میں آ جائیں گے۔ ہم تو وہ سب کچھ وصول کرنے آئے ہیں جس کا وعدہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔"

ہم تمہارے سامنے تین صورتیں رکھتے ہیں' ان میں سے جو چاہو قبول کر لو:

۱) اسلام قبول کر لو' تمہارے حقوق اور فرائض وہی ہوں گے جو ہمارے ہیں' ہم تمہیں تمہاری حالت پر چھوڑ دیں گے' حکومت بھی تم ہی کرو گے۔

۲) جزیہ ادا کرو' جتنی مقدار پر ہم متفق ہو جائیں' ہم قبول کر لیں گے اور تم سے ہاتھ روک لیں گے اور اگر تمہیں امداد کی ضرورت ہوئی تو ہم تمہاری امداد کریں گے۔

۳) جنگ اور پہل ہم نہیں کریں گے' تم کرو گے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ہاں! یہ بھی سن لو! کہ ہمارے اہل و عیال نے تمہارے شہروں کے کھانے

چکھ لیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم انہیں چھوڑ نہیں سکتے۔

رستم نے تعجب کیا اور کہنے لگا: تب تو تم ان شہروں تک پہنچنے سے پہلے ملک عدم کو کوچ کر جاؤ گے۔

حضرت مغیرہ نے فرمایا: ہمارا مقتول جنت میں اور تمہارا مقتول دوزخ میں جائے گا پھر ہمارے باقی ماندہ افراد تمہارے بچ جانے والوں پر غلبہ پائیں گے اور اس کے بعد ہم وہ کچھ حاصل کر لیں گے جس کا وعدہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور خاموش ہو گئے۔

رستم کا غیظ و غضب اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ قریب تھا کہ شدتِ غضب کی بناء پر پھٹ جائے۔ آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں' منہ سے جھاگ اُڑنے لگی اور چنگھاڑتے ہوئے سورج اور اس کی دھوپ کی قسم کھا کر کہنے لگا:

"کل سورج کے بلند ہونے سے پہلے ہم تمہیں موت کے گھاٹ اُتار دیں گے۔"

حضرت مغیرہ مسکرائے اور مرعوب یا خوف زدہ ہوئے بغیر پلٹ گئے' ان کی حقیقت پسندانہ گفتگو نے رستم کی آنکھیں کھول دی تھیں وہ انہیں جاتے ہوئے ایک ٹک دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

پھر رستم اپنی قوم کی طرف متوجہ ہوتا ہوا کہنے لگا:

"اُف! عمر نے اپنے لشکروں کے ذریعے میرا جگر کھا لیا ہے۔ اے اہلِ فارس! ان لوگوں کا تمہارے ساتھ کیا مقابلہ؟ خدا کی قسم! اگر عرب اتنے دانش مند ہیں کہ اپنے رازوں کی حفاظت کر سکتے ہیں اور اپنے اختلافات مٹا سکتے ہیں تو کوئی قوم ان سے بڑھ کر اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتی۔"

اے اہلِ فارس! میری بات مانو' میری رائے یہ ہے کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب آنے والا ہے جسے تم ٹال نہیں سکتے۔

لیکن اس کی قوم نے پورے اصرار کے ساتھ کہا کہ اب جنگ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ چنانچہ جنگ ہوئی اور زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ رستم مارا گیا اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی امداد اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے فتح و نصرت اور عزت و سیادت حاصل ہوئی جس کا وعدہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ ان کے تخت و تاج مسلمانوں کا ورثہ بنے اور ان کے اموال اور خواتین غنیمت کا حصہ بنے۔ شاہِ ایران کی بیٹی جس نے بڑے جاہ و جلال کی زندگی بسر کی تھی، وہ بھی مالِ غنیمت میں شامل ہوئی۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ سے فارغ ہونے والے عساکرِ اسلام کا یہ وہ فوجی ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور ایمان سے پُر ہے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے اس کے علاوہ کسی سے ڈرنا ہی نہ جانتے تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے سلاطین اور لیڈروں کو انصاف اور حریت کا درس دیا اور انہیں رعایا کے ان حقوق سے آگاہ کیا جو ان کے ذمہ تھے۔ اسلام کا صراطِ مستقیم واشگاف لفظوں میں ان کے سامنے پیش کیا اور اس کی طرف رہنمائی کی چنانچہ انہوں نے اپنے بعد سخت پتھر دلوں اور جامد عقلوں کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ نرم ہو چکے تھے اور ان کے مشتاق تھے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کیا:

"وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ" (۶۵/۲)

"اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اسے گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔"

یاد رہے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں۔ فتح ایران میں شامل ہوئے وہ اپنے دور کے چار نابغۂ روزگار دانش وروں میں سے ایک تھے۔ (فرفور)

(۳۵)

امام الانبیاء ﷺ ایک طویل سجدہ

حضرت شداد رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے لیے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن یا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اُٹھائے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن یا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ساتھ میں رکھ دیا اور تکبیر کہہ کر نماز پڑھانے لگے۔ نماز کے دوران ایک سجدہ بہت ہی طویل کیا۔ میں (شداد) نے اپنا سر اُٹھا کر دیکھا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے آپ کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں پھر سجدہ میں چلا گیا۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تکمیل کر لی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا:

"اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اپنی نماز کے دوران ایک سجدہ بڑا ہی لمبا کیا حتیٰ کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ کوئی بات تو نہیں ہو گئی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی تو نہیں اُتر رہی ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كُلُّ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ وَلٰكِنَّ ابْنِي ارْتَحَلَنِي فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتّٰى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ۔"

"اس میں سے کوئی بات نہیں تھی بات دراصل یہ تھی کہ میرا صاحب زادہ (امام حسن یا امام حسین رضی اللہ عنہما) میری پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا اس لیے مجھے گوارا نہیں ہوا کہ اس کی حاجت پوری ہونے سے پہلے میں سجدہ سے اُٹھ جاؤں۔"

(صحیح نسائی: کتاب التطبیق/ حل یجوز ان تکون سجدۃ اطول من سجدۃ ۲/ ۲۳۰)

(۳۶)

نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی بالادستی

جراُت مند قاضی ...... حق پرست حکمران

کوفہ کے قاضی شریک بن عبداللہ کی عدالت لگی ہوئی ہے' ایک عورت حاضر ہو کر بلند آواز سے کہتی ہے کہ میں پہلے اللہ تعالیٰ کی پھر قاضی کی پناہ لیتی ہوں۔ قاضی نے پوچھا' تم پر کس نے ظلم کیا؟ کہنے لگی' امیر المومنین کے چچا' موسیٰ بن عیسیٰ نے۔ دریائے فرات کے کنارے میرا کھجوروں کا ایک باغ تھا جو مجھے والد کے ورثے میں ملا تھا' میں نے اپنا حصہ اپنے بھائیوں سے الگ کر کے درمیان میں دیوار تعمیر کر دی اور کھجوروں کی دیکھ بھال کے لیے ایک ایرانی شخص کو مقرر کر دیا۔ امیر موسیٰ بن عیسیٰ نے میرے بھائیوں کے تمام حصص خرید لیے' مجھ سے بھی بات چیت کی اور بھاری معاوضے کا لالچ دیا لیکن میں نے اپنا حصہ بیچنے سے انکار کر دیا گزشتہ رات اس نے پانچ سو غلام بھیج کر دیوار مسمار کرا دی اب میری اور میرے بھائیوں کی کھجوروں میں کوئی امتیاز نہیں رہا۔

قاضی نے غلام سے مٹی طلب کی اور اس پر اپنی مہر لگا کر اسے حکم دیا کہ امیر کے گھر لے جاؤ اور اسے اپنے ساتھ لا کر حاضر کرو۔ دربان عدلیہ کی مہر والا حکم نامہ لے کر موسیٰ کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ قاضی نے آپ کے خلاف سمن جاری کر دیا ہے اور یہ رہی ان کی مہر۔

موسیٰ نے پولیس کے سربراہ کو بلا کر کہا شریک کے پاس جاؤ اور اسے کہو یہ کتنی عجیب

بات ہے؟ میں نے تمہارے معاملے سے زیادہ عجیب کوئی معاملہ نہیں دیکھا۔ ایک عورت نے بے بنیاد دعویٰ کیا ہے اور تم میرے خلاف اس کی امداد کر رہے ہو۔

سربراہ پولیس اُمتِ مسلمہ میں قاضی کے مقام اور اس کی ہیبت کو جانتا تھا اس لیے وہ خوف زدہ ہو گیا اور کہنے لگا' مجھے تو آپ معاف ہی رکھیں۔ امیر نے اسے ڈانٹ کر کہا' جاؤ! وہ بے چارہ بادل نخواستہ روانہ ہو گیا اور اپنے غلاموں کو کہہ گیا کہ قاضی کی جیل میں میرا بستر اور ضرورت کی چیزیں پہنچا دو پھر قاضی شریک کے پاس چلا گیا جب قاضی کے سامنے حاضر ہوا تو اسے موسیٰ کا پیغام دے دیا۔ قاضی نے اپنے کارندے کو حکم دیا کہ اسے گرفتار کر کے جیل بھیج دو۔ پولیس کے سربراہ نے کہا' بخدا! مجھے معلوم تھا کہ آپ مجھے قید کر دیں گے اس لیے میں نے ضرورت کی چیزیں جیل بھجوا دی ہیں' آپ مجھے جہاں چاہیں بھیج دیں' میں اس کے لیے تیار ہوں۔

موسیٰ بن عیسیٰ کو اطلاع ملی تو اس نے اپنے دربان کو قاضی کے پاس بھیجا اور کہا' ہمارے نمائندے نے صرف ہمارا پیغام پہنچایا تھا اس کا کیا گناہ ہے؟ شریک نے کہا' اسے بھی اس کے ساتھی کے پاس جیل بھیج دو۔ چنانچہ اسے بھی قید کر دیا گیا۔

امیر نے نمازِ عصر پڑھنے کے بعد قاضی شریک کے دوستوں اور کوفہ کے سرکردہ لوگوں' اسحاق بن صباح اشعثی وغیرہ کو طلب کیا اور انہیں کہا کہ شریک کو ہمارا سلام دینا اور اسے کہنا کہ اس نے ہماری بے عزتی کی ہے اور ہم کوئی عام آدمی نہیں ہیں (بلکہ ہم امیر المومنین کے چچا ہیں) وہ لوگ پہنچے تو قاضی شریک عصر کی نماز کے بعد مسجد میں بیٹھے تھے جب انہوں نے پیغام دیا تو قاضی صاحب کہنے لگے اچھا تو کیا تم وفد کی صورت میں آ کر اس بارے میں مجھ سے گفتگو کر رہے ہو؟ اور آواز دی کہ اس وقت قبیلے کے جوانوں میں سے کون کون حاضر ہے؟ چند جوان حاضر ہو گئے۔ قاضی نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑو اور سیدھے جیل لے جاؤ پھر انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: تم فتنہ ہو تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہیں قید کر دیا جائے۔ انہوں نے پوچھا' جناب! کیا آپ

سنجیدہ ہیں؟ قاضی نے کہا' ہاں! تاکہ تم دوبارہ ایک ظالم اور سرکش کا پیغام نہ پہنچاؤ اور دوسرے لوگوں کو غلط کام کی جرأت نہ ہو چنانچہ انہیں بھی قید کر دیا گیا۔

رات ہوئی تو موسیٰ بن عیسیٰ خود پہنچ گئے اور جیل کا دروازہ کھول کر سب کو رہا کر دیا۔ دوسرے دن جب قاضی شریک مسند قضا پر جلوہ گر ہوئے تو جیلر نے آ کر رات کا تمام واقعہ ان کے گوش گزار کر دیا۔ قاضی نے اپنا حکم نامہ منگوا کر سیل کیا اور اپنے گھر بھیج دیا۔ اپنے غلام کو حکم دیا کہ ہمارا ساز و سامان بغداد لے چلو' ہم کوفہ میں نہیں رہیں گے۔ بخدا! ہم نے ان سے منصب قضا کی درخواست نہیں کی تھی بلکہ امیر المومنین نے ہمیں اس منصب کے قبول کرنے پر مجبور کیا تھا اور عہدہ' قضا قبول کرتے پر ہمیں پورے تحفظ کی یقین دہانی کرائی تھی چنانچہ قاضی صاحب' بغداد جانے کے لیے کوفے کے پل کی طرف روانہ ہو گئے۔

موسیٰ بن عیسیٰ کو اطلاع ملی تو ایک جماعت کو ساتھ لے کر پیچھے لپکا اور کہنے لگا' ابو عبداللہ! خدا کے لیے رُک جایئے' آپ سوچیں تو سہی کہ آپ نے میرے بھائیوں کو قید میں ڈال دیا تھا۔ قاضی نے کہا اس لیے کہ انہوں نے ایسے مسئلے میں دخل دیا تھا جس میں انہیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں تھا۔ میں اس وقت تک واپس نہیں جاؤں گا جب تک ان سب کو جیل نہیں بھیج دیا جاتا ورنہ میں امیر المومنین مہدی کے پاس جا کر منصب قضا سے استعفیٰ پیش کر دوں گا۔

موسیٰ نے بادل نخواستہ حکم دیا کہ ان سب لوگوں کو واپس جیل بھیج دیا جائے اور خود اس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک کہ جیلر نے واپس آ کر سب کے جیل چلے جانے کی رپورٹ نہیں دے دی۔ امیر نے اپنے ایک حواری کو حکم دیا کہ قاضی کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر آگے آگے چلو اور انہیں عدالت میں لے جاؤ۔ سب لوگ چل پڑے یہاں تک کہ قاضی صاحب مسجد میں پہنچ کر مسند قضا پر جلوہ افروز ہوئے۔ ستم رسیدہ عورت کو حاضر کیا گیا' قاضی نے کہا' یہ تمہارا فریق مخالف حاضر ہے۔ موسیٰ' عورت کے ساتھ قاضی کے سامنے کھڑا تھا'

اس نے کہا' سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میں حاضر ہو گیا ہوں لہٰذا قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ قاضی شریک نے کہا' ہاں! اب انہیں رہا کرنے میں مضائقہ نہیں ہے۔

قاضی نے کہا' آپ اس عورت کے دعوے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ موسیٰ نے کہا' وہ سچ کہتی ہے۔ قاضی نے کہا' تو کیا تم نے جو کچھ اس سے لیا ہے' وہ واپس کرو گے اور فوراً اس کی دیوار حسب سابق تعمیر کر دو گے؟ موسیٰ نے اقرار میں سر ہلایا تو قاضی نے عورت سے پوچھا' تیرا اس پر کوئی اور دعویٰ باقی ہے؟ اس نے کہا' نہیں! اللہ تعالیٰ تمہیں برکت اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ قاضی نے کہا' اچھا اب جاؤ۔ وہ عورت قاضی اور اس کی قضا کو دعائیں دیتی ہوئی اُٹھ کر چلی گئی۔

قاضی شریک اس معاملے سے فارغ ہوئے تو موسیٰ بن عیسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بٹھایا اور کہنے لگے: "السلام علیکم! جناب امیر! میرے لائق کوئی حکم؟"

وہ ہنستے ہوئے کہنے لگے:

"اب میں آپ کو کیا حکم دوں؟"

قاضی شریک نے کہا' جناب امیر! وہ شرعی فیصلے کا معاملہ تھا اور یہ گفتگو ادب کا تقاضا ہے۔ امیر اُٹھے اور اپنے گھر چلے گئے۔

دورِ اسلام کے آغاز میں عدلیہ کا یہ مخلصانہ' باوقار اور جانب داری سے پاک رویہ تھا اور ججوں کی نظر میں ہر چھوٹا بڑا' امیر اور فقیر برابر تھا۔

اسی لیے اسلام ایک ایسی قوت بن کر اُبھرا جو ممالک کے فتح کرنے سے پہلے' اپنے عدل وانصاف کی بدولت دلوں کو فتح کرتی تھی اور دلوں کی بستیاں اسے خوش آمدید کہنے کے لیے بے تابی سے انتظار کرتی تھیں۔

اسلام نے بتا دیا کہ کسی شخص کو کسی بھی دوسرے شخص پر اگر فضیلت حاصل ہے تو صرف طاعت الٰہی اور تقویٰ کی بناء پر ہے اور نظام مصطفیٰ نے حق کے سامنے' انسانوں کے خود ساختہ تمام طبقاتی امتیازات کا خاتمہ کر دیا۔

یاد رکھیے! قاضی شریک بن عبداللہ بن ابی شریک کی کنیت ابوعبداللہ ہے' خطۂ خراسان کے شہر بخارا میں پیدا ہوئے' ان کے دادا قادسیہ کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ابوجعفر منصور نے شریک کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا' وہ اس عہدے پر فائز رہے یہاں تک کہ مہدی نے انہیں معزول کر دیا۔ ۱۷۷ھ ماہ ذوالقعدہ کے آغاز میں بروز ہفتہ' کوفہ میں راہی دار آخرت ہوئے۔ حضرت شریک ثقہ' قابلِ اعتماد اور کثیر احادیث کے راوی تھے (فرفور)

(۳۶)

ایک صابرہ خاتون

اصمعی کہتے ہیں کہ میں اپنے دوست کے ہمراہ صحرا کی طرف نکلا۔ ہم راستہ بھول گئے اچانک ہم نے اپنے دائیں طرف ایک خیمہ دیکھا چنانچہ ہم اس کی طرف ہو لیے، ہم نے بلند آواز میں السلام علیکم کہا اس کے جواب میں ایک عورت نے وعلیکم السلام کہا۔ کہنے لگی: تم کون ہو؟

ہم نے کہا: ہم لوگ راستہ بھول گئے ہیں، اتفاقاً اس طرف آ نکلے ہیں اب ہمیں بھوک بھی لگی ہے حق ضیافت چاہتے ہیں۔

کہنے لگی: تم اپنے چہرے ذرا دوسری طرف کر لو تا کہ میں تمہاری میزبانی کے لیے آزاد ہو جاؤں۔ ہم نے اپنے چہرے دوسری طرف کر لیے تا کہ اسے پردہ کی پریشانی نہ ہو اب اس نے ہماری طرف ایک قالین کا ٹکڑا بڑھایا اور کہا کہ تم لوگ اس پر بیٹھو اور ذرا انتظار کرو میرا بیٹا آنے ہی والا ہے۔

وہ بے چینی کے عالم میں بار بار خیمہ کے کنارے کو اٹھاتی اور سامنے دیکھ کر نیچے رکھ دیتی۔ دراصل وہ اپنے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی اس نے آخری مرتبہ خیمہ کو اٹھایا اور بے اختیار کہنے لگی آنے والے کی خیر ہو۔ اونٹ تو میرے بیٹے کا ہے مگر اس پر سوار میرا بیٹا نہیں ہے تھوڑی دیر بعد اونٹ سوار خیمے کے پاس پہنچ گیا اور اس نے آواز دی:

"یَا أُمَّ عَقِیْلٍ! أَعْظَمَ اللّٰهُ أَجْرَكِ فِیْ عَقِیْلٍ"۔

"اے اُمِ عقیل! اللہ تعالیٰ عقیل کے فقدان پر تمہیں اجر عظیم فرمائے۔"
گویا ان الفاظ میں اسے بیٹے کی موت کی خبر سنائی۔
عورت کہنے لگی: تیرا ناس ہو کیا میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے؟
اس نے کہا: ہاں!
کہنے لگی: اس کی موت کا سبب کیا ہے؟
کہنے لگا: "اِزْدَحَمَتْ عَلَيْهِ الْإِبِلُ فَرَمَتْ بِهِ فِي الْبِئْرِ."
"اونٹوں کا اس پر ہجوم ہوا چنانچہ اونٹوں نے اسے کنویں میں پھینک دیا۔"
کہنے لگی: اونٹ سے نیچے اُترو اور مہمانوں کی ضیافت کا بندوبست کرو۔

خاتون نے اس کی طرف ایک بکرا بھیجا اور کہا کہ اس کو ذبح کرو اور اس کا گوشت بناؤ اور پھر ہماری طرف کھانا تیار کر کے بھیجا۔ ہم کھانا کھا رہے تھے اور اس کے صبر پر تعجب بھی کر رہے تھے جب ہم کھانے سے فارغ ہو گئے تو وہ ہماری طرف آئی اب اس کی حالت بدلی ہوئی تھی۔ کہنے لگی کہ کیا تم میں سے کسی کو قرآن پاک آتا ہے کہ اس کی تلاوت سے مجھے سکون ملے۔ میں نے قرآن پاک میں سے سورۃ البقرہ کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت خوش الحانی سے شروع کی۔

"وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۵۵۔۱۵۷)

"اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری سنا دیں۔ وہ لوگ جب ان کو مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ایسے لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے نوازشیں اور رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

تلاوت سننے کے بعد وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم! کیا قرآن پاک میں اسی طرح وارد ہوا

ہے؟

میں نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! اللہ کی کتاب میں ایسا ہی ارشاد ہوا ہے۔

اس عورت نے ہمیں السلام علیکم کہہ کر قبلہ کی طرف رخ کیا اور دو رکعت نماز ادا کی پھر کہنے لگی:

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ، عِنْدَاللهِ اَحْتَسِبُ عَقِیْلًا۔"

"ہم بھی اللہ کی ملکیت ہیں اور اسکی طرف لوٹ کر جانا ہے، میں اللہ تعالیٰ سے عقیل کے بارے میں ثواب اور اجر کی امیدوار ہوں۔"

اس نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے اور پھر اس نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور کہنے لگی! اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ فَعَلْتُ مَا اَمَرْتَنِیْ بِهٖ، فَاَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ بِهٖ۔"

"اے اللہ! جس کام کا تو نے حکم دیا میں اسے بجا لائی (یعنی صبر کیا) اب جو تو نے وعدہ کیا ہے اس کو تو پورا کر دے۔"

(عودۃ الحجاب ۵۴۸-۵۴۹ جلد دوم مواقف ایمانیہ ۳۲۵-۳۲۶)

(۳۸)

حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب

اسلامی غیرت اور حریت فکر کا پیکر جمیل

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شیر اور قریش کے دلاور جوان ابوعمارہ امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال پہلے پیدا ہوئے‘ بعثت کے تیسرے سال اسلام لائے‘ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور دل و جان سے خدمت کی پھر ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔

ان کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کے پاس تشریف فرما تھے‘ ابوجہل وہاں سے گزرا تو اس نے آپ کے دین پر طعن و تشنیع کی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ عبداللہ بن جدعان تیمی کی آزاد کردہ کنیز اپنے گھر میں تھی اس نے یہ گفتگو سن لی۔ ابوجہل ہرزہ سرائی کر کے چلا گیا اور بیت اللہ شریف کے پاس جا کر قریش کی جمی ہوئی محفل میں بیٹھ گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شکار کر کے واپس آگئے‘ کمان انہوں نے گلے میں ڈالی ہوئی تھی‘ ان کا معمول تھا کہ شکار سے واپسی پر گھر جانے سے پہلے بیت اللہ شریف کا طواف کرتے پھر قریش کی محفل میں جاتے‘ ان سے علیک سلیک کرتے اور گفتگو کرتے جب مذکورہ کنیز کے پاس سے گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ مبارکہ میں تشریف لے جا چکے تھے۔ کنیز نے کہا‘ ابوعمارہ! ابھی ابھی آپ کے بھتیجے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ابوجہل نے ایسی ناشائستہ گفتگو کی ہے کہ اگر آپ سن لیتے تو یقیناً آپ

کو بڑا صدمہ ہوتا۔ وہ یہاں تشریف فرما تھے۔ ابوجہل نے ان سے غیر مہذب گفتگو کی اور ان کی دل آزاری کی ہے لیکن قربان جائیں حلم اور شرافت کے کوہ گراں پر انہوں نے جواباً ایک لفظ تک نہیں کہا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کا اعزاز اور حسن خاتمہ منظور تھا اس لیے امیر حمزہ جلال میں آ گئے۔ ابوجہل سے دو دو ہاتھ کرنے کے ارادے سے راستے میں کسی کے پاس ٹھہرے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہ دوسرے لوگوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ سیدھے اس کے پاس پہنچے اور پوری قوت کے ساتھ کمان اس کے سر پر دے ماری اس کا سر بری طرح پھٹ گیا پھر اسے چیلنج کرتے ہوئے کہنے لگے تم اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں بکتے ہو؟ کان کھول کر سن لو! میں ان کے دین پر ہوں میں وہی کہتا ہوں جو وہ فرماتے ہیں اگر ہمت ہے تو میری بات کا رد کر کے دکھاؤ۔ ابوجہل کی امداد کرنے کے لیے بنو مخزوم کے کچھ لوگ اٹھ کر امیر حمزہ کی طرف بڑھے۔ ابوجہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو واللہ! میں نے ان کے بھتیجے کو بہت ہی ناروا باتیں کہی ہیں۔ امیر حمزہ نہ صرف اسلام کے جاں نثار سپاہی بنے بلکہ تمام زندگی نصرت اسلام میں بسر کر دی۔

ان کے اسلام لانے پر قریش نے واضح طور پر محسوس کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و شوکت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور یقیناً ان کی ایذاء رسانیوں میں کسی حد تک کمی آ گئی۔

جنگ بدر میں شریک ہوئے اور شجاعت و بسالت کے نئے باب رقم کیے۔ انہوں نے نشانی کے طور پر شتر مرغ کا پر اپنے جسم پر سجایا ہوا تھا اس دن انہوں نے شیبہ بن ربیعہ اور طعیمہ بن عدی کو واصل جہنم کیا۔ ربیعہ کے قتل میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر میں مارے جانے والے مشرکین کا ایک تہائی حصہ حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہنچا۔

ان کا جھنڈا تاریخ اسلام کا پہلا جھنڈا تھا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اسد اللہ (شیر خدا) کا لقب دیا۔ جنگِ احد میں انہوں نے مشرکین کو شدید نقصان پہنچایا اس دن آپ کے ہاتھوں میں چھ تلواریں ٹوٹ گئیں۔ ۳ھ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زبانِ رسالت سے انہیں سید الشہداء کا لقب عطا فرمایا۔ جبیر بن مطعم کے غلام وحشی نے انہیں دھوکے سے شہید کیا۔

حضرت وحشی کا بیان ہے کہ میں حبشی تھا اور حبشیوں کے انداز میں خنجر پھینکتا' میرا نشانہ بہت کم خطا جاتا تھا جب لوگ گتھم گتھا ہو گئے تو میں امیر حمزہ کے انتظار میں بیٹھا ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ مجھے لوگوں کے درمیان سیاہی مائل سفید اونٹ کی طرح دکھائی دیے وہ اپنی تلوار سے لوگوں کو گاجر مولی کی طرف کاٹ رہے تھے' کوئی ان کے سامنے ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں درخت یا پتھر کی آڑ لے کر ان کے لیے تیار کھڑا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ وہ میری زد میں آئیں کہ اچانک مجھ سے پہلے سباع بن عبد العزی سامنے آ گیا۔ امیر حمزہ نے دیکھا تو اسے للکارا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا اب میرے اور ان کے درمیان کوئی حائل نہ تھا۔ میں نے خنجر اپنے ہاتھوں میں لے کر تولا اور جب مجھے اطمینان ہو گیا تو میں نے نشانہ لے کر خنجر پھینک دیا جو سیدھا ان کی ناف کے نیچے جا کر لگا۔ انہوں نے میری طرف بڑھنے کی کوشش کی لیکن ہمت جواب دے گئی۔ میں نے انہیں اسی حالت میں رہنے دیا یہاں تک کہ وہ شہادت کے مرتبۂ عظمیٰ پر فائز ہو گئے۔ میں نے اپنا خنجر نکالا اور مکہ مکرمہ واپس لوٹ گیا۔ میرے آقا نے حسب وعدہ مجھے آزاد کر دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ستر مرتبہ نماز جنازہ پڑھی (یعنی شہداء کو باری باری رکھ کر نماز جنازہ پڑھی جاتی رہی لیکن حضرت امیر حمزہ کا جنازہ بدستور سامنے پڑا رہا) رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ کی آنکھیں اس قدر اشک

بار ہوئیں کہ آپ کی مبارک داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ آپ بکثرت ان کا ذکر کیا کرتے تھے اور ان کے لیے رحمت و رضوان کی دعا کرتے تھے۔ یہ تھے شیر خدا' سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ان کے آگے وہ حمزہ کی جاں بازیاں
شیر غران سطوت پہ لاکھوں سلام

جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تو ایک لمحے میں شرکاء راستہ چھوڑ کر خیر کی طرف آ گئے۔ لہٰذا انسان کو متعصیت کیش اور غفلت شعار لوگوں کے تذکرے سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں کو کانیں پاؤ گے جو ان میں سے جاہلیت میں بہترین تھے وہ اسلام میں بھی بہترین ہیں بشرطیکہ وہ دین کا فہم حاصل کر لیں۔ (بخاری' کتاب بدء الخلق باب مناقب قریش عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

حضرت جبیر بن مطعم اور ان کے غلام وحشی کا مختصر تعارف:

جبیر بن مطعم بن عدی قرشی' قریش کے اکابر میں سے تھے' وہ تمام عربوں اور خاص طور پر قریش کے انساب کے مانے ہوئے ماہر تھے۔ ایک وفد کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا بیان ہے کہ یہ پہلا موقع تھا جب ایمان مرے دل میں داخل ہوا فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے' ۵۷' ۵۸ یا ۵۹ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وصال ہوا۔

وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نوفل کے آزاد کردہ غلام تھے۔ غزوۂ احد میں حضرت امیر حمزہ کو شہید کیا' طائفہ کے وفد کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے' لیکن حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے انہیں فرمایا ہمارے سامنے نہ آیا کرو۔ مسلیمہ کذاب کے قتل میں شریک ہوئے اس کو فنا فی النار کیا جنگ یرموک میں شامل ہوئے' حمص میں قیام کیا اور وہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں وصال فرمایا۔ (قرنوں)

(۳۹)

سخاوت اور اس کی جزائے خیر

اشعب بن جبیر کا بیان ہے کہ میں شہر کی ایک گلی سے گزر رہا تھا' ایک آدمی سے میری ملاقات ہوئی اس نے پوچھا: تیرے کتنے بال بچے ہیں؟ میں نے اس کو بتایا کہ میرے اتنے بچے ہیں۔

وہ گویا ہوا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تو جب تک زندہ رہے' تیری اور تیرے بال بچوں کی ضروریات کا بندوبست کرتا رہوں۔

میں نے پوچھا: کس نے تم کو یہ حکم دیا ہے؟ اللہ تمہیں برکت سے نوازے؟

اس نے کہا: اس بارے میں تجھے نہیں بتا سکتا۔

میں نے عرض کیا: احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کیا جانا ضروری ہے۔

اس نے کہا: جس نے مجھے تیری اور تیرے بال بچوں کی کفالت کی ذمہ داری دی ہے' وہ تیرا شکریہ نہیں چاہتا۔

اشعب بن جبیر کا بیان ہے۔ میں اپنا اور اپنے بال بچوں کا روزینہ حاصل کرتا رہا۔ ایک عرصے بعد خالد بن عبداللہ بن عمر بن عثمان کا انتقال ہو گیا' میں بھی لوگوں کے ساتھ تعزیت میں شریک ہوا اس مجلس میں میری اس آدمی سے ملاقات ہوئی جس کے ذریعے سے مجھ تک روزینہ پہنچتا تھا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے مجھ سے کہا:

"یَا أَشْعَبُ! هٰذَا هُوَ صَاحِبُكَ الَّذِیْ كَانَ یَجْرِیْ عَلَیْكَ مَا كُنْتُ

أُعْطِيْكَ."

"اے اشعب! اللہ کی قسم! یہی وہ تمہارا محسن تھا جو تم پر خرچ کرتا تھا اور میں تجھ تک پہنچایا کرتا تھا۔" (نوادر من التاریخ: ۱......۱۴۹' تالیف: صالح محمد الزمام)

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

حضرت عبداللہ بن جعفر' امام حسن' حسین اور ان کے ایک انصاری ساتھی رضی اللہ عنہم اجمعین مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے' راستے میں انہیں موسلا دھار بارش نے آگھیرا اور یہ ایک اعرابی کے خیمہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ جب بارش تھمی اور مطلع صاف ہوا تو اعرابی نے اس کارواں کے لیے بکری ذبح کی اور ان کی خوب خاطر تواضع کی۔ یہ لوگ تین روز تک اعرابی کی ضیافت میں رہے جب یہ کارواں اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا تو عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اعرابی سے کہا: جب کبھی مدینہ آنا ہو تو ہمیں بھی شرف ملاقات بخشنا۔

چند سالوں کے بعد اس اعرابی کو فقر و محتاجی نے آ پکڑا اس کی بیوی نے کہا: اگر تم مدینہ جاؤ اور ان جوانوں سے ملو جو اپنے یہاں رُکے تھے تو ممکن ہے کوئی کام بنے؟

اعرابی بولا: میں ان کا نام بھی بھول چکا ہوں۔

بیوی نے کہا: لوگوں سے طیار کے بیٹے کے بارے میں پوچھنا۔

چنانچہ وہ اعرابی مدینہ پہنچا اور امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ایک سو اونٹنیاں دیں پھر امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے کہا: ابو محمد اونٹ دے کر ہم کو کفایت کر گیا (اگر وہ اونٹ نہ دیتے تو میں بھی اونٹ ہی دیتا) چنانچہ ایک سو بکریاں عطا کیں پھر اعرابی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ عبداللہ نے کہا: میرے دو بھائیوں نے اونٹ اور بکریاں دیں' چلو ہماری طرف سے یہ ہزار درہم قبول فرماؤ پھر اعرابی ان کے انصاری ساتھی کے پاس آیا۔ انصاری نے کہا: میرے ساتھیوں کی طرح میرے پاس (اونٹ' بکریاں اور درہم) تو نہیں البتہ

اونٹوں کو لاؤ میں ان سب پر پھل لاد دوں۔

چنانچہ اعرابی کو اس کی سخاوت کا ایسا بدلہ ملا کہ اس کی کئی پشتیں اس نعمت سے محظوظ ہوتی رہیں۔

اس واقعہ میں جن شخصیات کا ذکر ہوا ہے ان کا مختصر تعارف کچھ اس طرح ہے:

☆.....عبداللہ بن جعفر' حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے تھے۔ حضرت جعفر طیار نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور سرزمینِ حبشہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں عبداللہ جیسے بیٹے سے نوازا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ موتہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: حضرت جعفر میرے جسم اور اخلاق میں سب سے زیادہ میرے مشابہ تھے اور اے عبداللہ! تمام مخلوق میں تم اپنے باپ سے مشابہ ہو۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بڑے معزز اور سخی تھے۔ عہد اسلام میں عربوں کے ہاں سخاوت کے لحاظ سے جن دس ہستیوں کی شہرت تھی' ان میں ایک آپ بھی تھے۔ انہوں نے نوے سال کی عمر میں وفات پائی۔

☆.....حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے' آپ کی والدہ جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ شعبان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت زیادہ پیار کیا کرتے تھے۔ امام زہری حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔ ۴۰ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ خلیفہ بنے لیکن چند ہی ماہ بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے معاہدے کے مطابق صوبہ اہواز کا ٹیکس جس کی مقدار دس لاکھ سالانہ تھی' آپ کو ملتا رہا۔ انہوں نے ۴۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور بقیع قبرستان میں مدفون ہوئے۔

☆......حضرت امام حسین، حضرت علی رضی اللہ عنہما اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لختِ جگر اور نواسۂ رسول تھے۔ وہ ہجرت کے چوتھے سال شعبان کے مہینے میں پیدا ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام حسین رکھا، ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور سر کے بال منڈائے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، جو حسین سے محبت کرے گا، اللہ اس سے محبت کرے گا۔ حسین میری اولاد کی اولاد ہے۔'' حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید تخت نشین ہوا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا اور اہلِ کوفہ کی دعوت پر کوفے تشریف لے گئے لیکن راستے میں کربلا کے مقام پر شہید کر دیئے گئے۔ یہ سانحہ دس محرم الحرام ۶۱ ہجری کو رونما ہوا۔

(۴۰)

سچائی کی برکتیں

"اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُهْلِکُ"

''سچائی نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔''

حجاج بن یوسف بیٹھا ہوا' عبدالرحمٰن بن اشعث کے ساتھیوں کو قتل کروا رہا تھا' ایک قیدی اُٹھ کر کہنے لگا: جناب امیر! میرا آپ پر ایک حق ہے۔ حجاج نے کہا' وہ کیا؟ کہنے لگا' ایک دن عبدالرحمٰن آپ کو گالیاں دے رہا تھا تو میں نے آپ کا دفاع کیا تھا۔ حجاج نے کہا' اس کا گواہ کون ہے؟ اس شخص نے کہا' میں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر درخواست کرتا ہوں کہ جس نے وہ گفتگو سنی تھی وہ گواہی دے۔ ایک دوسرے قیدی نے اُٹھ کر کہا' جناب! یہ واقعہ میرے سامنے پیش آیا تھا۔ حجاج نے کہا' پہلے قیدی کو رہا کر دو پھر گواہی دینے والے سے پوچھا' تجھے کیا رکاوٹ تھی کہ تو نے اس طرح میرا دفاع نہ کیا؟ اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا' رکاوٹ یہ تھی کہ میرے دل میں تمہاری پرانی دشمنی تھی۔ حجاج نے کہا' اسے بھی رہا کر دو کیونکہ اس نے پوری جرأت کے ساتھ سچ کہا ہے۔

(عیون الاخبار)

(۴۱)

صحابیِ رسول ﷺ کی ذہانت کا امتحان

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور والدہ کا نام ہند بن عتبہ رضی اللہ عنہا تھا۔ آپ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ ان کا خاندان بنو امیہ زمانۂ جاہلیت سے قریش میں معزز و محترم مانا جاتا تھا۔ وہ قبولِ اسلام کے بعد حنین اور طائف کے غزوات میں شریک رہے اور اسی زمانے میں کتابت وحی کے جلیل القدر منصب پر فائز ہوئے۔ خلافتِ فاروقی میں وہ دمشق کے حاکم رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجربہ کاری کے پیش نظر انہیں سارے شام کا والی بنا دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بڑے مدبر، کامیاب سیاست دان اور لائق منتظم تھے۔ انہوں نے ملک کے تمام اہم مرکزوں میں قلعے اور چھاؤنیاں قائم کیں۔ ان قلعوں کے علاوہ مستقل شہر آباد کیے گئے۔ انہوں نے اسلامی بیڑے کو ترقی دی اور مصر و شام کے ساحلی علاقوں میں جہاز سازی کے کارخانے قائم کیے۔ آپ بیس سال مسند خلافت پر متمکن رہے۔ انہوں نے رجب ۶۰ھ میں اٹھہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (از اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۱ اسد الغابہ ج ۵)

شاہ روم ہرقل نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو چند سوالات لکھ بھیجے کہ ان کا جواب دو: (سوالات و جوابات مندرجہ ذیل ہیں)

(۱) وہ کون سی شے ہے جس سے ہر شے ہے اور وہ کون سی شے ہے جو لاشے (کچھ

نہیں) ہے؟

(۲) چار چیزیں ہیں جن میں روح تو ہے لیکن ان چاروں کا وجود ماں کے رحم اور باپ کی پیٹھ میں نہیں تھا؟

(۳) وہ کون تھے جن کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی ؟

(۴) اس آدمی کا کیا نام ہے جس کی پیدائش بغیر ماں کے ہوئی ؟

(۵) قوسِ قزح کیا چیز ہے؟

(ست رنگی کمان جو برسات کے دنوں میں آسمان پر دکھائی دیتی ہے۔ سائنسی ماہرین کہتے ہیں کہ بارش یا آبشار کی پھوار کے قطروں میں سے سورج کی شعاعوں کا انعطاف اس کا سبب ہے)

(۶) وہ کون سا درخت ہے جو بغیر پانی کے اُگتا ہے؟

(۷) وہ کون سی چیز ہے جو سانس تو لیتی ہے لیکن اس کے اندر روح نہیں ہوتی ؟

(۸) آج، گزشتہ کل، آئندہ کل اور آئندہ کل کے بعد.....؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سوالات پر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا جواب پا کر ہرقل کو لکھا:

(۱) وہ شے جس سے ہر شے ہے پانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۔"

"اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔" (الانبیاء: ۲۱/۳۰)

اور وہ شے جو لاشے (کچھ بھی نہیں) ہے وہ دنیا ہے جو ختم ہونے والی اور زوال پذیر ہے۔

۲) وہ چار چیزیں جن میں روح تو ہے لیکن ان کا وجود ماں کے رحم اور باپ کی پیٹھ میں نہیں تھا یہ ہیں:

(۱) آدم علیہ السلام (۲) حوا علیہا السلام (۳) صالح علیہ السلام کی اونٹنی

(۲) اسماعیل علیہ السلام کا مینڈھا

۳) حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔

۴) حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بغیر ماں کے ہوئی۔

۵) قوسِ قزح اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو غرقاب ہونے سے ''امان'' ہے۔

۶) بغیر پانی کے اُگنے والا درخت (یقطین) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے اوپر اُگایا تھا۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَاَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ۔''

''اور ہم نے یونس علیہ السلام پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت اُگا دیا۔'' (الصافات:۳۷/۱۴۶)

''یقطین'' ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہوتی جیسے لوکی اور کدو وغیرہ کی بیل۔

۷) وہ چیز جو سانس تو لیتی ہے مگر اس کے اندر روح نہیں ہے وہ صبح ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ۔''

''اور قسم ہے صبح کی جب کہ اس نے سانس لیا۔'' (التکویر ۸۱/۱۸)

۸) جہاں تک آٹھویں سوال کا تعلق ہے تو آج عمل ہے' گزشتہ کل مثال ہے' آئندہ موت ہے اور آئندہ کل کے بعد مشکل الحصول آرزو اور امید ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے' وہ شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لعاب کی گھٹی دی۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل کو دیکھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما مفسر قرآن' راوی حدیث' خلفائے ثلاثہ کے

فیصلوں کے رمز آشنا فقیہ، شعر وادب کے شناور اور حساب وفرائض اور ایام عرب کے عالم تھے اس بناء پر وہ حبر الامت کہلائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں بصرہ کا گورنر مامور کیا۔ وہ جنگِ صفین میں خلیفۂ چہارم کے ہمراہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما ۶۸ھ میں طائف میں وفات پاگئے۔ (اسد الغابہ، ج:۳، ص:۲۹۰-۲۹۴)

(۴۲)

سرچشمۂ ایمان سے پھوٹنے والا کلمۂ حق

عمر بن ہبیرہ یزید بن عبدالملک کے دور میں عراق کے گورنر تھے' ۱۰۳ھ میں عراق کی گورنری سے معزول کر دیئے گئے۔ شہرۂ آفاق بہادر تھے' انہوں نے ترکوں کو زچ کر دیا تھا چنانچہ وہ ان سے بہت ڈرتے تھے۔

یزید بن عبدالملک بن مروان بن حکم' بنوامیہ کے بادشاہوں میں سے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات کے دن' اپنے بھائی سلیمان کی وصیت کے مطابق خلیفہ بنائے گئے۔ چالیس دن عمر بن عبدالعزیز کی روش پر چلے پھر ان کے پاس دمشق کے کچھ سرکردہ لوگوں نے حاضر ہو کر حلفیہ بیان دیا کہ خلفاء حساب و عقاب سے آزاد ہوتے ہیں۔ شام کے بعض جاہلوں کا یہی عقیدہ تھا اور اسی عقیدے کی بنا پر یزید کو فریب میں مبتلا کیا۔ جولان کے علاقے میں فوت ہوئے اور انہیں دمشق لے جا کے ۲۵ شعبان ۱۰۵ھ کو باب جابیہ اور باب الصغیر کے درمیان دفن کیا گیا۔ ان کی عمر انتیس سال اور عرصہ خلافت چار سال اور ایک ماہ تھا۔ (اس مختصر تعارف کے بعد اب واقعہ ملاحظہ ہو)

عمر بن ہبیرہ عبدالملک بن یزید کے دور میں واسط کے گورنر اور اچھی سیرت کے مالک تھے۔ علماء سے محبت رکھتے تھے۔ فقہائے کرام کی باتیں توجہ سے سنتے اور ان کے فیصلوں کا احترام کرتے تھے۔ ایک دن انہوں نے اپنے دور کے تین نامور علماء کو دعوت دی جو اپنے زمانے میں علم و فضل' زہد و تقویٰ اور فقاہت کے امام تھے۔

(۱) حسن بصری (۲) محمد بن سیرین (۳) شعبی

یہ تینوں علمی دنیا کے ستون تشریف لائے تو ان کا پرتپاک استقبال کیا' ان کی مہمانی اور ضیافت کا شاندار اہتمام کیا اور خدمت کے لیے خدام کی ایک جماعت مقرر کر دی۔

تینوں حضرات امیر کے ہاں ایک مہینہ پوری شان و شوکت کے ساتھ رہے' ہر دن ان کے اعزاز و اکرام میں اضافہ ہوتا رہا اور ان پر انعامات کی بارش ہوتی رہی۔

ایک دن امیر کے دربان نے آ کر انہیں امیر کا سلام دیا اور خبر سنائی کہ آج امیر آپ سے ملاقات کریں گے' وہ آنے ہی والے ہیں۔ یہ حضرات بیٹھے امیر کا انتظار کرتے رہے۔ عمر بن ہبیرہ تن تنہا لاٹھی ٹیکتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئے' ان کے ساتھ کوئی خادم نہ تھا' بڑے عمدہ انداز میں سلام کیا اور انہیں خوش آمدید کہا اور ان کے پاس بیٹھ کر خیریت دریافت کی اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ کا وقتِ آرام و سکون کے ساتھ گزرا؟ ان بزرگوں نے امیر کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ نے ہماری بڑی خدمت کی اور ہمارے لیے بڑا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بھلائی عطا فرمائے۔

عمر نے کہا' میرے دل میں ایک چیز کھٹک رہی ہے اور میں اس کے بارے میں بہت متردد ہوں۔ میں اسی کے بارے میں آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے آپ سے بڑا خیر خواہ' علم والا اور صاحبِ تقویٰ نہیں ملا۔ آپ حضرات اُمتِ مسلمہ کے دینی رہنما اور شریعت کا پرچم بلند کرنے والے ہیں۔ سب نے بیک زبان پوچھا' وہ کیا ہے؟

امیر نے کہا جیسے کہ آپ جانتے ہیں' یزید بن عبدالملک' اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے اس نے لوگوں سے عہد لے رکھا ہے کہ وہ اس کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں اور خود عوام کو بھی عہد دے رکھا ہے اس کی طرف سے مجھے کچھ ایسے احکام ملتے ہیں جن کے نافذ کرنے میں میری ہلاکت ہے اگر میں اس کی اطاعت کروں تو اللہ تعالیٰ کا نافرمان ٹھہروں گا' آپ مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟

حسن بصری نے ابن سیرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا' آپ امیر کے سوال کا

جواب دیجیے! ابن سیرین نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور نگاہیں نیچی کر لیں۔ ان کے چہرے پر خوف اور ہیبت کی ایک لہر گزر گئی' ان پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ انہوں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔

پھر حسن بصری نے شعبی کی طرف متوجہ ہو کر کہا' آپ امیر کے سوال کا جواب ارشاد فرمائیں! شعبی نے چند کلمات کہے' صاف دکھائی دیتا تھا کہ ان پر حکومت کا رعب طاری ہو چکا ہے اور وہ تردد کا شکار ہیں اور جو کچھ کہنا چاہتے ہیں' صاف صاف نہیں کہہ سکے۔

عمر بن ہبیرہ نے ان کی گفتگو سنی لیکن ان کے جواب سے انہیں تشفی نہیں ہوئی۔ امیر نے حسن بصری کی طرف متوجہ ہو کر کہا' ابو سعید! جو کچھ آپ نے سنا اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ اور آپ کی اپنی رائے کیا ہے؟

حسن بصری سر جھکائے اس سوچ بچار میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہیں کیا کہنا چاہیے؟ انہوں نے سر اٹھایا اور ابن ہبیرہ پر بھرپور نظر ڈالی جیسے کہیں دور سے اس کی روح کو حاضر کر رہے ہوں تاکہ اسے خالص نصیحت اور کھری کھری باتیں سنائیں۔ ان کی دینی ذمہ داری نے انہیں برانگیختہ کیا کہ حق بات واشگاف لفظوں میں کہہ دیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے جلال کا تصور کیا تو ہر ہیبت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ انہوں نے اس شخص کی طرح گفتگو کی جس کی نگاہوں میں حق کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔

حسن بصری نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

چونکہ آپ نے مجھ سے سوال کیا ہے اس لیے مجھ پر جواب دینا لازم ہو گیا ہے کیونکہ دین اخلاص کا نام ہے' اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے' مسلمانوں کے سربراہوں کے لیے' عامتہ المسلمین کے لیے۔ انہوں نے امیر کے لقب کا ذکر کیا اور نہ ہی اس کی کنیت کا بلکہ براہِ راست نام لے کر اسے مخاطب کیا۔

عمر بن ہبیرہ! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے یزید سے محفوظ رکھے گا۔ یزید تجھے اللہ تعالیٰ سے بچا نہیں سکے گا' وہ وقت دور نہیں جب آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو گا' وہ تجھے تخت

حکومت سے اُتار دے گا اور محلات کی وسعت سے نکال کر تجھے تیرے گھر کے صحن میں پہنچا دے گا پھر تجھے گھر کے صحن سے نکال کر قبر کی تنگ اور تاریک کوٹھڑی میں پہنچا دے گا جہاں تیرے عمل صالح کے علاوہ وسعت کا کوئی ذریعہ نہیں ہوگا۔

ابن ہبیرہ! میں تجھے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے منع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو صرف اور صرف اپنے بندوں کا یاور و مددگار بنایا ہے اور اپنے دین کا پاسبان لہٰذا تم لوگ خداداد حکومت کے بل بوتے پر بندگانِ خدا کی گردنوں پر سوار ہو کر انہیں ذلیل نہ کرو کیونکہ ' لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ"

''کسی مخلوق کی بات مان کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی جا سکتی۔''

ابن ہبیرہ! اس بات سے ڈر کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی نافرمانی ایسے قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھے اور تجھ پر قہر و غضب کی نگاہ ڈالے اور تجھ پر رحمت کا دروازہ بند کر دے۔

ابن ہبیرہ! میں نے اس اُمت کے دورِ اوّل کے بہت سے قدسی صفات افراد کو دیکھا ہے، تم اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اتنا نہیں بچتے ہو گے جتنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے بچتے تھے۔ تمہیں اپنے گناہوں کے بخشے نہ جانے کا اس قدر خوف نہیں ہوگا جتنا کہ انہیں اپنی نیکیوں کے مردود ہونے کا خوف تھا۔ دنیا کے مال و متاع کی جتنی اہمیت تمہاری نگاہوں میں ہے اس سے کہیں زیادہ ان کے نزدیک اخروی ثواب کی اہمیت تھی۔ دنیا تم سے دُور ہونا چاہتی ہے اور تم اس کے پیچھے بھاگ رہے ہو جب کہ دنیا ان کی طرف مائل ہوا اس سے کہیں زیادہ وہ دنیا سے اعراض کرتے تھے۔

حسن بصری چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئے، حق کی ہیبت امیر پر چھا گئی، وہ حسن بصری کی گفتگو سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو گیا یوں دکھائی دیتا کہ عمر بن ہبیرہ غائب کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ دوسرا شخص لا کر بٹھا دیا گیا ہے۔ ایک دفعہ پھر حسن بصری کی آواز بلند ہوئی۔ سرچشمۂ ایمان اور آسمان اخلاص سے وارد ہونے والے مضامین کے بیان

کرنے کے لیے وہ سراپا زبان بن گئے اور پورے جلال کے ساتھ گویا ہوئے:

"اے عمر! میں تجھے اس مقام سے ڈراتا ہوں جہاں تجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر و غضب سے ڈرایا ہے۔" ارشادِ ربانی ہے:

"ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ ۝" (ابراہیم ۱۴/۱۴)

"یہ ان کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے جو عذاب کا حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے۔"

اے عمر! اگر تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور یزید کے خلاف ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے اس کی طرف سے آنے والی ہر مصیبت سے محفوظ رکھے گا اور اگر تو یزید کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے اس کے سپرد کر دے گا۔

امیر ان کلمات حق و صداقت کی گرفت میں آ گیا اس کا چہرہ فرطِ ندامت کی بناء پر سرخ ہو گیا۔ وہ ایمان و اخلاص سے معمور دل سے صادر ہونے والے ان کلمات کو پوری طرح سن نہ سکا اس کے رخساروں پر آنسو بہنے لگے اس پر شدت گریہ طاری ہو گئی اور آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی' وہ اُٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے واپس چلا گیا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس کی ذات میں ایک ایسا انقلاب آ گیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فوز و فلاح کی بشارت ملنے سے روحوں پر طاری ہوا کرتا ہے اس انقلاب نے حکومت کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر تبدیل کر دیا اور اسے ایسے سیدھے اور سچے راستے پر ڈال دیا جو اسے پہلے معلوم نہ تھا۔

اس پر حقیقت' اپنی تمام تر عظمتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی۔ جاتے ہوئے وہ بار بار ان کلمات کو دہرا رہا تھا:

"عمر! اگر تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور یزید کے خلاف ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے یزید کی طرف سے آنے والی ہر مصیبت سے محفوظ رکھے گا اور اگر تو یزید کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کے خلاف ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے اس کے سپرد کر دے

گا۔“

”ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ“ (ابراہیم ۱۴/۱۴)

”یہ اس کے لیے ہے جو میری بارگاہ میں کھڑے ہونے اور میری وعید سے ڈرا۔“

دوسرے دن امیر نے انہیں انعام واکرام سے نوازا۔ حسن بصری کو چار ہزار درہم دیئے ابن سیرین اور شعبی کو دو دو ہزار شعبی وہاں سے نکل کر سیدھے مسجد میں گئے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے۔ انہیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تم میں سے جو شخص مخلوق کو چھوڑ کر خالق کی رضا حاصل کر سکتا ہے ضرور کرے۔ ابن ہبیرہ نے مجھے حسن بصری اور شعبی کو بلایا اور ہم سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے اور ابن سیرین نے ابن ہبیرہ کا لحاظ کیا ہم اسے بطورِ نصیحت وہ کلمۂ حق نہ کہہ سکے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر واجب کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دُور کر دیا اور ہمارے انعام میں کمی کر دی۔ حسن بصری نے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نصرت واعانت سے نوازا مالا مال کیا اور ہماری نسبت انہیں مال بھی زیادہ دیا ہیبت بھی زیادہ عطا کی۔

دورِ اوّل میں ایسے لوگ اُمت مسلمہ کے سربراہ ہوتے تھے وہ علماء سے نصیحت کی درخواست کرتے تھے اور علماء انہیں بے دھڑک ہو کر نصیحت کرتے تھے۔ حکمران ان کی نصیحتوں پر عمل کرتے تھے۔ جس کا فائدہ انہیں بھی ملتا تھا اور اُمت مسلمہ کو بھی کیونکہ مخلص علماء انبیاء ومرسلین کے وارث ہیں۔ ان سے وعدہ لیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حق بیان کریں چاہے اس کے لیے کتنی ہی مشکلات اور دشواریاں برداشت کرنا پڑیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حق کے بیان کرنے اور اس کی حمایت کرنے سے کسی ملامت گر کی ملامت نہیں روک سکتی۔ ان کے دل دنیا اور اس کی چمک دمک رزق اور اس کے اسباب سے بے نیاز ہو چکے ہیں ان کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی یاد اور اطاعت میں گزرتے ہیں اور وہ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث

میں ہے:

"فَوَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَا يَمْنَعُ رِزْقًا وَّلَا يُقَدِّمُ اَجَلًا."

"قسم ہے اس ذاتِ اقدس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا نہ تو رزق کو روکتا ہے اور نہ ہی موت پہلے لاتا ہے۔"

☆...... امام ابوسعید حسن بصری علیہ الرحمہ سنت و ہدایت کے امام تھے' جامع عالم' ثقہ لائق اعتماد صاحب عبادت و ریاضت' فصیح اپنے زمانے کے عظیم مجاہد اور بہادر امراء اور علماء کو پوری قوت کیساتھ نصیحت کرنے اور ہدایت دینے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ۱۱۰ھ میں وصال ہوا۔

☆...... امام ابوبکر محمد بن سیرین انصاری' بصری: اپنے وقت کے امام' ثقہ' معتمد علیہ امام فقیہ اور وسیع علم والے تھے' ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتے' بڑے متقی تھے' ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے' خوابوں کی تعبیر بیان کرنے میں مشہور تھے۔ ۱۱۰ھ میں وصال ہوا۔

☆...... امام عامر بن شراحیل حمیری شعبی' ابوعمر و کوفی' جلیل القدر امام تھے' پانچ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کی۔ کہا جاتا تھا کہ شعبی سے بڑا فقیہ کوئی نہیں حافظہ بہت قوی تھا خود فرماتے ہیں کہ میں نے جو کچھ کاغذ پر لکھا وہ سب مجھے یاد ہے۔ ۱۰۳ھ میں وصال ہوا۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم رحمۃ اللہ واسعۃ

یاد رہے یاقوت نے معجم البلدان میں بیان کیا ہے کہ واسطہ کا نام واسطہ رکھنے کی دو وجہیں ہیں۔

(۱) وہ کوفہ اور بصرہ کے درمیان ہے۔

(۲) اس کا فاصلہ کوفہ اور بصرہ ہر ایک سے ایک سو پچاس میل ہے۔

۸۴ھ میں اس کی تعمیر کا آغاز حجاج نے کیا اور ۸۶ھ میں اسے مکمل کیا اس میں اس نے اپنا محل، مسجد اور فصیل تعمیر کی اس کی تعمیر پر چالیس کروڑ تیس لاکھ درہم خرچ کیے۔ یہ عظیم شہر ہے جس کے محلے اور دیہات کثیر تعداد میں ہیں، باغات اور کھجوروں کے بے شمار درخت ہیں، ہر چیز نہایت سستی ہے۔ (معجم البلدان)

(۴۳)

حاتم سے بھی بڑا سخی؟

حاتم طائی کا نام حاتم بن عبداللہ بن سعد بن الحشرج الطائی القحطانی ہے۔ یہ نجد کا رہنے والا تھا' نہایت بہادر اور دلیر تھا' شعر و شاعری سے خاصی دلچسپی تھی' جود وسخا میں اس کی مثال نایاب تھی۔ حاتم طائی کا نام زبان پر آتے ہی ایک عظیم اور بے مثال سخی کا تصور لوگوں کے ذہن و دماغ میں اُبھر آتا ہے اس کی وفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے آٹھویں سال ہوئی۔ (دیکھیے علامہ زرکلی کی کتاب: الاعلام ۲/۱۵۱)

کسی نے حاتم طائی سے پوچھا:

"هَلْ عَلَيْكَ اَحَدٌ فِي الْكَرَمِ؟"

"کیا کبھی ایسا ہوا کہ کوئی شخص جود وسخا میں آپ پر سبقت لے گیا ہو۔"

حاتم طائی نے جواب دیا: ہاں' ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مجھے قبیلۂ طے کے ایک یتیم کے گھر ٹھہرنے کا موقع ملا اس کے پاس دس بکریاں تھیں اس نے میری مہمانی کی خاطر ایک بکری ذبح کی اور دستر خوان پر میرے آگے اس کا مغز پیش کیا' مجھے مغز کا وہ حصہ بہت ہی لذیذ لگا اور میں نے کھانے کے ساتھ ہی کہا: "طَيِّبٌ وَاللهِ۔"

"واللہ! یہ کس قدر لذیذ ہے۔"

یتیم لڑکے نے جب میری زبان سے یہ الفاظ سنے تو اس نے ایک ایک کر کے ساری بکریوں کو ذبح کر کے ان کا مغز میرے آگے پیش کر دیا' مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ میری خاطر اپنی ساری بکریاں ذبح کر دی ہیں جب میں واپسی کے لیے اس کے گھر سے

نکلا تو میری نگاہ گھر کے اردگرد پھیلے خون پر پڑی میں نے دیکھا کہ اس نے بکریوں کو ان کی رسیوں سمیت ہی ذبح کر ڈالا ہے۔ میں نے اس یتیم سے مخاطب ہو کر کہا:

"لِمَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ؟"

"تم نے ان ساری بکریوں کو کیوں ذبح کر ڈالا۔"

وہ کہنے لگا:

"يَاسُبْحَانَ اللهِ! تَسْتَطِيْبُ شَيْئًا أَمْلِكُهُ فَأَبْخَلَ عَلَيْكَ بِهٖ، اِنَّ ذٰلِكَ لَسُبَّةٌ عَلَى الْعَرَبِ قَبِيْحَةٌ!"

"سبحان اللہ! آپ (جیسے میرے مہمان) کو کوئی ایسی چیز اچھی لگے جو میرے قبضے میں ہو اور میں بخل سے کام لے کر آپ سے اسے روک رکھوں؟ یہ تو عربوں کی شان میں ایک گستاخی اور عیب ہوگا!"

حاتم طائی سے پوچھا گیا: "فَمَا الَّذِيْ عَوَّضْتَهُ."

"پھر آپ نے بطورِ عوض اس یتیم لڑکے کو کیا دیا؟"

حاتم طائی نے کہا: میں نے اس یتیم کو تین سو سرخ اونٹنیاں اور پانچ سو بکریاں دیں۔ یہ سن کر لوگوں نے حاتم طائی سے کہا:

"اَنْتَ اِذًا اَكْرَمُ مِنْهُ."

"پھر تو آپ اس سے زیادہ سخی ہوئے۔"

حاتم طائی نے ان کے جواب میں کہا:

"بَلْ هُوَ اَكْرَمُ، لِاَنَّهٗ جَادَ بِكُلِّ مَا يَمْلِكُ، وَاِنَّمَا جُدْتُ بِقَلِيْلٍ مِّنْ كَثِيْرٍ."

"نہیں! بلکہ وہ یتیم مجھ سے زیادہ سخی تھا کیونکہ اس نے اپنی ملکیت میں موجود سب کچھ سخاوت کر دی جب کہ میں نے اپنی ملکیت کا ایک چھوٹا سا حصہ دیا۔" (المستجاد للتنوخی، ص ۲۰۲)

(۴۴)

ایمان اور قرآن کا فیضانِ عام

طلباء مدارس اور دانش کدوں سے فارغ ہو کر دُور دراز علاقوں میں چلے جاتے ہیں اور زمانہ انہیں علمی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا وسیع میدان فراہم کرتا ہے اس وقت علمی مراکز اور دانش گاہوں کے اثرات اور مقاصد ان فضلاء کی زبانوں سے نکل کر منظر عام پر آتے ہیں تب انہیں آلام و مصائب کی بھٹیوں اور رخصت و عزیمت کی شاہراہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

یہی وہ وقت ہوتا ہے جب انسانی نفوس کے جوہر کھلتے ہیں' روحوں کی حقیقتیں اور صلاحیتیں بے نقاب ہوتی ہیں اور جن مدارس سے پڑھ کر وہ نکلے ہیں' ان کے مقاصد ان سند یافتہ ارباب علم کی زبانوں اور مجاہدانہ کارناموں کے ذریعے دُنیا کے سامنے آتے ہیں خصوصاً ان اصحاب علم وفکر کے ذریعے جو اپنے خالق و مالک پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں۔

انسان کے دل میں ایمان کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی ہے جب ایمان دل میں جلوہ گر ہو جاتا ہے تو وہ ایسی طاقت بن جاتا ہے کہ بلند و بالا پہاڑ اس کا راستہ نہیں روک سکتے اور صف شکن دلاور اس کے آگے نہیں ٹھہر سکتے۔ تاریخ کے صفحات ان کے ایمان کے اثرات سے جگمگا رہے ہیں۔

یہ جلیل القدر انصاری صحابی حضرت خبیب بن عدی ہیں جنہیں رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے ہمراہ عرب کے کچھ قبائل کے پاس بھیجا تا کہ انہیں دین متین کا پیغام پہنچائیں' اسلامی تعلیمات سکھائیں اور جہالت و معصیت اور کفر و فسق کے اندھیروں سے نجات دلائیں' ان ظالموں نے غداری کی اور امن و ہدایت کے علمبرداروں کو شہید کر دیا اس وقت خبیب بن عدی اور زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہما کو گرفتار کر کے معمولی قیمت پر مکہ مکرمہ میں بیچ دیا گیا۔ حضرت خبیب نے جنگِ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس کے بیٹوں نے اپنے دل کی آگ ٹھنڈی کرنے اور عار کی ذلت کو دھونے کے لیے خبیب کو خرید لیا اور قتل کرنے تک ماویہ بنت حجیر کے گھر قید کر دیا۔

ماویہ کا بیان ہے کہ خبیب میرے گھر میں قیدی بنا کر رکھے گئے تو انہوں نے تمام عرصے میں اس جانور کا گوشت کھانے سے انکار کیا جسے اللہ تعالیٰ کا نام لیے بغیر ذبح کیا گیا ہو' وہ ہمارے گھر سے ملنے والا صرف دودھ نوش کر لیتے تھے۔ میں نے انہیں جب بھی دیکھا' روزے کی حالت میں' نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ روحانی فرشتے تھے جن کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹتی تھیں ان کے ملکوتی کردار نے مجھے مرعوب کر دیا اور ان کے ایمان نے میرے دل میں گہرا اثر چھوڑا۔ ایک دن میں نے چھپ کر دروازے کے سوراخ میں سے انہیں دیکھا تو حیران رہ گئی۔ ان کے ہاتھ میں انسانی سر کے برابر ترو تازہ انگوروں کا گچھا تھا اور وہ توڑ توڑ کر انگور کھا رہے تھے حالانکہ میرے علم کے مطابق اس وقت روئے زمین پر انگور موجود نہ تھے میں نے ان سے پوچھا' خبیب! یہ انگور کہاں سے ملے ہیں؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا' یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور مجھ پر دہشت طاری ہو گئی وہ جب قرآن پاک پڑھتے تو عورتیں سننے کے لیے اکٹھی ہو جاتیں اور اتنی متاثر ہوتیں کہ خوفِ الٰہی کی بناء پر زار و قطار رونے لگتیں۔

دین و ایمان کے دشمنوں نے جب انہیں قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وقت مقرر کر دیا تو خبیب نے کثرت سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے ان کے دل

میں ذرہ برابر ملال پیدا نہ ہو۔

اب اہلِ مکہ نے ان کے ایمان کے خریدنے کا فیصلہ کیا' انہوں نے پیش کش کی کہ ہم تمہیں آزاد کر دیں گے اور منہ مانگا انعام بھی دیں گے۔ شرط صرف اتنی ہے کہ تم ایک بار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دو۔ خبیب نے بڑی سختی سے ان کی پیش کش ٹھکرا دی اور کہا' میرے نزدیک موت اتنی معمولی چیز ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بنوالحارث جب انہیں شہید کرنے کے لیے گئے تو انہوں نے کہا' مجھے اتنی مہلت دے دو کہ میں دو رکعت نماز ادا کر لوں چنانچہ انہوں نے بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں' خون کے پیاسے بیٹھے دیکھتے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر انہیں خطاب کرتے ہوئے کہنے لگے اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم سمجھو گے کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں تو نماز لمبی پڑھتا مشرکین نے انہیں ایک ستون پر سولی چڑھا دیا جب انہیں مسکراتے ہوئے قبلہ شریف کی طرف رخ کیا۔ خوف دہراس کا نام ونشان تک نہ تھا یوں دکھائی دیتا کہ وہ دوستوں کی ملاقات سے مسرور ہیں' انہوں نے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی طرف نگاہیں اٹھائیں تو بیت اللہ شریف' مدینہ منورہ' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سب ان کے سر کی آنکھوں کے سامنے تھے' اردگرد کا پورا ماحول اور دشمنوں کا اجتماع سب کچھ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ خبیب نے کہا:

یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے میرا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہر اور کعبہ مبارکہ کی طرف کر دیا ہے جسے تو نے اپنے اہل ایمان بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔

یا اللہ! اپنے رسول کو میرا اسلام پہنچا دے اور جو کچھ یہ لوگ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں اس کی اطلاع اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دے دے۔

اے خالق کائنات! مجھے اپنے آس پاس صرف دشمنوں کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔ میرے مالک! انہیں گن لے اور انہیں قتل کر کے پارہ پارہ

کردے اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دے۔

مظلوم خبیب کی دعا سن کر ابوسفیان اتنے خوف زدہ ہوئے کہ زمین پر گر گئے' وہ جانتے تھے کہ مظلوم کی دعا خالی نہیں جاتی حالانکہ اس وقت وہ ایمان نہیں لائے تھے۔

پھر ظالموں نے انہیں قتل کر دیا جب بھی ان پر نیزے یا تلوار کا وار کیا جاتا تو وہ جھوم اُٹھتے' لمبی لے میں پڑھتے لا الٰہ الا اللہ وہ بڑی بہادری' ثابت قدمی اور ایمان وصبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ ان کی غیرت ایمانی اور استقامت میں کوئی کمزوری پیدا نہ ہوئی۔ بعینہ وہی وقت تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جھرمٹ میں تشریف فرما ہیں۔ آپ پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے جب افاقہ ہوا تو آپ کی آنکھوں میں سیل اشک رواں تھا اور آپ کہہ رہے تھے خبیب!

''تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں نازل ہوں۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا تو فرمایا قریش نے انہیں شہید کر دیا ہے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت مقداد بن اسود اور زبیر بن عوام کو حضرت خبیب کی نعش لانے کے لیے بھیجا۔ حضرت زبیر کا بیان ہے کہ میں وہاں پہنچا تو چالیس افراد نشے میں دُھت پڑے ہوئے تھے۔ میں خبیب کی نعش کو کھول کر تھوڑا سا پیچھے ہٹا تو وہ نیچے گر گئی۔ بالکل تر و تازہ اس میں کچھ بھی تبدیل پیدا نہ ہوئی تھی۔ میں نے اسے گھوڑے پر رکھا اور چل دیا' اتنے میں مشرکین کو بھی پتہ چل گیا جب میں نے دیکھا کہ وہ بالکل قریب آ چکے ہیں تو میں نے نعش نیچے گرا دی تا کہ تیزی سے دوڑ سکوں اور یقینی موت سے بچ جاؤں۔ مشیتِ ایزدی یہ تھی کہ شہید مجاہدوں کے جسموں کو بے آبروئی سے محفوظ رکھا جائے چنانچہ زمین نے ان کی نعش کو اس طرح نگلا کہ نام ونشان باقی نہ رہا اس لیے ان کا نام بلیع الارض (وہ جسے زمین نگل گئی) قرار دیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت خبیب اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان نہ تو انہیں ورثے میں ملا تھا' نہ ہی معاشرے کا عطیہ تھا اور نہ ہی ہاں میں ہاں ملانے کا نتیجہ

تھا بلکہ ایک راسخ عقیدہ تھا جس کی جڑیں ان کے دِلوں میں پیوست تھیں اور اسے قرآن اور اخلاق کے سرچشمہ صافی سے سیراب کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایمان کے پودے نے دوگنا پھل دیا اور اس میں کچھ کمی نہ ہوئی' مصائب وحوادث کی آندھیاں اسے بدل نہ سکیں بلکہ اس کی قوت اور پختگی میں روزافزوں ترقی ہی ہوتی رہی جس قوم کے افراد کے دِلوں میں ایمان رچ بس نہیں جاتا وہ نہ صرف کمزور ہوتی ہے بلکہ اپنی معنوی زندگی اور ترقی کھو بیٹھتی ہے ایسی قوم علم اور ثقافت کی روح سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھاتی اس کے لیے علم وبال اور بدبختی کا سبب بن جاتا ہے۔

جس قوم کی گھٹی میں ایمان باللہ شامل ہو اس کے لیے یہ مسئلہ کچھ عجیب نہیں ہوتا' وہ اس طرح زندگی گزارتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہوں اور اس سے انس حاصل کر رہے ہوں جو کچھ ان کے رب کی طرف سے آتا تھا اس پر راضی رہتے تھے اور اسے میٹھا اور لذیذ جانتے تھے۔

ان لوگوں کے دل رنج وراحت میں مستحکم رہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انہیں جو کچھ بھی پیش آیا اس کے سامنے بزدل اور کمزور نہ ہوئے اور نہ ہی زمانے کے حملوں اور حوادث کے آگے جھکے' وہ ہمیشہ سرچشمۂ ایمان سے ایسا نور طلب کرتے رہے جو تاریک زندگی کے انجانے راستوں کو روشن کر دے اور سرکش دِلوں سے غفلت کے پردے چاک کر دے' وہ خود تو زمین پر چلتے تھے لیکن ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے سراپا اشتیاق اور مسرور رہتی تھیں۔

یہ خبیب بن عدی بن مالک بن عامر انصاری اوسی تھے' غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں جام شہادت نوش کیا۔ حدیث صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس افراد کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا اور حضرت عاصم بن ثابت افلح کو ان کا امیر مقرر کیا۔ امام بخاری' حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت خبیب کو ابو سروعہ نے شہید کیا۔ اسی طرح اصابہ میں ہے۔ اور اصابہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت زید بن دثنہ جلیل القدر صحابی تھے' بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ غزوہ بئر معوذ میں مشرکین نے انہیں گرفتار کر لیا اور قریش نے انہیں مقام تنعیم میں شہید کر دیا' وہ فقہاء صحابہ میں سے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ فرفور)

(۴۵)

وہ عمر جس کے اعداء پہ شیدا سقر

ساریہ بن زنیم الدولی اپنے لشکر کے ساتھ فسا اور دار ابجرد نامی دو شہروں کو فتح کرنے کے ارادے سے نکلے وہاں پہنچنے کے بعد دشمنوں نے لشکر اسلامی کو دعوتِ مبارزت دی۔ یکایک دشمنوں نے مجاہدین کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں تھے ادھر جنگ جاری تھی اور مسلمان دشمنوں کے نرغے میں تھے۔ آپ نے دورانِ خطبہ کہا:

"یَا سَارِیَةَ بْنَ زَنِیْمٍ اَلْجَبَلَ اَلْجَبَلَ"

"ساریہ بن زنیم! پہاڑ کے دامن کولازم پکڑو، پہاڑ کے دامن کولازم پکڑو۔"

حاضرین امیر المومنین کی اس بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکے۔ مجاہدین کے قریب ہی ایک پہاڑ تھا جہاں پناہ گزیں ہو کر وہ دشمنوں سے مقابلہ بآسانی کر سکتے تھے۔

امیر المومنین کا یہ جملہ وہاں گونج رہا تھا جہاں مجاہدین دشمنانِ اسلام سے برسرپیکار تھے یکایک ساریہ بن زنیم اپنے لشکر کو لے کر پہاڑ کے دامن میں چلے گئے اور مجاہدین کی صف آرائی کر کے دشمنوں سے جنگ شروع کر دی۔ پہاڑ نے چونکہ مجاہدین کو کئی طرف سے محفوظ کر دیا تھا اس لیے مجاہدین کو مقابلہ میں آسانی ہو گئی تھی چنانچہ مجاہدین نے جم کر حملہ کیا اور اللہ کے فضل سے دشمنوں کو شکست فاش سے دوچار کر دیا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد لشکر اسلامی کو بہت سامالِ غنیمت ہاتھ آیا اس میں ایک

سنگاردان تھا جس میں ایک قیمتی پتھر کا نگ لگا ہوا تھا۔ ساریہ بن زنیم نے مجاہدین کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ کیوں نہ یہ سنگاردان امیر المومنین کو بطورِ ہدیہ بھیج دیا جائے۔ چنانچہ مجاہدین نے بخوشی اس تجویز کو مان لیا اور اسے امیر المومنین کو دینے کے لیے راضی ہو گئے چونکہ اس سنگاردان کے اصل مستحق تو وہی مجاہدین تھے۔ ساریہ بن زنیم نے وہ سنگاردان ایک آدمی کو دے کر فتح کی خوش خبری دینے کے لیے امیر المومنین کی خدمت میں بھیجا۔ ساریہ بن زنیم نے پیغامبر سے کہا: جاؤ اور امیر المومنین تک مدینہ منورہ پہنچنے میں جتنا مال چاہیے اور جتنا مال تمہارے اہل وعیال کے اخراجات کے لیے چاہیے اتنا کہیں سے بطورِ قرض لے لو۔

وہ پیغامبر بصرہ پہنچا اور لوگوں سے حسبِ ضرورت قرض لیا اور امیر المومنین کی خدمت میں مدینہ منورہ کو روانہ ہو گیا۔ مدینہ پہنچا تو دیکھا کہ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں کو کھانا کھلا رہے ہیں۔ کھانا کھلانے کے بعد جب امیر المومنین گھر جانے لگے تو وہ پیغامبر بھی ساتھ ہو لیا' گھر پہنچ کر بیٹھے تو دستر خوان چنا گیا' کھانے میں روٹی' زیتون' نمکین دلیا تھا' دونوں نے کھانا تناول کیا' کھانے کے بعد پیغامبر نے کہا:

"أَنَا رَسُوْلُ سَارِيَةَ بْنِ زُنَيْمٍ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ."

"امیر المومنین! میں ساریہ بن زنیم کا پیغامبر ہوں۔"

امیر المومنین نے سنتے ہی پر تپاک انداز میں اسے خوش آمدید کہا اور اسے بہت قریب کر کے اپنے پاس بٹھا لیا اس کے بعد امیر المومنین کو مجاہدین کے حالات بتائے پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے ساریہ بن زنیم کی خیریت دریافت کی اس نے ان کے حالات سے بھی آپ کو آگاہ کیا پھر اس نے آپ کی خدمت میں ساریہ بن زنیم کا بطورِ تحفہ بھیجا ہوا سنگاردان پیش کیا۔

تحفہ دیکھتے ہی امیر المومنین کا تیور بدل گیا اور زوردار آواز میں کہنے لگے:

"لَا لَا کَرَامَةَ حَتّٰی تَقْدَمَ عَلٰی ذٰلِكَ الْجُنْدِ، فَتُقَسِّمَهُ بَيْنَهُمْ ."

"مجھے یہ تحفہ نہیں چاہیے اس کا حق یہ ہے کہ تم لشکر اسلامی کے پاس جاؤ اور اسے ان مجاہدین کے درمیان تقسیم کردو۔"

یہ کہہ کر امیر المومنین نے تحفہ لینے سے انکار کر دیا اور پیغامبر کو واپس جانے کو کہا۔

پیغامبر کہنے لگا: امیر المومنین! میں اپنے اس اونٹ پر دور سے سفر کر کے آپ کی خدمت میں پہنچا ہوں، یہ اونٹ بُری طرح تھک گیا ہے اور ساتھ ہی میں نے یہاں آنے کے لیے کچھ مال بھی قرض لیا ہوا ہے اس لیے آپ میری سواری کا بندوبست کر دیں اور مجھے اتنا مال بھی دے دیں جس سے میں اپنے دیار میں واپس ہو سکوں۔

امیر المومنین نے دیکھا کہ پیغامبر اصرار کے ساتھ تقاضہ کرتا جا رہا ہے تو آپ نے صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ اسے دے دیا اور ساتھ ہی اس کا اونٹ لے کر صدقہ کے دیگر اونٹوں میں شامل کر دیا۔ پیغامبر کو جب امیر المومنین کی جانب سے کچھ ہاتھ نہیں آیا تو وہ غصے کی حالت میں بصرہ واپس گیا۔

مدینہ میں پیغامبر سے ساریہ بن زنیم اور فتح کے بارے میں پوچھا گیا کہ فتح کے دن تم نے کوئی بات سنی تھی؟ پیغامبر نے کہا:

"نَعَمْ، سَمِعْنَا: يَا سَارِيَةُ! الْجَبَلَ الْجَبَلَ، وَقَدْ كِدْنَا نَهْلِكُ، فَلَجَأْنَا إِلَيْهِ، فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْنَا."

"ہاں! ہم نے یہ سنا تھا: اے ساریہ! پہاڑ کے دامن میں، پہاڑ کے دامن میں، ہم دشمنوں کے نرغے میں ہلاک ہو جانے والے تھے مگر جب ہم نے آواز سن کر پہاڑ کے دامن میں جا کر لڑائی کی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح و کامیابی سے نوازا۔"

(تاریخ الطبری ۴/۵۵۳، البدایہ والنہایہ ۷/۱۳۰، حافظ ابن کثیر کہتے ہیں اس کی سند حسن اور جید ہے)

(۴۶)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی ذکاوت

(۱) حضرت عمرو بن العاص بن ہاشم بن وائل قریشی سہمی تھے' ان کی کنیت ابوعبداللہ اور ابومحمد تھی' فتح مکہ سے پہلے ماہ صفر ۸ ھ میں اسلام لائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سات سال پہلے اسلام لائے اور ۴۳ ھ میں راہی دار آخرت ہوئے' نوے سال عمر پائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں مصر کا گورنر بنایا۔ حضرت عمرو بن العاص عرب کے ذہین ترین فرد تھے جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیساریہ فتح کر کے آگے بڑھے تو غزہ کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ غزہ کے رئیس نے پیغام بھیجا کہ اپنے کسی ساتھی کو گفتگو کے لیے میرے پاس بھیجئے۔ حضرت عمرو نے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کیا کہ اس کام کے لیے میرے سوا کوئی موزوں نہیں ہے۔

چنانچہ خود روانہ ہوئے اور رئیس کے پاس پہنچ کر اس سے گفتگو کی۔ رئیس ان کی گفتگو سن کر دنگ رہ گیا اس نے کبھی ایسی گفتگو نہیں سنی تھی۔ کہنے لگا یہ بتائیے کہ آپ کے ساتھیوں میں آپ جیسا عقل مند کوئی دوسرا شخص بھی ہے۔ حضرت عمرو نے کہا' یہ نہ پوچھئے! میں ایک معمولی شخص ہوں اسی لیے میرے ساتھیوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ انہوں نے مجھے اس مشکل میں ڈال دیا ہے حالانکہ انہیں معلوم نہیں کہ آپ میرے ساتھ کیا

معاملہ کرنے والے ہیں؟ رئیس نے حکم دیا کہ انہیں تحفے تحائف اور پوشاک دو اور اپنے دربان کو پیغام بھیجا کہ جب یہ تمہارے پاس سے گزریں تو سب کچھ چھین کر اس کا سر قلم کردو۔

جب رئیس کے پاس سے نکلے تو غسان کا ایک عیسائی آپ کے پاس سے گزرا اس نے آپ کو پہچان لیا اور کہنے لگا' آپ بڑی عمدگی سے اندر آئے ہیں' نکلتے وقت بھی خوش اسلوبی سے کام لیں حضرت عمرو بن العاص اس کا مطلب سمجھ گئے اور وہیں سے واپس پلٹ گئے۔ رئیس نے کہا: آپ دوبارہ ہمارے پاس کیوں آئے ہیں؟ حضرت عمرو نے کہا' میں نے آپ کے دیئے ہوئے عطیات دیکھے ہیں' یہ میرے چچا زاد بھائیوں کے لیے کافی نہیں ہیں۔ آپ مجھے اجازت دیں تاکہ میں اپنے دس بھائیوں کو ساتھ لے آؤں۔

بہتر ہوگا کہ آپ کا عطیہ صرف ایک شخص کو ملنے کی بجائے دس افراد کو مل جائے۔ رئیس نے کہا آپ کا خیال صحیح ہے' جلد انہیں بھی لے آؤ' دربان کو پیغام بھیج دیا کہ انہیں گزر جانے دو۔ حضرت عمرو بخیریت نکل آئے البتہ از راہ احتیاط ماحول پر کڑی نگاہ رکھی جب انہیں اطمینان ہو گیا تو کہنے لگے آئندہ کبھی اپنے آپ کو ایسے خطرے میں نہیں ڈالوں گا جب وہ علاقہ صلح سے فتح ہو گیا تو وہی رئیس حضرت عمرو کے پاس ملاقات کے لیے آیا۔ انہیں دیکھتے ہی چونک گیا اور کہنے لگا' آپ ہی وہ نمائندہ تھے۔ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا' ہاں! تم نے تو دھوکہ دینے کی پوری کوشش کی تھی۔

اللہ تعالیٰ عمرو بن العاص پر رحمتیں نازل فرمائے' وہ عرب کے مشہور ترین زیرک اور اپنے دور کے نابغہ عصر تھے۔ وہ اپنی حیرت انگیز ذکاوت وفطانت اور عالی دماغی کی بناء پر مکار دشمن کے مکروفریب سے محفوظ رہے اور صحیح سالم

اپنی قوم کے پاس واپس آ گئے۔

مومن کو اسی طرح محتاط اور بے دار مغز ہونا چاہیے تاکہ دشمن سے محفوظ رہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے کتنی شان دار بات کہی تھی۔ میں نہ تو کسی کو دھوکہ دیتا ہوں اور نہ ہی کسی فریب کار کے فریب کا شکار ہوتا ہے۔

(۴۷)

شایانِ شان سخاوت

یزید بن مہلب ۵۳ھ میں پیدا ہوا اور اپنے باپ مہلب بن ابی صفرہ کے بعد ۸۲ھ میں مشرق (خراسان) کا والی بنا۔ حجاج بن یوسف نے اس کی خودسری کے باعث ۸۵ھ میں اسے معزول کر دیا اور اگلے سال اسے اور اس کے بھائیوں کو جیل میں ڈال کر ایذاء دی مگر یزید قید خانے سے فرار ہو گیا۔ سلیمان نے برسر اقتدار آ کر یزید بن مہلب کو خراسان بشمول عراق کا گورنر بنا دیا۔ یزید نے قہستان کے باغیوں کو مطیع کیا اور جرجان (ایران) کے پہاڑی علاقے میں جرجان نامی شہر آباد کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے یزید بن مہلب کی مالی بدعنوانی کے باعث اسے معزول کر کے قلعہ حلب میں قید کر دیا جب یزید بن مہلب کو معلوم ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز کی زندگی معرض خطر میں ہے اور یزید بن عبدالملک بادشاہ بننے والا ہے تو وہ محافظین کو رشوت دے کر فرار ہو گیا بعد میں اس نے بصرہ پر قبضہ کر لیا اور پھر ۱۰۲ھ میں مسلمہ بن عبدالملک کی فوج سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ یزید بن مہلب کی سخاوت ضرب المثل تھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۰۳، تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۷۸۵)

یزید بن مہلب نے بنو امیہ کے خلاف بغاوت کی اور بصرہ پر غالب آیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اسے گرفتار کرا کے قید خانے میں بند کروا دیا۔ یزید بن مہلب راتوں رات جیل سے فرار ہو گیا اس کے ہمراہ اس کا بیٹا مخلد بھی تھا۔ یہ دونوں ایک ضعیف العمر عربی

خاتون کے گھر اُترے، خاتون نے ان کے لیے ایک بکری ذبح کی اور اس سے ان کی خاطر تواضع کی۔ صبح جب یہ باپ بیٹا بڑھیا کے پاس سے روانہ ہونے لگے تو یزید نے بیٹے سے پوچھا: تیرے پاس کتنا مال ہے؟

بیٹے نے بتایا کہ آٹھ سو دینار۔

یزید بن مہلب نے کہا: یہ سارے دینار اس بڑھیا کے حوالے کر دو۔

بیٹے نے عرض کیا:

ابا جان! ابھی آپ پریشان حال ہیں، روپے پیسے کی ضرورت بھی ہے پھر یہ بڑھیا آپ کی طرف سے دیئے گئے چند سکوں ہی پر راضی ہو جائے گی اور یہ آپ کو جانتی بھی نہیں ہے کہ آپ کون ہیں، کہاں سے آرہے ہیں، آپ کی حیثیت کیا ہے؟

یزید نے اپنے بیٹے سے کہا:

"يَا بُنَيَّ إِنْ كَانَ يُرْضِيهَا مِنِّي الْيَسِيرُ فَأَنَا لَا أَرْضَى بِالْعَطَاءِ الْيَسِيرِ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَعْرِفُنِي فَأَنَا أَعْرِفُ نَفْسِي."

"بیٹے! میری طرف سے معمولی عطیہ بڑھیا کو تو خوش کر سکتا ہے مگر میں اس سے مطمئن نہیں ہو سکتا (یہ میرے شایانِ شان نہیں) اگرچہ بڑھیا کو میرے بارے میں معلوم نہیں کہ میں کون ہوں یا میری حیثیت کیا ہے مگر میں تو اپنی حیثیت کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں۔"

(۴۸)

مسلمانوں کی آبرو شوکت اسلام

یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم حق پر اور مشرکین باطل پر نہیں؟ فرمایا' ضرور ہیں پھر پوچھا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں جائیں گے؟ فرمایا' ہاں! ضرور جائیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا جب ہم حق پر ہیں تو چھپ چھپ کر عبادت کیوں کریں؟ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں لے کر حرم کعبہ میں چلیں۔ اللہ کی قسم! جس جس مجلس میں' میں نے لات وعزیٰ کی عزت بڑھائی ہے' وہاں دینِ اسلام کا پرچم بلند کروں گا۔

یہ کلمات' صاحبِ فتوحات کثیرہ اور اسلام کے نور' عمر بن الخطاب قریشی عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہے کون عمر؟ وہ جن کا اسلام لانا فتح تھا جن کی ہجرت فتح اور خلافت بھی فتح تھی ان کلمات سے دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہمت بندھ گئی اور حوصلے بلند ہو گئے۔ نورِ ہدایت کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک قطار میں دارارقم سے نکلے اس قطار کے ایک کنارے پر عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور دوسرے کنارے پر امیر حمزہ۔ دوپہر کے وقت یہ حضرات باآواز بلند کلمہ طیبہ کا ورد کر رہے تھے اور نعرہ ہائے تکبیر لگا رہے تھے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار دیکھنے آئے کہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے دیکھا کہ عمر بن خطاب اسلام لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں داخل ہو چکے ہیں' وہ غیظ وغضب اور حسرت ویاس کی بناء پر اپنی

انگلیاں چبا کر رہ گئے اور کہنے لگے' آج یہ لوگ ہماری آدھی طاقت لے گئے ہیں یعنی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام اور مرتبہ قریش میں اتنا بلند تھا کہ صرف ان کا ایمان لانا آدھے قریش کے ایمان لانے کے برابر تھا۔

ایمان خالص کی یہی شان ہے جب اس کا نور دل میں جگ مگاتا ہے تو کامیابی کی راہیں ہموار کر دیتا ہے اور بغیر کسی ڈر اور خوف کے پورے عزم و استقلال کے ساتھ کامیابیوں کے جھنڈے گاڑنے لگتا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تازہ ایمان نے ذلت اور کمزوری کو قبول کرنے سے یکسر انکار کر دیا۔ ان کا ایمان بزدلی اور کمزوری کے بغیر اسلام کے ساتھ ساتھ عزت کا طلب گار تھا ان کے ایمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں کو' عقیدے کی تمام تر سچائی اور خالص ایمان کی بنیاد پر' اسلام کی بنیادی تعلیمات' ڈنکے کی چوٹ پر بیان کرنے کی قوت عطا کر دی۔

صرف یہی نہیں بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ وہ اپنی قوم اور اپنے قبیلے میں چھپے رہیں اور ہر قسم کی اذیت اور تکلیف سے محفوظ رہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان ان کا مقام بہت بلند تھا۔ انہوں نے قریش کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دینے کا فیصلہ کر لیا۔

انہوں نے دریافت کیا کہ قریش کا وہ کون سا فرد ہے جس کے پیٹ میں کوئی بات نہیں ٹھہرتی؟ انہیں بتایا گیا کہ جمیل بن معمر جمحی ایسا ہی شخص ہے وہ سیدھے اس کے پاس گئے اور کہنے لگے جمیل تم نے سنا کہ میں اسلام لے آیا ہوں اور دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو گیا ہوں۔ وہ کوئی جواب دیئے بغیر اپنی چادر سنبھالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ جمیل مسجد حرام کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ قریش' بیت اللہ شریف کے دروازے کے پاس اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جمیل نے سنسنی خیز انداز میں اعلان کیا۔ گروہ قریش! سنتے

ہو' عمر بن خطاب اپنا آبائی دین چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہو گیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' میں اس کے پیچھے کھڑا ہوا تھا' میں نے کہا' نہیں! نہیں! میں تو اسلام لایا ہوں اور میں نے گواہی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبد مکرم اور رسول ہیں پھر کیا تھا؟ سب مشرکین عمر فاروق پر چڑھ دوڑے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان سب کے سامنے ڈٹ گئے اور لڑتے لڑتے نڈھال ہو کر بیٹھ گئے اس کے باوجود مشرکین ان کے گرد گھیرا ڈال کر ان پر تشدد کرتے رہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ برابر اعلان کر رہے تھے جو کر سکتے ہو کر لو خدا کی قسم! اگر ہماری تعداد تین سو تک پہنچ گئی تو دو ہی صورتیں ہوں گی مکہ مکرمہ میں تم رہو گے یا ہم۔ بالآخر وہ مایوس ہو کر دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہجرت کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو سب نے خفیہ سفر کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہ واحد شخص تھے جنہوں نے تلوار اپنے گلے میں حمائل کی کمان کندھے پر لٹکائی اور قریش کی مجلس کے پاس جا کر چیلنج کے طور پر اعلان کیا:

> ''گروہ قریش! جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی ماں' اس کا ماتم کرے یا اس کی اولاد یتیم ہو جائے' وہ میرے پیچھے آ جائے کیونکہ میں یثرب (مدینہ) جا رہا ہوں (ہجرت سے پہلے مدینہ کا نام یثرب تھا بعد میں یہ کہنا مکروہ ممنوع قرار دے دیا گیا) خدا کی قسم! اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو ہجرت کا حکم نہ دیتے تو میں بھی اپنے اس پیارے شہر کو نہ چھوڑتا۔''

قریش مکہ نے یہ اعلان سنا تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے رعب اور دبدبے کی بناء پر کسی کو ان کے تعاقب کی جرأت نہ ہو سکی چنانچہ آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے وہ بہترین مہاجرین میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد

خلیفہ بنے تو مسلمانوں پر بڑے مہربان تھے اور ان کے لیے عظیم خدمات انجام دیں انہوں نے قصر عدل وانصاف کی شان دار تعمیر کی، وہ صبح کی نماز کے وقت نمازیوں کی صفیں درست کررہے تھے کہ اچانک ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اس طرح اسلام اور مسلمانوں کے سرمایۂ افتخار، جامِ شہادت نوش کر کے خالقِ کائنات کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (من نفحات الخلود للشیخ الفرفور)

(۴۹)

سادات کی پہچان

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی کنیت ابوالحسن اور نسبت ہاشمی اور قرشی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے اور اہلِ بیت نبوی کے چشم و چراغ تھے' اپنے زہد و عبادت کی وجہ سے زین العابدین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حلم و ورع میں ضرب المثل تھے۔ کربلا میں ان کے والد بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو وہ بیمار تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ' فیاضی اور دریادِلی ان کا خاص وصف تھا۔ تحمل' بردباری اور نرمی و ملاطفت ان کے اخلاق کی نمایاں صفات تھیں' وہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۴/۲)

بہرحال علی بن حسین رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد کے باہر بیٹھے ہوئے تھے' اتنے میں ایک آدمی آیا اور انہیں گالیاں دینے لگا۔ یہ سُن کر سارے غلام و خدام اور دوسرے احباب اس آدمی پر ٹوٹ پڑے۔

علی بن حسین نے آواز دی: تم لوگ رُک جاؤ' کوئی اس آدمی کو ہاتھ نہ لگائے پھر علی بن حسین اس آدمی کے پاس آئے اور فرمایا: تم سے ہمارا کوئی معاملہ مخفی نہیں (تم نے یہ سب دیکھ ہی لیا) بتاؤ' کیا تمہاری کوئی حاجت ہے جس میں ہماری مدد کی ضرورت پڑسکتی ہو؟ وہ آدمی شرم سے پانی پانی ہوگیا اور واپس جانے لگا۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا کپڑا اس کے اوپر ڈال دیا اور اسے ایک ہزار

درہم بھی عطا فرمائے۔ اس آدمی نے کہا:

"أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنْ أَوْلَادِ الرَّسُوْلِ۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ کا تعلق اولادِ رسول سے ہے ایسا جود و کرم اولادِ نبی ہی میں ہوسکتا ہے۔" (عین الادب والسیاسۃ)

(۵۰)

سلاطین اسلام کی عظمت و ہیبت

سلطان طغرل بک، رکن الدین، ابو طالب محمد بن میکائیل پہلے سلجوقی بادشاہ تھے۔ طوس، رے، نیشاپور، بلخ، غزنی، بغداد اور عراق ان کے زیر نگیں تھے، وہ بڑے نرم دل اور سخی تھے۔ بروقت پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرتے۔ پیر اور جمعرات کو روزہ رکھتے، صدقہ و خیرات بکثرت بانٹتے اور مسجدوں کی تعمیر میں خصوصی دلچسپی لیتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اپنے لیے گھر بناؤں اور اس کے پہلو میں مسجد نہ بناؤں۔ ۴۵۵ھ میں رے میں ان کا انتقال ہوا اور انہیں مرو میں لے جا کر دفن کیا گیا۔

گزشتہ زمانوں میں دشمنوں کے دِلوں پر شاہانِ اسلام کی زبردست دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ غیر مسلم ان کا قرب اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں بڑے بڑے تحفے بھجوایا کرتے تھے۔

مشہور مؤرخ ابو الفداء اپنی تاریخ میں ۴۴۱ھ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ شاہ روم نے سلطان طغرل بک کو اتنا بڑا تحفہ بھیجا جس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور ان سے درخواست کی کہ ہم سے معاہدہ کر کے ہمیں اُمتِ مسلمہ کے جھنڈے کے سائے کے نیچے پناہ دیں۔ سلطان طغرل بک نے اپنی شرائط پر اس کے ساتھ معاہدہ کیا۔

ایک شرط یہ تھی کہ شاہ روم قسطنطنیہ میں ایک مسجد تعمیر کروائے جس میں جمعہ اور پانچوں نمازیں باجماعت ادا کی جائیں۔ شاہ روم نے سلطان طغرل بک کی تمام شرطیں

تسلیم کرلیں اور قسطنطنیہ میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کروائی جس میں جمعہ اور پانچوں نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔

ایک عرصہ بعد سلطان طغرل بک نے سید ناصر الدین بن اسماعیل کو روم کی ملکہ کے پاس سفیر بنا کر بھیجا اس وقت روم پر ایک عورت حکمران تھی۔ سفیر ملکہ کے پاس ٹھہرے اور اس سے مطالبہ کیا کہ مذکورہ جامع مسجد میں پانچوں نمازیں اور نمازِ جمعہ ادا کی جائیں۔ انہوں نے دیکھا کہ مسجد شاندار طریقے سے آباد ہے اور وہاں کے لوگ اس میں باقاعدہ پانچوں نمازیں اور نمازِ جمعہ ادا کرتے ہیں۔ سفیر اسلام نے وہاں خطبہ دیا نمازِ جمعہ پڑھائی اور سلطان المسلمین کے لیے دعا کی واپس آکر مسلمانوں کو یہ خوش خبری سنائی کہ اسلام کا دبدبہ دشمنوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے اور ان کے دارالحکومت میں اسلامی شعائر قائم کیے جا رہے ہیں۔

دشمنوں کے دلوں میں سلاطین اسلام اور مسلم حکمرانوں کی ہیبت اس قدر چھائی ہوئی تھی کہ دشمنانِ اسلام ان کی شرائط تسلیم کرتے تھے اور ان کے سامنے سر اطاعت خم کرتے تھے۔ زندگی کے مالک کی قسم! دشمنوں کو خوف زدہ کرنے والی یہ عظیم ہیبت صرف اور صرف خالص ایمان کی قوت باہمی اتحاد تعاون اور مضبوط فیصلوں کا نتیجہ تھی۔

ان کے دلوں نے اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا تھا اس لیے ان کی ہیبت چھا گئی اور ان کا حکم چلتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ محکوم بن کر نہیں حاکم بن کر رہے۔ انہوں نے شاہانہ زندگی بسر کی ماتحت بن کر نہیں رہے۔ انہوں نے حکمرانوں کے تخت الٹ دیے اور قوموں پر عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کی اقوام کی گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں اور وہ ان کے مالک بنے۔ (من عجائب الخلود)

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

شیخ الحدیث علامہ عبدالحکیم مشرف قادری علیہ رحمہ اس واقعہ پر یوں تبصرہ فرماتے

ہیں:

"آج جب کہ خدا اور رسول کے باغی نظام کمیونزم کا روس میں جنازہ نکل چکا ہے اور امریکہ واحد عالمی طاقت بن کر دندنا رہا ہے اور اسے پوری دنیا میں صرف اسلام ہی سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی قوت کو ختم کر کے ان کی دولت پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہے وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ مسلمان متحد ہو کر اسلامی ورلڈ آرڈر کا اعلان کریں۔ عالم اسلام کے پاس جذبہ جہاد دولت تیل افرادی قوت اور فنی صلاحیت کی فراوانی ہے۔ کاش

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاک کاشغر
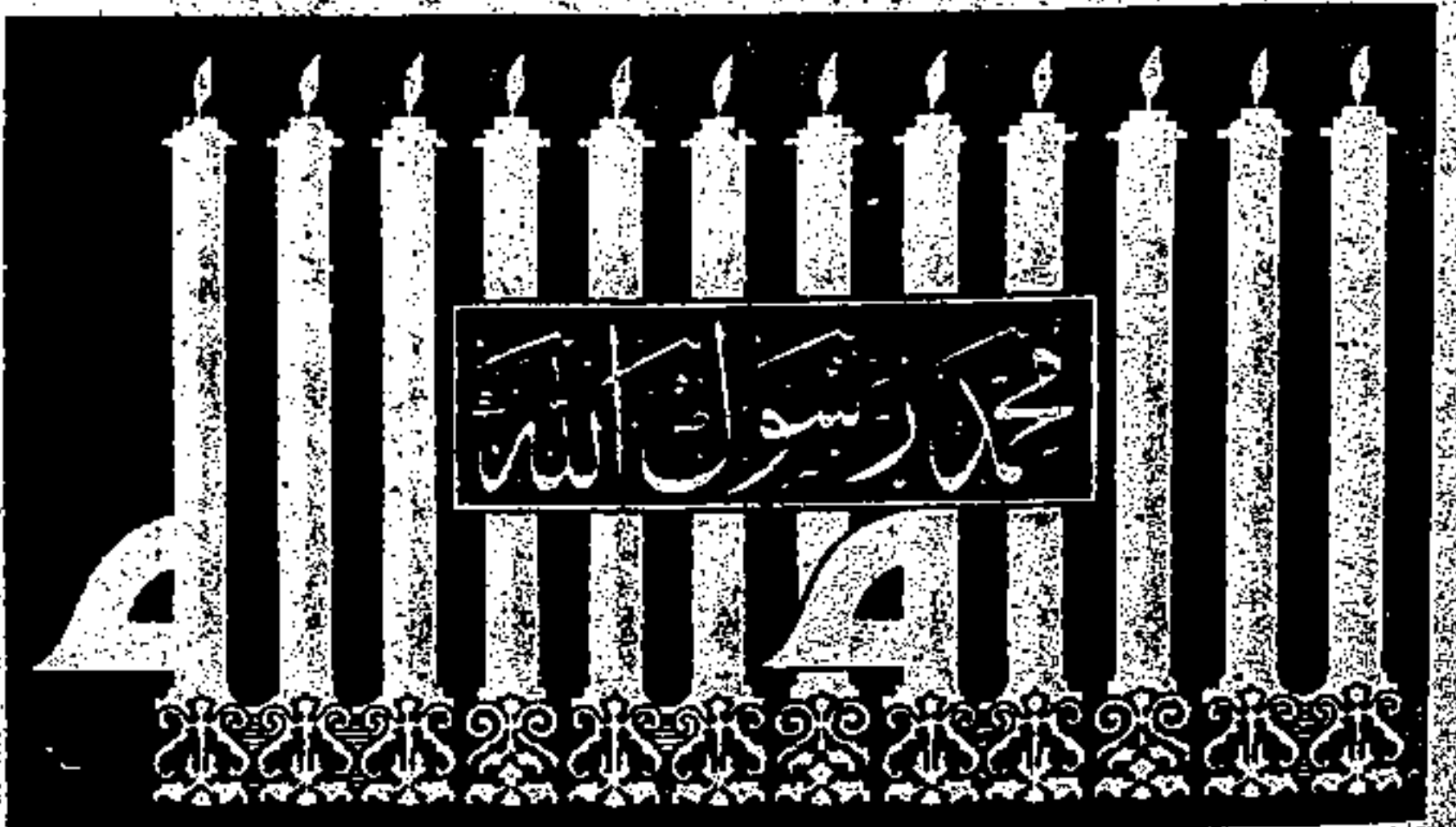
(۵۱)

حکم کی تعمیل

عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اپنے وقت کے امام محدث اور امیر الاتقیا تھے ان کا شمار کبار تبع تابعین میں ہوتا ہے۔ طلبِ علم کے لیے انہوں نے حرمین، شام، مصر، عراق، الجزیرہ، خراسان اور دیگر دور دراز علاقوں کا سفر کیا۔ وہ محدث ہونے کے ساتھ بہت بڑے تاجر بھی تھے لیکن وہ تجارت دنیاوی مال و متاع کے حصول کے لیے نہیں بلکہ علماء کی امداد اور مساکین و فقراء پر صدقہ و خیرات کی غرض سے کرتے تھے۔ وہ سخاوت میں بھی ضرب المثل تھے، گفتار و کردار کے غازی ہونے کے ساتھ وہ میدانِ کارزار کے بھی غازی تھے۔ ان کی وفات پر خلیفہ ہارون الرشید نے کہا: علماء کا سردار وفات پا گیا! انہوں نے ۱۰ رمضان المبارک ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۸)

مسیب بن واضح کہتے ہیں: میں عبداللہ بن مبارک کی خدمت میں حاضر تھا، چند لوگوں نے ایک آدمی کے سلسلے میں عبداللہ بن مبارک سے اس کے سات سو درہم قرض کی ادائیگی چاہی۔ عبداللہ بن مبارک نے اس مقروض کو ایک خط میں یہ لکھ کر اپنے وکیل (قائم مقام) کے پاس روانہ کیا: ”جب تمہیں میرا خط ملے اور اس کو پڑھ لو تو حاملِ رقعہ کو سات ہزار درہم عطا کرو۔“

یہ مقروض خط لے کر روانہ ہوا اسے خط کے اندر لکھی ہوئی تحریر کا پتہ نہ تھا جب اس

نے خط عبداللہ بن مبارک کے قائم مقام (وکیل) کو دیا تو وہ خط کا مضمون پڑھ کر اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا: عبداللہ کے ساتھ تیرا کیا معاملہ تھا؟

مقروض بولا: لوگوں نے ان کے پاس میری جانب سے سات سو درہم قرض کی ادائیگی کی سفارش کی تھی لہٰذا انہوں نے یہ خط دے کر مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ وکیل بولا:

لگتا ہے مجھے کوئی دوسری تحریر مل گئی ہے۔ خیر بیٹھو! میں تجھے مال دیتا ہوں۔ ذرا عبداللہ بن مبارک سے تیرے بارے میں کچھ مشورہ کرلوں۔

پھر وکیل نے عبداللہ بن مبارک کو لکھا: مجھے آپ کا خط ملا' خط پڑھا اور مضمون سمجھ لیا لیکن حاملِ رقعہ سے جب میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا تقاضہ آپ سے صرف سات سو درہم کا تھا جبکہ آپ کے رقعے میں سات ہزار درج ہے اگر یہ غلطی سے تحریر ہو گیا ہو تو میرے پاس لکھ بھیجیں تاکہ میں آپ کے حکم کی تعمیل کرسکوں۔

جب رقعہ عبداللہ بن مبارک کی خدمت میں پہنچا تو اپنے وکیل کو جواب میں لکھا:

''جب تجھے میرا یہ جواب نامہ ملے تو اس شخص کو چودہ ہزار درہم دے دو۔''

جب یہ خط وکیل کو ملا تو اس نے پڑھنے کے بعد عبداللہ بن مبارک کو لکھا: اگر آپ کا یہی عمل رہا تو پھر بہت جلد آپ کو اپنی جاگیر فروخت کرنی پڑے گی!!

عبداللہ بن مبارک کو جب وکیل کا خط ملا تو انہوں نے یہ الفاظ لکھے:

''اِنْ كُنْتَ وَكِيْلِيْ فَاَنْفِذْ مَا اَمَرْتُكَ وَاِنْ كُنْتُ وَكِيْلَكَ فَتَعَالَ اِلٰى مَوْضِعِيْ حَتّٰى اُصِيْرَ مَوْضِعَكَ وَاُنْفِذُ مَا تَاْمُرُنِيْ بِهٖ۔''

''اگر تم میرے وکیل ہو تو میرے حکم کو نافذ کرو اور اگر میں تمہارا وکیل ہوں تو تم میری جگہ آجاؤ اور میں تمہاری جگہ آجاتا ہوں پھر میں تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔'' (لطائف الاخبار)

(۵۲)

ایک نامور عالمِ دین کی علمی شان

فن حدیث، نحو، لغت اور شعروادب کے یکتائے زمانہ عالم نضر بن شمیل خراسان کے مشہور ترین شہر اور دارالخلافہ مرو میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں پلے بڑھے۔ طویل عرصہ گاؤں میں مقیم رہے عرب کے فصحاء و بلغاء اور محدثین نے ان سے خوشہ چینی کی بصرہ میں وسائل زندگی کی اس قدر قلت پیدا ہو گئی کہ انہوں نے بصرہ چھوڑ کر خراسان کوچ کر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں رخصت کرنے کے لیے بصرہ کے تین ہزار نحو اور لغت کے ماہرین، ادباء، فقہاء اور محدثین کا جمِ غفیر ساتھ ہو لیا۔ مربد کے مقام پر انہیں رخصت کرتے ہوئے نضر بن شمیل نے افسوس بھرے لہجے میں کہا:

''بصرہ والو! اللہ تعالیٰ کی قسم! تمہاری جدائی میرے لیے بہت ہی تکلیف دہ ہے اگر مجھے ہر روز تمہارے پاس سے تھوڑا سا لوبیا ہی مل جاتا تو میں تمہیں ہرگز نہ چھوڑتا۔''

ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو ان کی اتنی معمولی ضرورت پوری کر دیتا۔ نضر بن شمیل، مرو پہنچے تو وہاں انہیں بے اندازہ دولت نصیب ہوئی۔

نضر بن شمیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ میں امیر المومنین مامون کے پاس اس حال میں پہنچا کہ بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ مامون نے کہا، نضر! تم ایسے کپڑے پہن کر امیر المومنین کے پاس آ گئے ہو؟ میں نے کہا، مرو کی گرمی بڑی سخت ہے اور وہ ایسے

ہی کپڑوں سے دُور کی جا سکتی ہے۔ مامون نے کہا' نہیں! بلکہ تم لاپرواہ قسم کے آدمی ہو پھر گفتگو شروع ہوئی تو مامون نے عورتوں کا ذکر چھیڑ دیا اور کہنے لگا مجھے ہشیم بن بشیر نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے مجالد سے' انہوں نے امام شعبی سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب کوئی شخص کسی عورت سے اس کے دین اور جمال کی بناء پر نکاح کرے۔ کَانَ فِیْهِ سَدَادٌ مِنْ عَوَزٍ تو یہ نکاح اس کی محتاجی کو دُور کرنے کا ذریعہ ہوگا اور سداد کے سین پر زبر پڑھی۔"

میں نے کہا' امیر المومنین! کیا انہوں نے یہ حدیث آپ کو درست بیان کی ہے؟ مجھے تو یہ حدیث عوف بن ابی جمیلہ اعرابی نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے بیان کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب کوئی مرد کسی عورت سے اس کے دین اور حسن و جمال کی بناء پر نکاح کرے تو یہ عقد اس کی محتاجی کو دُور کرنے کا وسیلہ بنے گا۔ میں نے سداد کے سین کے نیچے زیر پڑھی۔"

مامون تکیہ لگا کر بیٹھا ہوا تھا' یک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا' نضر! تمہارے نزدیک سداد کی سین پر زبر پڑھنا غلط ہے؟ میں نے کہا' امیر المومنین! واقعی اس کی جگہ زبر غلط ہی ہے۔ کہنے لگا' کیا تم میری غلطی نکال رہے ہو؟ میں نے کہا' غلطی دراصل ہشیم کی ہے وہ بڑا غلط کار تھا۔ امیر المومنین نے تو اس کے تلفظ کی پیروی کی ہے۔ کہنے لگا' ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ میں نے کہا' سداد کی سین پر زبر ہو تو اس کا معنی دین اور طریقہ کار میں میانہ روی ہے اور اگر سین کے نیچے زیر ہو تو اس کا معنی ہے سامانِ ضرورت اور ہر وہ چیز جو بوقت حاجت کام آئے۔ مشہور شاعر عربی نے کہا ہے

اَضَاعُوْنِیْ وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوْا

لِیَوْمِ کَرِیْهَةٍ وَّسِدَادِ ثَغْرٍ

☆...... میری قوم نے مجھے ضائع کر دیا اور بہت بڑے جوان کو ضائع کر دیا۔

☆...... جو جنگ کے دن اور سرحد کی حفاظت کے وقت کام آتا تھا۔

مامون دیر تک سر جھکائے رہا پھر کہنے لگا' اللہ تعالیٰ اس شخص کو ذلیل کرے جو زبان وادب میں ماہر نہیں ہے پھر ان سے عربوں کے بہت سے اشعار کے بارے میں پوچھا۔ نضر نے ہر سوال کا جواب عرب کی فصیح اور عمدہ ترین لغت کے مطابق دیا۔ مامون ان کے علم وادب' قوت استحضار اور ذکاوت کے کمال سے بڑا متاثر ہوا۔

نضر کہتے ہیں کہ مامون نے کاغذ ہاتھ میں پکڑا' مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا لکھ رہا ہے؟

پھر مامون نے کہا:

جب تم تحریر کی سیاہی خشک کرنے کے لیے کسی کو خط پر مٹی ڈالنے کا حکم دو گے تو کیا کہو گے؟ میں نے کہا' میں کہوں گا ''اتربہ'' اسے خاک آلود کر دو۔ پوچھا کہ اس خط کو کیا کہو گے؟ میں نے کہا ''مترب'' کہنے لگا' لفظ طین'' (مٹی) سے کیا کہو گے؟

میں نے کہا' طنہ اور اس خط کو کیا کہیں گے؟ میں نے کہا 'مطین' کہنے لگا' یہ پہلے سے بہتر ہے۔

غلام کو حکم دیا اس تحریر کو مٹی ڈال کر خشک کر دو اور ان کو ساتھ لے کر یہ تحریر فضل بن سہل خراسان میں مامون کا وزیر عجمی الاصل تھا مامون نے اس سے جان چھڑانے کے لیے اس کو قتل کروا دیا تھا) کو پہنچا دو جب میں نے یہ تحریر فضل کو پیش کی تو اس نے کہا' نضر! امیر المومنین نے تمہیں پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا ہے اس کا سبب کیا ہے؟ میں نے اسے تمام واقعہ بتایا تو کہنے لگا' تم نے امیر المومنین کے تلفظ کو غلط قرار دیا؟ میں نے کہا' ہرگز نہیں! غلطی ہشیم بن بشیر کی تھی' وہ بہت غلطیاں کرتا تھا۔ امیر المومنین نے تو ان کے بیان کیے ہوئے لفظ کی پیروی کی تھی۔ فضل نے مجھے اپنی طرف سے تیس ہزار درہم دیئے۔ مجھ سے ایک صحیح لفظ حاصل کیا گیا جس کے بدلے مجھے اسی ہزار درہم ملے۔

۲۰۴ھ میں حضرت نضر بن شمیل کا انتقال مامون الرشید کے دور میں خراسان کے اندر ہوا' رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ان کی کئی تصانیف ہیں۔ (معجم الادباء کسی قدر تصرف کے ساتھ)

دورِ اوّل میں سلاطین اور امراء ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔ علماء کی حوصلہ افزائی کرتے' انعام واکرام کی بارش کر کے انہیں شادکام کرتے تھے؟ ان کے علم وفضل اور علمی مقام کے قدر دان تھے' وہ خود بھی علم وادب کے بلند مقام پر فائز تھے اس لیے ان کے زمانے میں علم وادب نے شاندار ترقی کی۔ انہوں نے علم وادب کی بھرپور اشاعت کی اور اربابِ علم کی وہ عزت افزائی کی کہ ان کا سنہری دور بعد کے تمام زمانوں سے سبقت لے گیا۔

اُمت مسلمہ کی ترقی کا راز اسی بات میں پوشیدہ ہے کہ پیکر خلوص علماء کی عزت افزائی کی جائے' ان کی درست آراء اور قابلِ ستائش افکار کی روشنی میں وہ راستے ہموار کیے جائیں جو ملتِ اسلامیہ کی کامرانی کی ضمانت ہیں بلاشبہ ان کے روشن افکار ہی اُمتِ مسلمہ کی ترقی کی مرکزی بنیاد ہیں۔ ان کی روشنی میں ہی اُمتِ مسلمہ اس صراطِ مستقیم پر گامزن ہوسکتی ہے جس میں کوئی کجی نہیں۔ علماء دین وہ روشن چراغ ہیں جو مسلمانوں کے لیے خیر اور کامیابی کے راستے منور کرتے ہیں۔ مسلمان ان کی رہنمائی سے جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں راستہ پاتے ہیں' بگڑے ہوئے افکار کو صحیح' عقلی اور مضبوط بنیادوں پر درست اور تعمیر کرتے ہیں یہ بنیادیں اتنی مستحکم ہیں کہ شدید سے شدید حملوں کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ (من محاسن الخلوص)

(۵۴)

مظلوم کی دادرسی کا شاہانہ جذبہ

ابوجعفر منصور (۱۳۶ھ تا ۱۵۸ھ) دوسرا عباسی خلیفہ تھا جو اپنے بھائی ابوعبداللہ سفاح کی وفات پر تخت نشین ہوا اس نے عباسی خلافت کو مستحکم کیا اور بغداد کو دارالحکومت بنایا۔ وہ اپنے بیٹے جعفر کی نسبت سے ابوجعفر کہلاتا تھا۔ زبیدہ جعفر ہی کی بیٹی تھی جو بعد میں اپنے چچازاد ہارون الرشید کی بیوی اور ملکہ بنی۔ منصور کے بعد اس کا بیٹا مہدی تخت خلافت پر بیٹھا۔ (تاریخ اسلام از اکبر شاہ خان نجیب آبادی جلد اول ص ۸۵۵-۸۸۹)

ناصح نے ابوجعفر منصور سے کہا کہ اے امیر المومنین! میں ملک چین کے سفر پر جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں چین پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں کے بادشاہ کے کان کی قوتِ سماعت ختم ہوگئی اور وہ بہرہ ہوگیا اس پر بادشاہ زاروقطار رونے لگا۔ بادشاہ کے ہم نشینوں نے اسے صبر پر اُبھارا۔ بادشاہ نے ہم نشینوں سے کہا:

"أَمَا إِنِّي لَسْتُ أَبْكِي لِلْبَلِيَّةِ النَّازِلَةِ وَلٰكِنِّي أَبْكِي لِمَظْلُوْمٍ يَصْرُخُ بِالْبَابِ فَلَا أَسْمَعُ صَوْتَهُ."

"میں اس لیے نہیں رو رہا ہوں کہ میرے اوپر مصیبت آن پڑی ہے بلکہ مجھے اس لیے رونا آرہا ہے کہ کوئی مظلوم انصاف کے لیے میرا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور میں اس کی آہ نہیں سن پاؤں گا۔"

پھر بادشاہ نے کہا:

"ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میں کان کی سماعت سے محروم ہو چکا ہوں اس لیے سُن نہیں سکتا لیکن میری آنکھیں تو دیکھ رہی ہیں' ان کی روشنی سے محروم نہیں ہوا۔ چلو لوگوں میں اعلان کر دو کہ لال کپڑا مظلوم کے سوا کوئی دوسرا نہ پہنے۔"

اس کے بعد بادشاہ شام کے قریب سوار ہو کر دیکھتے ہوئے چلتا تھا کہ کسی مظلوم نے تو اپنی فریادرسی کے لیے لال کپڑا زیب تن نہیں کیا تاکہ اس کی پکار پر لبیک کہے۔

(باقیات الورود النضرہ)

(۵۴)

علی امام من است ومنم غلام علی

سلامی جس کے در کا ہر ولی ہے
علی ہے ہاں علی ہے ہاں علی ہے

جنگِ احد کے دن لڑائی زوروشور سے جاری تھی' اتنے میں منادی نے اعلان کیا:
"لَافَتٰی اِلَّا عَلِیٌ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَارِ ۔"
"مردمیدان صرف علی ہیں اور تلوار صرف ذوالفقار ہے۔"

اس اعلان کا سبب یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس جنگ میں عظیم جنگی کارنامے انجام دیئے تھے۔ وہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے شہسوار تھے' ان کے سامنے کوئی جنگجو نہیں ٹھہر سکتا تھا' وہ عرب کے ان بہادروں میں سے تھے جن میں سے ہر فرد ایک ہزار افراد پر بھاری تھا۔ ان کی زرہ کا صرف سینہ تھا' پشت نہیں تھی' کسی نے ان سے کہا' کہ آپ اس کی پشت کیوں نہیں بنوا لیتے؟ فرمایا' اگر میں دشمن کو اپنی پشت دکھاؤں تو خدا کرے وہ میری زندگی کا آخری دن ہو۔

بدر میں کفار قریش کے ستر افراد مارے گئے' ان کا تہائی حصہ حضرت علی اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔ باقی دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تلواروں کا شکار ہوئے۔ غزوہ خندق میں عمرو بن ود عامری اپنے گھوڑے سمیت خندق پھلانگ کر آ گیا اور اس نے چیلنج کیا کہ ہے کوئی جو میرے مقابلے پر آئے۔

مسلمان اس کی قوت وشجاعت اور حملے کی شدت سے واقف تھے اس لیے حضرت علی مرتضیٰ، شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کوئی بھی اس کے سامنے نہیں گیا۔

تکبر وغرور کے پیکر عمرو بن ود نے چیلنج کرتے ہوئے کہا' مسلمانو! کہاں ہے تمہاری وہ جنت؟ جس کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ تم میں سے جو مارا جائے گا وہ اس میں جائے گا۔ یہ ہے تمہارے سامنے جنت' آؤ اور اپنی حسرتیں پوری کرلو۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے' یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجیے! میں اس کے مقابلے پر جاتا ہوں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا' سوچ لو! یہ عمرو ہے۔ عرض کیا' عمرو ہے تو ہوتا رہے' سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے سامنے پہنچے تو اس نے ایک نوجوان کو مدمقابل دیکھ کر بڑے تکبر سے پوچھا' کون ہو تم؟ فرمایا' میں علی ہوں۔ کہنے لگا' عبد مناف کے بیٹے'؟ فرمایا' نہیں! میں ابوطالب کا بیٹا ہوں۔ کہنے لگا' بھتیجے! تم اپنے چچوں میں سے کسی کو بھیجو جو عمر میں تم سے بڑے ہوں' میں نہیں چاہتا کہ تمہارا خون بہاؤں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن میں تو تیرا خون بہانا ناپسند نہیں کرتا۔ یہ سنتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا' گھوڑے سے چھلانگ لگائی' تلوار میان سے نکالی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے ڈھال آگے بڑھا دی' عمرو نے تلوار کا بھرپور وار کیا جس سے ڈھال کٹ گئی اس کے ساتھ ہی تلوار ڈھال میں پھنس کر رہ گئی پھر ذوالفقار حیدری بجلی کے کوندے کی طرح لپکی اور اس کے کندھے کے پٹھے کو کاٹتی ہوئی گزر گئی۔ دشمن اسلام کھجور کے تنے کی طرح دھڑام سے نیچے گرا اور جہنم میں پہنچ گیا۔ حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ یہ حشر دیکھ کر عمرو کے ساتھی راہِ فرار اختیار کر گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی طرف فوجی دستے روانہ کیے تو حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سفید جھنڈا دے کر خیبر فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارا دن جنگ کی اور پوری قوت صرف کر دی لیکن شام تک قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

دوسرے دن حضرت عمر بن خطاب کو بھیجا' انہوں نے بھی بھرپور جدوجہد کی اور جان لڑا دی مگر فتح حاصل نہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہم کل اس شخص کو جھنڈا دیں گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول عزوجل اللہ و صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہے۔ وہ بھاگنے والا نہیں' اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائے گا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا' ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور فرمایا یہ جھنڈا لو! اور روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا فرما دے۔

حدیث کے راوی حضرت سلمہ فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا لے کر تیزی سے روانہ ہو گئے۔ ہم ان کے پیچھے چلتے رہے' یہاں تک کہ انہوں نے قلعہ خیبر کے نیچے پتھروں کے ٹیلے پر جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعے کے اوپر ایک یہودی نے جھانک کر دیکھا اور پوچھا' آپ کون ہیں؟ فرمایا' علی ابن ابی طالب! یہودی نے کہا' ربِ موسیٰ کی قسم! آپ سربلند ہو گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ اس وقت تک واپس نہیں ہوئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے قلعہ فتح نہیں کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع فرماتے ہیں' ہم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلے جب آپ قلعے کے قریب پہنچے تو قلعے والے باہر نکل آئے' آپ نے ان کے ساتھ شدید جنگ کی۔ ایک یہودی نے تلوار کا بھرپور ہاتھ مارا تو ڈھال آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ نے قلعے کا ایک دروازہ پکڑ کر ڈھال بنا لیا اور اسے ہاتھ میں پکڑے ہوئے جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطا فرما دی جب جنگ سے فارغ ہوئے تو دروازہ پھینک دیا۔ حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ وہ دروازہ اتنا بھاری تھا کہ ہم آٹھ آدمیوں

نے مل کر اسے اُلٹنا چاہا لیکن اُلٹا نہ سکے۔

جب آپ مسند خلافت پر فائز ہوئے تو بیت المال سے کچھ نہیں لیتے تھے' ان کے پاس اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے لیے کچھ نہ رہا تو بازار میں جا کر اعلان کیا کہ کون ہے جو میری تلوار خرید لے؟ اگر میرے پاس چار درہم بھی ہوتے تو میں اسے فروخت نہ کرتا۔

آپ پیکر حزن وملال بن کر محراب میں کھڑے ہوتے اور روتے ہوئے کہتے' اے دنیا! کسی دوسرے کو دھوکہ دے' کسی دوسرے پر اپنے فریب کا جال پھینک' میں تجھے حتمی طور پر تین طلاقیں دے چکا ہوں جن میں رجوع کی ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک یہودی نے آپ پر دعویٰ کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جناب ابوالحسن! آپ اپنے فلاں مخالف کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے لیکن رنج وملال کے آثار ان کے چہرے پر واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیصلہ کر چکے تو فرمانے لگے ابوالحسن! آپ مجھ پر ناراض ہوئے ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرتے وقت ہمارے اور ذمیوں کے درمیان مساوات ملحوظ نہیں رکھتے تھے؟

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میں آپ پر اس لیے ناراض نہیں ہوا کہ آپ نے فیصلہ کرتے وقت مجھے ذمی کے برابر کھڑا کر دیا۔ ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے کہا ابوالحسن! کھڑے ہو جائیں اور ذمی کا نام لے کر کہا کہ اے فلاں کھڑا ہو جا حالانکہ یوں کہنا چاہیے تھا اے ابوفلاں کھڑا ہو جا' آپ نے مجھے کنیت سے خطاب کیا اور اسے کنیت سے مخاطب نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ستائش بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا ابوالحسن! آپ نے صحیح کہا ہے۔ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی! خدا کرے میں اس شہر میں نہ ہوں جہاں آپ نہ ہوں۔

حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا ان دلاور مجاہدوں میں سے تھے جو حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔

دورِ آخر کے بدبخت ترین شخص عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ کو مسجد کے دروازے کے پاس دھوکے سے شہید کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نوازشیں اس مقدس ہستی پر نازل ہوں۔ آپ بڑے جان باز شہسوار، بار بار حملہ کرنے والے شیر، وسیع العلم، متبحر عالم، زہد و تقویٰ کے پیکر اور نازشِ فصاحت و بلاغت خطیب تھے۔

سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بہت کمزور اشعار منسوب کیے جاتے ہیں جو آپ کے بلند ترین مقام اور فصاحت و بلاغت کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ مازنی کا بیان ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے صرف دو شعر مروی ہیں اور وہ یہ ہیں:

"تِلْكُمْ قُرَيْشٌ تَمَنَّانِيْ لِتَقْتُلَنِيْ   فَلَا وَرَبِّكَ مَا بَرُّوْا وَلَا ظَفِرُوْا
اَنْ يَقْتُلُوْنِيْ فَلِيْ مِنْ ذِمَّةٍ لَّهُمْ   بِذَاتِ وَدْقَيْنِ لَا يَعْفُوْ لَهَا اَثَرٌ"

☆ ...... یہ قریش ہیں جنہوں نے مجھے قتل کرنے کی آرزو کی، تیرے رب کی قسم! وہ نہ تو اپنی آرزو پوری کر سکے اور نہ ہی کامیاب ہوئے۔

☆ ...... اگر وہ مجھے قتل کر دیں تو میرے پاس شدید جنگ کے سبب ان کا ایک عہد ہے جس کا نشان مٹ نہیں سکتا (یعنی میں نے انہیں سخت نقصان پہنچایا ہے) دیکھیے قاموس مادہ (ودق)

حقیقت یہ ہے کہ ہم تک امامِ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے جو خطبات، مواعظ اور بلیغ ارشادات پہنچے ہیں، ان کی فصاحت و بلاغت ان رکیک شعروں کے ساتھ میل نہیں کھاتی جو سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

(۵۵)

پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پا لے

یہ ایک حدیث کا حصہ ہے پوری حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے پر کنٹرول کرے۔ اس پر ایک واقعہ ملاحظہ ہو لیکن پہلے تعارف۔

ابو الولید معن بن زائدہ شیبانی اسلام کا بطلِ جلیل اور نہایت سخی تھا۔ یزید بن عمر بن ہبیرہ نے اسے عراق کا والی بنایا تھا جب بنو عباس برسر اقتدار آئے تو معن روپوش ہو گیا پھر جب باغی راوندیوں نے بادشاہ ابو جعفر منصور کو دار الحکومت ہاشمیہ میں گھیر لیا اور لڑائی کا بازار گرم ہوا تو معن اچانک ظاہر ہو کر بہت بہادری سے منصور کی حمایت میں لڑا حتیٰ کہ بلوائیوں کو شکست ہوئی۔ منصور نے خوش ہو کر اسے یمن وغیرہ کا حاکم بنا دیا بعد میں اسے بحستان کی ولایت پر مامور کیا گیا۔ معن بن زائدہ ۱۵۲ھ میں خارجیوں کے حملے میں مارا گیا پھر اس کے بھتیجے یزید بن مزید نے خارجیوں کا قلع قمع کیا۔

(سیر اعلام النبلاء جلد ۷ص ۹۷-۹۸ و تاریخ الاسلام للذھبی ۹/ ۶۳۱)

معن بن زائدہ ایک بڑا ہی سخی و فیاض، حلیم و بردبار، عقل مند اور صائب الرائے انسان تھا۔ عربوں کے درمیان اس کے متعلق یہ بات زبانِ زد خاص و عام تھی کہ اسے کوئی بھی آدمی غصہ نہیں دلا سکتا کیونکہ اس کی عقل و شعور اور حلم و بردباری کی انتہا نے اس کی شخصیت کو بے رخ چلنے والی ہواؤں سے اٹھنے والی موجوں کے تھپیڑوں کا خوشی خوشی مقابلہ کرنے والا بنا دیا تھا۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے کہا: میں معن بن زائدہ کو غصہ دِلا سکتا ہوں۔

لوگوں نے اس سے کہا: اگر تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو ہم لوگ تجھے سو سرخ اونٹنیاں بطورِ انعام دیں گے۔

وہ اعرابی معن بن زائدہ کے پاس حاضر ہوا۔ معن بن زائدہ اس وقت بیٹھا ہوا تھا۔ اعرابی گستاخانہ انداز میں داخل ہوا اور بغیر سلام کیے یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیے

أَتَذْكُرُ اِذْلِبَاسُكَ جِلْدُ شَاةٍ　　وَاِذْ نَعْلَاكَ مِنْ جِلْدِ بَعِيْرٍ؟

''کیا تجھے وہ زمانہ یاد ہے جب بکری کی کھال تیری پوشاک ہوتی تھی اور تیرا جوتا اونٹ کی کھال سے بنا ہوتا تھا؟''

اعرابی کا یہ شعر سُن کر معن بن زائدہ نے کہا: جس بات کا تم ذکر کر رہے ہو اس سے میں ناواقف نہیں ہوں اور نہ ہی اسے بھلاتا ہوں پھر اعرابی نے یہ دوسرا شعر پڑھا

فَسُبْحَانَ الَّذِیْ أَعْطَاكَ مُلْكًا　　وَعَلَّمَكَ الْجُلُوْسَ عَلَى السَّرِيْرِ

''بڑی پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے حکومت کی گدی کی زینت بنایا اور تجھے چارپائی پر بیٹھنا سکھلایا۔''

معن بن زائدہ نے کہا: یہ اللہ کے فضل سے ہے عربی بھائی! یہ کوئی تیرے فضل و کرم کا نتیجہ نہیں ہے پھر اعرابی نے یہ شعر پڑھا

فَوَ اللهِ مَا عِشْتُ يَوْمًا　　عَلٰى مَعْنٍ أُسَلِّمُ بِالْاَمِيْرِ

''اللہ کی قسم! میں معن بن زائدہ کے سہارے ایک دن بھی زندگی نہیں گزار سکتا اور نہ ہی اس کی حکمرانی سے مرعوب ہو کر کبھی سلام کا نذرانہ پیش کر سکتا ہوں۔''

معن بن زائدہ نے کہا: اے عربی بھائی! سلام کرنا اسلام میں سنت ہے اگر تم سلام کرو گے تو اس کا اجر و ثواب ملے گا اور اگر سلام نہ کرو گے تو گناہ اُٹھاؤ گے۔

پھر اعرابی نے یہ شعر پڑھا

سَأَرْحَلُ عَنْ بِلَادٍ أَنْتَ فِيهَا   وَلَوْ جُزْتُ الشَّامَ مَعَ الثُّغُوْرِ

”جس ملک میں تم بستے ہو میں اسے چھوڑ کر چلا جاؤں گا اگرچہ شام کو سرحد سمیت مجھے (پیدل سفر کر کے) طے کرنا پڑے۔“

معن بن زائدہ نے کہا: عربی بھائی! اگر تم رہو گے تو ہم سے خیر اور بھلائی ہی کی امید ہے اور اگر چلے جاؤ گے تو ہماری سلامتی کی دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔

پھر اعرابی نے یہ شعر پڑھا

فَجُدْ لِي يَابْنَ نَاقِصَةٍ بِشَيْءٍ   فَإِنِّي قَدْ عَزَمْتُ عَلَى الْمَسِيْرِ

”اے ناقص عورت کے بیٹے! میرے لیے کچھ زادِ سفر کا بندوبست کر دے کیونکہ اب میں نے (تیری حکومت سے) کوچ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔“

معن بن زائدہ نے اپنے خادم سے کہا: اسے ایک ہزار دینار دے دو تاکہ جب ہم سے دُور ہو گا اور ہماری سرزمین سے کوچ کر جائے گا تو ان کو اپنے مصرف میں استعمال کرے گا۔ اعرابی نے پھر یہ شعر پڑھا

قَلِيْلٌ مَّا مَنَنْتَ بِهِ وَإِنِّي   لَأَطْمَعُ مِنْكَ بِالشَّيْءِ الْكَثِيْرِ

”جو کچھ تم نے مجھے دیا ہے وہ بہت کم ہے کیونکہ میں نے تجھ سے بہت زیادہ کی امید باندھی تھی۔“

معن بن زائدہ نے خادم سے کہا: اسے مزید ایک ہزار دینار دے دو۔

اعرابی نے اس مرتبہ یہ اشعار پڑھے

سَأَلْتُ اللّٰهَ أَنْ يُّبْقِيْكَ دَهْرًا   وَفَضْلُ نَدَاكَ كَالْبَحْرِ الْغَزِيْرِ

”اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ تجھے ایک زمانے تک زندہ رکھے کہ تیرا جود و سخا تو ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کی مانند ہے۔“

فَمِنْكَ الْجُوْدُ وَالْإِحْسَانُ حَقًّا   فَمَا لَكَ فِي الْبَرِيَّةِ مِنْ نَّظِيْرٍ

”حقیقی جود و سخا اور کرم و احسان کی پہچان تیری ہی ذات سے ہے اس

روئے زمین پر تیری کوئی نظیر نہیں پائی جاتی۔"

یہ سن کر معن بن زائدہ نے اپنے خادم سے کہا: اسے مزید ایک ہزار دینار دے دو۔

اعرابی گویا ہوا: اے امیر! دراصل میں نے آپ کے حلم و بردباری کے بارے میں لوگوں سے جو کچھ سُن رکھا تھا' میں اس کا امتحان لینے کے لیے آیا تھا۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر حلم و بردباری اور جود وسخا کی صفات اکٹھی کر دی ہیں اگر یہ دو صفات زمین کے پورے باشندگان پر بانٹ دی جائیں تو ان کو کفایت کر جائیں۔

معن بن زائدہ نے اپنے خادم سے پوچھا:

اعرابی کو اس نظم پر کتنے دینار دیے ہیں؟

خادم نے کہا: تین ہزار دینار۔

معن بن زائدہ نے کہا: اس کی نثر پر تین ہزار دینار اور دے دو۔

خادم نے مزید تین ہزار دینار اعرابی کو دے دیے۔ اعرابی یہ بھاری رقم لے کر شکریہ ادا کرتے ہوئے اور روتے ہوئے واپس ہوا۔

معن بن زائدہ نے پوچھا: اے عربی بھائی! کس بات پر تیرے یہ قیمتی آنسو بہہ رہے ہیں؟

اعرابی نے عرض کیا: مجھے یاد آ گیا کہ تیرے جیسے پیکر صفات انسان کو بھی ایک دن آغوشِ موت میں چلے جانا ہے پھر اس نے یہ اشعار پڑھے

لَعَمْرُكَ مَا الرَّزِيَّةُ فَقْدُ مَالٍ ... وَلَا فَرَسٌ يَمُوْتُ وَلَا بَعِيْرُ

"تیری عمر کی قسم ہے! مال کا لٹ جانا اور گھوڑے یا اونٹ کا مر جانا کوئی مصیبت نہیں ہے۔"

وَلٰكِنَّ الرَّزِيَّةَ فَقْدُ حُرٍّ ... يَمُوْتُ بِمَوْتِهٖ خَلْقٌ كَثِيْرُ

"بلکہ اصل مصیبت تو یہ ہے کہ کسی کریم و آزاد آدمی کا انتقال ہو جائے جس کی وفات سے ایک خلق کثیر مر جاتی ہے۔" (المجالس نوادر الاخبار)

(۵۶)

سیّدنا عمر فاروق کی حضرت سعد رضی اللہ عنہما کو وصیت

سعد بن مالک اور سعد بن ابی وقاص ایک ہی شخصیت ہے' جلیل القدر صحابی' سترہ سال کی عمر میں اسلام لائے۔ فرماتے ہیں کہ نماز کے فرض ہونے سے پہلے اسلام لایا یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام کے لیے خون بہایا اور تاریخ اسلام میں پہلے تیر چلانے والے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر' احد' خندق اور تمام غزوات میں شریک ہوئے اور جاں نثاری کا خوب خوب مظاہرہ کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کی طرف توجہ فرماتے تو ارشاد فرماتے۔ یہ ہمارے ماموں ہیں' ہمیں کوئی شخص ان جیسا ماموں تو دکھائے۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مستجاب الدعوۃ تھے۔ زبردست تیرانداز تھے' انہوں نے احد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر ایک ہزار تیر چلائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے تھے سعد! میرے ماں باپ تم پر فدا' تیر چلاؤ۔ مقام عقیق میں ان کا وصال ہوا' مہاجر صحابہ میں سے سب سے آخر میں ان کا وصال ہوا۔ جب لشکر عراق کے کمانڈر بنائے گئے تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملے میں غور و فکر کیا کہ لشکر عراق کا کمانڈر کسے بنائیں؟ اس سلسلے میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ طلب کیا۔ سعد بن ابی وقاص قبیلہ ہوازن کے صدقات وصول کرنے پر مقرر تھے۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے پہلے انہیں لکھ چکے تھے کہ ایسے افراد کی فہرست تیار کرو جو بہادر اصحابِ فکر اور میدانِ جنگ کے آدمی ہوں حضرت سعد کا مکتوب اس وقت پہنچا جب فاروقِ اعظم' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کر رہے تھے کہ کسے عراق بھیجا جائے؟

حضرت سعد نے اپنے مکتوب میں لکھا کہ میں نے آپ کے لیے ایک ہزار سوار منتخب کیے ہیں جن میں سے ہر ایک صاحب فکر و دانش اور اپنی قوم کی عزت و ناموس کی پاس داری کرنا جانتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی قوم کی فضیلت اور دانش وری کے امین ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مکتوب پڑھا تو حاضرین نے کہا آپ کی مطلوبہ شخصیت مل گئی ہے۔ فرمایا: کون؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا: صف شکن شیر' سعد بن مالک۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خوش ہو گئے' وہ سعد کی جاں بازی سے واقف تھے اس لیے انہیں دلی اطمینان حاصل ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے پیغام بھیج کر انہیں بلایا اور جنگِ عراق کا کمانڈر بنا دیا اور جانے سے پہلے انہیں جو نصیحت کی وہ حضرت سعد کے لیے سند کا درجہ رکھتی تھی اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے معاون بھی تھی۔

وہ نصیحت یہ تھی:

"اے سعد! بنو وہیب کے سعد! تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مغرور نہ کر دے کہ تمہارے بارے میں کہا گیا ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں اور صحابی ہو۔ اللہ تعالیٰ بُرائی کو بُرائی سے نہیں بلکہ بُرائی کو نیکی سے مٹاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان اگر کوئی تعلق ہے تو وہ اس کی فرماں برداری کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب لوگ برابر ہیں' اللہ تعالیٰ ان کا رب ہے اور وہ اس کے بندے ہیں۔ ان میں سے فضیلت والا وہی ہے جسے وہ امن و عافیت عطا فرما دے۔ بندے اطاعت ہی کے ذریعے اجر و ثواب پاتے ہیں اس طریقے کو پیش نظر رکھو جس پر تم نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ اسے لازم پکڑلو کہ وہی صحیح طریقہ ہے۔
آپ کے لیے میری یہی نصیحت ہے اگر آپ نے اسے چھوڑ دیا اور اس سے اعراض کیا تو آپ کا عمل برباد ہو جائے گا اور آپ خسارے والوں میں سے ہوں گے۔"

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں صبر اور ثابت قدمی کی نصیحت کی انہیں اور ان کے ساتھ جمع ہونے والے چار ہزار مجاہدوں کو رخصت کیا۔ یہ لشکر اصحاب شوکت و دانش افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہر ایک سردار مفکر، صاحب اقتدار و شوکت اور ہر خطیب اور شاعر کو نصیحت فرمائی یہ لشکر عرب کے نامور بہادروں اور میدانِ جنگ کے آزمودہ کار چیدہ چیدہ افراد پر مشتمل تھا۔

انہیں رخصت کرتے وقت یہ بھی نصیحت کی:

میں نے آپ کو جنگِ عراق کا کمانڈر بنایا ہے، آپ میری نصیحت کو یاد رکھیں! آپ کو بہت ہی سخت اور ناگوار معاملے سے واسطہ پیش آئے گا جس سے نیکوکار ہی بچ کر نکل سکتا ہے اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو نیکی کا عادی بنائیں اور اس کی برکت سے فتح حاصل کریں۔ یاد رکھیے کہ ہر عادت کا ایک بنیادی عنصر ہوتا ہے اور نیکی کا بنیادی عنصر صبر ہے لہٰذا آپ کو جو تکلیف اور مصیبت پیش آئے اس پر صبر کرنا بس صبر کرنا اللہ تعالیٰ کی خشیت آپ کو میسر آجائے گی۔ یہ حقیقت ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی خشیت دو چیزوں میں جمع ہوتی ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اپنانا (۲) اس کی نافرمانی سے بچنا

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بنیاد دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت ہے اور نافرمانی کی بنیاد دنیا کی محبت اور آخرت کی عداوت ہے، دلوں کی کچھ حقیقتیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے ان میں سے کچھ مخفی ہیں اور کچھ ظاہر۔ ظاہر یہ ہے کہ انسان کے نزدیک راہِ حق میں تعریف اور مذمت کرنے والا برابر ہو مخفی حقیقت کا پتہ اس طرح چلتا ہے کہ اس

کے دل سے حکمت و دانش کی باتیں اس کی زبان پر آجاتی ہیں اور لوگ اس سے والہانہ محبت کرتے ہیں لہٰذا محبوبیت سے کبھی بے نیاز نہ ہونا انبیائے کرام علیہم السلام نے لوگوں کی محبت کی دعا کی ہے اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو اسے لوگوں کا بھی محبوب بنادیتا ہے اور جب کسی کو دشمن قرار دیتا ہے تو اسے لوگوں کی نظر میں بھی دشمن بنادیتا ہے اگر آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا مقام دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ دیکھ لیجیے کہ آپ کا مقام آپ کے ان بھائیوں کے نزدیک کیا ہے؟ جو دین کے راستے پر آپ کے ساتھ چل رہے ہیں۔

خلفائے کرام لشکروں کے کمانڈروں کو ایسی نصیحتیں کرتے تھے جو تمام مجاہدوں کے دلوں میں عظیم روح پھونک دیتی تھیں چنانچہ ان کی روحیں مادی دنیا سے بہت اونچی ہو جاتی تھیں اور عظمتوں کی بلندیوں کو چھونے لگتی تھیں ان کی تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرنے اور نافرمانی کے ترک کرنے کے ذریعے فضائل و کمالات کے حاصل کرنے کی طرف ہوتی تھی اسی لیے فتح و نصرت ان کے ہم رکاب ہوتی تھی اور وہ جدھر رُخ کرتے تھے عزت اور کامرانی ان کے قدم چومتی تھی۔ (من محات الخلود)

(۵۷)

ہاں اب میں اس کو کھا سکتا ہوں

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ملک اردن سے دو ٹوکری پکی ہوئی تازہ کھجور آئیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

لوگوں نے بتایا: یہ رطب (تازہ کھجور) ہے جو اردن کے گورنر نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔ عمر بن عبدالعزیز: یہ کس چیز پر رکھ کر لائی گئی ہیں؟

بتایا گیا: ڈاک کے لیے استعمال کی جانے والی سواریوں پر۔

عمر بن عبدالعزیز: ڈاک کی سواریوں کو استعمال کرنے کا میں دیگر مسلمانوں سے زیادہ حق دار نہیں، تم کھجور کی ان دونوں ٹوکریوں کو لے جا کر بیچ ڈالو اور ان کی قیمت ڈاک کے لیے استعمال کیے جانے والے جانوروں کے چارے پر خرچ کرو۔

اس وقت عمر بن عبدالعزیز کا بھتیجا حاضر تھا اس نے نزدیک کھڑے ایک آدمی کو کنکھی سے اشارہ کیا اور اس سے کہا: جاؤ جب ان دونوں ٹوکریوں کی قیمت لگ جائے تو انہیں خرید لو اور میرے پاس لاؤ جب دونوں ٹوکریاں بازار بیچنے کے لیے لے جائی گئیں تو ان کی قیمت چودہ درہم متعین ہوئی اس آدمی نے چودہ درہم میں کھجور کی یہ دونوں ٹوکریاں خرید لیں اور انہیں عمر بن عبدالعزیز کے بھتیجے کی خدمت میں حاضر کیا۔

بھتیجے نے کہا: ایک ٹوکری امیر المومنین کی خدمت میں لے جاؤ اور ایک میرے لیے رکھ چھوڑو۔

چنانچہ اس آدمی نے کھجور کی ایک ٹوکری حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں پیش کی۔

عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا: یہ کیا ہے؟

جواب دیا: کھجور کی دونوں ٹوکریاں آپ کے بھتیجے نے خریدلیں پھر ایک ٹوکری آپ کی خدمت میں بھیجی اور دوسری اپنے لیے رکھ لی۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

"أَلاٰنَ طَابَ لِيْ أَكْلُهٗ ۔"

"اب میرے لیے اس کا کھانا جائز ہوا۔" (باقیات الورود النضرہ)

نعت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

دُنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
مَیں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

(۵۸)

حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ

آپ سے پوچھا گیا انسان کون ہیں؟ فرمایا: علماء عرض کیا گیا' بادشاہ کون ہے؟ فرمایا جو دنیا سے بے رغبت ہو۔ پوچھا گیا: کمینہ کون ہے؟ فرمایا' جو اپنا دین بیچ کھائے۔ یہ جوابات ارشاد فرما کر انہوں نے لوگوں کے صحیح فہم کے لیے ایسا راستہ کھول دیا جس سے وہ مانوس نہیں تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مبارک کتاب میں یہ آیتِ کریمہ اُتاری ہے جو علماء کی عظمت اور ان کی رفعت شان کی دلیل ہے۔

ارشاد فرمایا: اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۔

"اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

اس لیے علم وہ معزز شے ہے جس کی عزت اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ علم اپنے علاوہ کسی دوسری چیز کے لیے وقف ہو۔ علم برائے علم ہی ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص علم کو کسی دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ بنائے وہ ذلیل ہوتا ہے اگرچہ مال و جاہ اور منصب کے اعتبار سے بلند مرتبہ رکھتا ہو۔

عبداللہ بن مبارک جب حج کرنے کے لیے خراسان سے مکہ مکرمہ پہنچے تو خراسان کے شہرۂ آفاق عالم و عارف کا استقبال کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے کے لیے سب لوگ اُمڈ پڑے۔ مکہ معظمہ میں صرف بچے اور بوڑھے رہ گئے یا پھر کچھ عورتیں ہارون رشید کی ایک بیوی مکہ مکرمہ میں تھی' وہ کہنے لگی کیا بات ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی شخص دکھائی

نہیں دیتا؟ اسے بتایا گیا کہ لوگ خراسان کے نادر روز علامہ عبداللہ بن مبارک کا استقبال کرنے اور ان سے برکت حاصل کرنے گئے ہیں اسے اس بات پر تعجب ہوا کہ لوگوں کے دِلوں کے رابطے اپنے علماء سے اس قدر مضبوط ہیں اسے احساس ہوا کہ بادشاہ تو صرف جسموں پر حکمرانی کرتے ہیں' روحوں پر تو علماء کی حکمرانی ہے اس نے دیوار پر ہاتھ مار کر کہا' یہ حقیقی حکومت ہے۔ ہارون رشید کی حکومت حقیقی نہیں جو لوگوں کو ڈنڈوں کی زد پر جمع کرتی ہے۔

ابن مبارک نے امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ ایک دن امامِ اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے ابتدائی حالات کے بارے میں دریافت کیا' پہلے تو وہ شرما گئے پھر کہنے لگے میں ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ ایک گانے والی عورت کے باغ میں بیٹھا ہوا تھا' ہم رات تک کھاتے پیتے رہے' مجھے طنبورہ بجانے کا بہت شوق تھا۔ ساری رات اسی شوق کو پورا کرنے میں گزر گئی۔ سحری کے وقت سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک پرندہ عین میرے سر پر بیٹھا ہوا کہہ رہا ہے:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

"کیا ایمان والوں کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور نازل ہونے والے حق کے لیے جھک جائیں۔" (الحدید:۱۶)

میں نے خواب ہی میں کہا' کیوں نہیں! کیوں نہیں! جب میں بیدار ہوا تو میرا دل رعب اور ہیبت سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے اُٹھ کر اپنا طنبورہ توڑ دیا اور لہو ولعب کے جتنے آلات میرے پاس تھے سب جلا کر خاکستر کر دیے۔ یہ دنیا اور اس کی لذتوں سے میری بے رغبتی کا آغاز تھا۔ عبداللہ بن مبارک زہد وتقویٰ' علم وادب اور شعر وشاعری کی منزلیں طے کرتے رہے یہاں تک کہ جامع کمالات بن گئے۔ علم وفضیلت میں امام اور مقتداء بنے۔ فضیلت وبرتری میں اس بلند ترین جماعت کے رُکن رکین بن گئے جن کی ہر جگہ

اور ہر زمانے میں اقتداء کی جاتی ہے۔ (زندہ جاوید خوشبوئیں علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"تَجِدُوْنَ النَّاسَ مَعَادِنَ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوْا."

"تم لوگوں کو خوبیوں کی کانیں پاؤ گے ان میں سے جو دورِ جاہلیت میں بہترین تھے وہ اسلام میں بہترین ہوں گے جب کہ وہ دین کا فہم حاصل کر لیں۔"

(یہ حدیث امام بخاری نے کتاب بدء الخلق کے باب مناقب قریش میں روایت کی)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

(۵۹)

بچے کی غیرت وحمیت

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور اپنے اصحاب کو دین کی باتیں سکھلا رہے تھے اور ان کی تربیت وتزکیہ فرما رہے تھے اس مجلس میں ایک نوخیز لڑکا تھا جس کا دل ایمان سے مالا مال اور حکمتِ اسلامی سے لبریز تھا۔ وہ مجلس سے اُٹھ کر چھوٹے چھوٹے قدموں پر چلتا سیدھا اپنے چچا جُلاس بن سوید کی خدمت میں حاضر ہوا جس کی عمر ساٹھ سال ہو چکی تھی لیکن اس کے دل میں نفاق سخت چٹان کی صورت اختیار کر چکا تھا وہ دیگر مسلمانوں کے ساتھ مل کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں پانچوں وقت نمازوں کی ادائیگی کرتا تھا' روزے رکھتا تھا اور خانہ کعبہ کی زیارت (عمرہ) بھی کرتا تھا مگر اس کے باوجود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی رسالت کو جھٹلاتا تھا۔ بچہ گویا ہوا:

"یَاعَمَّاهُ! سَمِعْتُ الرَّسُوْلَ ﷺ یُخْبِرُنَا عَنِ السَّاعَةِ حَتّٰی کَأَنِّیْ أَرَاهَا رَأْیَ الْعَیْنِ."

"چچا جان! میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا تو مجھے ایسا لگا جیسے میں اپنی ان آنکھوں سے قیامت کو دیکھ رہا ہوں۔"

چچا جلاس بن سوید اپنے نوخیز بھتیجے سے یوں مخاطب ہوا:

او بچے! قسم ہے اللہ کی! اگر محمد سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے بھی گئے گزرے ہیں!!
یہ سننا تھا کہ بچے کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اس کا جسم تھرا اُٹھا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیا ہو چنانچہ وہ طیش میں آ کر بولا:

"یَا عَمِّ! وَاللّٰہِ! اِنَّکَ کُنْتَ مِنْ أَحَبِّ النَّاسِ اِلٰی قَلْبِیْ، وَاللّٰہِ! لَقَدْ أَصْبَحْتَ الْآنَ أَبْغَضَھُمْ اِلٰی قَلْبِیْ جَمِیْعًا، یَا عَمِّ! أَنَا بَیْنَ اثْنَتَیْنِ، اِمَّا أَنْ أَخُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَلَا أُخْبِرُ الرَّسُوْلَ ﷺ وَاِمَّا أَنْ أُخْبِرَ الرَّسُوْلَ ﷺ وَلْیَکُنْ مَا یَکُوْنُ۔"

"چچا جان! اللہ کی قسم! آپ لوگوں میں سب سے زیادہ مجھے محبوب تھے لیکن اب میری نگاہ میں آپ سے زیادہ مبغوض کوئی نہیں ہے۔ چچا جان! اب میں دو میں سے صرف ایک ہو سکتا ہوں یا تو میں آپ کی لب کشائی کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دے کر اللہ اور اس کے رسول کے معاملے میں خیانت کا مرتکب ہو جاؤں یا آپ کے گستاخانہ کلمات سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دوں اور پھر جو ہو سو ہو!!"

جلاس بن سوید بولا:

"أَنْتَ طِفْلٌ غِرٌّ لَا یُصَدِّقُکَ النَّاسُ، فَقُلْ مَا شِئْتَ۔"

"تو ایک بے سمجھ بچہ ہے لوگ تیری بات کی تصدیق تو کریں گے نہیں (بھلا تیری بات کون سنے گا؟) جاؤ تم جو کہنا چاہتے ہو کہو۔"

چھوٹا سا بچہ اپنے چھوٹے چھوٹے کمزور قدموں پر چلتا ہوا دربارِ نبوی میں حاضر ہوتا ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر گویا ہوتا ہے:

"یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَلْجُلَاسُ بْنُ سُوَیْدٍ خَانَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ، وَھُوَ عَمِّیْ، وَقَدْ تَبَرَّأْتُ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ اِلَیْکَ مِنْہُ۔"

''اے اللہ کے رسول! یہ جلاس بن سوید جو میرا چچا ہے' یہ اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی کر کے خیانت کا مرتکب ہوا ہے۔ میں پہلے اللہ کی بارگاہ میں اور پھر آپ کے سامنے اس سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں''۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

وَمَا ذَا قَالَ ؟

''آخر اس نے کہا کیا ہے؟''

بچے نے بتایا کہ میرے چچا نے یہ گستاخ آمیز جملہ کہا ہے:

وَاللّٰہِ لَوْ کَانَ مُحَمَّدٌ صَادِقًا لَنَحْنُ شَرٌّ مِّنَ الْحَمِیْرِ!!

''اللہ کی قسم! اگر محمد سچا ہے تو بلاشبہ ہم گدھوں سے بھی زیادہ برے اور گئے گزرے ہیں!!''

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اکٹھا کیا اور ان سے اس معاملے میں مشورہ طلب کیا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی:

''ھٰذَا طِفْلٌ صَغِیْرٌ لَّا تُصَدِّقْہُ فَھُوَ لَا یَعِیْ مَا یَقُوْلُ وَالْجُلَاسُ ابْنُ سُوَیْدٍ یُصَلِّیْ مَعَنَا وَھُوَ شَیْخٌ کَبِیْرٌ وَّعَاقِلٌ''

''اے اللہ کے رسول! یہ چھوٹا بچہ ہے' آپ اس کی تصدیق نہ کریں' یہ تو اپنی بات کا مطلب بھی نہیں سمجھتا جبکہ جلاس بن سوید ایک عمر رسیدہ ہوش مند بزرگ ہیں' اور ہم لوگوں کے ساتھ نماز کی ادائیگی بھی کرتے ہیں''۔

صحابہ کرام کا مشورہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے اور اس چھوٹے بچے کی تصدیق نہیں کی۔

جب اس بچے نے فیصلہ اپنے خلاف سنا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر موتیوں کی لڑی کی طرح ٹپ ٹپ اس کے سرخ رخساروں پر گرنے لگے اور اس کے

جسم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اس نے انتہائی حزن و ملال اور رنج وغم کے عالم میں آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھائی اور اس ہستی کی طرف متوجہ ہوگیا جو باریک بیں ہے اور جس سے کوئی بھی بات مخفی نہیں بلکہ وہ دلوں کی بات سے بھی آگاہ و باخبر ہے' پھر یہ دعا کی:

"اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ صَادِقًا فَصَدِّقْنِيْ وَاِنْ كُنْتُ كَاذِبًا فَكَذِّبْنِيْ"

"میرے پروردگار! اگر میں اپنی بات میں سچا ہوں تو تو مجھے سچا ثابت کردے اور اگر میں جھوٹا ہوں تو تو مجھے جھوٹا ثابت کردے!!"

اللہ کی قسم! ابھی وہ بچہ اس مجلس سے رخصت بھی نہیں ہوا تھا اور مسجد کے اندر ہی بیٹھا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ساتویں آسمان کے اوپر سے اس کی تصدیق کا پروانہ لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے:

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ (التوبہ:۷۴)

"یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا' حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں"۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاس بن سوید کو بلا کر پوچھا تو وہ اپنی بات سے مکر گیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ بھی زبان درازی نہیں کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا:

يقول الله: يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ (التوبہ:۷۴)

أَمَّا أَنْتَ يَا جُلَاسُ، فَقَدْ كَفَرْتَ بِاللّٰهِ، فَاسْتَأْنِفْ تَوْبَتَكَ

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا۔

حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں"۔

اے جلاس! تم نے اللہ کے ساتھ کفر کیا ہے اب تم اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ (التوبۃ:۷۴)

"یہ اگر اب بھی توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے"۔

اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چھوٹے سے بچے کو اپنی خدمت میں بلا کر اس سے فرمایا:

مَرْحَبًا بِالَّذِىْ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ

"اس خوش نصیب بچے کو خوش آمدید جس کی تصدیق اس کے پروردگار نے سات آسمانوں کے اوپر سے کی ہے"۔ (الدر المنثور ۳/۴۶۳،۴۶۴)

قارئین کو معلوم ہونا چاہیے کہ صداقت و نجابت اور غیرت و حمیت کا یہ حسین پتلا وہی جلیل القدر صحابی ہے جس کو تاریخ اسلامی عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان انصاری کے نام سے جانتی ہے اور جن کی صداقت کے بارے میں جب قرآن نازل ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کان پکڑ کر فرمایا تھا:

وَفَتْ اُذُنُكَ يَا غُلَامُ، وَ صَدَّقَكَ رَبُّكَ

"اے بچے! تیرے کان نے ٹھیک سنا اور تیرے پروردگار نے تیری تصدیق فرمائی"۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۳/۲۹۰،۲۰۰۶)

اور یہی وہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ ہیں جن کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حمص کا گورنر بنا کر بھیجا تھا اور جو شام میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

یعنی عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کا شمار فضلاء و زہاد صحابہ میں ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے انہیں حمص کا عامل مقرر کیا۔ اہلِ کوفہ کا خیال ہے کہ عہد نبوی میں جس ابوزید نامی صحابی نے قرآن کو جمع کیا تھا جس کا نام سعد تھا' وہ ان کے والد تھے لیکن بعض لوگوں کی رائے اس کے خلاف ہے۔ انہوں نے شام میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کاش! عمیر کی طرح کا کوئی شخص ہو جس سے میں مسلمانوں کے اعمال کے متعلق مدد لوں۔ (اسد الغابہ' ج:۴)

ان الدین عند اللہ الاسلام

(۶۰)

پیکرِ سخاوت' عبداللہ بن جدعان

عبداللہ بن جدعان' دورِ جاہلیت میں شہرۂ آفاق سخی اور جودوکرم کا چلتا پھرتا پیکر تھے۔ وہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے چچازاد بھائی تھے' ان کی کنیت ابوزہیر تھی اور قبیلہ بنو تیم سے تعلق رکھتے تھے' شراب کے بڑے رسیا اور دلدادہ تھے۔ ایک دن دوستوں کی مجلس میں بیٹھ کر جام پہ جام چڑھاتے گئے جب شراب کے نشے نے اپنا رنگ دکھایا اور ہوش حواس جواب دے گئے تو ہاتھ بڑھا کر چاند کو پکڑنے کی کوشش کی۔ مدہوشی میں سمجھ بیٹھے کہ چاند قریب ہی ہے' ان کے ساتھی خوب ہنسے اور ان کا بُری طرح مزاح اُڑایا۔ نشہ اُترنے پر جب انہیں یہ کیفیت بتائی گئی تو اپنے فعل پر بڑے نادم اور شرمسار ہوئے۔ انہیں احساس ہو گیا کہ شراب خانہ خراب' باعزت آدمی کو ذلیل اور معزز آدمی کے وقار کو مجروح کر دیتی ہے۔ انہوں نے قسم کھائی کہ آئندہ زندگی بھر کبھی شراب نہیں پیوں گا۔ انہوں نے شراب کے نقصانات' بے عزتی' ذلت و رسوائی کو دیکھتے ہوئے اسلام سے پہلے ہی دورِ جاہلیت میں شراب اپنے اوپر حرام کر لی۔

ابن جدعان' صاحب الجفنہ کے لقب سے مشہور تھے' ان کی دیگ اتنی بڑی تھی کہ کوئی بھی شخص اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے اس میں سے کھا سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک چھوٹا بچہ اس میں گر کر ڈوب گیا جسے مردہ حالت میں نکالا گیا۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ہم عبداللہ بن جدعان کی دیگ کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے۔"

وہ ابتداء قلاش' شرپسند' لٹیرے اور جرائم پیشہ تھے۔

لوگ ان کے والد اور ان کی قوم کے پاس شکایتیں لے کر آتے اور انہیں بہت سا مال دیت اور جرمانے کے طور پر دینا پڑتا۔ تنگ آ کر خاندان والوں نے ان کا بائیکاٹ کر دیا باپ نے انہیں گھر سے نکال دیا اور عاق کر دیا چونکہ انہوں نے اپنے باپ کو بہت تکلیفیں دی تھیں اور جرمانوں کا بھاری بوجھ اس کے کندھوں پر ڈال دیا تھا اس لیے اس نے قسم کھائی کہ میں انہیں کبھی پناہ نہیں دوں گا۔

جب انہوں نے دیکھا کہ ان کا والد اور خاندان ان کا دشمن بن گیا ہے' وہ سب ان کے خلاف متفق ہو گئے ہیں اور ان کے لیے ان کے پاس کوئی جگہ نہیں رہی تو وہ حیران اور پریشان مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں موت کی تلاش میں مارے مارے پھرنے کے لیے نکل گئے ایک وقت تھا جب وہ عزت و دولت اور ارجمندی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آج یہ حالت تھی کہ فقر و فاقہ اور بدبختی کا ہولناک رقص ان کے آگے پیچھے جاری تھا اس لیے ان کی آرزو تھی کہ کاش! موت مجھے اپنی آغوش میں لے لے۔

شریف النفس کا یہی حال ہوتا ہے اس کے لیے لوگوں کی نگاہوں سے گر جانا' پہاڑوں کی چوٹیوں سے گر جانے کی نسبت زیادہ آسان ہوتا ہے۔ چلتے چلتے انہیں پہاڑ کا ایک شگاف دکھائی دیا' وہ بے دھڑک اس میں داخل ہو گئے ان کی تو خواہش ہی یہ تھی کہ اندر کوئی ایسی چیز ہو جو مجھے ہلاک کر دے اور اس شقاوت و مشقت سے نجات دلا دے جسے میں برداشت کر رہا ہوں لیکن انہیں ایسی کوئی چیز بھی تو نظر نہ آئی وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر بہت بڑے اژدھا پر پڑی جس کی آنکھوں سے چراغوں ایسے شعلے نکل رہے تھے ابھی وہ پورے غور کے ساتھ اسے دیکھ بھی نہیں پائے تھے کہ اژدھا نے حملہ کر دیا اور کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح ان کی طرف بڑھا ان پر دہشت طاری ہو گئی اور غیر ارادی طور پر ایک طرف ہٹ کر اس کے لیے راستہ

چھوڑ دیا اژدھا ان پر نظر غلط ڈالے بغیر پیچھے ہٹ گیا۔

انہیں حیرت ہوئی کہ یہ کیسا اژدھا ہے؟ جس نے معمولی سی تکلیف بھی نہیں پہنچائی۔ وہ حیرت کا مجسمہ بنے سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ جیتا جاگتا اژدھا نہیں ہے بلکہ دھات یا کسی دوسری چیز کا مصنوعی اژدھا ہے۔ جی کڑا کر کے' نپے تلے قدم اُٹھاتے ہوئے اس کی طرف بڑھے اور قریب جا کر اس پر ہاتھ ڈال دیا وہ واقعی سونے کا مصنوعی اژدھا تھا اس کی آنکھوں میں دو یاقوت جڑے ہوئے تھے جو چراغ کی طرح جگمگا رہے تھے' انہوں نے سانپ کی گردن مروڑ دی اور اس کی دونوں آنکھیں نکال لیں پھر انہیں پہاڑ کے اسی شگاف میں ایک کمرہ دکھائی دیا۔ وہ اس میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ چارپایوں پر لمبی لمبی لاشیں پڑی ہوئی ہیں' ان کے سرہانے سونے کی تختیاں رکھی ہوئی ہیں جن پر اشعار اور نصیحتیں لکھی ہوئی ہیں۔

قبروں کی تختیوں پہ نصیحت انگیز باتیں

ایک تختی پر لکھا ہوا تھا:

"میں نفیلہ بن عبدالمدان بن حشرم بن عبد یالیل بن جرھم بن قحطان بن نبی اللہ سیدنا ہود علیہ السلام ہوں۔ میں پانچ سو سال زندہ رہا' میں نے دولت اور حکومت حاصل کرنے کے لیے تمام زمین کو اندر باہر کھنگال ڈالا یہ سب کچھ مجھے موت کے منہ میں جانے سے بچا نہ سکا۔"

ایک دوسری تختی پر لکھا ہوا تھا:

قَدْ قَطَعْتُ الْبِلَادَ فِیْ طَلَبِ الثَّرْوَ ۃِ وَالْمَجْدِ قَالِصَ الْاَثْوَابِ
وَوَصَلْتُ الْبِلَادَ قَفْرًا بِقَفْرٍ بِقَنَاتِیْ وَقُوَّتِیْ وَاکْتِسَابِیْ
فَاَصَابَ الرَّدٰی بَنَاتِ فُؤَادِیْ بِسِهَامٍ مِّنَ الْمَنَایَا صِیَابٍ
فَانْقَضَتْ شِرَّتِیْ وَاَقْصَرَ جَهْلِیْ وَاسْتَرَاحَتْ عَوَاذِلِیْ مِنْ عِتَابِیْ
وَدَفَعْتُ السَّفَاهَ بِالْحِلْمِ لَمَّا نَزَلَ الشَّیْبُ فِیْ مَحَلِّ الشَّبَابِ

صَاحِ هَلْ رَأَيْتَ أَوْ سَمِعْتَ بِرَاعٍ
رَدَّ فِي الضَّرْعِ مَا قَرَى فِي الْحِلَابِ

☆...... میں نے نئے نئے کپڑے پہن کر دولت و شرافت کی تلاش میں شہروں کے شہر طے کیے۔

☆...... میں اپنے نیزے' طاقت اور کمائی کے بل بوتے پر صحرا بصحرا گھومتا ہوا شہروں تک پہنچا۔

☆...... تو موت نے نشانے پر لگنے والے ہلاکتوں کے تیر' میرے دل کی شریانوں میں پیوست کر دیے۔

☆...... میری تیز طراری دھری کی دھری رہ گئی' میری جہالت دم توڑ گئی' اور ملامت کرنے والی خواتین کی جان مجھے کوسنے سے چھوٹ گئی۔

☆...... جب بڑھاپے نے جوانی کی جگہ لے لی تو میں نے علم کے ذریعے لوگوں کی بے وقوفی کا دفاع کیا۔

☆...... اے دوست! تو نے کبھی دیکھا یا سنا؟ کہ کسی چرواہے نے برتن میں دوہا ہوا دودھ جانور کے تھنوں میں واپس لوٹا دیا ہو (اسی طرح گئی ہوئی جوانی اور زندگی واپس نہیں آتی)

عبداللہ بن جدعان کو اس گھر میں سرخ یاقوت' تاب دار موتیوں سوتے چاندی اور زبرجد کا ڈھیر ملا انہوں نے جو کچھ اٹھا سکے' اٹھا لیا اور باہر نکل آئے' دروازے کو پتھروں سے بند کیا اور پہاڑ کے شگاف پر نشان لگا دیا باپ کو راضی کرنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ڈھیروں مال اس کے پاس بھجوا دیا۔ خاندان کے افراد نے جوان سے قطع تعلق کر چکے تھے از سر نو ان سے تعلقات استوار کیے' ان میں سے ہر ایک کو بیش قیمت تحائف پیش کیے۔ جلد ہی اقرباء نوازی کی بدولت اپنے قبیلے کے سردار بن گئے اور اس خزانے کو حاجت مندوں پر لٹانا شروع کر دیا۔ کھانا کھلانا' کپڑے تقسیم کرنا اور

جود و سخا' شب و روز کا معمول بن گئے یہاں تک کہ وہ اس زمانے میں سخاوت و کرم کی درخشندہ مثال بن گئے۔ ان کی فیروز بختی کا ستارہ جو بے نور ہو چکا تھا' جگ مگ کرنے لگا اور جو لوگ انہیں نفرت و حقارت کی بناء پر چھوڑ گئے تھے وہ پھر ان کے حلقۂ یاراں میں داخل ہو گئے۔ (من نفحات الخلود)

حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا آئی ہے:

اَللّٰھُمَّ اَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَاَعْطِ مُمْسِکًا تَلَفًا۔

''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بہترین بدلہ عطا فرما اور بخیل کا مال تلف فرما۔''

(امام بخاری نے یہ حدیث باب الزکوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے اس کے ابتدائی کلمات یہ ہیں: مامن یوم یصبح العباد فیہ (الحدیث) امام مسلم بھی یہ حدیث باب الزکوٰۃ میں لائے ہیں۔)

(۶۱)

قیصر کے دربار میں اذان کی گونج

ابومحمد بن قتیبہ، ابوابراہیم کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمر رسیدہ ہو گئے تو انہیں بے خوابی کا مرض لاحق ہو گیا، رات کو جب وہ سوتے تو بسا اوقات عیسائیوں کے گرجا گھر سے اُٹھنے والی ناقوس کی آواز ان کے کانوں سے ٹکراتی اور ان کی نیند اُڑ جاتی۔ ایک دن صبح سویرے جب ان کی خدمت میں لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا:

"يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ اَهَلْ فِيْكُمْ مَنْ يَّفْعَلُ مَا اٰمُرُهٗ بِهٖ وَأُعْطِيْهِ ثَلَاثَ دِيَاتٍ أُعَجِّلُهَا لَهٗ وَدِيَتَيْنِ اِذَا رَجَعَ۔"

"اے عرب قوم! کیا تم میں کوئی ایسا بہادر ہے جو میرے حکم کی تعمیل کر سکے اسے میں مہم کی انجام دہی سے قبل تین دیت کے مساوی رقم دوں گا اور جب وہ مہم سے واپس آئے گا تو مزید دو دیت کے مساوی انعام سے نوازوں گا۔"

امیر معاویہ کی بات سن کر غسان کا ایک نوجوان اُٹھ کھڑا ہوا اور گویا ہوا:

"اَنَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ!"

"امیر المومنین! آپ کے حکم کو سرانجام دینے کے لیے ناچیز حاضر خدمت ہے۔" امیر معاویہ نے فرمایا:

"تَذْهَبُ بِكِتَابِيْ اِلٰى مَلِكِ الرُّوْمِ فَاِذَا صِرْتَ عَلٰى بِسَاطِهٖ

أَذِّنْتَ۔"

"تم میرا خط لے کر شاہِ روم کے پاس جاؤ گے جب اس کے دربار میں پہنچ جاؤ تو بلند آواز سے اذان کہو گے۔"

غسانی نوجوان نے عرض کیا: پھر کیا حکم ہے؟

امیر معاویہ نے فرمایا: صرف یہی درکار ہے۔

غسانی نوجوان گویا ہوا:

"لَقَدْ كَلَّفْتَ صَغِيرًا وَأَعْطَيْتَ كَبِيرًا۔"

"آپ نے کام تو بہت معمولی دیا مگر معاوضہ بہت زیادہ رکھا۔"

اس کے بعد نوجوان روم کو روانہ ہو گیا' شاہِ روم کا دربار لگا ہوا ہے' چاروں طرف سے وزراء اور درباریوں کا گروہ اسے گھیرے ہوئے ہے' بادشاہ ان کے مابین جلوہ افروز ہے' فوجیوں کا دستہ چاق و چوبند' مخصوص وردی میں حفاظتی فرائض انجام دے رہا ہے' قالین بچھا ہوا ہے' ہیرے جواہرات کی رنگینیاں شاہِ روم کے دربار کی خوب صورتی میں چار چاند لائے ہوئے ہیں اور کسی اہم موضوع پر دلچسپ بحث چل رہی ہے اسی دوران میں امیر معاویہ کا نمائندہ غسانی نوجوان بلا جھجک شاہِ روم کے دربار میں داخل ہو جاتا ہے اور محافظین کے دستے کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے کو بڑھتا ہے اور اچانک وہاں موجود لوگوں کے کانوں سے اذان کا یہ کلمہ ٹکراتا ہے:

"اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ' اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ' أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ......"

اور امیر معاویہ کا ایلچی نوجوان پوری اذان سنا کر درباریوں کو متحیر کر دیتا ہے۔

شاہِ روم کے اردگرد فوجیوں اور محافظین کا دستہ ہے' وہ اپنی تلواریں فوراً سونت کر آگے بڑھتے ہیں کہ اس گستاخ مسلمان نے ہمارے شاہ کی توہین کی ہے اب اس کا سرتن سے جدا ہونا چاہیے۔ اچانک شاہِ روم بلند آواز سے اپنے فوجیوں کو آگے قدم بڑھانے

سے روک دیتا ہے۔ فوجیوں کے جذبات بھڑکے ہوئے ہیں' انہیں ایک ہی فکر ہے کہ اس گستاخ مسلم کا سر چاہیے اور بس!! اتنے میں بادشاہ کی آواز گونجتی ہے:

''اپنی تلواریں میان میں رکھ لو۔''

اور کچھ ہی لمحے بعد بادشاہ فوجیوں سے پہلے مسلمان ایلچی کے سامنے آتا ہے اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھ جاتا ہے اب جب کہ فوجیوں کی تلواریں میان میں واپس جا چکی ہیں' بادشاہ درباریوں سے مخاطب ہوتا ہے:

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر تمہارا اور تمہارے اوپر ان کا کیا حق ہے؟''

غالباً بادشاہ اس جملے کے ذریعے سے اپنے درباریوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنا چاہتا تھا اور یہ بتانا چاہتا تھا کہ اس طرح کسی ایلچی کو قتل کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔

غرض معاملہ ٹھنڈا کرنے کے بعد بادشاہ مسند پر جا بیٹھا اور درباریوں سے مخاطب ہوا:

''يَا مَعْشَرَ الْبَطَارِقَةِ! إِنَّ مُعَاوِيَةَ قَدْ أَسَنَّ وَمَنْ أَسَنَّ اَرِقَ وَقَدْ اٰذَتْهُ النَّوَاقِيْسُ فَأَرَادَ أَنْ يُقْتَلَ هٰذَا عَلَى الْأَذَانِ فَيَقْتُلُ مَنْ بِبِلَادِهِ عَلٰى ضَرْبِ النَّوَاقِيْسِ وَبِاللّٰهِ لَيَرْجِعَنَّ اِلَيْهِ عَلٰى خِلَافِ مَا ظَنَّ۔''

اے فوجیوں کی جماعت! معاویہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور جو آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے وہ بے خوابی کا مریض بن جاتا ہے (اور رات کو اسے بہت ہی کم نیند آتی ہے) ناقوس کی آواز سے انہیں تکلیف ہوتی ہے اس لیے انہوں نے اپنے اس نوجوان ایلچی کو میرے دربار میں اذان دینے کے لیے بھیجا ہے تاکہ اذان کے جرم میں اگر اسے قتل کر دیا گیا تو وہ ناقوس بجانے کے جرم میں اپنے ملک کے سارے عیسائیوں کا خون کر دیں اس لیے اللہ کی قسم! ان

کا یہ ایلچی ان کے خلاف توقع ان کے پاس واپس جائے گا (ہم اسے کوئی زک نہیں پہنچائیں گے)''

چنانچہ وہ شاہِ روم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس نوجوان ایلچی کو کپڑے کے جوڑے عنایت کیے اور انعام واکرام کے ساتھ سواری دے کر اسے روانہ کیا جب وہ نوجوان واپس امیر معاویہ کی خدمت میں آیا تو انہوں نے پوچھا:

''أَوَ قَدْ جِئْتَنِيْ سَالِمًا؟''

''کیا تم صحیح سالم میرے پاس واپس آ گئے؟''

نوجوان نے جواب دیا:

''أَمَّا مِنْ قِبَلِكَ فَلَا۔''

''میں آپ کی کرم فرمائی سے تو نہیں البتہ شاہِ روم کی کرم فرمائی سے واپس آ رہا ہوں۔''

کہتے ہیں کہ جس زمانے میں مسلمانوں کا خلیفہ جس صلاحیت کا مالک ہوتا تھا' روم کا بادشاہ بھی اسی صفت کا حامل ہوا کرتا تھا اگر مسلمانوں کا خلیفہ ہوشیار اور سیاست دان ہوتا تو روم کا بادشاہ بھی اسی کی طرح ہوتا اور اگر مسلم خلیفہ کچھ کم لیاقت والا ہوتا تو شاہِ روم بھی اسی کے مانند ہوتا جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں شاہِ روم بہت ہی ہوشیار اور سیاست دان تھا اس نے اپنی رعایا کے لیے دیوان بنوایا اور دشمنوں کی سازشوں کو ناکام کر کے انہیں سرنگوں کر دیا تھا' اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جو روم کا بادشاہ بنا وہ بھی انہی کی طرح ذہین و فطین تھا۔ (اخبار الاذکیاء لابن جوزی' ص ۱۴۷)

(۶۴)

ارباب اقتدار کی اصلاح کا سامان

منصور جب خلیفہ نہیں بنا تھا اس وقت عمرو بن عبید اس کا یارِ غار تھا' ان کے درمیان بڑی دوستی اور محبت تھی' ان کی آپس میں بڑی بے تکلف مجلسیں ہوا کرتی تھیں اور اس دور کے کئی یادگار واقعات تھے۔

ایک دن عمرو بن عبید' ابو جعفر منصور سے ملاقات کے لیے گئے۔ خلیفہ وقت بڑے احترام سے پیش آیا' اپنے پاس بٹھایا اور دوستانہ انداز میں گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہنے لگا' مجھے کچھ نصیحت کیجیے! عمرو نے اسے دنیا و آخرت میں نفع دینے والی اور راہِ نجات ہموار کرنے والی نصیحتیں کیں پھر کہنے لگے' آج یہ اقتدار تمہارے ہاتھ میں ہے اگر تم سے پہلے لوگوں کے پاس رہتا تو تم تک نہ پہنچتا اس لیے اس رات سے ڈرو جو تمہاری زندگی کی آخری رات ہو۔

منصور نے ان کی گفتگو سننے کے بعد کہا' ہم تمہارے لیے دس ہزار درہم کا حکم دیتے ہیں۔ عمرو نے کمال قناعت اور غنائے نفس کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا' مجھے نہیں چاہئیں یہ دراہم' خلیفہ نے ان کی بات سنی تو حیران رہ گیا' اسے ہرگز یہ توقع نہیں تھی کہ اس کا عطیہ یوں رد کر دیا جائے گا' اس نے قسم کھا کر کہا: واللہ! تم یہ دراہم ضرور لو گے۔ عمرو نے بھی قسم کھا کر کہا' واللہ! میں نہیں لوں گا۔

منصور کا بیٹا مہدی حاضر تھا اس نے دونوں کو قسم کھا کر بات کرتے ہوئے سنا تو کہنے لگا' امیر المومنین بھی قسم کھاتے ہیں اور آپ بھی قسم کھاتے ہیں؟ میرا مطلب یہ ہے

کہ اگر خلیفہ قسم کھائیں تو آپ کو ان کے مقابل قسم نہیں کھانی چاہیے بلکہ اطاعت کرنی چاہیے۔

عمرو نے منصور کی طرف دیکھ کر پوچھا' یہ جوان کون ہے؟

منصور نے کہا' یہ میرا ولی عہد اور بیٹا مہدی ہے۔ عمرو نے کہا' اللہ کی قسم! تم نے اسے وہ لباس پہنایا ہے جو صالحین کا لباس نہیں ہے' تم نے اس کا نام ایسا رکھا ہے جس کا وہ مستحق نہیں ہے' تم نے اس کے لیے اقتدار کا انتظام کیا جو اس کے لیے فائدہ مند تو ضرور ہوگا لیکن اس کی پوری توجہ حاصل نہیں کر سکے گا۔

پھر عمرو نے مہدی کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

''بھتیجے! تیرے باپ نے قسم کھائی اور تیرے چچا نے اس کی قسم توڑ دی کیونکہ تیرا باپ' تیرے چچا کی نسبت کفارہ ادا کرنے کی طاقت زیادہ رکھتا ہے۔''

منصور اس کی جرأت اور فصاحت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کہنے لگا' آپ کا کوئی کام ہو تو بتائیں؟ اس کا خیال تھا کہ میں اس کا کوئی بھی کام کر سکتا ہوں لیکن عمرو نے بلندی ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا مجھے آپ کبھی نہ بلوائیں میں نے آنا ہوا تو خود آجاؤں گا۔ خلیفہ کو اس خلاف توقع جواب سے اتنا صدمہ ہوا کہ وہ کئی لمحے کوئی بات نہ کر سکا...... کچھ دیر بعد کہنے لگا' تب تو آپ مجھ سے ملاقات ہی نہیں کر سکیں گے...... عمرو نے کہا: میں بھی یہی چاہتا ہوں...... یہ کہا' اور خلیفہ کو اس کے خیالات میں گم چھوڑ کر اپنی راہ لی...... خلیفہ انہیں تعجب اور احترام کی نگاہوں سے دیکھتا رہ گیا۔

یہ تھی خلیفہ کے مدمقابل علماء کی عظمت...... جب خلفاء' سلاطین اور امراء اپنے علماء سے مشورے لیتے تھے...... اور چونکہ مخلص علماء حکمرانوں اور امراء کے مال و دولت سے بے نیاز ہوتے تھے...... اس لیے ان کے ناصحانہ مشوروں سے ارباب اقتدار کی غلطیوں کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ (من نفحات الخلود)

(۶۳)

اے وہ ذات جس کی حکومت کو زوال نہیں

یہ واقعہ مختصراً پہلے بھی بیان ہو چکا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب خلافت کی باگ ڈور سنبھالی' اس وقت آپ عنفوانِ شباب کے ایام میں تھے۔ آپ بنوامیہ کے کھاتے پیتے گھرانے کے ایک لاڈلے فرزند تھے۔ ایک دن میں تین تین دفعہ سے زیادہ اپنی پوشاک بدلتے۔ جب کسی گلی سے آپ کا گزر ہو جاتا تو لوگ تادیر آپ کی خوشبو سے محظوظ ہوتے رہتے۔ آپ کا مسکن مدینہ کے ایک قصر میں تھا۔ آپ کے والد کے پاس اس کے علاوہ بھی مصر' شام' عراق اور یمن میں بھی ایک ایک محل تھا مگر جب اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے خیر اور بھلائی چاہی تو عمر بن عبدالعزیز کو خلافت کے لیے چن لیا!!

ان زمانے میں مسلمانوں کا خلیفہ سلیمان بن عبدالملک تھا۔ اسے اللہ کی طرف سے بلاوا آ پہنچا۔ عمر بن عبدالعزیز اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ یہ بے رحم موت کیسے کیسے حکمرانوں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے' کیسے کیسے بادشاہوں کو اپنا لقمہ بنا لیتی ہے اور کیسے کیسے عظیم المرتبت رؤسا کی خواہشات کے مضبوط قلعوں کو پل بھر میں ریزہ ریزہ کر دیتی ہے؟!!

سلیمان بن عبدالملک شاہی پلنگ پر جانکنی کے عالم میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا اور آخرت کو سدھار رہا تھا۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ط وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ط فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ط وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (آل عمران:۱۸۵)

''ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیئے جاؤ گے۔ جو شخص آگ سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا بے شک وہ کامیاب ہو گیا۔ دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کی جنس ہے''۔

سلیمان بن عبدالملک کو اب اپنی زندگی کے خاتمہ کا یقین ہو چلا تھا' اس جانکنی کے عالم میں وہ اپنے پروردگار کے سامنے پڑا یوں کہہ رہا تھا:

يَا مَنْ لَّا يَزُوْلُ مُلْكُهٗ ، اِرْحَمْ مَنْ زَالَ مُلْكُهٗ

''اے وہ ہستی جس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں' اس عاجز پر رحم فرما جس کی سلطنت زائل ہو گئی''۔

پھر اس نے یہ شعر پڑھا

اَفْلَحَ مَنْ كَانَ لَهٗ كِبَارٌ ، اِنَّ بَنِيَّ فِتْيَةٌ صِغَارٌ

''کامیاب و کامران ہے وہ شخص جس کے بچے جوان ہو چکے ہیں لیکن ابھی میرے بچے تو چھوٹے چھوٹے ہیں''۔

وہ کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ اے کاش! میرے بیٹے بھی بڑے ہوتے تا کہ میرے بعد سلطنت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ لگتی اور وہ حکمران بنتے۔ یقیناً وہ شخص کامیاب و کامران ہے جس کے بیٹے اس کی زندگی ہی میں بڑے ہو چکے ہوں۔

عمر بن عبدالعزیز اس کے سامنے ہی کھڑے تھے' اس کی زبانی جب آپ نے یہ شعر سنا تو فوراً بول اٹھے: نہیں' اللہ کی قسم!

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (الاعلیٰ:۱۴'۱۵)

''بے شک اس نے فلاح پالی جو (اپنے نفس کو اخلاقِ رذیلہ سے اور شرک و معصیت کی آلودگیوں سے صاف کر کے) پاک ہو گیا' اور جس نے اپنے رب کا نام یاد رکھا اور نماز پڑھتا رہا''۔

سلیمان کا انتقال ہو گیا اور وہ ایک خفیہ خط کے اندر ایک آدمی کے لیے خلافت کی وصیت لکھ گیا جس کے متعلق فوری طور پر کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

جب وہ مدفون ہو گیا تو ایک جلیل القدر عالم رجاء بن حیوۃ منبر پر تشریف لائے اور اعلان عام کر دیا کہ آج کے بعد مسلمانوں اور عالمِ اسلامی کے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوں گے۔

جب خلافت کا یہ اعلان عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے سنا تو شدت گریہ و غم سے ان کا دل پھٹنے لگا۔ وہ پچھلی صف میں تھے۔ علماء نے انہیں منبر پر لا کھڑا کیا۔ عمر بن عبدالعزیز کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا لیکن اس کے باوجود علماء کرام نے انہیں لوگوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔

عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے لوگوں سے بات کرنا چاہی لیکن رونے کی وجہ سے ان کی ہمت نہ ہو سکی کہ وہ لوگوں سے خطاب کر سکیں۔ انہوں نے لوگوں سے فرمایا:

بَیْعَتُکُمْ بِاَعْنَاقِکُمْ لَا اُرِیْدُ خِلَافَتَکُمْ

"تم اپنی اپنی بیعت اپنی گردنوں سے لگائے رکھو۔ مجھے تمہاری خلافت کی ہرگز خواہش نہیں"۔

لوگوں نے جب عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کا یہ دوٹوک جواب سنا تو وہ رو پڑے اور کہنے لگے: "لَا نُرِیْدُ اِلَّا اَنْتَ" "ہم آپ کے علاوہ کسی کو خلیفہ بنانا نہیں چاہتے۔

چنانچہ عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ نے لوگوں کے سامنے گفتگو کی۔ اس میں موت اور اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ کرائی اور اس قدر اثر انگیز تقریر کی کہ حاضرین کے رونے کی آوازوں سے مسجد گونج اٹھی۔

رجاء بن حیوۃ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں مسجد اموی کے در و دیوار دیکھ رہا تھا کہ کیا یہ بھی ہمارے ساتھ محوِ آہ و بکا تو نہیں ہیں؟ پھر عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ منبر سے اتر گئے تو لوگوں نے آپ کی خدمت میں سواریاں اور ساتھ ساتھ چلنے کے لیے قافلے کی صورت

میں افراد کو پیش کیا تا کہ جلوس کے ساتھ آپ گھر روانہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے خلیفہ کے لیے لوگوں نے اسی طرح کی شان و شوکت کا طریقہ اختیار کیا تھا لیکن آپ نے فرمایا:

"لَا، إِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ غَيْرَ أَنِّي أَكْثَرُ الْمُسْلِمِينَ حِمْلًا وَعِبْئًا وَمَسْئُولِيَّةً أَمَامَ اللهِ قَرِّبُوا لِي بَغْلَتِي فَحَسْبُ."

"نہیں! (میں خصوصی اہتمام کے ساتھ نہیں چلوں گا) میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ سب مسلمانوں سے زیادہ میرے اوپر ذمہ داری کا بوجھ ہے اور اللہ کے سامنے میں اس کا جواب دہ ہوں گا' میرا خچر لاؤ' وہی میری سواری کے لیے کافی ہے۔"

چنانچہ خچر پر سوار ہو کر اپنے محل میں پہنچے اور اس کے اندر کا سارا مال و متاع اور اثاثہ مسلمان فقراء کے درمیان صدقہ و خیرات کر دیا۔

پھر عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ دمشق جا کر ایک کمرے میں لوگوں کے درمیان قیام پذیر ہوئے تا کہ مساکین و فقراء اور بیواؤں کے قریب ہو کر ان کے درد کا درماں بن سکیں۔ پھر اپنی بیوی فاطمہ بنت عبدالملک کو اپنی خدمت میں بلایا اور فرمایا: اے فاطمہ! اُمتِ محمدیہ کے امور کی ذمہ داری میرے سر آ چکی ہے اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جس جغرافیائی نقشے پر حکومت کرتے تھے اس کا رقبہ مشرق میں سندھ سے لے کر مغرب میں طرابلس تک اور شمال میں ترکستان سے لے کر جنوب میں افریقہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اے فاطمہ! اگر تو اللہ اور آخرت کو محبوب رکھتی ہے تو اپنا سارا زیور اور سونا چاندی بیت المال کے حوالے کر دے اور اگر تجھے دنیوی زندگی سے پیار ہے تو آ میں تجھے دے دِلا دوں اور اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں اور پھر تو اپنے باپ کے گھر چلی جا۔ بیوی نے جواب دیا: نہیں' اللہ کی قسم! آپ کی زندگی میری زندگی ہے اور آپ کی موت میری موت ہے پھر اس نے اپنا سارا زیور اور سونا چاندی اپنے شوہر عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے حوالے کر دیا چنانچہ انہوں نے وہ سارا مال مسلمانوں کے بیت

المال میں جمع کر دیا۔ یہ وہی فاطمہ وہی شہزادی ہے جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

بِنْتُ الْخَلِيْفَةِ وَالْخَلِيْفَةُ جَدُّهَا
أُخْتُ الْخَلَائِفِ وَالْخَلِيْفَةُ زَوْجُهَا

"خلیفہ (عبدالملک) کی بیٹی، خلیفہ (مروان بن حکم) کی پوتی، خلفا (ولید، سلیمان اور ہشام) کی بہن اور خلیفہ (عمر بن عبدالعزیز) جس کا شوہر ہے۔"

خلافت کے پہلے دن عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ قیلولے کے لیے آرام فرما رہے تھے کہ اتنے میں ان کا صالح بیٹا عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز حاضر ہوا اور عرض کی:

ابو جان! آپ سو رہے ہیں جبکہ اُمتِ محمدیہ کے امور کی نگرانی آپ کے ناتواں کندھوں پر آ پڑی ہے اور رعایا میں فقراء و مساکین، بھوکے اور بیوائیں ہیں، یہ سب کے سب قیامت کے دن آپ کا گریبان پکڑیں گے۔

اپنے نیک صاحب زادے کی یہ بات سن کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رو پڑے اور اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ آپ کا یہ نیک طینت فرزند اپنی زندگی کے بیس سال پورے کرنے سے پہلے ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔

حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے باوجود عمر بن عبدالعزیز فقر و فاقہ کی زندگی گزارتے تھے۔ آپ جو کی روٹی روغنِ زیتون سے تناول فرماتے اور بسا اوقات منقی (خشک انگور) کی ایک مٹھی ہی سے ناشتہ فرما لیا کرتے تھے اور اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے: "هذا خير من نار جهنم۔"

"یہ آتشِ جہنم سے بہتر ہے۔"

(عمر بن عبدالعزیز کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے البدایۃ والنہایۃ ۱۲/۶۷۶-۷۲۰ دار ہجر، طبقات ابن سعد ۵/۳۳۰، تاریخ دمشق ۴۵/۱۲۶، سیر اعلام النبلاء ۵/۱۱۴ وغیرہ)

(۶۴)

شاہ چین کی شاہِ ایران کو نصیحت

جب شاہِ ایران کا پایہ تخت مدائن فتح ہو گیا اور عرب مسلمانوں کا اثر و نفوذ سرزمین ایران میں بڑھا تو شاہِ ایران نے عربوں کے خلاف امداد حاصل کرنے کے لیے اپنا ایک سفیر شاہِ چین کے پاس بھیجا۔ بادشاہوں کی یہ روایت ہے کہ وہ مشکل حالات میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے ہیں۔ سفیر شاہ چین کے بھاری بھرکم تحائف لے کر واپس آیا اور اس نے یزدجرد کو رپورٹ دیتے ہوئے بتایا شاہِ چین نے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو ہمارے شہروں پر مسلط ہو گئے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تمہارے بیان کے مطابق ان کی تعداد کم ہے اور تمہیں تعداد کے اعتبار سے ان پر برتری حاصل ہے حالانکہ میں نے سنا ہے کہ وہ قلت تعداد کے باوجو تمہاری کثرت پر بھاری رہتے ہیں وہ فائدے میں رہتے ہیں اور تمہیں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

میں نے کہا' آپ اپنی پسند کی جو بات پوچھنا چاہیں پوچھ سکتے ہیں۔

شاہِ چین جب وہ معاہدہ کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں؟

سفیر جی ہاں!

شاہِ چین جنگ کرنے سے پہلے وہ تمہیں کیا کہتے ہیں؟

سفیر: ہمیں تین باتوں میں سے ایک کی دعوت دیتے ہیں:

(۱) ہم ان کے دین کی پیروی کریں اگر ہم ان کی دعوت قبول کرلیں تو ہمارا اور ان

کا راستہ ایک ہو جائے گا جو ان کے حقوق وہی ہمارے اور جو ان کی ذمہ داریاں‘ وہی ہماری ذمہ داریاں ہوں گی۔

(۲) ہم انہیں جزیہ ادا کریں۔

(۳) یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔

شاہِ چین: وہ اپنے حکمرانوں کی اطاعت کیسی کرتے ہیں؟

سفیر: جس طرح نہایت فرمانبردار مرید اپنے مرشد کی اطاعت کرتے ہیں۔

شاہِ چین: وہ کن چیزوں کو حلال اور کن چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں؟

سفیر: فلاں فلاں چیزوں کو حرام اور باقی چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔

شاہِ چین: جس چیز کو وہ حلال قرار دیتے ہیں اسے کبھی حرام بھی جانتے ہیں؟ اور جس چیز کو وہ حرام کہتے ہیں اسے کبھی حلال بھی قرار دیتے ہیں؟

سفیر: نہیں!

شاہِ چین: سن لو! جب تک یہ لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہیں دیں گے کبھی تباہ بھی نہیں ہوں گے۔

شاہِ چین: ان کے لباس کے بارے میں بتاؤ؟

سفیر: وہ ایسا ایسا لباس پہنتے ہیں۔

شاہِ چین: ان کی سواریاں کیا ہیں؟

سفیر: عربی گھوڑے اس کے ساتھ ہی ان کے اوصاف بھی بیان کر دیے۔

شاہِ چین: یہ تو بہت عمدہ گھوڑے ہیں۔

سفیر: وہ اونٹوں پر بھی سواری کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی بتایا کہ ان کے بیٹھنے کا انداز کیا ہے اور وہ بوجھ سمیت کس طرح اٹھتے ہیں؟

شاہِ چین: ہاں! لمبی گردنوں والے جانوروں کا یہی وصف ہے۔

شاہِ چین نے سفیر کے ذریعے شاہِ ایران یزدجرد کو یہ تحریری پیغام بھجوایا:

''میں تمہارے پاس ایسا لشکر بھجوا سکتا ہوں جس کا اگلا حصہ مرو میں اور پچھلا حصہ چین میں ہو اس سلسلے میں رکاوٹ صرف یہ ہے کہ تمہارے سفیر نے مسلمانوں کے جو اوصاف بیان کیے ہیں ان کی بناء پر اگر یہ لوگ چاہیں تو پہاڑوں کو اُکھیڑ کر پھینک دیں اگر وہ ان اوصاف کے حامل رہے اور انہیں راستہ خالی مل گیا تو وہ دن دُور نہیں جب کہ وہ میرا بھی تختہ اُلٹ دیں گے اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ صلح کر لو اور پُرامن طریقے پر ان کے ساتھ زندگی گزارو اور جب تک وہ تمہیں نہ چھیڑیں، تم بھی انہیں نہ چھیڑو۔

ہاں! یہی وہ عمدہ ترین صفات ہیں جو مسلمانوں نے تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں اپنائیں۔ یہی وہ حقیقی طاقت تھی جو شاہی تختوں کو بنیادوں سے اکھیڑ دیتی تھی۔ ملکوں کو فتح کرتی تھی، مسلمانوں کو خیرہ کن اور پائیدار عزت و عظمت عطا کرتی تھی اور ان کے لیے دنیا و آخرت میں فیروز بختی کی ضمانت تھی۔ (من نفحات الخلود)

(۶۵)

حکمرانی کے جدید انداز

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے زمانہ خلافت سنبھالنے کے بعد گھر سے نکل کر مسلمانوں کو نماز پڑھانے کے بعد سب سے پہلا جو کام انجام دیا وہ یہ کہ ظلم وزیادتی کرنے والے دھوکے باز اور خیانت کرنے والے وزیروں کو معزول کر دیا جو خلیفہ سلیمان کے عہد میں وزارت کے عہدے پر پہنچے تھے۔ آپ نے ان وزراء کو اپنے پاس بلایا اور شریک بن عرضاء سے کہا:

"اُغْرُبْ عَنِّيْ يَا ظَالِمُ! رَأَيْتُكَ تُجْلِسُ النَّاسَ فِي الشَّمْسِ وَتَجْلِدُ بَشَرَهُمْ بِالسِّيَاطِ وَتُجَوِّعُهُمْ وَأَنْتَ فِي الْخِيَامِ وَالْاِسْتَبْرَقِ."

"چل میری نظروں سے دور ہو جا اے ظالم! میں نے دیکھا ہے کہ تو لوگوں کو سورج کی گرمی میں بٹھا کر کوڑوں سے ان کی چمڑی ادھیڑتا اور انہیں بھوکے پیاسے رکھتا تھا اور خود عمدہ ریشم کی پوشاک میں خیمے کے اندر جلوہ افروز رہا کرتا تھا۔"

پھر دوسرے وزیر کو بلایا اور فرمایا:

"اُغْرُبْ عَنِّيْ وَاللّٰهِ لَا تَلِيْ لِيْ وِلَايَةً رَأَيْتُكَ تُقَدِّمُ دِمَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ لِسُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ."

"چل میری نظروں سے اوجھل ہو جا اللہ کی قسم! تو میرے نزدیک ولایت کا

مستحق ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی خاطر مسلمانوں کا ناجائز خون بہایا کرتا تھا۔"

اسی طرح ایک ایک کر کے ان تمام ظالم وسفاک اور خائن اور دھوکے باز وزراء کو معزول کر دیا جو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد خلافت میں دندناتے پھر رہے تھے اور اس کے بعد فوراً ہی علماء وصلحا کے درمیان سے وزراء اور امراء کا انتخاب فرمایا۔

پھر عالمِ اسلامی کے علماء کی خدمت میں خطوط روانہ کیے جن میں سرفہرست حسن بصری' مطرف بن عبداللہ بن شخیر اور سالم بن عبداللہ بن عمر تھے اور ان سے یہ تقاضہ کیا کہ آپ لوگ مجھے پندونصائح لکھ کر بھیجیں تا کہ میری غلطیوں کی نشاندہی ہو اور میں حقوق العباد کی ادائیگی میں پورا اُتر سکوں اور کسی قسم کا ظلم میری طرف سے سرزد نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے وقت ظالموں کی فہرست میں میرا نام نہ آئے۔ چنانچہ ان علمائے کرام نے جواباً خلیفہ کی خدمت میں انتہائی جرأت کے ساتھ خیر خواہانہ خطوط روانہ کیے اور خلیفہ کو نصیحتیں کیں۔ حسن بصری نے اپنے خط کے اندر لکھا:

"يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! صُمْ يَوْمَكَ لِتُفْطِرَ غَدًا."

"اے امیر المومنین! آپ اپنا دن روزے کی حالت میں گزار دیں تا کہ کل کو افطار کر سکیں۔"

یعنی جس طرح ایک روزہ دار فسق و فجور' حق تلفی اور ناانصافی' لہو ولعب' ظلم و زیادتی' گالی گلوچ' بے حیائی اور بداخلاقی اور اسی طرح کی ممنوعہ اشیاء سے باز رہتا ہے اور اسلامی احکام کو بجالاتے ہوئے حقوق العباد کا بھی پورا پورا خیال رکھتا ہے تا کہ اس کے روزے کے ثواب میں کمی نہ آجائے چنانچہ اللہ تعالیٰ افطار کے وقت اس کی دعائیں سنتا ہے اور اسے اپنے انعام واکرام سے نوازتا ہے اسی طرح اگر آپ رعایا کی دیکھ بھال' ان کے ساتھ عدل وانصاف' ان کے امور کی اچھی نگرانی اور ان کے شب وروز کی تگ ودو کا لحاظ رکھیں گے' ان کے نیک جذبات کا خیال کریں گے' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا

لیسہ انجام دیں گے' مساوات وخیر خواہی کے مطابق ان کے معاملات حل کریں گے' ظلم وزیادتی اور ناانصافی کو جڑ سے ختم کریں گے اور عوام الناس کے فائدے کے لیے کام انجام دیں گے تو کل قیامت کے روز آپ کا گریبان محفوظ رہ سکے گا اور عوام الناس کو اللہ کے سامنے مسئولیت وذمہ داری میں آپ کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی کے متعلق کوئی شکوہ نہ رہے گا اور پھر آپ اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعام واکرام اور جنت الفردوس کے مستحق ٹھہریں گے۔

سالم بن عبداللہ بن عمر نے اپنے خط کے اندر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو یہ لکھ بھیجا:

"یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! اِنَّکَ آخِرُ خَلِیْفَةٍ تَوَلّٰی وَسَوْفَ تَمُوْتُ کَمَا مَاتَ مَنْ قَبْلَکَ۔"

"اے امیر المؤمنین! آپ سلسلۂ خلفائے راشدین کی آخری کڑی ہیں جو خلافت کے منصب پر فائز ہیں اور یہ دیر یا سویر آپ کو بھی اللہ کے دربار میں چلے جانا ہے جیسے آپ سے پہلے کے خلفاء انتقال کر گئے۔"

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے سات علماء کو منتخب کیا تاکہ وہ عشا کی نماز کے بعد ان کے ساتھ محو گفتگو ہوں اور کچھ سناتے رہیں مگر ان کے سامنے تین شرائط رکھی تھیں:

(۱) مجلس کے اندر کسی مسلمان کی غیبت نہیں ہونی چاہیے۔

(۲) کسی مسلمان کی شان میں مضحکہ خیز الفاظ استعمال نہیں کریں گے نہ کسی کی بات کا غلط مفہوم لیں گے اور نہ مسلمانوں کی مجلسوں کا مذاق اڑائیں گے۔ نیز سختی کے ساتھ اس بات سے منع کر دیا تھا کہ کسی قسم کا بے جا شکوہ ان کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

(۳) مجلس کے اندر ہنسی مذاق کا ماحول نہیں ہونا چاہیے بلکہ دین اور آخرت سے متعلق باتیں ہونی چاہئیں۔

چنانچہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ان علماء کی مجلس میں بیٹھتے جن کی آہ وزاری سے لگتا کہ

کسی جنازے پر زور ہے ہیں۔

علماء کے سامنے شرائط رکھنے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز منبر پر تشریف لائے اور اپنی نئی حکومت کی سیاست کا لوگوں کے سامنے اعلان کیا۔ آپ کے حکم سے آپ کے کالے کلوٹے مگر طاقت ور غلام مزاحم کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا جو اللہ کے خوف سے ہمیشہ لرزہ براندام رہتا تھا۔ آپ نے فرمایا:

''يَا مُزَاحِمُ! وَاللهِ إِنِّي أُحِبُّكَ فِي اللهِ، أَنْتَ وَزِيْرِيْ.''

''اے مزاحم! اللہ کی قسم! میں تجھ سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہوں' آج سے تو میرا وزیر ہے۔''

آپ کے غلام مزاحم نے عرض کیا: آخر کیوں اے امیر المومنین؟

آپ نے فرمایا: ''میں نے ایک دن تجھے تن تنہا بیابان صحرا کے اندر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جہاں تجھے اللہ کے سوا کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ نیز میں نے تجھے دیکھا کہ تو قرآن کریم سے بہت زیادہ شغف رکھتا ہے اس لیے اب تو میرے ساتھ ہو جا۔''

مزاحم نے عرض کیا: میں آپ کے ساتھ ہوں۔

پھر امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز منبر پر کھڑے ہوئے' آپ کے ہاتھ میں ایک رجسٹر تھا' آپ نے اس میں اپنی حکومت و خلافت کے لیے بڑے بڑے حروف میں ضروری معلومات تحریر کر رکھی تھیں۔ آپ کے سامنے مزاحم تلوار لے کر بحیثیت وزیر کھڑا ہوا اور آپ نے بنوامیہ کے ظالم امراء کو صفِ اوّل میں بیٹھے پایا جنہوں نے لوگوں کی زمینوں اور گھروں پر ناجائز قبضہ کر رکھا تھا اور برسرِ عام لوگوں کی جائیدادیں ہڑپ کر کے انہیں ستاتے رہتے تھے پھر آپ نے فرمایا: ''اے بنومروان! یہ دستاویز ہے جس میں عبدالملک بن مروان نے تمہارے لیے زمینیں ناجائز طور پر الاٹ کی تھیں جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان بجا ہے اور عبدالملک کی بات غلط ہے۔'' پھر آپ نے وہ دستاویز پھاڑ ڈالی اور فرمایا: ''بنوامیہ سے منسلک دستاویزات میرے پاس لاؤ۔''

چنانچہ آپ نے عباس بن ولید بن عبدالملک کی دستاویز منگوائی جس میں اس کے لیے ایک لمبی چوڑی زمین الاٹ کی گئی تھی جس میں ایک بڑا شہر آباد ہو سکتا تھا۔ آپ نے وہ دستاویز پھاڑ کرا سے اکارت کر دیا اور فرمایا:

"لَا حَقَّ لَکَ فِیْ دِیَارِ الْمُسْلِمِیْنَ."

"تجھے مسلمانوں کے علاقے میں کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

عباس بن ولید نے دھمکی آمیز جملہ کہا کہ میری زمین مجھے واپس کر دیں ورنہ......!!

عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا:

"وَاللّٰہِ! اِنْ لَّمْ تَسْکُتْ لَیَأْتِیَنِّیْ مُزَاحِمُ بِرَأْسِکَ الْآنَ."

"اللہ کی قسم! اگر تو نے خاموشی اختیار نہ کی تو مزاحم ابھی تیرا سر کاٹ کر میرے پاس حاضر کر دے گا۔"

چنانچہ وہ پھر خاموش ہو گیا۔

پھر امیر المومنین نے تمام دستاویزات کو منگوایا اور ان کو ایک ایک کر کے پھاڑ ڈالا کیونکہ یہ دستاویزات ظلم و زیادتی پر مبنی تھیں۔

عمر بن عبدالعزیز کی خلافت اسی اصول و منہج کے مطابق کام کرتی تھی' آپ نے مہاجر نامی ایک وزیر کو اپنے پاس رہنے کے لیے منتخب فرما لیا تھا اور اس سے کہہ دیا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ رہنا اور جب بھی دیکھنا کہ میں کسی مسلمان پر ظلم کر رہا ہوں یا کسی کی ہتک عزت کر رہا ہوں یا کسی مومن کو گالی دے رہا ہوں تو میرا دامن پکڑ کر یاد دہانی کے طور پر مجھ سے کہہ دیا کرنا: "اِتَّقِ اللّٰہَ یَا عُمَرُ!"

"عمر! اللہ کا خوف کھاؤ۔"

(البدایۃ والنھایۃ ۱۲/ ۶۷۶-۶۷۰) دار ہجر' طبقات ابن سعد ۵/ ۳۳۰' تاریخ دمشق ۱۳/ ۲۵۷' سیر اعلام النبلاء ۵/ ۱۱۴)

(۶۶)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شوقِ علم

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہما جلیل القدر صحابی ہیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر تعداد میں حدیثیں روایت کی ہیں۔ اکثر غزوات میں رسولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ خودان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس جنگوں میں شرکت فرمائی جن میں سے انیس میں میں بھی شریک ہوا۔ یہ بھی ان ہی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میرے لیے پچیس مرتبہ دعائے مغفرت فرمائی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو علم کے حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا' انہیں پتہ چلا کہ مصر کے قاضی حضرتِ عبداللہ بن انیس جہنی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے جو کسی دوسرے صحابی کے پاس نہیں ملی۔ حضرت جابر نے بازار جا کر ایک اونٹ خریدا اس پر کجاوہ کسا اور سوار ہو کر مدینہ منورہ سے چل دیئے۔ ایک ماہ تک جنگلوں اور صحراؤں کو طے کرتے ہوئے مصر پہنچ گئے۔ پوچھتے پوچھتے حضرت عبداللہ بن انیس کے گھر پہنچ گئے اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک سیاہ فام غلام نے باہر آ کر پوچھا' آپ کون ہیں؟ فرمایا' جابر بن عبداللہ۔ غلام نے اپنے آقا عبداللہ بن انیس کو بتایا کہ جابر بن عبداللہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا' ان سے جا کر پوچھو! کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں؟ غلام نے باہر آ کر پوچھا' کیا آپ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں؟ حضرت جابر نے فرمایا' ہاں!

حضرت عبداللہ نے خود باہر آ کر ملاقات کی اور معانقہ کیا پھر دریافت کیا' برادر محترم! کیسے آنا ہوا؟ حضرت جابر فرماتے ہیں' میں نے کہا قصاص کے بارے میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔

آپ کے سوا اس حدیث کا روایت کرنے والا کوئی صحابی باقی نہیں رہا۔ میں نے سوچا کہ اس سے پہلے کہ آپ کا انتقال ہو جائے یا میرا' آپ سے وہ حدیث حاصل کرلوں چنانچہ وہ حدیث سنی اور خوشی سے واپس مدینہ طیبہ چلے گئے۔ مصر میں داخل ہوئے اور نہ ہی اس کے نظاروں سے لطف اندوز ہوئے بلکہ سفر کی تھکاوٹ دُور کرنے کے لیے آرام تک نہ کیا۔ انہوں نے دنیا کی زیب وزینت اور دلکش مناظر میں بالکل دلچسپی نہ لی' بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کو دونوں جہانوں کا سرمایہ جانتے ہوئے اسی پر اکتفاء کیا۔

یہ تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شوقِ علم اور اس کے لیے دُور دراز کے سفر کی مشقتوں کا برداشت کرنا۔ ان کے علمی شوق کے آگے' کوئی چیز سدراہ نہیں ہو سکتی تھی اور نہ ہی وہ کسی رکاوٹ کو خاطر میں لاتے تھے' ان کے دلوں میں علم کی رفعت وعظمت جاگزیں تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظمت پناہ میں ایک طالب علم کے لیے کتنی بخشش ہے؟ اور کتنا شاندار ثواب ہے؟ اسی لیے وہ علم کا مختصر سا حصہ حاصل کرنے کے لیے طویل سفر کی مشقتوں اور صعوبتوں کو برداشت کر لیتے تھے۔ (من نجات الخلود)

(۶۷)

سو احادیث سنانے کی شرط

ابن ابی ذر کا بیان ہے کہ جب حجاج کرام مکہ مکرمہ آتے تو سفیان بن عینیہ باب بنی ہاشم کے پاس ایک بلند جگہ پر جلوہ افروز ہو کر لوگوں کا مشاہدہ کرتے۔ ایک مرتبہ علم حدیث سے شغف رکھنے والا ایک شخص سفیان بن عینیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے روبرو بیٹھ کر عرض کیا: "یَا اَبَا مُحَمَّدٍ! حَدِّثْنِی ۔"

"اے ابو محمد! مجھ سے حدیث بیان کریں۔"

سفیان بن عینیہ نے ان سے چند احادیث بیان کیں اس نے مزید تقاضہ کیا اور سفیان بن عینیہ نے اس کی خواہش پوری کی اس نے مزید حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی۔ سفیان بن عینیہ نے اس کی بار بار کی درخواست سن کر اس کے سینہ میں ہاتھ سے ذرا سا دھکا دیا۔ وہ بلند جگہ پر بیٹھا تھا' نیچے وادی کی طرف لڑھک گیا اور اسی میں جا گرا۔ حجاج کرام میں جب اس کی خبر عام ہوئی تو وہ وادی میں گرنے ہوئے شخص کے اردگرد اکٹھا ہو گئے اور کہنے لگے:

"سفیان بن عینیہ نے ایک حاجی کو مار ڈالا۔"

جب حجاج کرام کے درمیان اس سلسلہ میں چہ میگوئیوں نے طول پکڑا تو سفیان بن عینیہ ڈر گئے اور افسوس کرنے لگے کہ کیوں میں نے بے چارے کو دھکا دیا؟ پھر وہ نیچے اُتر کر وادی میں گئے اور گرنے ہوئے شخص کا سر اپنی گود میں رکھ کر پوچھا:

"مَالَكَ؟"

"تجھے کیا تکلیف پہنچی ہے؟"

وہ آدمی اپنا پاؤں مسلسل ہلائے جا رہا تھا اور منہ سے جھاگ نکالے جا رہا تھا۔ یہ بھیانک منظر دیکھ کر یہ جملہ لوگوں میں عام ہو گیا:

"سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَتَلَ رَجُلًا۔"

"سفیان بن عیینہ نے ایک آدمی کو مار ڈالا۔"

سفیان بن عیینہ نے اس آدمی سے کہا:

"قُمْ وَيْلَكَ! أَمَا تَرَى النَّاسَ مَا يَقُولُونَ؟"

"تمہارا ناس ہو! کھڑے ہو جاؤ، تم لوگوں کو نہیں دیکھ رہے وہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

اس نے آہستہ آواز میں سفیان بن عیینہ سے سرگوشی کی:

"لَا وَاللّٰهِ لَا أَقُوْمُ حَتّٰى تُحَدِّثَنِيْ مِائَةَ حَدِيْثٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَعَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ!"

"اللہ کی قسم! میں اس تک نہیں اٹھوں گا جب تک کہ آپ امام زہری اور عمرو بن دینار کی سند سے مجھے سو احادیث نہیں سنائیں گے!"

چنانچہ سفیان بن عیینہ نے اس آدمی کو سو احادیث سنائیں۔ سو احادیث سننے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر چل دیا۔ (کتاب الاذکیاء ابن جوزی ص ۱۳۸)

(۶۸)

عظمتِ علم شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

عطا بن ابی رباح مشہور تابعی ہیں' یہ بنوفہر کے غلام تھے' ان کی ماں کا نام برکہ تھا' ان کی کنیت ابومحمد تھی' بچپن میں مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کی اور وہیں پروان چڑھے۔ یہ کالے اور لنگڑے تھے' ناک چپٹی تھی مگر علم وعمل میں بہت آگے تھے۔ بعد میں اندھے ہوگئے تھے۔ ۸۸ سال کی عمر میں ۱۱۵ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ امام ابوحنیفہ کہا کرتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں عطاء سے زیادہ افضل آدمی نہیں دیکھا۔ ابن جریج کہا کرتے تھے:

"كَانَ الْمَسْجِدُ فِرَاشَ عَطَاءٍ عِشْرِيْنَ سَنَةً وَكَانَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ صَلَاةً۔"

"بیس سال تک عطاء کا بستر مسجد حرام ہی میں رہا' لوگوں میں سب سے اچھی نماز ان کی ہوا کرتی تھی۔"

امام اوزاعیؒ کہا کرتے تھے:

"مَاتَ عَطَاءٌ يَوْمَ مَاتَ وَكَانَ أَرْضَى أَهْلِ الْأَرْضِ عِنْدَ النَّاسِ۔"

"جو دن مقدر تھا اس دن عطاء کا انتقال ہوگیا' (مرتے وقت تک) وہ لوگوں کی نظر میں اس روئے زمین پر سب سے زیادہ پسندیدہ شخصیت تھے۔"

ایک مرتبہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اور اس کے بیٹوں کے درمیان حج کے کسی مسئلے میں شدید اختلاف ہوگیا تو خلیفہ نے کہا:

"مجھے عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا پتہ بتلاؤ۔ لوگ اسے عطاء بن ابی

رباح رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں لے گئے جو مسجد حرام کے اندر بیٹھے تھے اور ان کے اردگرد لوگوں کا ازدحام تھا جیسے چاروں طرف سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔

خلیفہ نے صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر مسئلہ دریافت کرنا چاہا کیونکہ وہ خلیفہ تھا اور اس کا کوئی راستہ نہیں روک سکتا تھا' اتنے میں عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی:

"یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! خُذْ مَکَانَکَ وَلَا تَتَقَدَّمِ النَّاسَ فَإِنَّ النَّاسَ سَبَقُوْکَ إِلٰی هٰذَا الْمَکَانِ۔"

"اے امیر المومنین! اپنی ہی جگہ رہیں' لوگوں سے آگے نہ بڑھیں کیونکہ لوگ اس جگہ آپ سے پہلے آچکے ہیں۔"

خلیفہ اپنی جگہ رُک گیا پھر جب اس کی باری آئی تو مسئلہ دریافت کیا اور عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب بتلایا۔

خلیفہ جب واپس آیا تو اپنے لڑکوں سے کہا:

"اے میرے بیٹو! تم پر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور دین میں تفقہ پیدا کرو۔"

"فَوَاللّٰہِ! مَا ذُلِلْتُ فِیْ حَیَاتِیْ إِلَّا لِهٰذَا الْعَبْدِ۔"

"اللہ کی قسم! مجھے پوری زندگی میں صرف اس (آزاد کردہ) غلام کے علاوہ کسی کے سامنے خفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔"

اللہ تعالیٰ اپنی طاعت کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے بلند کرتا ہے خواہ وہ مال و جائے داد اور نسب سے محروم حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور اپنی معصیت و نافرمانی کرنے والوں میں جس کو چاہتا ہے ذلیل و رسوا کرتا ہے خواہ وہ عالی نسب اور بڑے خاندان کا ہی کیوں نہ ہو۔ (شذرات الذہب ۱/۱۴۷-۱۴۸ سیر اعلام النبلاء، البدایۃ والنہایۃ وغیرہ)

(۶۹)

سیاستِ فاروقی کے جلوے

حضرت امیر المومنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ امراء کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے' وہ ایسے لوگوں کو منتخب کرتے تھے جو قناعت' پاک بازی اور مسلمانوں کی خدمت کے جذبے میں آپ کے معیار پر پورے اُترتے تھے۔ وہ جن چیزوں کا حکم دیتے یا جن امور سے منع کرتے' پہلے خود ان کی پابندی کرتے تھے' وہ اپنی قوم مسلم کو فوائد سے بہرہ ور کرنے میں پیش پیش رہتے۔ اُمتِ مسلمہ کے فائدے کو حکمران کے ذاتی فائدے پر ترجیح دیتے تھے' آپ کے مقرر کردہ بہت سے عامل آپ کے نقشِ قدم پر چلتے تھے۔ چنانچہ وہ پیوند لگا ہوا اون کا لباس پہنتے تھے' جو کی روٹی کھاتے اور دراز گوش کی پشت پر ٹاٹ ڈال کر سواری کرتے تھے۔

ذیل میں ہم حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ چند عاملوں کا تذکرہ کریں گے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن پروگرام بنایا کہ ابوعبیدہ بن الجراح کے گھر جا کر ان سے ملاقات کریں اس وقت ابوعبیدہ مسلمانوں کے وزیر مال تھے انہوں نے کہا امیر المومنین! مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ آپ کی آنکھوں کے پیمانے چھلک پڑیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ میں تم سے تمہارے گھر میں ضرور ملاقات کروں گا جب فاروقِ اعظم' ابوعبیدہ کے گھر میں داخل

ہوئے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک جبہ' بکری کی ایک کھال' ایک کھانے پینے کا اور دوسرا وضو کرنے کا برتن تھا اس کے علاوہ کچھ نہ تھا انہیں ایسا گھر دکھائی دیا جیسے وہ غریب ترین مسلمان کا گھر ہو فاروق اعظم کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا' امیرالمومنین! میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ میں آپ کی آنکھوں سے بہنے والی آنسوؤں کی برکھا نہیں دیکھنا چاہتا۔

اللہ تعالیٰ ان طیب وطاہر نفوس قدسیہ پر رحمت ورضوان کی بارشیں نازل فرمائے۔

بے شک وہ اقوامِ عالم کے لیے عظمتوں کے جگمگاتے ہوئے مینار تھے۔"

عمال حکومت کے لیے حضرت عمر فاروق کی ہدایات

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جب اپنے گورنروں کو کسی جگہ بھیجتے تو انہیں درج ذیل ہدایات جاری کرتے تھے۔

تم ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا' چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھانا' باریک کپڑا نہ پہننا' لوگوں کی حاجتوں کے آگے اپنے دروازے بند نہ کرنا اگر تم نے ان ہدایات کی خلاف ورزی کی تو تم سزا کے مستحق ہو گے۔

پھر انہیں الوداع کہنے کے لیے ان کے ساتھ نکلتے اور انہیں کہتے' میں نے تمہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے بالوں اور ان کے چمڑوں پر حاکم مقرر نہیں کیا لہٰذا تم عربوں کو کوڑے مار کر ذلیل نہ کر دینا اور ان کو یکجا جمع کر کے فتنے میں نہ ڈال دینا (یعنی کسی نہ کسی محاذ پر مصروف رکھنا' بے کار یکجا رہنے سے فتنے جنم لیں گے)۔

(من نفحات الخلود)

(۷۰)

گورنر سب سے بڑا کنگال نکلا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمص والوں کو لکھا کہ ہمیں اپنے ہاں کے فقراء اور محتاجوں کی فہرست ارسال کرو تا کہ ان کے نام عطیات ارسال کیے جائیں۔ فہرست میں سب سے پہلا نام ان کے حکمران سعید بن عامر جمحی (صحابی) کا تھا۔

جب فہرست پہنچی اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حمص کے حاکم کا نام فقراء کی لسٹ میں سرفہرست دیکھا تو دریافت کیا کہ ہم انہیں مناسب مقدار میں وظیفہ دیتے ہیں اس کے باوجود وہ فقیر اور محتاج کیوں ہیں؟

حمص کے سفیروں نے کہا جناب وہ واقعی فقیر اور نادار ہیں کیونکہ وہ اپنے پاس کچھ رکھتے ہی نہیں جو کچھ ہوتا ہے سارے کا سارا مسکینوں، فقیروں اور نادار عورتوں میں تقسیم کر دیتے ہیں پھر ان کے سامنے معذرت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں، میں کیا کروں؟ جب امیر المومنین نے مجھے کہا کہ میں تمہیں گورنر مقرر کر رہا ہوں تو میں نے کہا تھا جناب مجھے مشقت میں نہ ڈالیں لیکن وہ مانے ہی نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وفد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، ہم نے ان کو ضائع کر دیا، ہم نے ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا ان کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ شرکائے وفد نے بتایا کہ باقی تو سب ٹھیک ہے لیکن ہمیں ان کی چار عادتوں پر

اعتراض ہے۔

(۱) وہ ہمارے پاس دن چڑھے آتے ہیں۔

(۲) رات کے وقت دِکھائی نہیں دیتے۔

(۳) مہینے میں ایک دن غائب رہتے ہیں۔

(۴) کبھی کبھی انہیں بے ہوشی کے طویل دورے پڑتے ہیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے حمص کے فقراء کے لیے مناسب مقدار میں وظیفہ بھجوایا۔ چار سو دینار ان کے گورنر کے لیے بھجوائے اور انہیں قسم دی کہ یہ رقم اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر صرف کریں۔

جب حضرت سعید کے پاس مال پہنچا تو انہیں شدید صدمہ ہوا جس کے آثار ان کے چہرے پر واضح طور پر دِکھائی دیتے تھے۔ نہایت دل گرفتہ اور غمگین حالت میں اپنے گھر میں داخل ہوئے' ان کی اہلیہ محترمہ نے پوچھا کہ مجھے آپ غم زدہ اور پریشان دِکھائی دیتے ہیں؟ کیا آپ کا کوئی دوست فوت ہو گیا ہے؟ حضرت سعید نے کہا' کاش! ایسا ہوتا۔ انہوں نے پھر پوچھا کیا شہر کا کوئی بڑا آدمی فوت ہو گیا ہے؟ فرمایا' کاش! ایسا ہوتا۔ اہلیہ نے پوچھا' پھر آپ کو کس بات کا صدمہ ہے؟

حضرت سعید نے گہرا سانس لیا' پھر کہنے لگے:

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کا شرف حاصل ہوا' آپ کی صحبت بہترین صحبت اور آپ بہترین مصاحب تھے۔

پھر مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کی سعادت میسر آئی' ان کی رفاقت بہترین رفاقت تھی اور وہ بہترین ساتھی تھے پھر میں عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصاحب بنا لیکن ان کی صحبت کچھ اچھی ثابت نہیں ہوئی۔

بیوی نے کہا' وہ کیوں؟ دینار بیوی کے سامنے رکھتے ہوئے ان پر نفرت وحقارت سے بھرپور نگاہ ڈالتے ہوئے کہنے لگے یہ دیکھو! انہوں نے میرے پاس کیا بھیجا ہے؟ اور

مجھے کیسی سخت تاکید کی ہے؟

بیوی نے کہا' آپ کو ڈر کس کا ہے؟ کہنے لگے' مجھے صرف تمہارا ڈر ہے کہ کہیں تم پر ان چمکتے ہوئے سکوں کا جادو نہ چل جائے۔ تسلیم و رضا کی پیکر بیوی نے کہا' میری طرف سے اطمینان رکھیے! اور جو جی میں آئے کر گزریئے!

فرطِ مسرت سے ان کا چہرہ جگمگا اُٹھا اور مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پہ کھیلنے لگی کہنے لگے' اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے' تم نے میری بڑی مشکل حل کر دی ہے ایسے کرو کہ کپڑے کا ایک ٹکڑا لاؤ اس اللہ کی بندی نے سارا کمرہ چھان ڈالا لیکن اسے کپڑے کا زائد ایک ٹکڑا نہ مل سکا۔ مجبوراً اس نے اپنی اوڑھنی کا ایک کنارہ پھاڑ کر پیش کر دیا۔ حضرت سعید نے اس میں کچھ دینار باندھے اور کہا کہ یہ فلاں کے گھر دے آؤ' یہ درا ہم اور دینار فلاں کے گھر دے آؤ یہاں تک کہ ان کے پاس کچھ بھی نہ رہا پھر انہوں نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی:

"اے اللہ! ابن کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کوئی عطیہ میرے پاس نہ آئے!"

بیوی نے کہا' آپ یہ دعا کیوں مانگتے ہیں؟ کیا وہ ہمیں خراج اور غنیمت کے مال حلال سے نہیں بھیجتے؟ کہنے لگے' وہ بھیجتے تو مال حلال ہی ہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ فقراء مہاجرین' مال دار مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔

(یہ حدیث امام مسلم نے کتاب الزہد میں حضرت عمرو بن العاص کے حوالے سے ان الفاظ سے روایت کی ہے اِنَّ فُقَرَآءَ الْمُهَاجِرِیْنَ یَسْبِقُوْنَ الْاَغْنِیَآءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَی الْجَنَّةِ بِاَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا اس کے علاوہ دیکھیے الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ کی قسم! مجھے دنیا اور اس کی تمام دولت بھی مل جائے تو میں اس بات پر راضی نہیں ہوں گا کہ مجھے پہلی جماعت میں شامل نہ کیا جائے۔

ملاقات ہونے پر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ ان چار عادتوں کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جن کی اہل حمص شکایت کرتے ہیں۔ کہنے لگے امیر المومنین! انہوں نے جو کچھ کہا ہے' صحیح کہا ہے' ان کی وجوہ بھی سن لیجیے۔

(۱) میں چاشت کے وقت اس لیے گھر سے نکلتا ہوں کہ میرا کوئی خادم نہیں ہے' میری بیوی بیمار ہے' نمازِ فجر کے بعد میں اس کے کام کاج سرانجام دیتا ہوں' یہاں تک کہ سورج بلند ہو جاتا ہے۔

(۲) رات کے وقت میں لوگوں سے اس لیے ملاقات نہیں کرتا کہ میں دن بھر لوگوں کی خدمات انجام دیتا ہوں' رات کا وقت اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے وقف کر رکھا ہے۔

(۳) مہینے میں ایک دن میں اس لیے گھر سے باہر نہیں نکلتا کہ میرے پاس کپڑوں کا صرف ایک جوڑا ہے اس دن میں اسے دھوتا ہوں اور خشک ہونے پر پہن لیتا ہوں اس لیے لوگوں سے ملاقات نہیں کر سکتا۔

(۴) بے ہوشی کی وجہ یہ ہے کہ حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ میرے سامنے شہید کیے گئے' میں اس وقت کافر تھا' مجھے جب بھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو دل پر چوٹ لگتی ہے اور سینے سے ایک ہوک سی اُٹھتی ہے کہ کاش! میں اس وقت اسلام لا چکا ہوتا اور ان کے دفاع کی کوشش کرتا۔ امیر المومنین! جب بھی مجھے ان کی یاد آتی ہے تو مجھ پر رنج والم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے اور میرے ہوش وحواس گم ہو جاتے ہیں۔ یہ گفتگو سُن کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس شدت سے رُوئے کہ ان کی ہچکی بندھ گئی۔ حضرت سعید کے وصال کے بعد جب بھی ان کا تذکرہ ہوتا تو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پر شدید گریہ طاری ہو جاتا اور ان کے لیے دعائے رحمت ومغفرت کرتے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع کیا اور انہیں کہا کہ اپنی اپنی آرزو بیان کیجیے! ایک صحابی نے کہا' میری آرزو ہے کہ میرے پاس ایک لشکر

ہو جسے لے کر میں دشمنانِ اسلام سے جہاد کروں۔ دوسرے صحابی نے کہا' میری آرزو یہ ہے کہ میرے پاس بہت سا مال ہو جسے میں فی سبیل اللہ خرچ کر دوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا' میری آرزو یہ ہے کہ سعید بن عامر جمحی ایسا کوئی گورنر ہو جسے میں مسلمانوں کے امور کا والی بنا دوں۔ یہ کہا اور اتنی شدت سے رو پڑے کہ بات کرنا مشکل ہو گئی۔ ساتھ ہی یہ کہہ رہے تھے رحمہ اللہ' رحمہ اللہ' اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے' اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

تاریخِ اسلام کے دورِ اوّل میں حکمرانوں کی یہ اعلیٰ ترین مثال ہے' وہ اپنے ربِ کریم کی خوشنودی اور بہترین اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے اُمتِ مسلمہ اور اسلامی مملکت کے لیے جان و مال کی قربانی دے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور انہیں بھی راضی کر دے۔ (من محات الخلود)

(۷۱)

گورنر عراق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن کا گورنر مقرر کیا' وہ اون کا لباس پہنتے اور جو کی روٹی کھاتے تھے' خوش حالی ان کی زندگی میں عمل دخل حاصل نہ کر سکی جب ان کے وصال کا وقت آیا تو رو پڑے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ آخرت میں ایک گھاٹی ہے جسے وہی لوگ عبور کر سکیں گے جو گراں بار نہیں ہوں گے۔ میرے ارد گرد تو یہ ساز و سامان دکھائی دے رہا ہے۔

حاضرین نے جب ان کے سامان کا جائزہ لیا تو ان کے پاس ایک برتن' ایک ڈول اور ایک کوزے کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا ان کے باوجود حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خوف تھا کہ میرے پاس تو اتنا سامان موجود ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو میرا نام ہلکے پھلکے بوجھ والوں میں نہ لکھا جائے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو دنیا سے بے نیازی اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینے کی بناء پر اس گھاٹی کو طے کریں گے۔

(ایضاً)

(۷۲)

ہمارے آقا علیہ السلام سے کشتی لڑنے والا

مؤرخ ابن اسحاق اوران کے علاوہ متعدد مؤرخین نے لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک بہت زیادہ طاقت آدمی تھا جس کا نام ابورکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف بن قصی القرشی المطلبی تھا۔ وہ کشتی کے گر سے بہت اچھی طرح واقف تھا اس کی شہرت دُور دُور تک پھیل چکی تھی' لوگ دُور دراز علاقوں سے اس کے ساتھ کشتی لڑنے کے لیے آیا کرتے تھے اور وہ کشتی میں انہیں پچھاڑ دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مکہ مکرمہ کی کسی گھاٹی میں سے گزر رہا تھا' اتفاق سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی ملاقات ہوگئی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا:

"یَا رُکَانَۃُ! اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ وَتَقْبَلُ مَا اَدْعُوْکَ اِلَیْہِ؟"

"رکانہ! کیا تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے نہیں اور میری دعوت قبول نہیں کرو گے؟"

رکانہ بن عبد یزید نے کہا: "اِنْ صَرَعْتَنِیْ اٰمَنْتُ بِکَ۔"

"اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آؤں گا۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تَھَیَّأْ لِلْمُصَارَعَۃِ۔"

"تو پھر کشتی کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

چنانچہ دونوں نے کشتی کی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھاڑ دیا۔
رکانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری مرتبہ کشتی کا مطالبہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار بھی اسے پٹخ دیا اس نے تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ بھی اسے پچھاڑ دیا۔ رکانہ کو اس سے بڑا تعجب ہوا۔ وہ کھڑے ہو کر متفکرانہ انداز میں کچھ سوچنے لگا کیونکہ اس کے ساتھ بے شمار لوگوں نے کشتی کی تھی مگر یہ کبھی نہ ہوا تھا کہ کسی نے اسے پچھاڑا ہو۔ آج جب کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کشتی میں پچھاڑ دیا تھا تو وہ کھڑے کھڑے نہ معلوم کیا سوچنے لگ گیا اور تھوڑے سے توقف کے بعد کہنے لگا:

"اِنَّ شَأْنَكَ لَعَجِيْبٌ۔"

"آپ کا معاملہ بھی بہت عجیب ہے (بڑے طاقت ور ہیں)"

رکانہ نے حسبِ وعدہ اسی وقت اسلام قبول کر لیا مگر اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ۴۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے:

"اِنَّ لِكُلِّ دِيْنٍ خُلُقًا وَخُلُقَ هٰذَا الدِّيْنِ الْحَيَاءُ۔"

"ہر دین کی ایک امتیازی خصلت ہوتی ہے اور اس دین (اسلام) کی امتیازی خصلت حیا ہے۔" (مسند احمد ۲۵۸/۵، مراسیل ابی داؤد ۳۶)

(۷۳)

امام جعفر صادق کی اپنے بیٹے اور خلیفۂ وقت کو وصیت و نصیحت

امام ابوعبداللہ جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین علی ابن امام حسین بن سیدنا علی بن ابی طالب ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ان کی والدہ ماجدہ فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ والد کی طرف سے ان کا سلسلہ نسب ابو طالب اور والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے یعنی وہ والد کی طرف سے طالبی اور والدہ کی طرف سے بکری ہیں۔ ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے' اڑسٹھ سال عمر پائی' شہرت کی بلندیوں تک پہنچے' جنت البقیع میں والد ماجد' جد امجد کے چچا' امام حسن کے قبے میں محو استراحت ہوئے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ علم' زہد و تقویٰ' ورع اور اخلاقِ کریمانہ کی معراج کو پہنچے ہوئے تھے اور علمی و روحانی امامت کے مقام پر فائز تھے۔

حضرت موسیٰ بن امام جعفر صادق اپنے والد ماجد کی خدمت میں حاضر تھے' امام نے انہیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

بیٹے! میری گفتگو کو ذہن نشین کر لو اور میری وصیت کو دل کی گہرائی میں جگہ دو اگر تم نے اسے یاد رکھا تو تم پیکر سخا بن کر زندہ رہو گے اور قابلِ ستائش حالت میں دنیا سے رخصت ہو گے۔

بیٹے! جو اپنی قسمت پر راضی ہوگا وہ غنی ہو جائے گا جس کی حریصانہ نگاہیں دوسروں کے مال کی طرف اٹھیں گی وہ فقیرانہ حال میں دنیا سے کوچ کرے گا جو شخص اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوا اس نے اللہ کریم کے فیصلے پر نکتہ چینی کی ہے اور جو شخص دوسرے کی لغزش کو چھوٹا سمجھے گا اس کی نظر میں اس کی اپنی غلطی نہایت سنگین ہوگی۔

بیٹے! جو شخص دوسروں کی پردہ دری کرتا ہے اس کے گھر کی چھپانے کے قابل چیزیں برہنہ ہو جائیں گی جو شخص بغاوت کی تلوار میان سے باہر نکالے گا اسی سے قتل کیا جائے گا جو شخص اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودے گا خود اس میں گرے گا جو شخص بے وقوفوں کے پاس بیٹھے گا' رسوا ہو جائے گا جو شخص علماء کے پاس بیٹھے گا' وہ صاحب عزت و وقار ہوگا جو شخص بُرائی کے راستوں میں داخل ہوگا اس پر تہمت لگے گی۔

بیٹے! حق بات کہو چاہے تمہارے موافق ہو یا مخالف چغل خوری سے بچنا کیونکہ وہ لوگوں کے دلوں میں دشمنی کا بیج بو دیتی ہے' بیٹے! اگر تم سخاوت کو تلاش کرو تو جود و سخا کی کانوں کی طرف رجوع کرنا۔

ایک دن خلیفۂ وقت ابو جعفر منصور نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج کر بلایا جب آپ تشریف لائے تو اس نے کہا' میں آپ سے ایک مسئلے میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمام اہلِ مدینہ میرے ساتھ جنگ کرنے پر متفق ہیں' میں انہیں دو بار مہلت دے چکا ہوں لیکن وہ باز آنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ میں نے سوچا ہے کہ ایک ایسا لشکر بھیجوں جو ان کی کھجوروں کو کاٹ کر ایک جگہ ڈھیر کر دے اور ان کے چشموں کو تباہ کر دے' آپ کی کیا رائے ہے؟ سیدنا جعفر صادق خاموش رہے' ابو جعفر منصور نے کہا' کیا بات ہے؟ آپ خاموش کیوں ہیں؟ امام نے فرمایا' امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو حکومت دی تو انہوں نے شکر ادا کیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام پر آزمائش آئی تو انہوں نے صبر کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشنے اور درگزر کرنے والوں کی اولاد

سے پیدا کیا ہے۔ ان کی اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ ابوجعفر کا غصہ ٹھنڈا پڑ گیا اور اس نے اہلِ مدینہ کو سزا دینے کا فیصلہ منسوخ کر دیا صرف یہی نہیں بلکہ امام جعفر صادق کا شکریہ ادا کیا۔

امام جعفر صادق کی بدولت اہلِ مدینہ آنے والی بہت بڑی مصیبت سے بچ گئے کیونکہ جب اخلاص سے معمور دل سے بات نکلے تو اس کا اثر ہو کر رہتا ہے۔ سرکش نفوس اس کے آگے سرخم ہو جاتے ہیں اور اس کی رہبری کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

دورِ اوّل کے مسلمان سوچے سمجھے بغیر قدم نہیں اٹھاتے تھے بلکہ دیانت دار علماء سے مشورے لیتے تھے اس لیے ان کا ہر اقدام صحیح اعتماد اور بصیرت پر مبنی ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں توفیق کے ساتھ ساتھ کامرانی نصیب ہوتی تھی اور حکمرانوں اور عوام کے درمیان مکمل موافقت اور ہم آہنگی پائی جاتی تھی۔ (من نفحات الخلود)

(۷۴)

ایک اعرابی کی سمجھ داری

اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے قرآن پاک کی ایک آیت:
"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ" (المائدہ:۵/۳۸) کے بعد "وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○" پڑھا۔
میرے قریب ایک اعرابی بیٹھا تھا اس نے پوچھا:
"كَلَامُ مَنْ هٰذَا؟"
"یہ کس کا کلام تم پڑھ رہے تھے؟"
میں نے بتایا: اللہ کا کلام
اعرابی نے کہا: دوبارہ پڑھو۔
میں نے دوبارہ پڑھ کر سنایا۔
اعرابی کہنے لگا:
"لَيْسَ هٰذَا كَلَامَ اللّٰهِ"
"یہ اللہ کا کلام نہیں"
پھر میں نے پڑھا:
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○
"اعرابی بولا:

"أَصَبْتَ، هٰذَا كَلَامُ اللّٰهِ"

"ہاں اب ٹھیک پڑھ رہے ہو یہ کلام اللہ کا ہے۔"

میں نے پوچھا:

"أَتَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟"

"تجھے قرآن پڑھنا آتا ہے؟"

اعرابی بولا: نہیں!

میں نے پوچھا: پھر تجھے کیسے معلوم ہوا کہ پہلے جو میں نے پڑھا تھا وہ غلط ہے اور بعد والا صحیح؟ اعرابی بولا:

"يَا هٰذَا اعَزَّ فَحَكَمَ فَقَطَعَ، وَلَوْ غَفَرَ وَرَحِمَ لَمَا قَطَعَ۔"

"دیکھیے! اللہ تعالیٰ غالب ہے جبھی تو اس نے فیصلہ دیا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اگر وہ مغفرت اور رحم سے کام لینا چاہتا تو کاٹنے کا حکم نہ دیتا۔"

(نوادر من التاریخ، تالیف: صالح محمد الزمام: ۱/۹۹)

(۷۵)

اپنی موت کا خریدار

بلال بن ابی بردہ' حجاج کی قید میں تھا' دستور یہ تھا کہ جو کوئی قید خانے میں مرجاتا اس کے بارے میں حجاج کو خبر دی جاتی اور یوں حجاج بن یوسف کے حکم سے اس کی لاش اس کے گھر والوں تک پہنچائی جاتی۔ بلال بن ابی بردہ نے جیلر کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ تم مجھ سے دس ہزار درہم (بطور رشوت) لے لو اور میرا نام نکال کر حجاج کے سامنے پیش کر دو کہ یہ قیدی انتقال کر گیا ہے چنانچہ جیلر نے مفاہمت کے بعد بلال کا نام (مردوں کی فہرست میں) شامل کر کے حجاج کے سامنے پیش کیا۔ حجاج نے جب اس قیدی کا نام دیکھا تو کہا:

"مِثْلُ هٰذَا لَا يَجُوْزُ أَنْ يُّخْرَجَ حَتّٰى أَرَاهُ هَاتِه۔"

"ایسا قیدی اس وقت تک نہیں نکالا جا سکتا جب تک میں اسے نہ دیکھ لوں اس کی لاش میرے پاس لاؤ"

جیلر واپس بلال کے پاس گیا اور کہا:

"أَوْصِ بِوَصِيَّتِكَ۔"

"تم کو جو وصیت کرنی ہے کر لو۔"

بلال نے پوچھا: کیا خبر ہے؟

جیلر نے بتایا: حجاج کے سامنے جب میں نے تیرا نام مردوں کی فہرست میں رکھا تو

اس نے مجھ سے یہ بات کہی ہے:

"فَاِنْ لَّمْ أُحْضِرْكَ اِلَيْهِ مَيِّتًا قَتَلَنِیْ، وَعَلِمَ أَنِّیْ أَرَدْتُ الْحِيْلَةَ، فَلَا بُدَّ أَنْ أَقْتُلَكَ خَنْقًا۔"

"اگر میں تجھے اس کے سامنے مردہ حاضر نہ کروں تو وہ مجھے موت کے گھاٹ اُتار دے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ میں نے یہ حیلہ کیا ہے اس لیے اب ضروری ہے کہ میں تجھے گلا گھونٹ کر مار ڈالوں۔"

بلال (قیدی) نے بڑی منت سماجت کی کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن اس کے سوا اس کے لیے کوئی چارہ کار بھی نہیں تھا چنانچہ جیلر نے اس کا گلا گھونٹ کر اسے مار ڈالا اور پھر اسے حجاج کے سامنے پیش کیا۔ حجاج نے جب قیدی کو مردہ دیکھا تو اسے اس کے گھر والوں کے حوالے کر دیا اور اس کے بعد یہ بات لوگوں کی زبان زدِ عام ہو گئی:

"اِنَّ بِلَالًا اِشْتَرٰى الْقَتْلَ لِنَفْسِهٖ بِعَشَرَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ وَرَجَعَتِ الْحِيْلَةُ اِلَيْهِ۔"

"بلال نے دس ہزار درہم میں اپنی موت خریدی اور حیلہ سازی خود اس کی طرف لوٹ گئی۔" (نوادر من التاریخ: ۱/ ۱۰۵ تالیف: صالح محمد الزمام)

دُنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
مَیں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ ﷺ کے بعد

(۷۶)

لاجواب کر دینے والا جواب

خلیفہ ابو جعفر منصور اپنے چھوٹے بھائی ابوالعباس سفاح کے بعد چالیس سال کی عمر میں ۱۳۶ھ میں خلیفہ بنا' تقریباً ۲۲ سال مسند خلافت پر فائز رہا' بغداد کی تعمیر کی' فوجی چھاؤنی کے طور پر رصافہ نامی شہر آباد کیا۔ ۱۵۸ھ میں انتقال ہوا اس کے بعد مہدی خلیفہ بنا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۰)

شاہِ روم نے اپنا ایک سفیر عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس بھیجا جب سفیر پہنچا تو ابوجعفر منصور نے عمارہ بن حمزہ کو حکم دیا کہ اسے سواری پر لے جا کر میرے ولی عہد مہدی کے پاس لے جاؤ' وہ رصافہ میں ہے۔ یہ لوگ دریا کے پل پر پہنچے تو سفیر نے دیکھا کہ بہت سے بھکاری اور اپاہج پل پر بیٹھے ہوئے' لوگوں سے بھیک مانگ رہے تھے۔ سفیر نے ترجمان کے ذریعے عمارہ بن حمزہ سے کہا' تمہارے ہاں بہت بھکاری دکھائی دے رہے ہیں؟ تمہارے خلیفہ کو چاہیے کہ ان پر ترس کھائے اور ان کی حاجتوں اور ضروریات کا انتظام کرے۔ عمارہ نے کہا کہ ہمارے پاس اتنے فنڈ نہیں ہیں۔

مہدی اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہو گیا' عمارہ بن حمزہ نے خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس جا کر سوال و جواب کی کیفیت بیان کی۔ ابوجعفر نے کہا' تم نے غلط جواب دیا' صورت حال وہ نہیں جو تم نے بیان کی ہے الحمد للہ! ہمارے پاس مال و دولت کی فراوانی ہے اسے میرے پاس حاضر کرو' میں اسے صحیح جواب دوں گا۔ سفیر کو حاضر کیا گیا تو

ابوجعفر منصور نے اسے کہا: تم نے ہمارے دوست سے جو بات کی ہے وہ ہم تک پہنچ گئی ہے اور اس نے جو جواب دیا ہے وہ بھی ہمارے علم میں آ گیا ہے اس کا جواب صحیح نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے پاس مال و زر کی کوئی کمی نہیں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ امیر المومنین نہیں چاہتے کہ کوئی سعادت یا دنیا و آخرت کی فضیلت تنہا خود حاصل کر لیں اور رعایا کو اس میں شامل نہ کریں۔ امیر المومنین چاہتے ہیں کہ نادار اور مفلوج افراد عوام الناس سے ان کے مال و دولت اور خداداد رزق سے سوال کریں اور وہ ان کی حاجت روائی کر کے اجر و ثواب میں امیر المومنین کے ساتھ شریک ہوں تا کہ غریبوں کی دست گیری آخرت میں ان کے گناہوں کی بخشش اور نجات کا ذریعہ بنے۔

سفیر نے ابوجعفر منصور کی گفتگو سنی تو اس نے تسلیم کیا کہ اصل بات یہی ہے اور واقعی ابوجعفر منصور نے محتاجوں اور اپاہجوں کو لوگوں سے صدقات و خیرات کی بھیک مانگنے کی اجازت اس لیے دے رکھی ہے کہ عوام الناس بھی اس کارِ ثواب میں شریک ہو سکیں۔ سفیر کو یہ محسوس بھی نہ ہو سکا کہ عمارہ بن حمزہ نے مال و دولت کی قلت کا عذر پیش کر کے جس کمزوری کا اظہار کر دیا تھا' ابوجعفر نے برجستہ جواب دے کر اس کا ازالہ کیا ہے۔ سفیر نے کہا' امیر المومنین نے صحیح فرمایا ہے۔ تاریخ میں یہ جواب' عظیم مسکت جوابات میں سے شمار کیا گیا ہے۔ (من نجات الخلود)

(۷۷)

فیاض وکریم دشمن

ایک بادشاہ نے کسی بادشاہ کا محاصرہ کیا جب یہ محاصرہ طول اختیار کر گیا اور بادشاہ پر گراں گزرنے لگا تو اس نے اپنے وزراء کی مجلس منعقد کر کے پوچھا:

آپ لوگوں کی کیا رائے ہے جب کہ ہمیں اتنے دنوں سے محاصرے میں رکھا گیا ہے۔ کیا ہم محاصر بادشاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیں یا رات کو اس کے خلاف میدانِ جنگ میں نکل پڑیں پھر اللہ کو جو منظور ہوگا' ہوگا؟

ایک وزیر نے عرض کی:

"قَدْ بَدَا لِیْ رَأْیٌ أَنَّهُمْ یَنْصَرِفُوْنَ بِهٖ عَنَّا مِنْ غَیْرِ قِتَالٍ"۔

"مجھے ایک تجویز سوجھی ہے جس کی بناء پر میرا خیال ہے کہ دشمن ہم سے جنگ کیے بغیر واپس چلے جائیں گے۔"

بادشاہ نے پوچھا: وہ کون سی تجویز ہے؟

وزیر نے عرض کی: وہ تجویز یہ ہے کہ میرے آقا اپنے خزانے سے سونا اکٹھا کریں جب سونا اکٹھا کر دیا گیا تو وزیر نے سناروں کو بلایا اور انہیں سونا پگھلا کر تیر بنانے کا حکم دیا پھر وزیر نے ہر تیر کی انی پر دو مصرعے لکھے اور بادشاہ کے خدام کو حکم دیا کہ وہ ایک ہی کمان سے ان تیروں کو محاصرہ کرنے والی فوج کی چھاؤنی پر دے ماریں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

ادھر تیروں کی انیوں سے اس قدر چمک دار روشنی نکلی کہ آنکھیں چکا چوند ہوگئیں۔ محاصر بادشاہ نے ان تیروں کو جمع کرنے کا حکم دیا جب تیر جمع کر کے اس کے سامنے رکھ دیئے گئے تو حکم دیا گیا کہ جو کچھ ان تیروں کی نوک پر لکھا ہوا ہے' پڑھ کر سنایا جائے۔ ان پر یہ اشعار لکھے ہوئے تھے:

وَمِنْ جُوْدِهٖ يَرْمِي الْعُدَاةَ بِأَسْهُمٍ
مِنَ الذَّهَبِ الْإِبْرِيْزِ صِيْغَتْ نُصُوْلُهَا

''یہ اس بادشاہ کی سخاوت کا ایک حصہ ہے (جس کا تم لوگوں نے محاصرہ کر رکھا ہے) کہ وہ دشمنوں پر ایسے تیروں کی بوچھاڑ کر رہا ہے جن کی نوکوں کے ڈھانچے خالص سونے سے تیار ہوئے ہیں۔''

لِيُنْفِقَهَا مَجْرُوْحُهَا فِيْ دَوَائِهٖ
وَيَشْتَرِي الْأَكْفَانَ مِنْهَا قَتِيْلُهَا

''تا کہ زخمی اس کو بیچ کر اپنا علاج معالجہ کر سکے اور مقتول کے کفن کا بندوبست ہو جائے۔''

جب محاصر بادشاہ نے یہ اشعار پڑھے تو فوراً کوچ کرنے کا حکم دیا اور کہنے لگا:
''مِثْلُ هٰذَا لَا يُحَاصَرُ وَلَا يُقَاتَلُ۔''
''ایسے فیاض و کریم دشمن کا نہ تو محاصرہ کیا جانا چاہیے اور نہ اس سے قتال درست ہے۔'' (نوادر من التاریخ: ۱/۱۱۳)

(۷۸)

اس سے بہتر خطیب ہمیں نہ مل سکے گا

ایک دن سلطان ناصر نے قرطبہ کے محل میں وفد سے ملاقات کے لیے مجلس خاص کا اہتمام کیا جب اعیان سلطنت اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو مختلف ممالک کے وفود کی آمد شروع ہوئی۔ سلطان کی خواہش تھی کہ محفل کے آغاز میں خطباء اور شعراء کھڑے ہو کر اس کے کارناموں کو خراجِ عقیدت پیش کریں۔

سلطان کے ولی عہد حکم نے پہلے سے خطباء کو تیار کیا ہوا تھا اس نے سب سے پہلے سلطان کے مہمان ابوعلی قالی بغدادی کا اعلان کیا۔ ابوعلی نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجا' دربار شاہی کے رعب و دبدبے کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ مزید ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا اور بیٹھ گیا۔

اس مجلس میں اپنے دور کے عظیم عالم اور فصیح و بلیغ خطیب منذر بن سعید بھی تشریف فرما تھے وہ از خود کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ابوعلی کے سلسلۂ کلام کو آگے بڑھاتے ہوئے خطابت کا وہ جادو جگایا' سننے والوں کی عقلیں دنگ رہ گئیں اور ہوش و حواس مبہوت ہو گئے جب محفل برخاست ہوئی تو لوگوں کی زبانوں پر ان ہی کی بلاغت' جادو بیانی اور حکمت و دانش کا تذکرہ تھا۔ سلطان ناصر سب سے زیادہ متاثر اور خوش گوار حیرت میں مبتلا تھا اس نے اپنے بیٹے حکم سے منذر کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ سلطان پہلے انہیں نہیں جانتا تھا' حکم نے بتایا' یہ منذر بن سعید ہیں۔ سلطان نے کہا' انہوں نے

اپنا مافی الضمیر بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ سلطان نے انہیں قربِ خاص سے نوازا۔ پہلے انہیں قصرِ زہراء کی جامع مسجد کا امام اور خطیب مقرر کیا پھر قرطبہ کا قاضی بنا دیا۔

قاضی منذر بن سعید رحمہ اللہ تعالیٰ احکامِ الٰہیہ پر سختی سے کاربند تھے۔ حق اور عدل و انصاف کے قائم کرنے، ظلم اور باطل کے خاتمے کے لیے پیش پیش رہتے۔ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے۔ انہیں کلمہ حق کہنے سے کسی کی ملامت روک نہیں سکتی تھی۔

سلطان ناصر کے منہ پر کسی خوف اور خطرے کے بغیر برملا نصیحت اور تنبیہہ آمیز باتیں کہہ دیتے تھے اس سلسلے میں ان کے کئی واقعات مشہور و معروف ہیں۔ ایک واقعہ آپ بھی چشمِ حیرت سے پڑھیے:

سلطان ناصر کو تعمیرات کا جنون کی حد تک شوق تھا' وہ ایسی پرشکوہ عمارتیں تعمیر کرنا چاہتا تھا جو رہتی دنیا تک اس کی شاہی شان و شوکت اور بلند ہمتی کی یادگار رہیں جب اس نے قصرِ زہراء تعمیر کروایا تو اس کا دور دور تک چرچا ہوا اس نے محلات کی مضبوطی اور مکانوں کی آرائش و زیبائش پر تمام تر توانائی صرف کر دی۔ عمارات کی پختگی اور زیب و زینت پر اتنی بھرپور توجہ دی کہ مسلسل تین جمعے جامع مسجد میں ادا نہ کر سکا۔

چوتھے جمعہ کو جامع مسجد میں پہنچا تو قاضی منذر نے سلطان کو وعظ و نصیحت اور تنبیہہ کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ انہوں نے خطبے کا آغاز کرتے ہوئے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کی۔

اَتَبْنُوْنَ بِکُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ (الشعراء ۲۶: ۱۲۹)

''کیا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو راہ گیروں سے ہنسنے کو اور مضبوط محل چنتے ہو اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے اور جب کسی پر گرفت کرتے ہو تو بڑی بے دردی سے گرفت کرتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔'' (کنز الایمان)

پھر اس آیتِ کریمہ کی تلاوت کی:

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝

(الزخرف ۴۳:۳۳)

''اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی دین پر ہو جائیں تو ہم ضرور رحمٰن کے منکروں کے گھروں کے لیے چاندی کی چھتیں اور سیڑھیاں بناتے جن پر وہ چڑھتے۔''

پھر ارشادِ ربانی کی تلاوت کی:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ (النساء ۴:۷۷)

''تم فرما دو دنیا کا ساز و سامان تھوڑا ہے اور آخرت پرہیز گاروں کے لیے اچھی ہے۔''

آخرت ہی ہمیشہ رہنے اور جزا کی جگہ ہے پھر انہوں نے زوردار گفتگو اور دل نشین پیرائے میں پختہ عمارتیں بنانے اور ان کی ڈیکوریشن پر فضول خرچی کی شدید مذمت کی۔ موقع کی مناسبت سے موت کا ڈر سنایا۔ نفسانی لذتوں اور خواہشوں سے اعراض اور دنیا سے بے نیازی کی رغبت دلائی اور موضوع کی تائید و تقویت کے لیے احادیث اور آثار کا حوالہ دیا۔ ان کی پُرسوز گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ لوگ خوف اور خشیت کے غلبے کی بناء پر زار و قطار رونے لگے اور اعلانیہ توبہ استغفار کرنے لگے سب سے زیادہ سلطان ناصر پر خشیت طاری ہوئی اور وہ بلک بلک کر رونے لگا اس نے واضح طور پر محسوس کیا کہ دراصل مجھے ہی نصیحت کرنا مقصود ہے وہ اپنی جانب سے افراط و تفریط کے صادر ہونے پر نادم تو ہوا لیکن قاضی منذر کے سرزنش کرنے پر غضب ناک بھی بہت ہوا۔

تنہائی میں اپنے بیٹے حکم کے سامنے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہنے لگا' منذر نے جان بوجھ کر اپنے خطبے میں مجھے اور صرف مجھے نشانہ بنایا ہے اس نے بھرے مجمع میں مجھے

زجروتوبیخ کا ہدف بنانے میں حد سے تجاوز کیا ہے پھر قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں اس کے پیچھے کبھی جمعہ نہیں پڑھوں گا چنانچہ اس نے قصر زہراء میں جمعہ پڑھنا ترک کردیا۔ قرطبہ میں احمد بن مطرف کے پیچھے نماز پڑھنے لگا۔

سلطان کے بیٹے حکم نے کہا جب قاضی منذر آپ کو پسند نہیں ہے تو اسے مصلائے امامت سے برطرف کر کے اس کی جگہ کسی دوسرے امام کو کیوں نہیں مقرر کر دیتے؟ سلطان نے اسے سخت ڈانٹ پلائی اور کہا' تیری ماں نہ رہے! کیا میانہ روی سے بھٹکنے والے اور راہِ ہدایت سے برگشتہ ہونے والے نفس کو راضی کرنے کے لیے منذر بن سعید جیسے صاحب علم وفضل اور پیکر خیر وتقویٰ کو معزول کیا جا سکتا ہے؟ مجھے شرم آتی ہے کہ میں نمازِ جمعہ میں اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان منذر جیسے مجسمہ' صداقت و پرہیزگاری کو اپنا سفارشی نہیں بناتا لیکن کیا کروں؟ اس نے مجھے مصیبت میں ڈال دیا تو میں قسم کھا بیٹھا۔ کاش' کوئی صورت ہوتی تو میں اپنی حکومت قربان کر کے قسم کا کفارہ ادا کر دیتا۔ انشاء اللہ! جب تک ہماری اور ان کی زندگی ہے وہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں کبھی ان سے بہتر خطیب بھی مل سکتا ہے۔

یہ تھی مسلمان سلاطین اور امراء کی عادتِ کریمہ جب ان سے خطا سرزد ہوجاتی اور کوئی عالم یا خطیب انہیں نصیحت کرتا تو وہ خواہشِ نفس اور گمراہی سے رجوع کر لیتے۔ حق کے آگے سر تسلیم ورضا خم کردیتے اور اور انہیں جو نصیحت کی جاتی تھی اسے بُرا نہیں مناتے تھے۔

صرف قرطبہ میں ۹۷۰ھ میں نادار افراد کو مفت تعلیم دینے کے لیے خودمختار مدارس کی تعداد ستائیس سے زیادہ تھی جہاں غریب طلباء کو داخلہ دیا جاتا اور ان کی تعلیم و تربیت اور دیگر ضروریات کا مفت انتظام کیا جاتا تھا۔ (معجم الادباء کسی قدر تصرف کے ساتھ)

جب وہ نافرمانوں پر اتنا مہربان ہے تو......

یوسف بن حسین کہتے ہیں: میں ذوالنون مصری کے ہمراہ ایک نہر کے کنارے تھا'

میری نگاہ ایک بہت بڑے بچھو پر پڑی جو نہر کے کنارے موجود تھا' اتنے میں ایک بڑا مینڈک نہر سے نکلا' بچھو اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور پانی میں تیرتے ہوئے مینڈک نے اسے نہر پار کرا دی۔

ذوالنون مصری نے مجھ سے کہا: یقیناً اس بچھو کا کوئی خاص مقصد ہوگا' چلو دیکھتے ہیں کہ کہاں جاتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ ہم دونوں نہر پار کر کے اس بچھو کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اچانک ہماری نگاہ ایک آدمی پر پڑی جو نشے میں مدہوش زمین پر گرا پڑا تھا اور ایک سانپ اس کی ناف کی طرف سے چڑھ کر اس کے سینے پر بیٹھا تھا' وہ اس کا کان تلاش کر رہا تھا اتنے میں بچھو سانپ کے پاس پہنچ کر اس پر غالب آ گیا اور اسے ڈس کر مار ڈالا جب سانپ مر گیا تو بچھو وہاں سے واپس ہو گیا اور نہر کے کنارے آ کر رُک گیا پھر وہی مینڈک نہر سے نکلا اور بچھو اس کی پیٹھ پر سوار ہو کر نہر پار کر گیا۔

ذوالنون مصری نے اس مدہوش آدمی کو نیند سے جگایا جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اس سے کہا: اے نوجوان! دیکھو اللہ تعالیٰ نے تیری کس طرح حفاظت فرمائی ہے۔ ایک بچھو نے آ کر اس سانپ کو قتل کر دیا جو تجھے مار ڈالنا چاہتا تھا پھر ذوالنون مصری یہ اشعار پڑھنے لگے

يَا غَافِلًا وَّالْجَلِيْلُ يَحْرُسُهٗ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ يَدِبُّ فِي الظُّلَمِ

"اس غافل کو دیکھو کہ اللہ عزوجل اندھیروں میں رینگنے والی ہر اذیت سے اس کی نگرانی کر رہا ہے۔"

كَيْفَ تَنَامُ الْعُيُوْنُ عَنْ مَلِكٍ تَأْتِيْهِ مِنْهُ فَوَائِدُ النِّعَمِ

"آنکھیں اس شہنشاہ کی یاد سے کیوں کر سو جاتی ہیں جس کی یاد ہی دنیا و آخرت کی نعمتوں سے ان کو مالا مال کرتی ہے۔"

وہ مدہوش گھبراتے ہوئے اُٹھا اور گویا ہوا

"الٰهِيْ اَهٰذَا فِعْلُكَ بِمَنْ عَصَاكَ فَكَيْفَ بِرِفْقِكَ بِمَنْ يُّطِيْعُكَ

''میرے پروردگار! نافرمان کے ساتھ تیرا یہ کرم ہے تو پھر فرماں بردار کے ساتھ تیری نرمی کیسی ہوگی؟''

یہ کہہ کر نوجوان چل پڑا تو میں نے اس سے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟

اس نے جواب دیا: اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کی طرف۔

(التائبون الی اللہ للحازمی)
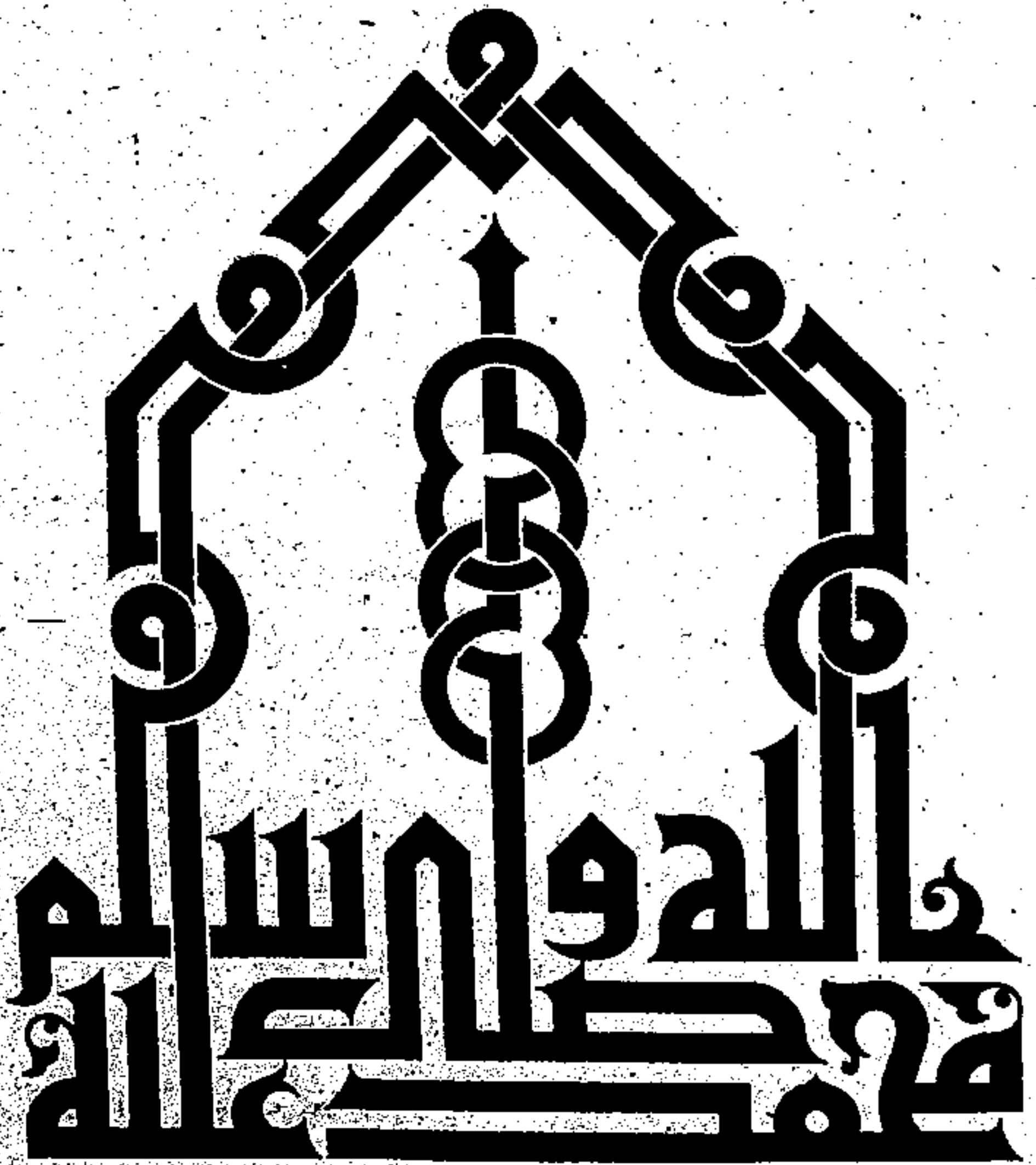
(۷۹)

ایک مایۂ ناز مسلمان خاتون کی جرأت بھری داستان

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں نے دمشق کا شدید محاصرہ کیا۔ رومی اس محاصرے کی سختی سے زچ ہو کر رہ گئے۔ دمشق کا سربراہ شاہِ روم' ہرقل کا خسر توما تھا' وہ شہر کے ایک دروازے باب توما پر آیا اس نے بڑے بڑے جرنیلوں اور حواریوں کو اکٹھا کیا' انجیل لا کر صلیب کے پاس لٹکا دی اور گڑگڑا کر اپنے رب سے دعا مانگی کہ ہمیں ہمارے دشمنوں پر فتح عطا فرما۔

توما نے قلعے سے باہر نکل کر خوفناک حملہ کیا' مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش کر دی۔ ان کی آنکھوں' گردنوں اور سینوں کو نشانہ بنایا اس کارروائی میں بہت سے مسلمانوں کو شہید کر دیا اور زخمی کر دیا۔ زخمیوں میں مشہور صحابی' حضرت ابان بن سعد بن عاصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے' انہیں ایک تیر نے گھائل کر دیا جس کے نتیجے میں وہ شہادت کا مرتبہ عظمیٰ پا گئے۔

ان کی نئی نئی شادی چچازاد خاتون سے ہوئی تھی جس کے ہاتھوں سے ابھی مہندی کا رنگ اور جسم سے عطر کی خوشبو بھی زائل نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاتون بڑی دلیر' غیرت مند اور فصیح و بلیغ تھیں انہیں جب اپنے محبوب شوہر کی شہادت کی اطلاع ملی تو صدمے سے نڈھال ہو گئیں لڑکھڑاتے قدموں سے تیز تیز چلتی ہوئی خونِ شہادت میں نہائی ہوئی' شوہر کی میت کے پاس پہنچیں اور ان کے سر کے پاس کھڑی ہو کر دردناک نگاہوں سے

انہیں دیکھا' لوگ منتظر تھے کہ دیکھیں کیا کہتی ہیں؟ لیکن انہوں نے حیرت انگیز صبر کا مظاہرہ کیا اور کمال ہمت سے صدمے کو برداشت کیا۔ حاضرین کے کانوں تک ان کے صرف یہی کلمات پہنچ سکے۔ انہوں نے اپنے شہید شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

تمہیں مرتبہ شہادت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مبارک ہو۔

تمہیں جو بلند ترین اعزاز دیا گیا ہے اس پر میں تمہیں ہدیہ تہنیت پیش کرتی ہوں جس رب کریم نے ہمیں یکجا کیا پھر ہمارے درمیان فراق کی دیوار کھڑی کر دی تم اسی کی بارگاہ میں حاضر ہو چکے ہو میں تمہاری ملاقات کی حسرت رکھتی ہوں اور تم تک پہنچنے کے لیے پوری توانائی صرف کر دوں گی تمہارے بعد مجھ پر حرام ہے کہ کسی دوسرے مرد کو چھونے کی اجازت بھی دوں۔ میں نے تم تک پہنچنے کے لیے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دیا ہے اور مجھے امید ہے کہ میں جلد اپنے مقصد میں سرخرو ہوں گی۔

پھر اسی جگہ ان کی قبر تیار کی گئی' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور انہیں سپردِ لحد کر دیا گیا۔ دفن کرنے کے بعد وہ جاں باز خاتون قبر پر نہیں ٹھہریں بلکہ ہتھیار سنبھالے اور جا کر مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو گئیں۔ حضرت خالد بن ولید کو بھی اطلاع نہیں دی کہ کہیں وہ روک نہ دیں۔ لوگوں سے پوچھا' میرے شوہر کس دروازے پر شہید کیے گئے تھے؟ انہیں بتایا گیا کہ باب توما پر' وہ سیدھی اس دروازے پر پہنچیں اور میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے والوں میں شامل ہو گئیں۔

انہوں نے شدید حملہ کیا اور ایسی ہولناک جنگ لڑی جس کی مثال دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی تھی' وہ تیر اندازی میں بے مثال مہارت رکھتی تھیں ان کے پاس مضبوط کمان بھی تھی اور تیروں سے بھرا ہوا ترکش بھی تھا۔ انہوں نے صلیب بردار کو تیر مارا جو سیدھا جا کر اس کی کلائی میں پیوست ہو گیا' جواہر و یواقیت سے مرصع کی ہوئی صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر توما غصے سے پاگل ہو گیا اس نے اپنی پٹی کسی تلوار میان سے

باہر نکالی اور لشکر کو عام حملے کا حکم دے دیا' دربان کو حکم دیا' دروازہ کھول دو اور خود ٹڈی دل لشکر کی قیادت کرتا ہوا' قلعے سے باہر نکل آیا۔ عیسائیوں نے مسلمان مجاہدین پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ توما نے صلیب واپس لینے کے لیے حضرت شرجیل پر حملہ کر دیا۔ حضرت ابان کی اہلیہ محترمہ نے اسے حملہ کرتے ہوئے دیکھا تو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ حضرت شرجیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نقصان نہ پہنچا دے۔ انہوں نے نشانہ لے کر تیر مارا جس سے اس کی دائیں آنکھ پھوٹ گئی اور تیر اس کی آنکھ میں گہرا پیوست ہو گیا۔ وہ چیخ اٹھا' ہائے مر گیا اور چلاتا ہوا اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا اس شیر دل خاتون کا تو ارادہ تھا کہ ایک اور تیر مار کر اسے جہنم رسید کر دیں لیکن رومیوں نے انہیں موت کے گھاٹ اُتارنے کے لیے حملہ کر دیا۔ مسلمان مجاہدین نے انہیں فوراً اپنے حصار میں لے لیا۔

جب وہ خطرے کی حدود سے باہر آئیں تو پھر دشمنوں پر تیر برسانے لگیں' ان کا نشانہ اس غضب کا تھا کہ کوئی تیر زمین پر نہیں گرتا تھا اسی اثناء میں انہوں نے ایک رومی سپہ سالار کو دیکھا' علامات کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے لشکر کا کمانڈر ہے' وہ سب عیسائیوں سے آگے آگے تھا اس پیکر شجاعت خاتون نے تاک کر اسے تیر مارا جو اس کے سینے کے آر پار ہو گیا اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر گر گیا ادھر مسلمان مجاہدین نے بھرپور حملہ کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن بُری طرح شکست کھا کر بھاگ گیا اور باب توما کے پاس جا کر پناہ لی۔

توما ذلیل و خوار ہو کر دمشق میں داخل ہوا اور قلعے کے دروازے بند کر لیے۔ عیسائی طبیبوں نے توما کی آنکھ سے تیر نکالنے کی سرتوڑ کوشش کی مگر ناکام رہے۔ آخر تھک ہار کر بیرونی حصہ کاٹ دیا اور باقی آنکھ ہی میں پیوست رہنے دیا۔ مجاہدین اسلام کی ہیبت نے رومی عیسائیوں کے دلوں کی شریانوں کو کاٹ کر رکھ دیا' ان کے لیڈروں نے انہیں جنگ پر بہت اکسایا لیکن وہ کسی طرح بھی میدان جنگ میں اُترنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے لرزتے کانپتے دلوں کے ساتھ بند دروازوں کے پیچھے بیٹھے رہنے میں ہی

عافیت سمجھی۔

یہ ہے تاریخ اسلام کے دورِ اوّل کی جواں سال خاتون جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم درس گاہ میں تعلیم حاصل کی۔ آپ کی تعلیمات پر عمل کیا اور دانش کدۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ شاندار اسلامی فتح کی صورت میں دِکھادیا ایسی شعلۂ جوالہ اور پیکر حریت خاتون کے بیٹوں کا حق ہے کہ پوری دنیا پر حکمرانی کریں ایسی باغیرت وحمیت ماؤں کے شکموں سے جنم لینے والے سپوتوں ہی کا کام ہے کہ وہ ظالم وجابر حکمرانوں کے تختوں کی بنیادیں ہلادیں اور زندۂ جاوید ہوجائیں۔

(من لمحات الخلود)

(۸۰)

ایک روٹی نے جان بچالی

رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صدقہ وخیرات کوزکوٰۃ کی صورت میں ایک تشریعی مقام عطا کیا ہے اور زکوٰۃ کو اسلام کا ایک اہم رُکن بتایا ہے جو کہ ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر سال میں ایک مرتبہ واجب ہے۔ واجبی زکوٰۃ کے بعد بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کوصدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب دی ہے اوراس کی بہت فضیلت بیان فرمائی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق قیامت کے روز جب ہر آدمی حیران وپریشان ہوگا اور میدانِ محشر میں نفسی نفسی کا عالم ہوگا اس وقت حساب کتاب ہونے تک ہر آدمی اپنے اپنے صدقہ وخیرات ہی کے سائے میں ہوگا۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"كُلُّ امْرِءٍ فِيْ ظِلِّ صَدَقَتِهِ حَتّٰى يُفْصَلَ بَيْنَ النَّاسِ."

"ہر آدمی (قیامت کے دن) اپنے صدقے وخیرات کے سائے میں ہوگا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔"

(مسند احمد: ۴/۱۴۸، ابن حبان: ۳۳۱۰، حاکم ۱/۴۱۶)

اسی طرح ایک حدیث میں صدقہ وخیرات کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے انہیں رب کے غضب وغصہ اور بُری موت سے بچاؤ کا ذریعہ بتایا گیا ہے

چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوْءِ۔''

''صدقہ وخیرات پروردگار کے غضب وغصہ کو بجھا دیتے ہیں اور بُری موت کو روکتے ہیں۔'' (سنن ترمذی: کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر ۶۶۴، ابن حبان وغیرہ)

صدقے کی برکات کا ایک کرشمہ ذیل کے واقعہ میں بھی پڑھیں:

ایک روز مصر کے وزیر اعظم نے ابن فرات کو اپنے پاس بلوایا اور اس سے کہا:

تیرا ناس ہو تیرے بارے میں میری نیت کچھ صاف نہیں ہے اس لیے ہمہ وقت میری یہی خواہش رہتی ہے کہ تجھے پکڑ کر قتل کر دوں اور تیری جائے داد پر قبضہ کر لوں لیکن پھر میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تو ایک روٹی کے ذریعے سے مجھ سے اپنا بچاؤ کر لیتا ہے۔

میں نے کئی راتیں یہی خواب دیکھا کہ میں تجھے مار ڈالنا چاہتا ہوں لیکن تو ہر بار ایک روٹی کے ذریعے سے مجھ سے اپنا بچاؤ کر لیتا ہے۔ میں نے (خواب ہی میں) تجھے قتل کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا جس نے تجھے قتل کرنا چاہا لیکن تو اپنے ہاتھ میں ایک روٹی کے ذریعے سے ہر حملے کو روک لیتا ہے اور کوئی بھی حملہ تیرے اوپر کامیاب نہیں ہوتا۔ ذرا مجھے بتاؤ کہ آخر یہ روٹی کا کیا قصہ ہے؟

ابن فرات نے عرض کی:

اے وزیر! جب میں بچہ تھا تو میری امی ہر رات میرے تکیے کے نیچے ایک روٹی رکھ دیا کرتی تھی جب صبح ہوتی تو اسے میری طرف سے صدقہ کر دیتی تھی اس کا زندگی بھر یہی معمول رہا لیکن جب وہ اللہ کو پیاری ہو گئی تو میں نے خود اپنی طرف سے اپنی امی کی طرح عادت بنا لی چنانچہ روزانہ ایک روٹی رات تکیے کے نیچے رکھ دیتا ہوں اور صبح کو صدقہ کر دیتا ہوں۔

ابن فرات کی گفتگو سن کر وزیر کو بڑا تعجب ہوا...... اور اس نے کہا:

"وَاللهِ لَا يَنَالُكَ مِنِّیْ بَعْدَ الْيَوْمِ سُوْءٌ أَبَدًا۔"

"اللہ کی قسم! آج کے بعد میری طرف سے تجھے ہرگز کوئی گزند نہ پہنچے گا۔"

نیز کہا: تو نے اپنے بارے میں میری نیت صاف کر دی اب میں تجھ سے بے لاگ محبت کرتا ہوں۔

(الفرج بعد الشدۃ والضیق للحازمی)

(۸۱)

قومی درد رکھنے والا قائد

امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے انعامات حاصل کرنے کے لیے صحراؤں کو عبور نہیں کیا اور نہ ہی اس مقصد کے لیے صبح و شام سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہیں۔ میں جن لوگوں کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں ان کی ضروریات کے علاوہ میری کوئی ذاتی ضرورت نہیں ہے۔

یہ تھے وہ کلمات جو احنف بن قیس تمیمی نے اس وقت کہے جب وہ اپنے ساتھیوں' جرنیلوں اور خاص طور پر بصرہ کے باشندوں کے ایک وفد کے ہمراہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی جرأت' صاف گوئی اور فصیح گفتگو سے متاثر ہو کر انہیں انعام دینے کا حکم دیا۔

پھر وفد سے پوچھا کہ تمہارے کچھ مطالبات ہوں تو بتاؤ؟ انہوں نے کہا کہ عوام الناس کی ضروریات کا تو آپ خود انتظام فرمائیں گے' ہمارے کچھ خصوصی مطالبات ہیں اگر آپ پسند فرمائیں تو ان پر غور فرمائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے مطالبات پورے کر دیے۔ احنف بن قیس سب سے آخر میں بیٹھے تھے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تمہارا کوئی کام ہو تو بتاؤ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد کہا:

امیر المومنین! مصر کے مجاہدین' فرعون اور اس کے ساتھیوں کی منزلوں میں قیام

پذیر ہیں یعنی مصر کے پھل کھاتے ہیں اور دریائے نیل کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔

شام کے فاتحین قیصر کے محلات میں رہائش اختیار کر چکے ہیں یعنی ملک شام کی خیرات و برکات اور اس کے میٹھے پانیوں سے متمتع ہو رہے ہیں۔

اہلِ ایران اور اہلِ کوفہ یعنی بنو تمیم وغیرہم کسریٰ کے محلات میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور نہروان کے میٹھے پانیوں سے شاد کام ہو رہے ہیں۔

لیکن اہلِ بصرہ یعنی میری قوم بنو تمیم کے مجاہدین' اہواز میں مصروفِ جہاد ہیں وہ ایسے ناخوشگوار علاقے میں ہیں جہاں کی مٹی خشک نہیں ہوتی' چراگاہوں میں گھاس کا نام و نشان نہیں ہے اس کا ایک کنارہ سمندر سے ملتا ہے تو دوسرا کنارہ صحرا میں ہے۔ انہوں نے انتہائی تفصیل کے ساتھ اپنا مؤقف پیش کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وفد کے باقی افراد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا' تم نے ان جیسا بننے کی کوشش کیوں نہیں کی؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ واقعی قائد ہیں۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کے زورِ بیان' اخلاص اور سلامت فکر سے حیرت آمیز مسرت حاصل ہوئی تب انہوں نے اس انعام کی پیش کش کی جس کا ذکر ابتدا میں کیا گیا ہے لیکن احنف نے معذرت کے ساتھ اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا' اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم نے اس مقصد کے لیے لق و دق صحرا طے نہیں کیے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں ان کی قدر و منزلت بے انتہا زیادہ ہو گئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ یہ شخص بہترین صلاحیتوں کا مالک ہے اور مستقبل میں یہ بلند ترین مقام پر فائز ہو گا۔ آئندہ واقعات نے ان کی فراست کے فیصلے پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور احنف بن قیس نے خراسان وغیرہ بڑے بڑے شہر فتح کیے۔

جس طرح احنف نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا انعام قبول نہیں کیا اسی طرح بلخستان کی فتح کے موقع پر پیش کیے جانے والے عظیم تحائف بھی ٹھکرا دیئے' ان کی خدمت میں بڑی مقدار میں سونے چاندی کے برتن' کپڑے اور ساز و سامان پیش کیا گیا تو انہوں

نے فرمایا یہ ڈھیروں کے حساب سے مال کیوں لائے ہو؟

تحائف پیش کرنے والوں نے بتایا کہ یہ ہمارا معمول ہے' ہم عید کے مواقع پر اپنے حکمرانوں کو اس قسم کے تحفے تحائف پیش کیا کرتے ہیں۔ حضرت احنف نے کہا' ہمیں تم سے صرف جزیہ لینے کا حق ہے اور وہ ہم نے وصول کر لیا ہے' پُر زور اصرار کے باوجود کچھ بھی لینے پر تیار نہ ہوئے اور سب تحفے واپس کر دیئے۔

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ ۷۸ھ میں بصرہ میں راہی دار بقاء ہوئے۔ بصرے کے تمام باشندے اپنے محبوب قائد کے جنازے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ امیر بصرہ گلے میں تلوار حمائل کیے ہوئے' چادر اوڑھے بغیر' آگے آگے چل رہے تھے اور کہہ رہے تھے آج ہم سے حزم و احتیاط اور دانش و فکر کا پیکر رخصت ہو گیا۔

(زندہ جاوید خوشبوئیں)

(۸۲)

یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

شہر موصل میں "عبود" نامی ایک مشہور چور تھا جس کے ماتحت تجربہ کار چوروں کی ایک ٹیم تھی، وہ اس ٹیم کی مدد سے چوری اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیے ہوئے تھا۔ ایک روز اس نے اپنے پڑوسی کے گھر ہی میں ڈاکہ ڈالنے کا پلان بنایا؟ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پڑوسی کی دیوار پھلانگ کر چھت پر چڑھ گیا اور چھت کے اوپر سے گھر والوں کی حرکات وسکنات کا معائنہ کرنے لگا تاکہ جب گھر والے سو جائیں تو اپنا کام شروع کرے۔

لیکن بُری نیت سے آنے والے ان چوروں نے جب گھر کے آنگن میں جھانک کر دیکھا تو گھر پرانی طرز پر بنا ہوا تھا جس میں کشادہ آنگن ہوتا تھا اور گھر والے اس میں وقتاً فوقتاً اکٹھے ہوا کرتے تھے۔ آنگن میں درس وتدریس کی مجلس قائم تھی اور بہت سارے لوگ بیٹھ کر تعلیم وتعلم میں مشغول تھے۔

"عبود" چور چھت ہی پر رات بھر انتظار کرتا رہا لیکن موقع ہاتھ نہیں آیا تو صبح اپنی ٹیم کے ساتھ واپس ہو گیا۔ اگلی رات بھی وہ اپنی ٹیم کے ساتھ پڑوسی کے گھر چوری کرنے کے لیے چھت پر چڑھا لیکن نتیجہ وہی نکلا جو گزشتہ رات نکلا تھا چنانچہ وہ ایک ہفتہ مسلسل اپنی بُری نیت کی تکمیل کے لیے پڑوسی کے گھر کی چھت پر آتا رہا لیکن ہر رات اسے پڑوسی کے آنگن میں لوگوں کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر اذکار میں مصروف نظر آتی چنانچہ وہ

اُلٹے پاؤں نامراد واپس ہو جاتا۔

آٹھویں دن "عبود" چور نے اپنے پڑوسی کی زیارت کی جو متقی و پرہیزگار، پابند شرع و دیندار اور فقراء و مساکین اور ضرورت مندوں کا غم گسار و ہمدرد تھا۔ چور نے پڑوسی سے پوچھا:

"أَفِيْ كُلِّ يَوْمٍ تُقِيْمُ حَلْقَةً لِلتَّدْرِيْسِ فِيْ دَارِكَ."

"کیا آپ روزانہ تعلیم و تعلم کی مجلس اپنے گھر میں قائم کرتے ہیں؟"

پڑوسی نے بڑا تعجب کیا اور کہنے لگا: میں نے تو کئی سال سے اپنے گھر میں ایسی کوئی مجلس قائم نہیں کی!!

چور نے کہا: اب سچی بات کا انکشاف ہوا..... پھر چور نے پڑوسی کو سارا قصہ کہہ سنایا۔

پڑوسی چور کی بات سننے کے بعد گویا ہوا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

"یقیناً اللہ ایمان والوں کا دفاع کرتا ہے، بے شک اللہ ہر خائن (اور) ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔" (الحج:۲۲/۳۸)

"عبود" چور واپس ہوا تو لگتا تھا کہ اسے کوئی جنونی کیفیت لاحق ہے، وہ یہ جملہ بار بار دہرائے جا رہا تھا: میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایسی متعدد مجالس دیکھی ہیں اور یہ پڑوسی انکار کر رہا ہے!! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

(الفرج بعد الشدۃ والضیق للحازمی، ج۵)

(۸۴)

سپردم بتو مایۂ خویش را

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انسانی نفوس کے مقاصد متعین کرنے میں تعلیم و تربیت کا بڑا حصہ ہے' یہ تربیت ہی ہے جو انہیں صحیح راستے پر گامزن کرتی ہے اور ان کی کج روی کو دُور کر کے انہیں صراطِ مستقیم پر چلاتی ہے' ان کی ذوات میں ودیعت کیے گئے بہترین اخلاق کی بدولت ان کا روشن مستقبل مزید تابناک ہو جاتا ہے اور ان سے مسرت بخش پھلوں کے جوڑے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ جب خلیفہ نہیں بنے تھے اس وقت ان کی ملکیت میں یمامہ کے علاقے میں سہلہ نامی گاؤں تھا وہاں سے وافر مقدار میں غلہ ان کے پاس آتا تھا جس سے وہ اپنے اہل وعیال سمیت خوش حال زندگی بسر کرتے تھے۔

ملتِ اسلامیہ کے اکثر حکمرانوں کی روایت یہ رہی ہے کہ اقتدار میں آنے کے بعد پہلے کی نسبت ان کا اندازِ زندگی بدل جاتا ہے مثلاً! حکومت میں آنے سے پہلے وہ ایثار و قربانی کی شان دار مثال ہوتے ہیں۔ اُمتِ مسلمہ اور اپنے وطن کی خدمت کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں مگر جونہی کرسی اقتدار میسر آتی ہے ایثار و قربانی مستعدی اور عوامی بھلائی کے تمام وعدے بھول جاتے ہیں۔

لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں موجود حکمرانوں کے برعکس تبدیلی آئی جب وہ مسند خلافت پر فائز ہوئے تو ان میں ایک نفسیاتی انقلاب برپا ہوگیا

جس نے ان کی سابقہ زندگی کا دھارا بدل دیا پہلے جس دولت و راحت' خوشحالی اور اپنی ذات کی محبت کے اسیر تھے' اسے یکسر خیر باد کہہ دیا اب انہوں نے اُمتِ مسلمہ کو زیادہ سے زیادہ خوشحالی فراہم کرنے اور اسے نقصانات سے بچانے کے لیے محنت و مشقت اور شب بے داری کو اپنا نصب العین بنالیا اس سلسلے میں انہوں نے راحت و لذت اور تمام ذاتی خواہشات کو قربان کر دیا۔

انہوں نے اپنی ذات سے انقلاب کا آغاز کیا' ان کے دل میں یہ بات آئی کہ مجھے سہلہ نامی گاؤں' مسلمانون کے بیت المال کو واپس کر دینا چاہیے۔ انہوں نے سوچا کہ میں لوگوں کو انصاف کرنے' ظلم کے خاتمے اور اُمتِ مسلمہ کی بھلائی کے لیے کوشش کرنے کا حکم کیسے دے سکتا ہوں؟ جب کہ میرے پاس ایک ناجائز گاؤں ہے جو مجھے پھلوں سے وراثت میں ملا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میرا دعویٰ اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوگا جب تک کہ میں اسے اپنے اوپر نافذ نہیں کروں گا۔ اُمتِ مسلمہ حکمرانوں کی تقریروں کو نہیں دیکھتی بلکہ ان کے کردار اور کردار کے نتائج کو دیکھتی ہے۔

اس لیے انہوں نے حتمی فیصلہ کیا کہ سہلہ نامی گاؤں بیت المال کو واپس کر دینا چاہیے تاکہ اس سے مسلمان فقراء اور عوام کو فائدہ ہو۔ چاہے اس کے نتیجے میں حوصلہ شکن فقر و فاقہ اور معاشی تنگی کا ہی سامنا کرنا پڑے۔

اس سلسلے میں انہوں نے خوب اچھی طرح غور کیا یہاں تک کہ واضح نتیجے تک پہنچ گئے' پختہ عزم کر لیا' اپنے آزاد کردہ غلام مزاحم کو بلایا اور اسے کہا کہ میں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا ہے' میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی بتا دوں ابھی تک میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا اس نے پوچھا وہ کیا فیصلہ ہے؟ آپ نے فرمایا:

''سہلہ نامی گاؤں کو تم جانتے ہی ہو میں نے طے کر لیا ہے کہ اسے مسلمانوں کے بیت المال کے سپرد کر دوں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟''

مزاحم نے وحشت و حیرت اور غم والم کی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور دل میں

سوچا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کے اہل و عیال کا ذریعۂ معاش تو سہلہ ہی ہے' اسے یہ کیسے واپس کریں گے؟ اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ صاف صاف لفظوں میں دل کی بات زبان پر لے آئے۔

تاہم اس نے جرأت کر کے پوچھ ہی لیا۔ کیا آپ کو علم ہے کہ آپ کے اہل و عیال اور کنبے کے افراد کتنے ہیں؟ اس نے ایک ایک کر کے چھوٹے بڑے تمام افراد گنوا دیے۔ وہ انہیں بتانا چاہتا تھا کہ آپ نے جو عزم کیا ہے اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ اب وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا جواب سننا چاہتا تھا اس کا خیال تھا کہ میں نے بیٹوں اور بیٹیوں کا ذکر کر کے ان کی شفقت اور شعور کے دروازے پر دستک دے دی ہے لہٰذا اولاد کی شفقت اور محبت کی بناء پر اپنے فیصلے پر ضرور نظر ثانی کریں گے۔

لیکن اس نے چشم حیرت سے دیکھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرتے ہیں جنہیں وہ اپنی انگلیوں سے پونچھ رہے ہیں اور نہایت دھیمی آواز میں چند کلمات کہہ رہے ہیں۔ تاریخ نے وہ کلمات اپنے صفحات میں سنہرے حرفوں میں محفوظ کر دیئے ہیں اور وہ صحیح ایثار و قربانی کی اعلیٰ ترین مثال ہیں' وہ سوز و گداز میں ڈوبے ہوئے یقین بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے:

میں انہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں

میں انہیں اللہ تعالیٰ کو سونپتا ہوں

مزاحم حضرت عمر بن عبدالعزیز کی گفتگو سن کر حیرت و تعجب میں ڈوب گیا اس نے سوچا کہ میں کیا کروں؟ معاً اسے خیال آیا کہ مجھے اس معاملے کی خبر ان کے بیٹوں کو دینی چاہیے' وہ ان کے ارادے کے آگے رکاوٹ بن سکتے ہیں۔

چنانچہ وہ بعجلت تمام ان کے بیٹے عبدالملک کے پاس گیا اور اسے جا کر کہا' آپ جانتے ہیں کہ آپ کے والد گرامی نے آج کیا فیصلہ کیا ہے؟ اس نے کہا' مجھے تو کچھ خبر نہیں ہے۔ کہنے لگا' وہ چاہتے ہیں کہ تمہاری روزی اور معیشت کا سرچشمہ سہلہ' مسلمانوں

کے بیت المال کے سپرد کردیں' وہ اپنے اس عزم پر مصر رہے اور انہوں نے اپنا فیصلہ نافذ کردیا تو تمہارے کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں بچے گا۔"

عبدالملک نے پوچھا کہ جب انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا تھا تو تم نے کیا کہا تھا؟ کہنے لگا' میرا کیا پوچھتے ہو؟ واللہ! میں نے انہیں اہل وعیال اور خویش واقارب میں سے ایک ایک کی یاد دلائی تاکہ چھوٹے بڑے افراد' بیٹوں اور بیٹیوں کے لیے ان کے دل میں محبت وشفقت اور پدرانہ گداز موجزن ہوجائے۔ عبدالملک نے پوچھا پھر انہوں نے کیا کہا؟ کہنے لگا' کچھ نہ پوچھیے! میں نے ان کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں سے اشکوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی' وہ اپنے ہاتھوں سے آنسو صاف کررہے تھے اور پست آواز سے کہہ رہے تھے:

"اَکِلُھُمْ اِلَی اللّٰہِ اَکِلُھُمْ اِلَی اللّٰہِ"

میں انہیں کائنات کے پالنہار کے سپرد کرتا ہوں

میں انہیں اپنے رب کریم کے حوالے کرتا ہوں

فرطِ غضب سے عبدالملک کا چہرہ سرخ ہوگیا' غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہنے لگا تو دین کا بُرا وزیر ہے' تو بہت ہی بُرا دینی وزیر ہے۔

پھر اُچھل کر کھڑا ہوگیا اور تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے اپنے عظیم والد کی طرف روانہ ہوگیا۔ جاتے ہی دربان کو کہنے لگا' مجھے انتہائی ضروری کام ہے لہٰذا والد گرامی سے میرے لیے حاضری کی اجازت لو۔ دربان نے کہا' جناب! وہ بُری طرح تھکے ہوئے ہیں اور ابھی ابھی دوپہر کے آرام کے لیے لیٹے ہیں۔ عبدالملک نے اصرار کیا کہ میں اسی وقت ملاقات کرنا چاہتا ہوں اس لیے فوری طور پر اجازت طلب کرو۔ دربان کو غصہ تو بہت آیا کیونکہ وہ دیکھ چکا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز تھکاوٹ کے ہاتھوں نڈھال ہیں اور اس وقت انہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔ تاہم اس نے غصے پر قابو پاتے ہوئے ملائمت سے کہا' آپ لوگوں کو ان پر کچھ ترس نہیں آتا؟ آپ کے والد ماجد معمولی استراحت کے لیے دن

رات میں صرف اس گھڑی ہلکی سی نیند لیتے ہیں اور آپ ہیں کہ انہیں اس وقت بھی آرام نہیں کرنے دیتے۔ عبدالملک کا پارہ چڑھ گیا اس نے ڈانٹتے ہوئے بلند آواز سے کہا' تمہاری ماں نہ رہے! جاؤ' جا کر میرے لیے اجازت حاصل کرو۔

دربان نے بھی تندی دکھائی' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کی آوازوں کا شور سنا تو اندر سے آواز دی' عبدالملک کو آنے دو۔

عبدالملک بڑے پُرسکون انداز میں والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوا اور مؤدبانہ سلام عرض کرنے کے بعد کہنے لگا' ابا جان! آج آپ نے کیا عزم کیا ہے؟ حضرت عمر نے فرمایا' بیٹے! میرا ارادہ یہ ہے کہ سہلہ مسلمانوں کے بیت المال کو واپس کردوں۔ ان کا خیال تھا کہ میرا بیٹا اس فیصلے کے خلاف بات کرنے آیا ہے جو بہت سے وارثوں کے مفادات سے میل نہیں کھاتا مگر عبدالملک نے بعجلت تمام کہا' ابا جان! ہرگز تاخیر نہ کیجیے اور اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنا دیجیے! ابھی اُٹھیئے! اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں جو کچھ القاء کیا ہے اس کا اعلان کر دیجیے کیونکہ آپ کے الہامی عزم میں بھلائی ہی بھلائی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے بیٹے کے پاکیزہ کلمات سنے تو فرطِ مسرت سے ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ پڑے۔ انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان الفاظ سے ہدیۂ تشکر پیش کیا:

> "بے حد و حساب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے ایسی اولاد عطا فرمائی جو دینی معاملات اور مسلمانوں کے مفادات میں میری معاون و مددگار ہے۔"

بیٹے! تم نے صحیح کہا' اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق خیر عطا فرمائے اور ہر مصیبت سے محفوظ رکھے۔ میں نماز ظہر پڑھ کر برسر منبر سہلہ کے واپس کرنے کا اعلان کروں گا تاکہ خلیفہ کا یہ عمل دوسروں کے لیے بہترین رہنما ثابت ہو اور وہ بھی اس کے مطابق عمل پیرا ہوں۔

عبدالملک نے کہا' ابا جان! زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کی کیا ضمانت ہے کہ

آپ نمازِ ظہر تک زندہ رہیں گے؟ اور اگر آپ زندہ بھی رہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ظہر تک آپ کی نیت برقرار رہے گی؟ اور آپ تردد کا شکار ہو کر اپنا فیصلہ منسوخ نہیں کر دیں گے؟

حضرت عمرؒ کے جذبات تشکر کی طرح فرحت و انبساط کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا' انہیں ایسی روحانی سعادت کا احساس ہوا جس کا مقابلہ کوئی سعادت نہیں کر سکتی۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ جنت الفردوس میں محوخرام ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نمازِ ظہر پڑھ کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور عوام و خواص کے مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا' تم سب گواہ ہو جاؤ! میرے پاس جو سہلہ تھا' میں نے وہ مسلمانوں کے بیت المال کو واپس کیا۔ میں الہام فرمانے والے رب کریم جل شانہ کا شکر بے پایاں ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایسی طیب و طاہر اولاد عطا کی ہے جو دینی امور اور عامتہ المسلمین کے مفادات میں میرے دست و بازو ہیں۔

یہ تھی اسلامی تربیت جو بچوں کے دِلوں میں فضیلت اور ایثار و قربانی کی تخم ریزی کرتی تھی چنانچہ جب بچے جوان ہوتے تھے تو وہ اوصاف حمیدہ اور نیکی کی محبت کے پیکر بن جاتے تھے۔ وہ سخت ترین احتیاج اور ناداری کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے تھے اگرچہ انہیں تنگ دستی اور فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تاہم وہ اپنے والد اور رشتے داروں کو ایثار و قربانی کی تلقین کرتے تھے اور ان کا مقصد زندگی اور عزم صرف اور صرف ملتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود ہوتا تھا۔ (من عجات الخلود)

(۸۴)

شاہِ اسلام کا خط رومی کتّے کے نام

ہارون رشید نے روم کی شہزادی رنا کے ساتھ معاہدہ کیا تھا جس کا لقب اغسطہ تھا لیکن روم کے باشندگان نے اس کو معزول کر کے اپنا بادشاہ نقفور کو بنالیا جو ایک جری اور غیر محتاط انسان تھا جب روم کی زمامِ حکومت نقفور کے ہاتھ آئی تو رومیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کو توڑ ڈالا اور نقفور نے ہارون رشید کو یہ خط لکھا:

شاہِ روم نقفور کی جانب سے شاہِ عرب ہارون رشید کے نام!

امابعد!

مجھ سے پہلے روم کی زمامِ حکومت جس شہزادی کے ہاتھ میں تھی اس نے تجھے بہت زیادہ اہمیت دے رکھی تھی۔ وہ مرعوب ہو کر ایک عرصہ تک تجھے خراج ادا کرتی رہی حالانکہ سچی بات تو یہ ہے کہ تجھ جیسے لوگ اس دولت وثروت کے مستحق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ شہزادی نے صرف اپنے صنفِ نازک ہونے کے سبب تیرے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا کیونکہ عورتیں کمزوردل اور احمق ہوا کرتی ہیں لہٰذا جب میرا یہ خط تجھے ملے تو جو کچھ خراج شہزادی نے تجھے بھیج رکھا ہے وہ جلد از جلد میری خدمت میں واپس بھیج دے اور اس حکم کی تعمیل کر کے اپنا بچاؤ کر لے! ورنہ تیری سرکوبی اور ہماری جیت کا فیصلہ تلوار کرے گی۔

ہارون رشید نے شاہِ روم کا خط پڑھا تو اس کے چہرے پر سخت غصے کے آثار نمایاں ہو گئے اس نے ایک لمحہ سوچا اور پھر اسی خط کی پشت پر یہ تحریر لکھی:

"بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ مِنْ ھَارُوْنَ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِلٰی نَقْفُوْرَ کَلْبِ الرُّوْمِ قَدْ قَرَأْتُ کِتَابَکَ یَا ابْنَ الْکَافِرَۃِ..... وَالْجَوَابُ مَا تَرَاہُ دُوْنَ مَا تَسْمَعُہٗ ۔" وَالسَّلَامُ

''اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ مسلمانوں کے امیر ہارون رشید کی جانب سے رومی کتے نقفور کے نام! اے کافرماں کی اولاد! میں نے تیرا خط پڑھ لیا ہے...... اور اس کا جواب سننے سے نہیں بلکہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔'' والسلام

پھر ہارون رشید فوراً ہی اُٹھ کھڑا ہوا' جنگ کی تیاری کی اور اپنے لاؤلشکر کے ساتھ رومی سرحد میں داخل ہوکر رومی شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ رومی بادشاہ کی بیٹی کو اپنے حرم میں شامل کرلیا اور بہت سارا مالِ غنیمت اسے حاصل ہوا۔ نیز اس نے دشمن کے گھروں کو ویران کردیا اور باغات کو جلانے کا حکم دیا۔

جب شاہِ روم کو اپنی شکست نظر آئی تو اس نے ہارون رشید سے ہر سال خراج کی ادائیگی پر صلح کرنے کی درخواست کی۔ ہارون رشید نے اس کی درخواست منظور کرلی لیکن جب وہ واپسی میں شام کے علاقہ ''رقہ'' پہنچا تو نقفور نے اپنا معاہدہ توڑ ڈالا۔

ہارون رشید کو خبر ملی تو اس نے کہا: کیا اس نے عہد شکنی کردی؟

پھر وہیں سے ہارون رشید روم لوٹ گیا اور شاہِ روم کے آنگن میں اپنی سواری بٹھائی' نقفور سے اس کی عہد شکنی کے عوض کئی گنا بڑھا کر خراج لیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوکر واپس آیا۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ ہارون رشید نے اس وقت روم پر جو خراج عائد کیا تھا اس کی وجہ سے سلطنتِ روم کی کمر دسیوں سال تک سیدھی نہ ہوسکی۔ (البدایہ والنھایہ ۱۰/۱۹۴)

(۸۵)

گورنر مدائن حضرت سلمان فارسی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہما

جن دنوں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر تھے' ایک شخص ملک شام سے آیا اس کے پاس ڈھیر سارا مال تھا اس کی نظر حضرت سلمان پر پڑی۔ بھاری جسم' دراز قد' طاقت ور اور محنتی اس نے سوچا کہ یہ قلی ہے انہیں بلا کر کہا کہ یہ سامان اُٹھا کر میرے ساتھ چلو۔ حضرت سلمان فارسی نے اس شخص کا سامان اُٹھانے میں کچھ بھی عار محسوس نہیں کی۔ سامان اُٹھائے ہوئے جا رہے ہیں' چند افراد نے آگے بڑھ کر کہا' جناب گورنر! ہم یہ سامان اُٹھا لیتے ہیں۔

سامان کے مالک نے انہیں گورنر کے لقب کے ساتھ پکارتے ہوئے سنا تو حیران رہ گیا۔ ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ گورنر ہیں۔ وہ شخص شرم و حیا سے پانی پانی ہو گیا اس نے شدید افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا جناب! میں آپ سے واقف نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے' میرا سامان دے دیجیے!

حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ میں تمہارا سامان تمہارے گھر پہنچائے بغیر نہیں دوں گا اور فرمایا کہ میں نے یہ کار خیر تین مقاصد کے پیش نظر کیا ہے:

(۱) تکبر اور غرور میرے قریب نہ آنے پائے۔

(۲) میں نے ایک مسلمان بھائی کی امداد کی ہے۔

(۳) تم اگر مجھ سے کام نہ لیتے تو مجھ سے کمزور کسی شخص سے کام لیتے اس لیے میں نے مناسب جانا کہ خود ہی یہ کام انجام دے دوں۔ (ایک عربی ڈراما سے ماخوذ)

☆......زمین و آسمان کے خالق نے انسان کو پیدا کیا اس کا مقدر بھی لکھ دیا' دولت مند کو آسودگی ملی' غریب کو فاقہ مستی' ایک میں تھا کہ خالق نے مجھے سیاہ رنگت دے دی' دنیا کے کسی خطے نے مجھے گوارہ نہ کیا' گورے نے مجھے بیڑیاں ڈال دیں اور نفرت سے کہا: ''تم کالے ہو' تم غلام ابن غلام ہو' میرے مویشی چراؤ اور میری زمینوں پر ہل چلاؤ کیوں کہ تم محکوم ہو''۔ میں نسل در نسل پستا رہا پھر اچانک عرب کے صحرا سے بے آب و گیاہ میدان سے ایک پیکر رحمت اُٹھا اس نے ہاتھ پھیلا کر مجھے بلایا اور کہا: ''میری جانب بڑھو کہ آج کے بعد کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت نہ ہو گی۔'' وہ کون تھا؟ جس نے مجھے رحمت کی آغوش میں لے لیا۔ محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بلال حبشی کا آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ دراصل انگریزی کی اس نظم کا مفہوم و مطلب ہے جو ہیلی فیکس (برطانیہ) میں میلادِ مصطفیٰ کے جلوس کے اختتام پر ایک بڑے میدان میں انعقاد پذیر عظیم اجتماع میں ایک حبشی نژاد کالے مسلمان نے پڑھی تھی اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس اجتماع میں انگریز بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ یہ نثری نظم موجودہ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ان شاء اللہ ایک نورانی کرن ثابت ہو گی ویسے بھی اس کا متن بڑا روح پرور اور دل کش و دل نشین ہے۔

(روزنامہ نوائے وقت ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۱ء مترجم: عطاء المصطفیٰ جمیل قادری)

(۸۶)

ایک نرالا اندازِ وعظ و نصیحت

محمد اسدی کے والد ابوبکر کا بیان ہے کہ میں نے جس سال حج کیا اسی سال ابوالقاسم البغوی اور ابوبکر الادمی القاری نے بھی حج کیا جب ہم نے حج کے فرائض ادا کر لیے تو مدینہ منورہ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ مدینہ میں ایک دن ابوالقاسم البغوی میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے:

اے ابوبکر! مسجد نبوی کے ایک گوشے میں اندھے آدمی نے اپنی مجلس قائم کر رکھی ہے اور حاضرین کو من گھڑت قصے اور موضوع احادیث سنا رہا ہے کیوں نہ ہم لوگ اس کی مجلس میں چلیں اور اسے وعظ کرنے سے روکیں؟ میں نے کہا:

ابوالقاسم! ابھی ہماری حالت اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ حاضرینِ مجلس ہماری بات سننے پر آمادہ ہو جائیں گے اور اندھے کی چٹ پٹی باتیں چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو جائیں۔ نیز اس وقت ہم بغداد میں نہیں ہیں جہاں ہماری اپنی ایک پہچان ہے اور لوگ ہماری بات سنتے ہیں یہاں ہم غریب الوطنوں کی بات کون سنے گا؟ ہاں البتہ اس کی بجائے کوئی دوسری مناسب صورت نکالی جا سکتی ہے۔

یہ کہہ کر میں نے ابوبکر الادمی کا ہاتھ پکڑا جو اچھے قاری تھے اور آگے بڑھا کر کہا:

چلیے' تلاوت کلام پاک کیجیے۔

انہوں نے جونہی تلاوتِ کلامِ پاک شروع کی آہستہ آہستہ لوگ اندھے کی مجلس

سے اُٹھ کر ہماری مجلس میں منتقل ہونے اور ابوبکر کی قرأت سے محظوظ ہونے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں اندھے کی مجلس خالی نظر آنے لگی اور اب تمام حاضرین ہماری مجلس کی زینت بنے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر اندھے نے اپنے قائد سے کہا:

"خُذْ بِيَدِیْ، فَهٰكَذَا تَزُوْلُ النِّعَمُ."

"میرا ہاتھ پکڑ کر گھر لے چلو نعمتیں اسی طرح زوال پذیر ہوتی ہیں۔"

(کتاب الاذکیا لابن جوزی ص ۱۳۹)

إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

حرره محمد علی زاهد

(۸۷)

غزوۂ احزاب میں مولیٰ علی کی شجاعت

جنگِ احزاب میں تمام عرب قبائل نے مل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جڑ سے ختم کر دینے کا منصوبہ بنایا تھا چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مشرکوں، یہودیوں، نصرانیوں اور منافقوں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ چاروں طرف سے دشمنانِ اسلام اسلام کی بیخ کنی کے لیے اُمڈ پڑے تھے ادھر مدینہ میں دو بڑی خائن جماعتوں نے عین موقع پر مسلمانوں کے ساتھ دغابازی کی تھی۔ ایک یہودیوں کی جماعت اور دوسری منافقین کی جماعت۔

(ایک دوسرے انداز میں اس سے پہلے بھی یہ واقعہ بیان ہو چکا) محاصرے کے دوران ایک بہادر جنگجو عمرو بن عبدود کافروں کی طرف سے اکڑتا ہوا نکلا اور اس نے مسلمانوں کو للکارتے ہوئے بلند آواز سے کہا:

"مَنْ يُبَارِزُنِيْ أَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ؟"

"اے مسلمانو! تم میں سے کون مجھ سے مقابلہ کرے گا؟"

تمام مسلمان اس کی للکار سن کر خاموش تھے۔ عمرو بن عبدود نے دوبارہ للکارتے ہوئے کہا: ہے کوئی جو اس مجمع کے سامنے میرا مقابلہ کر سکے؟

مسلمان اس للکار کو سن کر بھی خاموش رہے اور کوئی اس کے مقابلے کے لیے نہیں نکلا لیکن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اللہ کے اس دشمن کی للکار کو اسلام کی شان میں بہت بڑی گستاخی سمجھا اور بول اُٹھے: میں اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں اے

اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلہ آرائی سے پیچھے نہیں رہتے تھے بلکہ وہ اسلام کی سربلندی کے لیے ہمہ تن اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار رہتے تھے۔

أَرْوَاحُنَا يَا رَبِّ فَوْقَ أَكُفِّنَا   نَرْجُو ثَوَابَكَ مَغْنَمًا وَجِوَارًا

''اے پروردگار! ہماری جانیں ہر وقت ہماری ہتھیلیوں پر ہی رہتی ہیں (اور ہم ہر وقت انہیں تیرے دین کی سربلندی کی خاطر قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں) ہم غنیمت اور قربت کے طور پر تیرے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''اِنَّهُ عَمْرُو بْنُ عَبْدِوُدٍّ۔''

''یہ عمرو بن عبدود ہے (کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ بڑا بہادر ہے)''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

''وَلَوْ كَانَ عَمْرُو بْنُ عَبْدِوُدٍّ''

''اگرچہ عمرو بن عبدود ہے (مجھے اس کی طاقت و جوانمردی کی کوئی پرواہ نہیں ہے)''

چنانچہ اس کے مقابلے کے لیے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میدانِ کارزار میں کود پڑے' دونوں جنگجو آمنے سامنے ہوئے اور دونوں طرف سے تابڑ توڑ تلواریں چلنے لگیں' تلواریں ٹکرا رہی تھیں اور ان کی چمک سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں' ان کے اردگرد کی فضا گرد آلود ہو چکی تھی ادھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگ رہے تھے۔ اتنے میں گرد و غبار ختم ہوا اور لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ عمرو بن عبدود کے سینے پر بیٹھے ہوئے ہیں اس کا سرتن سے جدا کر دیا ہے اور ان کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھتے ہی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور آپ کے ساتھ دیگر مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ (البدایہ والنھایہ لابن کثیر' سیرت ابن ھشام)

(۸۸)

معاف کرنے کی شاندار مثال

ابراہیم بن مہدی نے رے میں خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا' وہ ایک سال گیارہ مہینے اور بارہ دن بلا شرکت غیرے اس علاقے کے مالک رہے اس دوران انہیں بہت سے واقعات پیش آئے۔ ایک واقعہ خود انہی کی زبانی سنیے:

مامون مجھے گرفتار کرنے کے لیے رے پہنچا اس نے آتے ہی اعلان کر دیا کہ جو مجھے گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کرے گا اسے ایک لاکھ درہم بطورِ انعام دیے جائیں گے۔ مجھے اپنی جان کی فکر لاحق ہو گئی اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں؟ وہ ایک گرم دن تھا جب میں ظہر کے وقت گھر سے نکلا' مجھے کچھ پتہ نہ تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟ چلتے چلتے میں ایسی گلی میں جا نکلا جو آگے سے بند تھی۔ میں نے کفِ افسوس ملتے ہوئے کہا' اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ : اگر میں واپس لوٹتا تو میرے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو جائے۔

میں نے گلی کے کنارے ایک دروازے کے سامنے سیاہ فام غلام کو کھڑے ہوئے دیکھا' میں اس کے پاس چلا گیا اور اس سے پوچھا' کیا تمہارے پاس کچھ جگہ ہے؟ جہاں میں ایک گھڑی آرام کر سکوں اس نے کہا' ہاں! اور دروازہ کھول دیا۔ وہ اجلا اجلا گھر تھا جس میں بستر بچھے ہوئے تھے' تکیے قرینے سے لگے ہوئے تھے اور کچھ صاف ستھری کھالیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ مجھے بٹھا کر دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ میں نے سوچا کہ شاید

اسے انعام کی خبر مل چکی ہے اور اب وہ مخبری کرنے گیا ہے اس وقت میری کیفیت یہ تھی کہ میں انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔

اسی حالت میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا پھر وہ اچانک آ گیا اس کے ساتھ ایک مزدور تھا جس نے روٹی' گوشت' نئی ہنڈیا' نیا گھڑا' نئے لوٹے اور ضرورت کی ہر چیز اٹھا رکھی تھی اس نے سب چیزیں مزدور کے سر سے اُتاریں اور میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے! میں حجام ہوں اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے ذریعۂ معاش کی بناء پر مجھ سے گھن محسوس کریں گے۔ آپ یہ چیزیں لے لیجیے جنہیں کسی نے استعمال نہیں کیا۔

اور واقعی مجھے کھانے کی حاجت تھی۔ میں نے خود سالن تیار کیا' مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی اتنا لذیذ کھانا کھایا ہو اس نے کہا' کیا آپ مشروب کا شوق فرمائیں گے؟ اس سے غم دُور ہو جاتا ہے۔ میں نے اس کا دل رکھنے کے لیے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے اس نے بالکل نیا جام اور مشروب لا کر پیش کیا اور کہنے لگا' اپنے لیے مشروب تیار کیجیے۔ میں نے اپنے لیے مشروب تیار کیا' وہ بہترین مشروب تھا اس کے علاوہ اس نے مٹی کی نئی پلیٹوں میں سجا کر مختلف پھل اور سبزیاں پیش کیں۔

پھر اس نے کہا' اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک گوشے میں بیٹھ کر کیف و سرور حاصل کر لوں۔ میں نے کہا' اجازت ہے۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا: جناب! میری یہ حیثیت تو نہیں ہے کہ میں آپ سے گانے کی فرمائش کر سکوں لیکن آپ کے اخلاقِ کریمانہ پر میری عزت و حرمت لازم ہو چکی ہے اگر آپ اپنے غلام کو یہ شرف بخشنا چاہیں تو بخش دیں۔ میں نے کہا' تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ مجھے گانا آتا ہے۔ کہنے لگا' سبحان اللہ! میرے آقا تو بہت مشہور شخصیت ہیں۔ آپ ابراہیم بن مہدی ہیں جو کل ہمارے خلیفہ تھے' آپ کی اطلاع دینے والے کے لیے مامون نے ایک لاکھ درہم کا اعلان کر رکھا ہے۔

اس کی بات سن کر میری نگاہوں میں اس کی قدرومنزلت بڑھ گئی اور مجھے ماننا پڑا کہ یہ شخص بڑے بلند کردار کا مالک ہے پھر جلد ہی مجھے نیند نے آلیا اور میں مغرب کے بعد جا کر کہیں بے دار ہوا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ حجام کتنے نفیس مزاج کا مالک ہے؟ اور کتنے حسین اخلاق اور آداب کا حامل ہے؟ میں نے اُٹھ کر ہاتھ اور منہ دھوئے اور اسے بھی جگا دیا۔ میرے پاس تھیلی میں قیمتی دینار تھے' میں نے وہ تھیلی اس کی طرف پھینک دی اور اسے کہا' میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ میں تمہارے پاس سے رخصت ہو رہا ہوں۔ میری تم سے درخواست یہ ہے کہ اس تھیلی میں جو کچھ ہے اسے اپنی ضروریات پر خرچ کر لینا اور اگر میں خطرے کی زد سے نکل گیا تو تمہیں مزید انعام دوں گا اس نے وہ تھیلی ناگواری کے ساتھ مجھے واپس کر دی۔ اور کہنے لگا میرے آقا! آپ جیسے بڑے لوگوں کے ہاں ہم جیسے ناداروں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ زمانے نے مجھے آپ کا قرب عطا کیا ہے اور آپ کی تشریف آوری کا مجھے شرف بخشا ہے۔ کیا میں اس کا معاوضہ قبول کرلوں؟ خدا کی قسم! اگر آپ نے دوبارہ یہ پیشکش کی تو میں خودکشی کرلوں گا چنانچہ میں نے تھیلی اپنے پاس رکھ لی لیکن مجھے وہ بوجھل محسوس ہو رہی تھی۔

جب میں چلنے لگا تو وہ کہنے لگا: آقا! یہ مکان آپ کے لیے دوسری جگہوں سے زیادہ محفوظ ہے اور آپ کے اخراجات کا مجھ پر کوئی بوجھ بھی نہیں ہے۔ آپ میرے ہاں قیام کیجیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرما دے چنانچہ میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور اسے کہا کہ اس تھیلی میں جو کچھ ہے اسے خرچ کرو لیکن اس نے انکار کر دیا۔ میں نے چند دن بہترین خوش حالی میں اس کے پاس گزارے پھر میں اس کے پاس قیام کرنے سے اُکتا گیا اور مجھے اس پر بوجھ بننا اچھا نہیں لگا۔

وہ اشیاء ضروریہ لینے گیا تو میں وہاں سے چل دیا' میں نے زنانہ لباس پہنا اور نکل کھڑا ہوا جب میں شارع عام پر آیا تو مجھ پر شدید خوف طاری ہو گیا۔ میں نے ایک پل سے گزرنے کا ارادہ کیا میں جہاں سے گزر رہا تھا وہاں پانی کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ اچانک

ایک فوجی نے مجھے دیکھ کر پہچان لیا اور کہنے لگا اسی کی مامون کو تلاش ہے یہ وہی فوجی تھا جو کسی وقت میری خدمت کیا کرتا تھا۔

اس فوجی نے مجھے دبوچ لیا' میں نے اسے اس کے گھوڑے سمیت دھکا دے کر پھسلن میں پھینک دیا۔ وہ تماشہ بن گیا' بہت جلد لوگوں کا ہجوم اس کے گرد جمع ہو گیا جس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے میں تیزی سے پل کے پار پہنچ گیا' چلتے چلتے ایک گلی میں داخل ہوا' میں نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے دروازے کی دہلیز پر کھڑی ہے۔ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا' اے عورتوں کی سردار! مجھے پناہ دو کیونکہ میری جان کو خطرہ لاحق ہے اس نے کہا' میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں اس نے مجھے ایک بالا خانے میں پہنچا دیا جس میں فرش بچھا ہوا تھا اس نے کھانا لا کر پیش کیا اور کہنے لگی' اطمینان رکھیے! کسی کو آپ کے بارے میں علم نہیں ہے اچانک دروازہ پوری قوت سے کھٹکھٹایا گیا اس عورت نے جا کر دروازہ کھولا تو باہر وہی شخص تھا جس میں نے پل پر دھکا دیا تھا اس کا سر پھٹا ہوا تھا' کپڑے خون آلود تھے اور گھوڑا غائب تھا۔ عورت نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا حادثہ پیش آ گیا؟ اس نے کہا وہ میرے ہاتھ آ گیا تھا لیکن بچ نکلا اس نے وہ تمام واقعہ بیان کر دیا جو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ عورت نے کچھ دھجیاں نکال کر اس کی مرہم پٹی کی اس کے لیے بستر بچھایا' تکلیف کے باوجود وہ سو گیا عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ تمہارے ساتھ ہی پیش آیا ہے۔ میں نے کہا' ہاں اس نے کہا' آپ فکر نہ کریں اس کے باوجود اس نے میری عزت و تکریم میں اضافہ کر دیا۔ میں تین دن اس کے پاس رہا پھر اس نے کہا' مجھے اس شخص سے تمہارے بارے میں تشویش ہے' مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ آپ کی مخبری نہ کر دے اس لیے اپنی جان بچانے کی فکر کیجیے۔

میں نے اس سے رات تک کی مہلت لی' رات ہوئی تو میں زنانہ لباس پہن کر اس کے گھر سے روانہ ہو گیا۔ ہماری ایک کنیز ہوا کرتی تھی' میں اس کے گھر چلا گیا اس نے مجھے دیکھا تو رو پڑی اور بڑے دُکھ کا اظہار کیا' میری سلامتی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائی اور

یہ تاثر دے کر باہر چلی گئی کہ وہ ضیافت کا اہتمام کرنے کے لیے بازار جا رہی ہے' میں نے اس کے بارے میں اچھا گمان کیا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ مامون کے سوار اور پیادہ کارندوں نے مجھے گھیرے میں لے لیا ہے۔ کنیز نے مجھے ان کے حوالے کر دیا۔ مجھے آنکھوں کے سامنے موت ناچتی ہوئی دکھائی دی' مجھے اسی زنانہ لباس میں مامون کے پاس لے جایا گیا۔ مامون نے دربارِ عام لگایا اور مجھے اس کے سامنے پیش کر دیا گیا جب میں اس کے سامنے پہنچا تو میں نے کہا' السلام علیکم! اے خلیفۃ المسلمین! اس نے کہا' اللہ تجھے سلامتی' زندگی اور رعایت عطا نہ فرمائے۔ میں نے کہا' امیر المومنین! ذرا ٹھہریے! بے شک انتقام کے مالک کو بدلہ لینے کا اختیار دیا گیا ہے لیکن معاف کر دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر معافی سے بلند مقام عطا فرمایا ہے جیسے کہ میرا گناہ ہر گناہ سے برتر ہے۔ اگر آپ انتقام لیں تو یہ آپ کا حق ہے اور اگر آپ معاف کر دیں تو آپ کا احسان ہے پھر میں نے یہ اشعار پڑھے:

ذَنْبِیْ اِلَیْكَ عَظِیْمٌ وَاَنْتَ اَعْظَمُ مِنْهُ

فَخُذْ بِحَقِّكَ اَوْلَا فَاصْفَحْ بِحِلْمِكَ عَنْهُ

اِنْ لَّمْ اَكُنْ فِیْ فِعَالِیْ مِنَ الْكِرَامِ فَكُنْهُ

☆......میرا گناہ آپ کی نظر میں بڑا ہے لیکن آپ تو اس سے بھی بڑے ہیں۔

☆......آپ اپنا حق لیں یا نہ لیں' اسے اپنے حلم سے معاف کر دیں۔

☆......اگر میں اپنے افعال و کردار میں شریف لوگوں میں سے نہیں ہوں' آپ تو اصحابِ کرم کا رویہ اختیار کریں۔ مامون نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا تو میں نے فوراً کہا:

اَتَیْتُ ذَنْبًا عَظِیْمًا وَاَنْتَ لِلْعَفْوِ اَهْلٌ

فَاِنْ عَفَوْتَ فَمَنٌّ وَاِنْ جَزَیْتَ فَعَدْلٌ

☆......میں نے بڑے گناہ کا ارتکاب کیا اور آپ معاف کرنے کے لائق ہیں۔

☆......اگر آپ معاف کر دیں تو احسان ہے اور اگر سزا دیں تو عین انصاف ہے۔

مامون پر رقت طاری ہو گئی، مجھے اس کے انداز و اطوار سے رحم و کرم کی خوشبو محسوس ہوئی پھر مامون نے اپنے بیٹے عباس اپنے بھائی ابو اسحاق اور تمام حاضرین خواص کی طرف متوجہ ہو کر کہا تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ سب نے میرے قتل کرنے کا مشورہ دیا البتہ اس میں اختلاف تھا کہ کس طرح قتل کیا جائے پھر مامون نے احمد بن ابی خالد سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا، امیر المومنین! اگر آپ اسے قتل کر دیں تو ہمیں ایسی مثال مل جائے گی کہ آپ جیسی شخصیت نے اس جیسے باغی کو قتل کیا ہو اور اگر آپ اسے معاف کر دیں تو ہمیں اس کی نظیر نہیں ملے گی کہ آپ جیسے بااختیار بادشاہ نے ایسے مجرم کو معاف کیا ہو۔ مامون نے چھڑی کے ساتھ زمین کو کریدتے ہوئے متفکرانہ لہجے میں یہ شعر پڑھا

قَوْمِیْ هُمْ قَتَلُوْا اُمَیْمَ اَخِیْ
فَاِذَا رَمَیْتُ یُصِیْبُنِیْ سَهْمِیْ

☆......امیمہ! (بیوی کا نام) یہ میری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے اگر میں اسے نشانہ بناؤں تو مجھے ہی تیر لگے گا۔

میں نے اپنے سر سے دوپٹہ اُتار دیا اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر لگایا اور کہا بخدا! امیر المومنین نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ مامون نے کہا'' چچا جان! آپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میں نے کہا، امیر المومنین! میرا جرم اتنا بڑا ہے کہ میں معذرت بھی زبان پر نہیں لا سکتا اور آپ کا فرمان اتنا عظیم ہے کہ میں اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ آپ کے معاف کرنے کے سامنے میرے شکریے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تاہم میں اتنا ضرور کہوں گا:

اِنَّ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَكَارِمَ حَازَهَا فِیْ صُلْبِ اٰدَمَ لِلْاِمَامِ السَّابِعِ
مُلِئَتْ قُلُوْبُ النَّاسِ مِنْهُ مَهَابَةً وَتَظَلُّ تَكْلَؤُهُمْ بِقَلْبٍ خَاشِعِ

مَا اِنْ عَصَیْتُکَ وَالْغُوَاۃُ تُمِدُّنِیْ اَسْبَابُھَا اِلَّا بِنِیَّۃِ طَائِعِ

فَعَفَوْتَ عَمَّنْ لَّمْ یَکُنْ عَنْ مِّثْلِہٖ عَفْوٌ وَّلَمْ یَشْفَعْ اِلَیْکَ بِشَافِعِ

وَرَحِمْتَ اَطْفَالًا کَاَفْرَاخِ الْقَطَا وَحَنِیْنَ وَالِدَۃٍ بِقَلْبٍ جَازِعِ

☆......بے شک کمالات کے خالق نے جملہ فضائل' آدم علیہ السلام کی پشت میں ساتویں امام (مامون) کے لیے جمع کر دیے ہیں۔

☆......لوگوں کے دل اس کے رعب اور دبدبے سے بھرے ہوئے ہیں اور (اے امیرالمومنین) آپ خضوع وخشوع والے دل سے ان کی حفاظت کر رہے ہیں۔

☆......جب گمراہوں کے اسباب میری امداد کر رہے تھے اس وقت بھی میں نے ایک فرمانبردار کی نیت سے آپ کی نافرمانی کی تھی (یعنی میری نیت یہی تھی کہ دوبارہ فرمانبردار بن جاؤں گا)

☆......آپ نے ایسے شخص کو معاف کیا کہ اس جیسوں کو معاف نہیں کیا جاتا اور اس نے کوئی سفارشی بھی تو پیش نہیں کیا تھا۔

☆......آپ نے بھٹ تیتر (ایک پرندہ) کے چوزوں ایسے بچوں اور پریشان عقل ماں کے رونے پر رحم کیا۔

مامون نے کہا' آج تم پر کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہے' میں نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہارا مال اور تمہاری جائے داد تمہیں واپس کر دی۔

میں نے کہا:

رَدَدْتَّ مَالِیْ وَلَمْ تَبْخَلْ عَلَیَّ بِہٖ وَقَبْلَ رَدِّکَ مَالِیْ قَدْ حَقَنْتَ دَمِیْ

فَلَوْ بَذَلْتُ دَمِیْ اَبْغِیْ رِضَاکَ بِہٖ وَالْمَالَ حَتّٰی اَسُلَّ النَّعْلَ مِنْ قَدَمِیْ

مَا کَانَ ذَاکَ سِوٰی عَارِیَۃٍ رَّجَعَتْ اِلَیْکَ لَوْ لَمْ تُعِرْھَا کُنْتَ لَمْ تُلَمِ

فَاِنْ جَحَدْتُکَ مَا اَوْلَیْتَ مِنْ کَرَمٍ

اِنِّیْ اِلَی اللُّوْمِ اَوْلٰی مِنْکَ بِالْکَرَمِ

☆......آپ نے میرا مال مجھے واپس کر دیا اور کسی بخل سے کام نہیں لیا اور میرا مال واپس کرنے سے پہلے آپ نے میری جان بخشی کی۔

☆......اگر میں آپ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنا خون اور سارا مال بھی خرچ کر دوں یہاں تک کہ پاؤں کے جوتے بھی اُتار دوں۔

☆......تو یہ عاریتاً دی ہوئی چیز ہوگی جو آپ کی طرف لوٹ جائے گی اور آپ اسے عاریتاً نہ دیں تو آپ پر کوئی ملامت نہ ہوگی (یعنی میری جان اور مال آپ کی ملکیت ہیں اگر میں آپ کو پیش بھی کر دوں تو یہ آپ ہی کی چیز آخر آپ کے حوالے کرنا ہوگی)

☆......آپ نے ازراہِ کرم جو کچھ مجھے عنایت کیا ہے میں اگر اس کا انکار کر دوں (اور شکریہ ادا نہ کروں) تو آپ جس قدر جود و سخا کے قریب ہیں میں اس سے زیادہ کمینگی کے قریب ہوں گا (یعنی یہ میری انتہائی رذالت ہوگی)

مامون نے کہا' کچھ کلام موتیوں جیسے ہوتے ہیں' یہ بھی ایسا ہی کلام ہے اس نے مجھے خلعت عطا کی اور کہا' چچا ابواسحاق اور عباس (مامون کے بھائی اور بیٹے) نے تو تمہارے قتل کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے کہا: امیر المومنین! انہوں نے ناصحانہ و ہمدردانہ مشورہ دیا تھا اور آپ نے وہ کچھ کیا جو آپ کے شایانِ شان تھا اور آپ نے میری توقع پوری کر کے میرا خوف و ہراس دُور کر دیا۔ مامون نے کہا' تم نے جاندار عذر پیش کر کے میرا تمام غصہ ختم کر دیا۔ میں نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہیں سفارشیوں کے احسان کی تلخی نہیں چکھائی۔

پھر مامون نے طویل سجدہ کیا اور سر اُٹھا کر کہا' چچا! آپ جانتے ہو میں نے سجدہ کیوں کیا؟ میں نے کہا' اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے کہ اس نے آپ کو آپ کی حکومت کے دشمن پر غلبہ عطا کیا۔ مامون نے کہا' میرا یہ ارادہ نہ تھا بلکہ اس امر کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ تمہیں معاف کر دوں اب تم اپنی سرگزشت بیان کرو۔ میں نے اپنے حالات تفصیلاً بیان کیے۔ مامون نے حکم دیا کہ فوجی

کی بیوی کو حاضر کیا جائے اور یہ کہتے ہوئے اسے اپنے محل میں قیام کی جگہ دی کہ یہ دانش ورخاتون ہے اور اس لائق ہے کہ اہم امور انجام دے۔ حجام کو بھی حاضر کیا اور اسے کہا' تمہارے اخلاق کی عظمت سامنے آچکی اور اس کا تقاضہ ہے کہ تمہیں بھرپور انعام واکرام سے نوازا جائے۔ چنانچہ اسے بہترین لباس پہنایا گیا اور تاحیات سالانہ ایک ہزار دینار اس کا وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔

(زندہ جاوید خوشبوئیں' علامہ عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ' ترجمہ من نفحات الخلود للشیخ السید محمد صالح فرفور دمشقی علیہ الرحمہ)

(۸۹)

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ

حدیث پاک میں ہے کہ ''جو شخص حضور نبی پاک' صاحب لولاک' سیاح افلاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند کی حالت میں درود پاک پڑھتا ہے' اسے بےدار ہونے سے پہلے بخش دیا جاتا ہے۔'' جیسا کہ امیر المومنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہوا (آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت سیدتنا سلمٰی بنت صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں) آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کے ابتدائی حصہ میں اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق سے کچھ گفتگو فرمائی' انہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتیں بہت بھلی لگیں' رات طویل ہوگئی اور آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ سوگئیں جب انہوں نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے استفسار فرمایا: ''تمہارا کیا حال ہے؟'' عرض کی: ''یارسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم! میں تو خیریت سے ہوں مگر یہ میری ماں ہے اس کے بغیر میرا کوئی نہیں' اے تمام لوگوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ عزوجل ان کو اسلام کی توفیق عطا فرمادے۔'' پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کو کشادہ کیا' ہونٹوں سے دھیمی دھیمی آواز نکالی اور ان کے لیے دعا کی تو وہاں موجود ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم و

رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ”اللہ عزوجل کی قسم! ہم نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ کو حالتِ نیند میں کلمہ شہادت پڑھتے سنا“ اور جب وہ بے دار ہوئیں تو بلند آواز سے پڑھا: ”اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ“ یعنی میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں اور (حضرت سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔“ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ کو حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں بے داری سے پہلے ہی بخش دیا گیا۔

اسی کی مثل کئی لوگوں کے بے شمار واقعات ہیں جو پہلے مسلمان نہ تھے پھر انہوں نے خواب میں سرکارِ والا تبار، ہم بے کسوں کے مددگار، شفیع روزِ شمار، دو عالم کے مالک و مختار، باذنِ پروردگار عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھا پھر جب وہ بے دار ہوئے تو ان کی بخشش ہو چکی تھی۔

هَنِيْئًا لِعَيْنٍ قَدْ رَأَتْ نُوْرَ اَحْمَدَ ۔۔۔ وَفَازَتْ جِهَارًا مِّنْهُ بِالْحُسْنِ وَالرُّؤْيَا

وَقَدْ اَسْعَدَ الرَّحْمٰنُ عَبْدًا دَعَالَهٗ ۔۔۔ فَاَضْحٰى سَعِيْدًا فِى الْمَمَاتِ وَفِى الْمَحْيَا

وَبَدَّلَ دِيْنَ الشِّرْكِ بِالنُّوْرِ وَالْهُدٰى ۔۔۔ بَلَغَ مَا يَهْوٰى مِنَ الدِّيْنَ وَالدُّنْيَا

وَفَازَ بِرُؤْيَا الْمُصْطَفٰى سَيِّدِ الْوَرٰى ۔۔۔ نَبِيٌّ حَبَاهُ اللّٰهُ بِالرُّتْبَةِ الْعُلْيَا

عَلَيْهِ صَلٰوةُ اللّٰهِ مَا طَافَ طَائِفٌ ۔۔۔ بِمَكَّةَ بَيْتِ اللّٰهِ قَصْدًا اَتٰى سَعْيَا

صَلٰوةٌ شَذَاهَا عِطْرُ الْكَوْنِ جَهْرَةً ۔۔۔ فَمَنْ قَاسَهَا بِالْمِسْكِ يَوْمًا فَمَا اسْتَحْيَا

ترجمہ: (۱) مبارک ہو اس آنکھ کو جس نے نورِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جلوہ دیکھا اور خواب میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ سرمدی (یعنی دائمی حسن) کو بلاحجاب دیکھنے میں کامیاب ہو گئی۔

(۲) رحمٰن عزوجل نے اس بندے کو نیک بخت کیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

لیے دعا کی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھا) تو وہ زندگی اور موت میں سعادت مند ہو گیا۔

۳) اور اس نے شرک والے دین کو نور وہدایت سے بدل لیا اور دین ودنیا کی بلندیوں کو پالیا۔

۴) اور وہ مخلوق کے سردار مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی بدولت کامیاب ہو گیا جو ایسے نبی علیہ السلام ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے بغیر کسی بدلے کے بلند وبالا مرتبہ عطا فرمایا۔

۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ عزوجل کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں جب تک مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً وتکریماً میں طواف کرنے والے بیت اللہ شریف کے طواف کا قصد کرتے رہیں۔

۶) درودِ پاک کی خوشبو واضح طور پر کائنات کا عطر ہے تو جس نے کسی دن کستوری کے ساتھ اس کا موازنہ کیا تو کیا اس کو شرم نہ آئی۔

(الروض الفائق فی المواعظ والرقائق الشیخ شعیب حریفیش المتوفی ۸۱۰ھ)

دُنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
مَیں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

(۹۰)

شاہِ اسکندریہ کا پیغام مسلمانوں کے نام

اسلامی لشکر جب اسکندریہ میں خیمہ زن ہوا تو شاہِ اسکندریہ نے لشکر اسلامی کے سپہ سالار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے تبادلہ خیال کے بعد اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"تمہارے پیغمبر کا کہنا بالکل سچ ہے، تمہارے پیغمبر ہی کی طرح ہم لوگوں میں بھی پیغمبروں کی بعثت ہوتی رہی، ہم ان کی تعلیمات پر برابر گامزن رہے لیکن آگے چل کر ہمارے درمیان ایسے ایسے بادشاہوں کا ظہور ہوا جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو فرسودہ قرار دے کر نفسانی خواہشات کو بروئے کار لانا اپنا شیوہ اور مقصد زندگی بنا لیا۔ نتیجتاً ہم ثریا کی بلندی سے ذلت و رسوائی کے عمیق گڑھے میں جا گرے اور دوسری قومیں ہم پر چڑھ دوڑیں لہٰذا اگر تم لوگ اپنے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشن تعلیمات کو گلے سے لگائے رکھو گے تو تم سے جنگ مول لینے والا ہر کوئی شکست و ذلت سے دوچار ہوگا اور تم ہمہ وقت فتح و کامرانی کے پرچم لہراتے رہو گے اور جو کوئی بھی تم سے ٹکرانے کی کوشش کرے گا اس کا تاج تمہارے جوتوں کی ٹھوکروں میں ہوگا لیکن اگر تم بھی اپنے پیغمبر کی تعلیمات کو فراموش کر کے بے عمل ہو جاؤ گے اور ہماری ہی طرح اپنی خواہشات کے پجاری بن جاؤ

گے تو پھر ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی رکاوٹ نہ رہے گی اور اس وقت تم مسلمان لوگ ہم سے نہ تو تعداد میں زیادہ ہو گے اور نہ ہی قوت وسطوت میں۔"

مسلمانوں کے سپہ سالار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ گفتگو سن کر کہا:

فَمَا كَلَّمْتُ رَجُلًا أَذْكَرَ مِنْهُ ا: أَدْهٰى مِنْهُ"

"اس سے زیادہ معاملہ فہم اور ہوشیار آدمی سے بات کرنے کا مجھے کبھی اتفاق نہیں ہوا۔"

(۹۱)

درودِ پاک پڑھنے والے پر انعامِ خداوندی

ایک بزرگ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میرا ایک گناہ گار پڑوسی تھا' نشہ کی وجہ سے اسے صبح وشام کا علم نہ ہوتا' میں اسے وعظ ونصیحت کرتا لیکن وہ قبول نہ کرتا' توبہ کی ترغیب دیتا مگر وہ توبہ نہ کرتا اس کے انتقال کے بعد میں نے اس کو خواب میں بلند مقام پر فائز دیکھا اس پر جنت کے اعزاز واکرام کا لباس تھا۔ میں نے اس سے دریافت کیا: ''کس کام کے سبب تو نے یہ مقام ومرتبہ پایا؟'' تو اس نے جواب دیا: ''میں ایک دن محفلِ ذکر میں حاضر ہوا تو میں نے ایک محدث (حدیث بیان کرنے والے) کو کہتے ہوئے سنا کہ ''جس شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بلند آواز سے درودِ پاک پڑھا اس کے لیے جنت لازم ہوگئی۔'' پھر انہوں نے پیارے آقا' مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر باآوازِ بلند درودِ پاک پڑھا' میں نے بھی ان کے ساتھ بلند آواز سے درودِ پاک پڑھا اور دیگر لوگوں نے بھی اپنی آوازوں کو بلند کیا تو اسی دن ہم سب کو بخش دیا گیا۔ مغفرت کا میرا یہ حصہ اللہ عزوجل نے مجھے اس نعمت (یعنی درودِ پاک کے پڑھنے) کی برکت سے عطا کیا ہے۔''

يَا فَوْزَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ فَإِنَّهٗ ۔۔۔ يَحْوِي الْأَمَانِيْ بِالنَّعِيْمِ السَّرْمَدِيْ

إِنْ شِئْتَ بَعْدَ الضَّلَالَةِ تَهْتَدِيْ ۔۔۔ صَلِّ عَلَى الْهَادِي النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ

يَا قَوْمَنَا صَلُّوْا عَلَيْهِ لِتَظْفَرُوْا ۔۔۔ بِالْبِشْرِ وَالْعَيْشِ الْهَنِيِّ الْأَرْغَدِ

وَيَخُصُّكُمْ رَبُّ الْاَنَامِ بِفَضْلِهٖ وَالْفَوْزِ بِالْجَنَّاتِ يَوْمَ الْمَوْعِدِ
صَلّٰى عَلَيْهِ اللّٰهُ جَلَّ جَلَالُهٗ مَا لَاحَ فِي الْاٰفَاقِ نَجْمُ الْفَرْقَدِ

ترجمہ: (۱) کامیاب وہ ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درودِ پاک پڑھا اس لیے کہ وہ ہمیشہ رہنے والی اور نعمت والی جگہ (یعنی جنت) میں خواہشات جمع کرتا ہے۔

۲) اگر تو گمراہی کے بعد ہدایت حاصل کرنا چاہے تو ہدایت دینے والے نبی حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درودِ پاک پڑھ۔

۳) اے لوگو! درودِ پاک پڑھو تا کہ کشادہ روئی اور آرام دہ مبارک زندگی پا کر کامیابی حاصل کرلو۔

۴) اور تا کہ تمہیں رب الانام عزوجل بروزِ قیامت اپنے فضل اور جنت (کو حاصل کرنے) کی کامیابی کے ساتھ خاص کردے۔

۵) آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ عزوجل درودِ پاک بھیجے جب تک آسمان کے کناروں میں فرقد (یعنی قطبی) ستارہ چمکتا رہے۔

(الروض الفائق فی المواعظ والرقائق)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا وَّاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا

اے اللہ! تو مجھے بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے

(۹۲)

عالمِ ربانی کی شان

مقام بن صالح خراسانی کا بیان ہے کہ میں حماد بن سلمہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے گھر میں دنیاوی آسائش کا کوئی ساز و سامان نہیں ہے صرف ایک چٹائی رکھی ہوئی تھی جس پر وہ بیٹھے ہوئے تھے' ہاتھ میں قرآن مجید تھا جس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ ایک تھیلا رکھا ہوا تھا جس میں چند کتابیں تھیں' ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جسے وہ وضو وغیرہ کے کام میں لاتے تھے۔

میں ان کی خدمت میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی' حماد بن سلمہ نے گھر میں موجود بچی سے کہا:

"یَا صَبِیَّۃُ! اُخْرُجِیْ فَانْظُرِیْ مَنْ ھٰذَا؟"

"بچی! ذرا جا کر دیکھنا دروازے پر کون ہے؟"

بچی نے آ کر بتایا کہ محمد بن سلیمان بن عبدالملک کا پیغامبر ہے۔

حماد بن سلمہ نے کہا: اسے آنے کی اجازت دو اور کہہ دینا کہ وہ تنہا آئے اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہ آئے۔

پیغامبر نے داخل ہوتے ہی محمد بن سلیمان کا ایک خط حماد بن سلمہ کے حوالے کیا۔ خط کا مضمون کچھ اس طرح تھا:

"محمد بن سلیمان کی طرف سے حماد بن سلمہ کے نام! اما بعد! اللہ تعالیٰ آپ کو بخیریت و عافیت رکھے جیسے اپنے نیک بندوں کو رکھتا ہے۔ بات دراصل یہ

ہے کہ ہمارے درمیان ایک مسئلہ چھڑ چکا ہے جس کے بارے میں آپ سے فتویٰ درکار ہے...... والسلام"

خط کا مضمون پڑھ کر بچی کو دوات لانے کا حکم دیا اور مقاتل بن صالح خراسانی سے کہا: خط کی پشت ہی پر اس کا جواب لکھو:

"اما بعد! اللہ تعالیٰ آپ کو بھی بخیر و عافیت رکھے جیسے اپنے نیک بندوں کو رکھتا ہے۔"

"اِنَّا اَدْرَكْنَا الْعُلَمَاءَ وَهُمْ لَا يَأْتُوْنَ اَحَدًا، فَاِنْ كَانَتْ وَقَعَتْ مَسْاَلَةٌ فَأْتِنَا وَسَلْنَا عَلٰى مَا بَدَا لَكَ، فَاِنْ اَتَيْتَنِىْ فَلَا تَأْتِنِىْ اِلَّا وَحْدَكَ، وَلَا تَأْتِنِىْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ، فَلَا اَنْصَحُكَ وَلَا اَنْصَحُ نَفْسِىْ وَالسَّلَامُ۔"

"ہم نے علماء کو دیکھا ہے کہ وہ کسی کے پاس نہیں جایا کرتے تھے (بلکہ مسئلہ پوچھنے والا خود ہی ان کے پاس حاضر ہوا کرتا تھا) چنانچہ آپ کو اگر کوئی مسئلہ درپیش ہے تو ہمارے پاس آنے کی زحمت کریں اور جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں۔ یہ واضح رہے کہ آنا ہو تو اکیلے آئیں، اپنا لاؤ لشکر لے کر میرے پاس مت آئیں ورنہ میں نہ تو آپ کو کچھ نصیحت کرسکوں گا اور نہ ہی خود کو اس کے لیے تیار کرپاؤں گا۔ والسلام!"

راوی کا بیان ہے: میں ابھی بیٹھا ہی ہوا تھا کہ کچھ دیر بعد دوبارہ دروازہ پر دستک ہوئی۔ حماد بن سلمہ نے بچی کو دیکھنے کے لیے بھیجا۔ بچی نے آکر بتایا کہ اس مرتبہ محمد بن سلیمان خود ہی چل کر آپ کی خدمت میں پہنچا ہے۔ آپ نے دروازہ کھولنے کی اجازت دی۔ محمد بن سلیمان نے داخل ہوتے ہی حماد بن سلمہ کو سلام کیا اور آپ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہنے لگا:

"مَالِىْ اِذَا نَظَرْتُ اِلَيْكَ امْتَلَأْتُ رُعْبًا؟"

''کیا بات ہے جب میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو میرے اوپر آپ کا رعب ودبدبہ طاری ہو جاتا ہے؟''

حماد بن سلمہ نے اس کے جواب میں فرمایا: میں نے ثابت بنانی سے انس بن مالک کی یہ حدیث سنی ہے جس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''اِنَّ الْعَالِمَ اِذَا اَرَادَ بِعِلْمِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ هَابَهٗ كُلُّ شَیْءٍ، وَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّكْنِزَ بِهِ الْكُنُوْزَ هَابَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ۔''

''ایک عالم جب اپنے علم سے اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز خوف کھاتی ہے مگر اس کے برعکس جب وہ اپنے علم کو مال ودولت جمع کرنے کا ذریعہ بناتا ہے تو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر کس وناکس سے خوف زدہ رہتا ہے۔'' (ضعیف الجامع ۳۸۳۶)

محمد بن سلیمان نے پوچھا: آپ کا مسئلہ ہذا میں کیا فتویٰ ہے کہ ایک آدمی کے پاس دو بیٹے ہیں' ایک بیٹا اسے زیادہ محبوب ہے چنانچہ وہ اپنے مال کا دو تہائی حصہ اس کے نام کر دینا چاہتا ہے؟

حماد بن سلمہ نے کہا: اللہ اس پر رحم کرے' اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے:

''اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَ عَبْدَهٗ بِمَالِهٖ وَفَّقَهٗ اِلٰی وَصِيَّةٍ جَائِرَةٍ۔''

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے مال کو اس کے لیے ذریعۂ عذاب بنانا چاہتا ہے اس کو ظلم پر مبنی وصیت کی توفیق دے دیتا ہے۔''

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کے بعد محمد بن سلیمان نے حماد بن سلمہ کو چالیس ہزار درہم کے عطیہ کی پیش کش کی مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

(الاسلام بین العلماء والحکماء ا/یہ واقعہ ابن جوزی نے "المنتظم فی تاریخ الامم والملوک" ۸/۲۹۶ میں اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق ۷۶/۹۸ میں لکھا ہے نیز اس کا کچھ حصہ فیض القدیر ۴/۳۷۱ میں بھی مذکور ہے)۔

یہ شان ہے خدمت گاروں کی..........

جب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے ایک عالم کی شان یہ ہے تو پھر وہ آقا تاجدارِ رسالت، شہنشاہِ نبوت، مخزنِ جود و سخاوت، پیکرِ عظمت و شرافت، محبوبِ رب العزت، محسنِ انسانیت عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم اس فضیلت کے مالک ہیں جو حدود و شمار سے باہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مخلوق کے درمیان ہمیشہ بلند ہوتی رہے گی۔ قرشی و ہاشمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کی پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ باری تعالیٰ کے قریب ہوئے تو دو ہاتھ جتنا فاصلہ بھی نہ تھا، پاک ہے وہ ذات جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جو کچھ بھی عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ عزوجل کی طرف سے ایسی بے حد و بے شمار رحمتیں نازل ہوں جن رحمتوں کی تعریف کی انتہا نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق پر شرف بخشا اور مومنین پر مہربان بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضلِ عظیم اور خلقِ کریم عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دِلوں اور جسموں کو جہالت و گمراہی کے امراض سے شفا عطا فرمائی اور اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقصد تک پہنچایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بندوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہمیں تعظیم کا حکم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے تکریم اور تعظیم ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔"

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: "سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا واجب ہے، ہر ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی ایک مرتبہ اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔ یہی قول معتمد ہے اور اس پر جمہور ہیں اور نماز کے قعدۂ اخیرہ میں بھی تشہد درود شریف پڑھنا سنت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واصحاب و دوسرے مومنین پر بھی درود بھیجا جا سکتا ہے اور مستقل طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان میں سے کسی پر درود بھیجنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: درود شریف میں آل واصحاب کا ذکر متوارث ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آل کے ذکر کے بغیر مقبول نہیں۔ درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم ہے۔ علماء نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یارب! محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عظمت عطا فرما، دنیا میں ان کا دین بلند اور ان کی دعوت غالب فرما کر اور ان کی شریعت کو بقاء عنایت کر کے اور آخرت میں ان کی شفاعت قبول فرما کر اور ان کا ثواب زیادہ کر کے اور اولین و آخرین پر ان کی فضیلت کا اظہار فرما کر اور انبیائے مرسلین و ملائکہ اور تمام خلق پر ان کی شان بلند کر کے۔

مسئلہ: درود شریف کی بہت برکتیں اور فضیلتیں ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب درود بھیجنے والا مجھ پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ مسلم کی حدیث شریف میں ہے: جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار بھیجتا ہے۔ ترمذی کی حدیث شریف میں ہے بخیل وہ ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے۔"

اَللّٰہُ زَادَ مُحَمَّدًا تَکْرِیْمًا ۔ حَبَاہُ فَضْلًا مِنْ لَّدُنْہُ عَظِیْمًا
وَاخْتَارَہٗ فِی الْمُرْسَلِیْنَ کَرِیْمًا ۔ ذَا رَاْفَۃٍ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

یَا اُمَّۃَ الْھَادِیْ خُصِصْتُمْ بِالْوَفَا ۔ بَیْنَ الْوَرٰی وَالصِّدْقِ اَیْضًا وَالصَّفَا
صَلُّوْا عَلَی النَّبِیِّ الْھَادِی الْمُصْطَفٰی ۔ فَاللّٰہُ قَدْ صَلّٰی عَلَیْہِ قَدِیْمًا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

فَمَتٰی اَرَی الْحَادِیْ یُبَشِّرُ بِاللِّقَا ۔ وَیَضُمُّنَا بَابَ الْمُحَصَّبِ وَالنَّقَا
وَاَرٰی ضَرِیْحَ الْمُصْطَفٰی قَدْ اَشْرَقَا ۔ مَوْلٰی رَحِیْمًا لَا یَزَالُ حَلِیْمًا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

ثُمَّ الرِّضَا عَنْ آلِہِ الْکُرَمَآءِ ۔ وَکَذَاکَ عَنْ اَصْحَابِہِ الْخُلَفَاءِ
فَھُمُوْ ھُمُوْ دِیْنِیْ وَعَقْدُ وِلَائِیْ ۔ قَوْمًا تَرَاھُمْ فِی الْمَعَادِ نُجُوْمًا
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

ترجمہ: (۱) اللہ عزوجل نے حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بڑھائی اور اپنی طرف سے فضلِ عظیم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام رسولوں میں کرم والا بنایا۔ یہ مومنین کے ساتھ مہربان اور رحیم ہیں پس ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(۲) اے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت! تمہیں تمام مخلوق میں سے وفا اور صدق وصفا کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ پس تم ہدایت دینے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درودِ پاک پڑھو کیونکہ اللہ عزوجل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجتا ہے لہٰذا تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(۳) میں کب حبیبِ خدا عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی خوش خبری دینے والے سوار کو پاؤں گا جو ہمیں بابِ محصب اور ریت کے ٹیلوں کی جانب لے جائے گا اور

میں مزارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرلوں گا جس کو رحیم و حلیم مولیٰ نے منور فرما دیا ہے۔ پس ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

(۴) پھر اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کریم آل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین صحابہ کرام علیہم الرضوان سے راضی ہو وہ میرا دین اور میری محبت کی گرہ ہیں وہ ایسے لوگ ہیں کہ تم انہیں بروزِ قیامت ستاروں کی طرح دیکھو گے۔ پس ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

ما شاء اللہ

(۹۳)

ادائیگی قرض کی فکرمندی

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے متعلق بتایا کہ اس نے بنی اسرائیل ہی کے کسی آدمی سے ایک ہزار دینار بطورِ قرض مانگے اس نے کہا:

"اِئْتِنِیْ بِالشُّهَدَاءِ أُشْهِدُهُمْ۔"

"دو تین آدمی لے کر آؤ جنہیں گواہ رکھ کر تجھے قرض دوں۔"

قرض طلب کرنے والے نے کہا:

"کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا۔"

"اللہ تعالیٰ بطورِ گواہ کافی ہے۔"

دوسرے آدمی نے (جس سے قرض طلب کیا جارہا تھا) کہا:

کسی ذمہ دار کی ضمانت ہی دے دو۔

قرض طلب کرنے والے نے کہا:

"کَفٰی بِاللّٰهِ کَفِیْلًا۔"

"اللہ تعالیٰ ہی کی ضمانت کافی ہے۔"

دوسرے نے کہا تم نے سچ کہا۔

پھر اس نے قرض طلب کرنے والے آدمی کو ایک معینہ مدت تک کیلئے قرض دے دیا۔

مقروض نے سمندری سفر طے کیا اور اپنی ضرورت پوری کر لی پھر واپسی کے لیے اس نے کسی کشتی کی تلاش کی تا کہ وہ مقررہ مدت پر پہنچ کر اپنے قرض کی ادائیگی کر سکے مگر

اسے کوئی کشتی نہیں مل سکی چنانچہ اس نے ایک لکڑی لی اور اسے پھاڑ کر اس کے اندر ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور اپنی طرف سے قرض خواہ کے نام ایک خط بھی رکھ دیا پھر لکڑی کا شگاف بند کر کے ٹھیک کر دیا اور سمندر کے پاس کھڑا ہو کر گویا ہوا:

اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار بطورِ قرض لیے تھے اس نے مجھ سے کسی ذمہ دار کی کفالت کا سوال کیا تو میں نے کہا کہ اللہ کی کفالت کافی ہے چنانچہ وہ تجھ پر راضی ہو گیا۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ کوئی کشتی مل جائے تا کہ میں قرض خواہ کی امانت اسے بھیج دوں مگر مجھے کوئی کشتی نہ مل سکی اب میں اس کو تیری امانت میں دیتا ہوں (تو اسے اس کے صاحب تک پہنچا دے)

یہ کہہ کر مقروض نے وہ لکڑی سمندر میں ڈال دی اور واپس ہو گیا اس کے بعد بھی وہ کسی کشتی کی تلاش میں رہا تا کہ اپنے شہر کو روانہ ہو سکے۔

قرض کی معین مدت کے بعد قرض خواہ سمندر کی طرف دیکھنے کے لیے نکلا کہ شاید کوئی کشتی آئے جس میں اس کا مال بھی ہو۔ یکا یک اس کی نگاہ مقروض کی بھیجی ہوئی لکڑی پر پڑی جس کے اندر مال رکھا ہوا تھا اس نے وہ لکڑی اٹھالی تا کہ گھر جلانے کے کام آسکے گھر لے جا کر جب اس نے لکڑی کو پھاڑا تو اس کے اندر ایک ہزار دینار اور ایک خط تھا۔

کچھ دنوں کے بعد وہ مقروض بھی قرض خواہ کے پاس ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہو گیا۔ مقروض نے قرض خواہ سے کہا:

اللہ کی قسم! میں مسلسل کسی کشتی کی تلاش میں تھا تا کہ تمہارا مال لا کر تمہیں واپس کر دوں مگر مجھے بروقت کوئی کشتی نہیں مل سکی (اس لیے میں وقتِ مقررہ پر حاضر نہیں ہو سکا) قرض خواہ نے پوچھا: کیا تم نے کوئی چیز میرے پاس بھیجی تھی؟ مقروض نے کہا: میں تجھے بتا رہا ہوں کہ مجھے اس سے پہلے کوئی کشتی نہیں مل سکی تھی۔ قرض خواہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے لکڑی کے اندر تمہاری بھیجی ہوئی امانت مجھ تک پہنچا دی ہے یہ اپنے ہزار دینار لے کر صحیح سلامت بخوشی واپس جاؤ۔ (بخاری شریف باب الکفالۃ فی القرض حدیث ۲۲۹۱)

(۹۴)

عجیب مسلمان ہے جس کی زبان سے کافر تو محفوظ رہیں مگر......

حضرت امام جعفر الصادق کا پورا نام اور مختصر تعارف یہ ہے:

جعفر الصادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمۃ اللہ ہے۔ شیعہ امامیہ اور سماعیلیہ ان کو چھٹا امام بتاتے ہیں۔ وہ جلیل القدر تبع تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ وہ چودہ سال اپنے دادا زین العابدین اور چونتیس سال اپنے والد محمد الباقر اور ستائیس سال اپنے نانا حضرت قاسم کے سایۂ تربیت میں رہے۔ تمام بلاد اسلامیہ کے علماء وفضلاء کسب علم وفیض کے لیے ان کے ہاں آتے تھے۔ وہ صبر وشکر، تسلیم ورضا، زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت کا نمونہ تھے۔ راست بازی اور حق گوئی کی وجہ سے انہیں صادق کہا جاتا تھا، ان سے بکثرت روایات مروی ہیں۔ اخذ علم میں وہ کسی طرح کا تعصب روا نہ رکھتے تھے، اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انہوں نے مدینہ منورہ میں گزارا۔ ان کی وفات مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ میں ہوئی اور انہیں قبرستان بقیع میں دفن کیا گیا۔

(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ج ۷)

چنانچہ آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اس نے آپ کی بھری مجلس میں ایک مسلمان کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ آپ نے اس سے فرمایا:

"اَیُّهَا الرَّجُلُ هَلْ قَاتَلْتَ الرُّوْمَ"۔

''کیا تو نے رومیوں سے قتال کیا ہے؟''

اس نے کہا نہیں! فرمایا' ایرانیوں سے؟ کہا' نہیں! فرمایا:

هَلْ جَاهَدْتَ الْكُفَّارَ؟

''کیا کفار سے جہاد کیا؟''

عرض کیا' نہیں! فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ يَسْلِمُ مِنْكَ الرُّوْمُ وَفَارِسُ وَالْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى وَلَا يُسَلِّمُ مِنْكَ الْمُسْلِمُوْنَ .

''واہ بھئی واہ! کتنی عجیب اور افسوس ناک بات ہے کہ تجھ سے روم و فارس والے اور یہود و نصاریٰ تو محفوظ رہیں لیکن مسلمان (تیری زبان کے شر) سے محفوظ نہ رہیں۔

(۹۵)

ایصالِ ثواب نے عذابِ قبر سے بچالیا

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درودِ پاک پڑھنے کے فضائل میں بیان کیا گیا ہے:

''ایک عورت کا بیٹا تھا جو بہت گناہ گار تھا' وہ اس کو نیکی کا حکم دیتی' بے حیائی اور بُرے کاموں سے منع کرتی (لیکن وہ باز نہ آتا) آخر کار تقدیر اس پر غالب آئی اور وہ گناہوں کی حالت میں مر گیا اس کی ماں کو بہت صدمہ ہوا کہ اس کا بیٹا بغیر توبہ کیے مر گیا اس نے تمنا کی کہ اسے خواب میں دیکھے۔ ایک دفعہ اس نے خواب میں اپنے بیٹے کو عذاب میں مبتلا دیکھا تو وہ مزید غمگین ہوگئی جب کچھ مدت کے بعد اس نے دوبارہ اپنے بیٹے کو دیکھا تو اس کی حالت اچھی تھی اور وہ خوش وخرم تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے اس حالت کے متعلق پوچھا: ''اے میرے بیٹے! میں نے تجھے عذاب میں مبتلا دیکھا تھا' یہ مرتبہ ومقام کیسے ملا؟'' تو اس نے جواب دیا: ''اے میری ماں! ایک گناہ گار شخص ہمارے قبرستان سے گزرا اس نے قبروں کی طرف دیکھا اور دوبارہ زندہ اُٹھائے جانے کے متعلق غور وفکر کیا۔ مردوں سے نصیحت حاصل کی' اپنی لغزش پر رویا اور اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کی کہ اب وہ کبھی گناہوں کی طرف نہ پلٹے گا تو اس کی توبہ سے آسمان کے فرشتے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: سبحان اللہ عزوجل! اس شخص نے اپنے رب عزوجل کے ساتھ کیا ہی خوب صلح کی ہے جب اس نے سچی توبہ کر لی تو اللہ عزوجل نے اس کی توبہ قبول فرمائی پھر اس نے کچھ قرآن حکیم پڑھا اور حضور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم پر بیس مرتبہ درود پاک پڑھا اور اس کا ثواب ہم سب قبرستان والوں کو پہنچایا اس کا ثواب ہم پر تقسیم کیا گیا تو مجھے بھی اس سے بھلائی ملی جس کے سبب اللہ عزوجل نے مجھے بخش دیا اور مجھے وہ مقام عطا کیا گیا جو آپ ملاحظہ فرما رہی ہیں۔ اے امی جان! یاد رکھیے! حضور نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا دلوں کا نور، گناہوں کا کفارہ اور زندہ اور مردوں کے لیے رحمت ہے۔"

(الروض الفائق)

(۹۶)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام کا خیال

میزبانِ رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو کون نہیں جانتا تاہم آپ کا مختصر تعارف کچھ اس طرح ہے کہ آپ کا اسمِ گرامی خالد بن زید بن کلیب نجاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہے۔ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کے درمیانی وقفے میں انہوں نے اسلام قبول کیا۔ سلسلہ مواخات قائم ہوا تو سیدنا معصب بن عمیر رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی بنائے گئے۔ عہد نبوی میں انہوں نے تمام غزوات و مشاہد میں حصہ لیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ۴۶ھ میں بحری لڑائیوں میں شرکت کے لیے وہ مصر تشریف لے گئے۔ ۴۹ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملے کی غرض سے ایک بیڑا تیار کیا۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ چار سال تک وہ قسطنطنیہ پر حملوں میں شریک رہے پھر انہیں مرض الموت نے آلیا اور انہوں نے امیر لشکر کو یہ وصیت کی:

"جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ اُٹھا کر اسے دشمن کی سرزمین میں جہاں تک لے جاسکو لے جاؤ اور جب آگے بڑھنے کا امکان نہ رہے تو اسی جگہ مجھے دفن کر دو۔"

چنانچہ ۵۲ھ کی ایک رات آپ غالباً اسہال کی بیماری سے فوت ہو گئے۔ اور

قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے انہیں دفن کر دیا گیا۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے جذبۂ شوق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے صف بندی کر لی۔ ہر شخص کی خواہش یہی تھی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اسی کے گھر ہو۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آگے کی جانب بڑھنے لگی تو ہر قبیلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی زمام پکڑ لیتا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر مہمان بنیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا: ''دَعُوْهَا فَاِنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ''

''اونٹنی کو اپنی حالت پر چھوڑ دو کیونکہ وہ مامور ہے (کہ اسے کہاں بیٹھنا ہے)''

اونٹنی چلتی رہی اور لوگ صف بندی کر کے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرتے رہے پھر ایک اونٹنی موجودہ مسجد نبوی شریف کے پاس بیٹھ گئی مگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے نہیں اُترے۔ اونٹنی پھر اُٹھی اور آگے بڑھی لیکن دوبارہ پہلی ہی جگہ آ کر بیٹھ گئی اس بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سے نیچے اُتر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونٹنی سے نیچے اُترنا تھا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جلدی سے اونٹنی کے پاس آئے اور اس پر سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا سامان اور کپڑے اُتار لے گئے اور کجاوہ وغیرہ سب کھول لیا۔

جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سارا سامان اپنے قبضے میں رکھ لیا تو قبیلہ بنو نجار کے لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور درخواست کی: ہمارے مہمان بنیں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَلرَّجُلُ مَعَ رَحْلِہٖ۔''

''نہیں! آدمی وہیں ٹھہرتا ہے جہاں اس کا ساز وسامان ہو۔''

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ میرا دو منزلہ غریب خانہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر کی منزل میں قیام کریں اور میں نیچے کی منزل میں رہتا ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''أُرِيْدُ أَنْ أَكُوْنَ قَرِيْبًا مِّنَ النَّاسِ قَرِيْبًا مِّنَ الْمَسْجِدِ فَأُرِيْدُ هٰذَا۔''

''میں چاہتا ہوں کہ لوگوں کے اور مسجد کے قریب رہوں اس لیے میں اسی (نچلی منزل) میں رہنا چاہتا ہوں۔''

چنانچہ حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نچلی منزل میں قیام کرایا اور خود اہلیہ کو لے کر اوپری منزل میں چلے گئے جب نیند کا وقت آیا تو حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بستر پر کروٹیں لینے لگے جیسے تپتی ہوئی زمین پر انہیں سُلا دیا گیا ہو انہیں سوتے نہ دیکھ کر ان کی اہلیہ نے پوچھا:

''مَالَكَ يَا أَبَا أَيُّوْبَ! لَا تَنَامُ؟''

''اے ابو ایوب! آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے کہ آپ سوتے نہیں؟''

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

''وَاللّٰهِ! مَا أَتَانِيَ النَّوْمُ، كَيْفَ أَنَامُ فِي الْعُلِّيَّةِ وَالرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَنَامُ أَسْفَلَ مِنِّيْ؟''

''اللہ کی قسم! مجھے نیند نہیں آرہی ہے آخر مجھے نیند کیسے آئے جبکہ میں اوپر والی منزل میں سو رہا ہوں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے

نچلی منزل میں سو رہے ہیں؟"

صبح ہوئی تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوبارہ درخواست کی کہ آپ اوپر والی منزل میں تشریف رکھیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا۔

اس دوران میں جب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جاتا تو وہ کھانے سے ہاتھ روک رکھتے اور ان کی بیوی بھی کھانے سے رُک جاتی پھر دونوں کہتے:

"وَاللّٰہِ! لَانَأْکُلُ حَتّٰی یَأْکُلَ الرَّسُوْلُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ."

"اللہ کی قسم! ہم اس وقت تک نہیں کھائیں گے جب تک کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھانا تناول نہ فرمالیں۔"

پھر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ پیالہ اور رکابی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ثرید پیش کرتے' آپ کے لیے گوشت بھونتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اچھی مہمان نوازی کرتے جس کی تاریخ گواہ ہے۔

ایک دفعہ کی بات ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ رات کو نمازِ تہجد کے لیے اُٹھے تو اندھیرے میں ان کا پاؤں پانی کے گھڑے سے ٹکرا گیا اور گھڑا ٹوٹ گیا جس کے سبب پانی زمین پر بہہ پڑا۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ نے جلدی سے اپنی چادر لے کر زمین پر ڈال دی تاکہ چھت تر ہو کر ٹپکنے نہ لگ جائے اور کہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ صبح ہوئی تو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی

اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ سے اللہ کا واسطہ دے کر

درخواست کرتا ہوں کہ آپ اوپری منزل میں تشریف لے چلیں اور میں نچلی منزل میں رہوں گا۔

چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری منزل پر تشریف لے گئے اور وہیں قیام پذیر رہے۔

(فتح الباری ۷/۲۴۵، سیر اعلام النبلاء ۲/۴۰۶، المعجم الاوسط للطبرانی ۴/۳۵، البدایہ والنہایہ ۳/۲۰۲، بیہقی وغیرہ)

(۹۷)

بسم اللہ شریف کے بارے میں ایک تحقیق

الروض الفائق میں لکھا ہے کہ بے شک سب سے پہلے جس کلام سے زبان گفتگو کا آغاز کرے وہ یہ ہے کہ انسان بادشاہِ حقیقی عزوجل کے نام سے ابتداء کرے جس کی ہمیں کائنات کے سردار، محبوبِ پروردگار عزوجل وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فرمان سے خبر دی کہ ''جو بھی اہم کام بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع نہیں کیا جاتا، وہ نامکمل رہتا ہے۔''

(الدر المنثور، سورۃ الفاتحۃ، ج ا، ص ۲۶)

یعنی وہ کام ہر آن برکت سے خالی ہوتا ہے کیونکہ اللہ عزوجل کے نام میں ایسی برکت ہے کہ ہر جگہ اس کے ذریعے خوشبو حاصل کی جاتی ہے اور وہ ظاہر و پوشیدہ خوبصورت نور ہے اور رکاوٹیں دُور کرتا اور امان دیتا ہے۔''

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو بھی اہم کام بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع نہیں کیا جاتا وہ ادھورا رہ جاتا ہے۔''

(المرجع السابق)

ایک روایت میں اقطع کی جگہ اجذم کا لفظ ہے اس کا معنی ہے: ناقص اور کم برکت والا۔

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا: لوگوں میں اور روئے زمین پر چلنے

والوں میں سب سے بہتر علم سکھانے والے ہیں کیونکہ جب سے دین ظاہر ہوا انہوں نے اس کی تجدید کی، لوگوں کو دین سکھایا لیکن ان سے اجرت طلب نہ کی اور جب استاذ بچے کو کہتا ہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ'' تو اللہ عزوجل اس بچے، اس کے والدین اور استاذ کے لیے جہنم سے برأت (یعنی رہائی) لکھ دیتا ہے۔''

(تفسیر القرطبی، البقرۃ، تحت الآیۃ ۴۱، الجزء الاول تحت ج۱ ص ۷۷)

حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ارشاد فرمایا: ''جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نازل ہوئی تو بادل مشرق سے مغرب کی سمت دوڑنے ہوائیں ساکن ہوگئیں، سمندر جوش میں آ گیا، چوپایوں نے غور سے سننے کے لیے اپنے کان لگا دیئے، شیطانوں پر پتھر برسائے گئے اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''مجھے میری عزت وجلال کی قسم! جس شے پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھی گئی میں اس میں برکت ڈال دوں گا اور جس نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھی وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(الدر المنثور، الفاتحۃ، ج۱ ص ۲۶، مختصراً)

حضرت سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''جب کوئی شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھتا ہے تو شیطان اپنے آپ سے کہتا ہے: ''تمہارے لیے یہاں نہ رات بسر کرنے کی جگہ ہے اور نہ ہی رات کا کھانا۔''

اور جب کوئی شخص داخل ہوتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو شیطان اپنے آپ سے کہتا ہے: ''تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی۔'' اور جب کھانے کے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو کہتا ہے: ''تمہیں رات گزارنے کی جگہ بھی مل گئی اور رات کا کھانا بھی مل گیا۔''

(صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام والشراب واحکامھما، الحدیث ۲۰۱۸، ص ۱۰۳۸)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام شیطان کو بھگاتا اور مکان میں برکت زیادہ کرتا ہے

اور بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے فضائل و برکات بہت زیادہ ہیں اگر آسمان و زمین والے ان کو لکھنا شروع کر دیں تو اس کے فضائل کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

(۹۸)

محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی ناکام کوشش

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحمل، بردباری اور حوصلہ کی داستان ختم ہونے والی نہیں، اپنے دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور بدلہ لینے کی طاقت ہوتے ہوئے معاف کر دینے کی صفات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا ایک روشن باب ہیں۔

غزوۂ بدر کو گزرے ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے ہیں جب مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے سائے تلے حطیم میں دو شخص بیٹھے تاریخ انسانی کا بدترین منصوبہ تیار کر رہے ہیں۔ ایک شخصیت کو دھوکے سے قتل کرنے کا منصوبہ اور شخصیت بھی کوئی اور نہیں بلکہ کائنات کی سب سے اعلیٰ اور معزز ہستی کو اس دنیا سے اوجھل کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔

پروگرام یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ غافل پا کر قتل کر دیا جائے۔ بدر کے میدان میں جو بڑے بڑے سردار واصلِ جہنم ہوئے ان میں ایک نام اُمیہ بن خلف کا بھی تھا، یہ وہی شخص ہے جو حضرت بلال کا آقا تھا۔ اُمیہ ان پر اسلام لانے کی وجہ سے جو ظلم وستم ڈھاتا تھا، وہ سیرت کے قاری کے لیے ڈھکے چھپے نہیں۔ اُمیہ کا بیٹا صفوان غصے سے بھرا بیٹھا ہے اس کے سامنے اس کا چچازاد بھائی عمیر بن وہب بیٹھا ہوا ہے اس کا بیٹا وہب بدر کے قیدیوں میں سے ایک ہے اور ابھی تک مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی قید میں ہے۔ بدر کی ہزیمت اس قدر آسانی سے بھول جانے والی چیز نہیں

ہے۔ مقتولین کا ذکر کرتے ہوئے صفوان نے کہا:

"وَاللّٰہِ! إِنَّہٗ لَیْسَ فِی الْعَیْشِ بَعْدَھُمْ خَیْرٌ۔"

"اللہ کی قسم! ان بزرگوں کے دنیا چھوڑ جانے کے بعد اب جینے میں کوئی لطف نہیں۔"

عمیر بن وہب نے کہا:

صَدَقْتَ وَاللّٰہِ! أَمَا وَاللّٰہِ! لَوْ لَا دَیْنٌ عَلَیَّ لَیْسَ لَہٗ عِنْدِیْ قَضَاءٌ، وَعِیَالٌ أَخْشٰی عَلَیْھِمُ الضَّیْعَةَ بَعْدِیْ، لَرَکِبْتُ إِلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی أَقْتُلَہٗ، فَإِنَّ لِیْ قِبَلَھُمْ عِلَّةً: اِبْنِیْ أَسِیْرٌ فِیْ أَیْدِیْھِمْ۔"

"اللہ کی قسم! تم نے سچ کہا، قسم اللہ کی! اگر میرے اوپر قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کی میرے پاس طاقت نہیں ہے اور مجھ پر اہل وعیال کی ذمہ داری نہ ہوتی جن کے بارے میں مجھے خدشہ ہے کہ میرے نہ ہونے کی صورت میں (کوئی ان کا پرسانِ حال نہ ہوگا اور) وہ برباد ہوجائیں گے تو میں سوار ہوکر محمد کے پاس پہنچتا اور اسے ختم کردیتا کیونکہ میرے پاس ان (مسلمانوں) تک پہنچنے کا ایک بہانہ بھی ہے وہ یہ کہ میرا بیٹا ان کی قید میں ہے۔"

تم واقعی یہ کارنامہ انجام دے سکتے ہو۔ صفوان نے بے تاب ہوتے ہوئے کہا۔

ہاں بالکل! کیوں نہیں؟ بس میرا قرض اور میرے بچوں کی کفالت۔ عمیر بن وہب نے کہا۔

صفوان: تم اس کی فکر نہ کرو یہ بڑی معمولی بات ہے۔ میں قرض اور کفالت کی مکمل ذمہ داری لیتا ہوں۔ بس تم یہ کام کردو اور ہاں دیکھو! یہ نہایت رازداری سے کرنے کا کام ہے۔ روئے زمین پر اس منصوبہ کا میرے اور تمہارے سوا کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے۔

عمیر بن وہب: بالکل یہ راز راز ہی رہے گا، تم فکر نہ کرو۔

صفوان: اچھا تو پھر ہاتھ ملاؤ اور وعدہ کرو کہ اس بات کا کسی کو علم نہ ہوگا۔

عمیر بن وہب: میں اس منصوبہ پر فوری عمل شروع کر رہا ہوں۔ صفوان! تمہیں معلوم ہے میں اس قسم کے مکر و فریب والے امور کا خاصہ تجربہ رکھتا ہوں...... اس نے شیطانی مسکراہٹ چہرے پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

صفوان گھر آیا تو اس نے اپنی تلوار میان سے نکالی ذرا زنگ آلود نظر آئی اس نے اسے خوب تیز کرنے کے بعد زہر میں بجھانا شروع کیا۔ آہا! تلوار سے میرے والد کے قتل کا بدلہ لیا جائے گا اس نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

پھر ایک دن اس نے اپنی زہر میں بجھی تلوار عمیر کے حوالے کر دی اور اسے جلد از جلد مدینہ روانہ ہونے کے لیے کہا۔ عمیر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا' ان دنوں مکہ کی ہر مجلس میں ہر گھر میں بدر کا قصہ ہی موضوع گفتگو ہوتا۔ صفوان لوگوں سے کہتا: بس چند دن کی بات ہے ایک ایسی خبر تمہیں سناؤں گا کہ تم لوگ بدر کا غم بھول جاؤ گے۔

عمیر بن وہب اپنی چالاکی' شرارت طبع اور بدباطنی کے باعث شیطانِ قریش کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ مکہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تکلیف دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔ بدر کے روز اس کے بیٹے وہب کو ایک انصاری صحابی رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے گرفتار کر لیا تھا۔ عمیر بن وہب مدینہ منورہ پہنچا تو مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اپنی اونٹنی بٹھائی' نیچے اُترا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بعض دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ مسجد کے ایک کونے میں بیٹھے بدر کی باتیں کر رہے تھے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں عزت و وقار بخشا اور کفار کو ذلیل و خوار کیا۔ اچانک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نگاہ عمیر پر پڑی جو تلوار لٹکائے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جا رہا تھا۔ کہنے لگے: ہو نہ ہو اللہ کا یہ دشمن کسی خطرناک سازش کے تحت یہاں آیا ہے۔ یہ بدر کے روز لوگوں کو جنگ کے لیے بھڑکانے والوں میں پیش پیش تھا اور اسی نے مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگا کر کافروں کو بتایا تھا۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے

اس کے گلے میں لٹکتی تلوار کے نیام کی پٹی سے ان کی گردن قابو میں کر لی اور اسے لے کر بارگاہِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ عرض کی: اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دشمنِ خدا تلوار لٹکائے آ رہا ہے۔

ارشاد ہوا: ''عمر! (رضی اللہ عنہ) اسے چھوڑ دو' آگے آنے دو۔''

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے کہا: تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہی رہنا اور اس خبیث پر نگاہ رکھنا' یہ نہایت خطرناک آدمی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عمیر میرے قریب آؤ۔''

وہ قریب ہو کر جاہلیت کے طریقے کے مطابق کہنے لگا:

''أَنْعِمُوْا صَبَاحًا۔''

''آپ لوگوں کی صبح بخیر ہو۔''

ارشاد ہوا: ''اللہ تعالیٰ نے ان جاہلانہ الفاظ کے بدلے ہمیں ایک ایسے تحیہ سے مشرف کیا ہے جو تمہارے اس تحیہ سے بہتر ہے۔ یعنی سلام سے جو اہلِ جنت کا تحیہ ہے۔ ہاں عمیر! بتاؤ کیسے آنا ہوا؟''

اس نے کہا: میں اپنے قیدی بیٹے وہب کا حال معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں۔ برائے مہربانی اس کے بارے میں احسان فرما دیجیے۔ فرمایا:

''فَمَا بَالُ السَّيْفِ فِیْ عُنُقِكَ؟''

''یہ گلے میں تلوار کس لیے لٹکا رکھی ہے؟''

اس نے کہا: اللہ ان تلواروں کو غارت کرے انہوں نے ہمیں کیا فائدہ دیا ہے!

ارشاد ہوا: عمیر! سچ سچ بتاؤ تم کس مقصد کے لیے یہاں آئے ہو؟

کہنے لگا: سچ کہتا ہوں' میں صرف اسی قیدی کے لیے آیا ہوں۔ ارشاد ہوا:

''کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ تم اور صفوان بن اُمیہ حطیم میں بیٹھے تھے' تم دونوں نے بدر کے کنویں میں پھینکے جانے والے مقتول سرداروں کا تذکرہ کیا پھر تم

نے کہا اگر مجھے قرض کی ادائیگی اور اہل وعیال کی کفالت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں مدینہ جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر دیتا اور پھر صفوان بن اُمیہ نے تمہارے قرض کی ادائیگی اور تمہارے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر لی اس شرط پر کہ تم مجھے قتل کر دو۔ یاد رکھو عمیر! اللہ میرے اور تمہارے درمیان حائل ہے۔'' عمیر نے یہ سنا تو بے اختیار پکار اُٹھا:

أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ۔"

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں!

خیال آیا مسلمان نیک وبد پہچان جاتے ہیں
محمد آدمی کے دل کی باتیں جان جاتے ہیں

آپ ہمارے پاس آسمانوں کی جو خبریں لایا کرتے تھے ہم اسے جھٹلایا کرتے تھے لیکن یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ میرے اور صفوان کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہی نہ تھا۔ اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ ربِ کائنات کے علاوہ کسی نے آپ کو یہ بات نہیں پہنچائی۔ اس اللہ کا شکر ہے کہ جس نے مجھے اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دی۔

علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق عمیر بن وہب کے اسلام لانے کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! عمیر بن وہب سے مجھے اس قدر شدید نفرت تھی کہ وہ مجھے خنزیر سے بدتر لگتا تھا مگر اسلام لانے کے بعد اب یہ مجھے اپنے بچوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

قارئین! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحمل اور بردباری ملاحظہ فرمائیں کہ ایسے مجرم کو معاف فرما دیا۔

یہی وہ علم ہے علم لدنی جس کو کہتے ہیں
یہی وہ غیب ہے علم غیب سنی جس کو کہتے ہیں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَقِّهُوْا أَخَاكُمْ فِيْ دِيْنِهٖ وَأَقْرِءُوْهُ الْقُرْآنَ وَأَطْلِقُوْا لَهٗ أَسِيْرَهٗ"۔
"اپنے اس بھائی کو دین سکھاؤ' اسے قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو رہا کر دو۔"

عمیر اس حسنِ سلوک کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا اب وہ اپنی گزشتہ حرکات پر نادم ہے ان کی تلافی کا خواہش مند ہے۔ عرض کی: اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نے اللہ کے نور کو بجھانے میں بہت کوشش کی اب اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں' مجھے مکہ میں رہنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ میں اہلِ مکہ کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور دینِ اسلام کی طرف دعوت دوں گا۔ ان کی بات کو قبول کر لیا گیا اور وہ دینِ حق کے داعی بن کر مکہ میں مقیم رہے اور بہت سے لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔

ادھر صفوان بے چینی سے خبر کا منتظر تھا' وہ مدینہ سے آنے والے ہر مسافر سے کسی نئے واقعہ کے بارے میں پوچھتا۔ ایک دن اسے کسی سوار نے بتایا: صفوان! تمہارے لیے خبر یہ ہے کہ عمیر مسلمان ہو گیا ہے ان کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی اس نے قسم کھائی کہ اس سے ساری زندگی کلام کرے گا نہ ہی اس کے کام آئے گا۔

(الاصابہ ۳/۶۰۷' سیرۃ ابن ھشام ۲/۱۷۳' المعجم الکبیر للطبرانی ۱۷/۵۸)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ — بسم اللہ الرحمن الرحیم — صدق اللہ الکریم

(۹۹)

سانپ نے نرگس کے پھولوں کا گلدستہ پیش کیا

حضرت سیدنا ابواسحٰق ابراہیم خواص علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''میں مکہ کے راستے میں اکیلا ہی چلا جارہا تھا کہ راستہ بھول گیا' دو دن اور دو راتیں چلتا رہا یہاں تک کہ شام ہوگئی' وضو کے لیے میں پریشان ہوا کیونکہ پانی موجود نہ تھا۔ چاندنی رات تھی کہ اچانک میں نے ایک ہلکی سی آواز سنی کوئی کہہ رہا تھا: ''اے ابواسحاق! میرے قریب آیئے۔'' میں اس کے قریب گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس ایک خوب صورت نوجوان ہے اس کے سر کے قریب دو مختلف رنگ کے خوشبودار پھول پڑے ہیں' مجھے اس سے بہت تعجب ہوا کہ اس بیابان میں اس کے پاس پھول کہاں سے آئے؟ حالانکہ یہ ریت پر پڑا ہے اور حرکت بھی نہیں کر سکتا اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''ابواسحاق! میری وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ میری وفات کے وقت اپنے اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کسی ولی کی زیارت کرا دے۔'' تو ایک آواز آئی کہ ابھی تیری وفات کے وقت تجھے ابواسحاق خواص کی زیارت ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ ہی ہیں اور میں آپ کا منتظر تھا۔''

میں نے دریافت کیا: ''اے میرے بھائی! تیرا کیا معاملہ ہے؟'' اُس نے جواباً کہا: ''میں اپنے گھر والوں میں عزت اور آسودگی کی زندگی بسر کر رہا تھا کہ مجھے ایک سفر درپیش ہوا' وطن سے دُوری کی خواہش ہوئی تو میں حج کے ارادے سے شہر شمشاط سے نکلا لیکن

ایک ماہ سے یہاں پڑا ہوں اور اب وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔'' میں نے اس نوجوان سے پوچھا: ''کیا تیرے والدین ہیں؟'' اس نوجوان نے کہا: ''جی ہاں! اور ایک نیک بخت بہن بھی ہے۔'' میں نے پوچھا: ''کیا کبھی اپنے گھر والوں کو ملنا بھی پسند کیا یا انہوں نے کبھی تمہارے بارے میں جاننے کی کوشش کی؟'' اس نوجوان نے کہا: ''نہیں! مگر آج میں ان کی مہک سونگھنا چاہتا تھا تو میرے پاس بہت سے درندے آئے اور یہ خوشبودار پھول لائے اور وہ سب بھی میرے ساتھ مل کر رونے لگے۔'' میں اس نوجوان کے معاملے میں حیران و متفکر تھا کیونکہ وہ میرے دل میں اُتر گیا تھا اور میرا دل بھی اس کی طرف مائل ہو چکا تھا کہ اتنے میں ایک بہت بڑا سانپ نرگس کے پھولوں کا ایک گلدستہ لے کر آیا کہ اس سے زیادہ خوب صورت اور خوشبودار گلدستہ میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ سانپ نے وہ گلدستہ اس نوجوان کے سر کے قریب رکھ دیا اور بڑی فصیح زبان میں بولا: ''اے ابراہیم! اللہ عزوجل کے ولی کے پاس سے لوٹ جا کیونکہ اللہ عزوجل غیور ہے۔'' یہ سب کچھ دیکھ کر میری حالت عجیب ہوگئی' میں نے ایک زوردار چیخ ماری پھر مجھ پر غشی طاری ہوگئی جب ہوش آیا تو وہ نوجوان اس دنیا سے کوچ کر چکا تھا۔ میں نے پڑھا:

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ۔ (پ۲ البقرۃ:۱۵۶)

''ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔''

اور کہا: یہ بہت بڑی آزمائش ہے' میں اس کے غسل اور کفن دفن کا انتظام کیسے کروں گا تو اللہ عزوجل نے مجھ پر اونگھ طاری کردی جس کے غلبہ کی وجہ سے میں سو گیا۔

طلوع آفتاب کے وقت مجھے ہوش آیا تو دیکھا کہ میں تو اسی حالت پر تھا لیکن اس نوجوان کا کوئی نام و نشان باقی نہ تھا' میں پریشان ہوگیا۔ بہرحال جب حج ادا کر کے شمشاط پہنچا تو چند نقاب پوش عورتیں میرے پاس آئیں' ان میں سب سے آگے ایک لمبے بالوں والی عورت تھی جس کے ہاتھ میں ایک چھاگل تھی اور وہ مسلسل اللہ عزوجل کا ذکر کر رہی تھی جب میں نے اس کو غور سے دیکھا تو ان تمام عورتوں میں اس کے علاوہ کسی

عورت کو اس نوجوان کے مشابہ نہ پایا اس نے مجھے پکار کر کہا: ''اے ابواسحاق! میں کئی دنوں سے آپ کے انتظار میں ہوں' آپ مجھے میری آنکھوں کی ٹھنڈک' میرے بھائی کے متعلق بتایئے۔''

پھر وہ بلند آواز سے رونے لگی اس کے رونے کی وجہ سے مجھے بھی رونا آ گیا پھر میں نے اس کو نوجوان اور جو کچھ میں نے دیکھا تھا' سب کچھ بتا دیا اور جب میں اس کے بھائی کی اس بات کہ ''آج میں ان کی خوشبو سونگھنا چاہتا تھا'' پر پہنچا تو اس عورت نے کہا: ''بھائی جان! خوشبو پہنچ گئی' خوشبو پہنچ گئی'' پھر زمین پر گری اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اس کے ساتھ آنے والی عورتوں نے جمع ہو کر کہا: ''اے ابواسحاق! اللہ عزوجل آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔'' جب اس کو دفن کیا گیا تو میں اس کی قبر کے قریب رات تک کھڑا رہا' میں نے رات خواب میں اسے ایک سرسبز و شاداب باغ میں دیکھا اور اس کا بھائی بھی اس کے قریب کھڑا تھا' وہ دونوں قرآن پاک کی یہ آیتِ مبارکہ پڑھ رہے تھے۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ۝ (پ۲۳' الصّٰفٰت:۶۱)

''ایسی ہی بات کے لیے کامیوں کو کام کرنا چاہیے۔''

قَوْمٌ اِذَا عَبِثَ الزَّمَانُ بِاَهْلِهٖ ۔۔۔ كَانَ الْمَفَرُّ مِنَ الزَّمَانِ اِلَيْهِمْ
وَاِذَا اَتَيْتَهُمْ لِدَفْعِ مُلِمَّةٍ ۔۔۔ جَادُوْا عَلَيْكَ بِمَا يَكُوْنُ لَدَيْهِمْ

ترجمہ: (۱) وہ ایسی قوم ہے کہ جب زمانہ لوگوں کو مصائب میں مبتلا کرے تو اس کے مظالم سے بچنے کے لیے ان کی پناہ لی جاتی ہے۔

(۲) جب تو کسی مصیبت کو دور کرنے کے لیے ان کے پاس آئے گا تو وہ اپنے مال سے تجھ پر سخاوت کریں گے۔ (الروض الفائق)

(۱۰۰)

امام الانبیاء کا امام اولیاء پہ اعتماد

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر کیا' وہ جاں باز' بہادر اور بڑے طاقت ور جوان تھے اور مقابلے میں بہت ہی دلیر تھے۔ عصمت وعفت کا تحفظ اور کمزوروں اور لاچاروں کی نگہبانی کی ذمہ داری حضرت علی جیسے نیک نفس' بہادر و جانباز اور جرأت مند و باہمت لوگ ہی کر سکتے تھے۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے داماد اور چچازاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر کیا تا کہ وہ جنگ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں اور مجاہدین کی بیویوں اور بیٹیوں کی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں نگہبانی کا فریضہ انجام دے سکیں۔

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے تبوک کی طرف روانہ ہو گئے تو منافقین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے علی! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر آپ ایک بوجھ بن چکے ہیں۔ آپ کو ایک بوجھ ہی سمجھ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ ہی میں چھوڑ دیا اور خود غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہو گئے۔

استغفر اللہ! کس قدر بے بنیاد بات تھی ان منافقوں کی' کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کبھی بوجھ سمجھ سکتے تھے جبکہ بچپن ہی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر میں پالا پوسا' جوان کیا اور جنتی عورتوں کی سردار اپنی چہیتی صاحب زادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ان کی شادی بھی کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منافقین کی بات پر بڑا غصہ آیا اور وہ جوش میں تلوار سونت کر تبوک کے راستے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا ملے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ میں درپیش ساری باتوں سے آگاہ کیا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بات سن کر ہنس پڑے اور فرمایا:

"یَا عَلِیُّ! اَلَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَیْسَ نَبِیٌّ بَعْدِیْ۔"

"اے علی! تمہیں اس بات سے خوشی نہیں کہ تم میرے نزدیک اسی مقام کے حامل ہو جیسے حضرت ہارون' حضرت موسیٰ علیہما السلام کے نزدیک تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔"

کہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد اور کہاں منافقین کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہنا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو اپنے اوپر بوجھ سمجھنے لگے ہیں۔

(صحیح البخاری' المغازی' باب غزوۃ تبوک وھی غزوۃ العسرۃ' حدیث: ۴۴۱۶ وصحیح مسلم' الفضائل' باب من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ حدیث: ۲۴۰۴ ومسند احمد: ۱/۱۸۵)

(۱۰۱)

محبت کی حقیقت

حضرت سیدنا شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں نے ایک مجذوب (یعنی مجنون، دیوانہ) دیکھا جسے بچے پتھر مار رہے تھے اس کا چہرہ اور سر لہولہان اور شدید زخمی تھا۔ حضرت سیدنا شبلی رحمۃ اللہ علیہ ان بچوں کو ڈانٹنے لگے تو انہوں نے کہا: ''ہمیں چھوڑ دو ہم اسے قتل کریں گے کیونکہ یہ کافر ہے اور کہتا ہے کہ اس نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا ہے اور وہ اس سے کلام بھی کرتا ہے۔'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بچوں سے فرمایا: اسے چھوڑ دو پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس تشریف لے گئے تو وہ مسکرا کر باتیں کر رہا تھا اور کہنے لگا: ''اے خوب صورت نوجوان! آپ کا احسان ہے، یہ بچے تو مجھے بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔'' اس کے بعد اس نے پوچھا: ''وہ میرے متعلق کیا کہہ رہے تھے؟'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو بتایا: ''وہ کہتے ہیں کہ تم اپنے رب عزوجل کو دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہو اور یہ کہ وہ تم سے کلام بھی کرتا ہے۔'' یہ سُن کر اس نے ایک زوردار چیخ ماری پھر کہنے لگا: ''اے شبلی! حق تعالیٰ کی محبت و قربت سے مجھے سکون ملتا ہے اگر لمحہ بھر بھی وہ مجھ سے چھپ جائے تو میں دردِ فراق سے پارہ پارہ ہو جاؤں۔''

حضرت سیدنا شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں میں سمجھ گیا کہ یہ مجذوب اخلاص والے خاص بندوں میں سے ہے۔ میں نے اس سے پوچھا: ''اے میرے دوست! محبت کی حقیقت کیا ہے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''اے شبلی! اگر محبت کا ایک قطرہ سمندر میں ڈال دیا جائے (تو وہ خشک ہو کر) یا پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو وہ غبار کے بکھرے ہوئے باریک

ذرے ہو جائیں لہٰذا اس دل پر کیسا طوفان گزرے گا جس کو محبت نے اضطراب اور گریہ و زاری کا لباس پہنا دیا ہو اور سخت پیاس نے اس کے اندر جلن اور حسرتِ دیدار کو بڑھا دیا ہو۔"

الغرض محبت ایک ایسا دانہ ہے جس کو دلوں کی زمین میں بویا جاتا ہے' گناہوں سے توبہ کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے پھر وہ محبت کی بالیوں کو اُگاتا ہے' ہر بالی میں سو دانے لگتے ہیں اگر ان میں سے ایک' دانہ دلوں کے پرندوں کے لیے رکھ دیا جائے تو وہ محبوب کی محبت میں سخت پیاسے ہو جائیں۔ اللہ عزوجل ہی کے لیے سب خوبیاں ہیں کہ اس کے ایسے بندے بھی ہیں جنہوں نے اپنے دل میں اپنے محبوب کے سوا کسی کے لیے کوئی جگہ نہ چھوڑی' اللہ عزوجل ہی کے لیے ان لوگوں کی خوبیاں ہیں جو اللہ عزوجل کی طرف مائل ہوئے' مال و دولت کو چھوڑ دیا' دنیاوی مال کی مشغولیت سے اعراض کیا' ماضی اور حال کی تبدیلی سے عبرت حاصل کی اور حلال کھانے نے جاگنے میں ان کی مدد کی۔

(الروض الفائق)

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر

محبت کی بات ہو رہی ہے تو ماں کی اولاد کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ محبت کا بھی ایک جلوہ ملاحظہ کر لیں

امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جنگ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چند قیدیوں کو گرفتار کر کے لایا گیا' ان میں ایک خاتون بھی تھی جب کبھی وہ کسی بچے کو دیکھتی تو اسے دودھ پلانے لگتی۔

"اِذَا وَجَدَتْ صَبِیًّا فِی السَّبْیِ اَخَذَتْہُ فَاَلْصَقَتْہُ بِبَطْنِھَا وَاَرْضَعَتْہُ۔"

"قیدیوں میں سے جس بچے کو پاتی اسے اپنی گود میں لے لیتی اور اپنے پیٹ سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس خاتون کی بچے کے لیے یہ بے چینی دیکھی تو آپ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت فرمایا:

"أَتَرَوْنَ هٰذِهٖ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ۔"

"تمہارے خیال میں کیا یہ خاتون اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: نہیں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ یہ خاتون اپنے بچے کو آگ میں پھینک دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لَلّٰهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا۔"

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس خاتون سے کہیں زیادہ رحم کھانے والا ہے جو ابھی اپنے بچے پر رحم کا اظہار کر رہی ہے۔"

(بخاری ۵۹۹۹، مسلم ۲۷۵۴)

(۱۰۲)

اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا انوکھا طریقہ

حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ''ایک دن میں ایک بازار سے گزرا تو میں نے چار آدمیوں کے کندھوں پر ایک جنازہ دیکھا' ان کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ میں نے کہا: اللہ عزوجل کی قسم! میں ان کا پانچواں رفیق بن کر ضرور اجروثواب حاصل کروں گا۔'' جب وہ قبرستان پہنچے تو میں نے کہا: ''اے لوگو! اس شخص کا ولی کہاں ہے؟ جو کہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھے؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ''اے محترم بزرگ! ہم میں سے کوئی اس کو نہیں جانتا'' پھر میں آگے بڑھا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ہم نے اسے لحد میں اُتار کر اس پر مٹی ڈال دی جب انہوں نے لوٹنے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا: ''اس میت کا کیا معاملہ ہے؟'' تو انہوں نے بتایا کہ ''ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے' ہاں! ایک عورت نے اس کو یہاں تک پہنچانے کے لیے ہمیں کرائے پر لیا اور وہ اب آنے ہی والی ہے' اتنے میں وہ عورت آ گئی جب وہ روتے ہوئے اور پریشان دل کے ساتھ قبر کے قریب رُکی تو اپنے چہرے سے پردہ ہٹایا' بال پھیلائے' اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے گریہ وزاری کرنے لگی پھر اس نے دعا مانگی اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئی۔ کچھ دیر جب ہوش آیا تو ہنسنے لگی۔

میں نے اس سے پوچھا: ''مجھے اپنے اور اس میت کے متعلق بتائیے! اتنا شدید رونے کے بعد یہ ہنسنا کیسا؟'' تو اس نے مجھ سے پوچھا: ''آپ کون ہیں؟'' میں نے جواب دیا: ''ذوالنون'' تو وہ کہنے لگی: ''اللہ عزوجل کی قسم! اگر آپ صالحین میں سے نہ ہوتے

تو میں آپ کو کبھی نہ بتاتی‘ یہ میرا بیٹا اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے‘ یہ اپنی جوانی کو ضائع کرتا اور فخریہ لباس پہنا کرتا‘ کوئی برائی ایسی نہیں جس کا اس نے ارتکاب نہ کیا ہو اور کوئی گناہ ایسا نہیں جسے کرنے کی اس نے کوشش نہ کی ہو اس کے گناہوں کو جاننے والے مولیٰ عزوجل نے اسے گناہوں کی سزا یہ دی کہ ایک دن اسے شدید درد ہوا جو تین دن رہا جب اس کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو کہنے لگا: ”اے میری ماں! میں تجھے اللہ عزوجل کا واسطہ دیتا ہوں میری وصیت قبول کرنا جب میں مر جاؤں تو میری موت کی خبر میرے دوستوں‘ بھائیوں‘ گھر والوں اور پڑوسیوں میں سے کسی کو نہ دینا کیونکہ وہ میرے برے افعال‘ گناہوں کی کثرت اور جہالت کی وجہ سے مجھ پر رحم نہیں کریں گے پھر اس نے روتے ہوئے یہ اشعار پڑھے:

لِیْ ذُنُوْبٌ شَغَلَتْنِیْ عَنْ صِیَامِیْ وَصَلَاتِیْ
تَرَکْتُ جِسْمِیْ عَلِیْلًا مَّاتَ مِنْ قَبْلِ وَفَاتِیْ
لَیْتَنِیْ تُبْتُ لِرَبِّیْ مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ
اَنَا عَبْدٌ یَّا اِلٰھِیْ ھَائِمٌ فِی الْفَلَوَاتِ
بَحَثْتُ جَھْرًا بِعُیُوْبِیْ وَذُنُوْبِیْ قَاتِلَاتِیْ
قَدْ تَوَالَتْ سَیِّئَاتِیْ وَ تَلَاشَتْ حَسَنَاتِیْ

ترجمہ: (۱) میرے گناہوں نے مجھے نماز روزے سے غافل کر دیا۔
(۲) میں نے اپنے جسم کو اتنا علیل و کمزور کر دیا کہ وہ موت سے پہلے ہی مر چکا ہے۔
(۳) کاش! میں اپنے رب عزوجل کی بارگاہ میں تمام گناہوں سے توبہ کر لیتا۔
(۴) اے میرے معبود عزوجل! وسیع بیابان میں تیرا یہ بندہ حیرت زدہ ہے۔
(۵) میرے عیوب سب پر ظاہر ہو گئے گناہوں نے میری کمر توڑ ڈالی۔
(۶) میری برائیاں بہت زیادہ ہو چکی ہیں اور نیکیاں برباد ہو چکی ہیں۔

پھر وہ روتے ہوئے کہنے لگا: ”اے میری ماں! افسوس ہے اس پر کہ میں اللہ

عزوجل کے نافرمانوں میں حد سے بڑھ گیا افسوس اس دل پر جسے میں سخت کرتا رہا' اے میری ماں! تجھے اللہ عزوجل کی قسم! جب میں مر جاؤں تو میرے رخسار کو زمین اور مٹی پر رکھ کر میرے دوسرے رخسار پر اپنا قدم رکھ دینا اور کہنا کہ یہ جزا ہے اس بندے کی جس نے اپنے مولیٰ کی نافرمانی و مخالفت کی اس کے حکم کو ترک کیا' اپنی خواہش کے پیچھے چلا جب آپ مجھے دفن کر لیں تو اپنے ہاتھوں کو اللہ عزوجل کی جناب میں بلند کر کے کہنا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ رَضِیْتُ عَنْہُ فَارْضَ عَنْہُ" یعنی اے اللہ عزوجل! میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔" جب یہ مرا تو میں نے اس کی تمام وصیتوں کو پورا کیا اب جب میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو مجھے ایک آواز سنائی دی: "اے میری ماں! اب لوٹ جا' میں اپنے رب عزوجل کے حضور اس حال میں آیا کہ وہ مجھ پر ناراض نہ تھا۔" جب میں نے یہ آواز سنی تو مسکرانے لگی۔"

☆ حضرت سیدنا منصور بن عمار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "جب بندے کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو مرنے والے کی حالت پانچ طرح کی ہوتی ہے:

(۱) مال وارث کے لیے

(۲) روح ملک الموت علیہ السلام کے لیے

(۳) گوشت کیڑوں کے لیے

(۴) ہڈیاں مٹی کے لیے اور

(۵) نیکیاں خصوم یعنی قیامت کے دن اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ "وارث مال لے جائے تو قابل برداشت ہے اسی طرح ملک الموت علیہ السلام روح لے جائیں تو بھی درست ہے مگر اے کاش! موت کے وقت شیطان ایمان نہ لے جائے ورنہ اللہ عزوجل سے جدائی ہو جائے گی' ہم اس سے اللہ عزوجل کی پناہ طلب کرتے ہیں کیونکہ اگر سب فراق ایک طرف جمع ہو جائیں اور رب

عزوجل کا فراق ایک طرف ہو تو یہ تمام فراقوں سے زیادہ بھاری ہے جسے کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔

حضرت سیدنا محمد بن نعیم علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے: "جبرائیلِ امین (علیہ السلام) جب بھی میرے پاس حاضر ہوتے تو وہ اللہ عزوجل کے خوف سے کانپ رہے ہوتے جب شیطان کی مخالفت ظاہر ہوئی اور قرب' بلند مرتبہ اور عبادت کے بعد اسے دھتکارا گیا تو جبریل میکائیل (علیہما السلام) دونوں رونے لگے' اللہ عزوجل نے ان سے استفسار فرمایا: "تمہیں کیا ہوا؟ کیوں روتے ہو؟ حالانکہ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔" تو انہوں نے عرض کی: "اے ہمارے رب عزوجل! ہم تیری خفیہ تدبیر یعنی تیری قضا' تیرے قرب کے بعد دوری اور سعادت مندی کے بعد شقاوت سے خوف زدہ ہیں۔" تو اللہ عزوجل نے ان سے ارشاد فرمایا: "اسی طرح میری خفیہ تدبیر سے ڈرتے رہو۔"

(العظمۃ لابی الشیخ الاصبہانی' ذکر میکائیل علیہ السلام الحدیث ۳۸۵' ص ۱۳۶' مختصر)

(۱۰۳)

ایک حسین تمنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے دورانِ سفر ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سو رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نیند سے بے دار ہوا اور جا کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو دیکھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ بستر پر رکھا تو بستر بالکل ٹھنڈا تھا پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بستر کو جا کر دیکھا تو وہ بھی موجود نہیں تھے اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بستر کا رُخ کیا لیکن وہ بھی غائب تھے۔

اتنے میں میری نگاہ خیمے کے آخر میں پڑاؤ کے کنارے ایک روشنی پر پڑی۔ میں نے اس روشنی کا رُخ کیا جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک قبر کھودی گئی ہے اور اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُترے ہوئے ہیں وہاں ایک جنازہ رکھا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جنازے کے گرد تھے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے تھے: "نَاوِلُوْنِیْ صَاحِبَکُمَا".

"اپنے ساتھی کو مجھے دو"

جب انہوں نے جنازہ قبر میں اُتارا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبر میں رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے پھر آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے قبلے کی طرف اپنا چہرہ کیا اور اپنے ہاتھ اُٹھا کر فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ أَمْسَيْتُ عَنْهُ رَاضِيًا فَارْضَ عَنْهُ."

"اے اللہ! آج شام تک میں اس مرنے والے سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔" (مجمع الزوائد للہیثمی ۳۶۹/۹)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا: یہ میت کون ہے؟ حاضرین نے بتایا: یہ تمہارے بھائی عبداللہ ذوالبجادین ہیں جو رات کے ابتدائی حصے میں انتقال فرما گئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

"فَوَدِدْتُ وَاللهِ اَنِّيْ اَنَا الْمَيِّتُ."

"اللہ کی قسم! میری خواہش ہوئی کہ اے کاش! مرنے والا میں ہی ہوتا۔"

حضرت عبداللہ ذوالبجادین کا مختصر تعارف اس طرح ہے کہ آپ کا نام عبداللہ بن عبدنُہم بن عفیف ہے، وہ یتیم پیدا ہوئے اور ان کے چچا نے ان کی پرورش کی۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبدالعزیٰ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ان کی قوم نے ان سے سب کچھ چھین لیا سوائے ایک موٹی چادر کے اس چادر کے انہوں نے دو حصے کیے۔ ایک کا ازار بنایا اور دوسرا اوپر اوڑھ لیا اور مدینہ کی راہ لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو ان کا لقب "ذوالبجادین" (دو چادروں والا) رکھا۔ وہ حلیم، فاضل اور قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنے والے تھے۔ انہوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر وفات پائی۔ (اسد الغابہ ج ۳)

(۱۰۴)

بوڑھے عابد کی شکل میں شیطان

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نمازِ جمعہ کے لیے نکلا تو مجھے ایک بوڑھے عابد کی شکل میں ابلیس ملا اس نے مجھ سے پوچھا: ''اے عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟'' میں نے کہا: ''نماز کے لیے جا رہا ہوں۔'' کہنے لگا: ''نماز تو ہو چکی ہے اب آپ کی نمازِ جمعہ فوت ہو گئی ہے۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو پہچان لیا اور اسے گردن اور گدی سے پکڑ کر کہا: ''تیرا ستیاناس ہو! کیا تو عابدوں اور زاہدوں کا سردار نہ تھا؟ تجھے ایک سجدے کا حکم دیا گیا مگر تو نے انکار کیا' تکبر کیا اور کافروں میں سے ہوا اب قیامت تک تو اللہ عزوجل سے دُور رہے گا۔'' تو وہ کہنے لگا: ''اے عمر! ذرا خیال سے بول' کیا فرمانبرداری میرے بس میں ہے یا بدبختی میری مشیت کے تحت ہے؟ میں نے عرش کے نیچے بہت سجدے کیے یہاں تک کہ آسمان کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس پر میں نے رکوع و سجود نہ کیے ہوں' اتنے قرب کے باوجود مجھے کہا گیا:

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ٥ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ٥ (پ۱۴، الحجر: ۳۴-۳۵)

''تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔''

حضرت صدرالافاضل سید محمد نعیم مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں:

''آسمان و زمین تجھ پر لعنت کریں گے اور جب قیامت کا دن آئے گا تو اس لعنت کے ساتھ ہمیشگی کے عذاب میں گرفتار کیا جائے گا جس سے کبھی رہائی نہ ہوگی۔''

(پھر کہنے لگا) ''اے عمر! کیا تمہیں یقین ہے کہ تم اللہ عزوجل کی خفیہ تدبیر سے امن میں ہو؟''

فَلَا یَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۝ (پ۹ الاعراف:۹۹)

''تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔''

صدرالافاضل، سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: ''اور اس کے مخلص بندے اس کا خوف رکھتے ہیں۔ ربیع بن خثیم کی صاحب زادی نے ان سے کہا: کیا سبب ہے، میں دیکھتی ہوں سب لوگ سوتے ہیں اور آپ نہیں سوتے ہیں؟ فرمایا: اے نورِ نظر! تیرا باپ شب کو سونے سے ڈرتا ہے یعنی یہ کہ غافل ہو کر سو جانا کہیں سبب عذاب نہ ہو۔''

تو میں نے اس سے کہا: ''میری نظروں سے اوجھل ہو جا! مجھے طاقت نہیں کہ (اس مسئلہ میں) تجھ سے کلام کروں۔

مسلمانو! کہاں ہیں وہ لوگ جو لذتوں سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے، مخلوق پر ظلم اور غرور و تکبر کیا کرتے تھے؟ ان کو موت کے جام دیئے گئے تو وہ ان جاموں کو گھونٹ گھونٹ پیتے رہے، انہوں نے اس مال کو ترک کر دیا جو وہ جمع کیا کرتے تھے اس عیش و عشرت سے مفارقت و جدائی اختیار کر لی جس سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ کاش! تو انہیں ندامت کے جبوں میں ہانکے جاتے ہوئے دیکھتا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھ رہے ہیں۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

(پ ۹ الاعراف: ۹۹)

''کیا اللہ کی خفیہ تدبیر سے بے خبر ہیں تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔'' (الروض الفائق)

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِيْ حِرْفَتَانِ

الْفَقْرُ وَالْجِهَادُ

میرے دو ہنر (ہتھیار) ہیں فقر اور جہاد (فرمانِ رسول)

(۱۰۵)

ہمارے آقا علیہ السلام کا ایک نابینا غلام

ایک روز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشرافِ قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک عبداللہ بن اُم مکتوم جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی برتی کیونکہ آپ اشرافِ قریش کو راہِ راست پر آنے کی دعوت پیش کر رہے تھے اور آپ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ناگواری و بے توجہی پر یہ آیات نازل فرمائیں:

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝

''تیوری چڑھائی اور منہ موڑ لیا، صرف اس لیے کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا تجھے کیا خبر شاید اس کی اصلاح ہو جاتی یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی لیکن جو بے پروائی کرتا ہے اس کی طرف تو پوری توجہ کرتا ہے حالانکہ اس کی اصلاح نہ ہونے سے تجھ پر کوئی الزام نہیں اور جو شخص تیرے

پاس دوڑتا ہوا آتا ہے اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو اس سے تو بے رخی برتتا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں، قرآن تو نصیحت کی چیز ہے جو چاہے اس سے نصیحت لے۔"

(عبس: ۱-۱۲)

چنانچہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوبارہ عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور ان سے معانقہ کیا اور اپنی چادر ان کے لیے بچھا دی اور فرمایا: "مَرْحَبًا بِالَّذِيْ عَاتَبَنِيْ فِيْهِ رَبِّيْ۔"

"خوش آمدید اس آدمی کو جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے تنبیہ کی۔"

وہ اشرافِ قریش جن کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں، ان کا انتقال تو کفر کی حالت میں ہوا اور وہ بھڑکتی آگ کے ایندھن بن گئے اس کے برعکس وہ نابینا شخص جس کی آمد سے کفار کے سامنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ناگواری سی محسوس ہوئی تھی، وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور مسلسل دینی خدمات انجام دیتے رہے حتیٰ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوے کی مہم پر نکلتے تو اکثر و بیشتر عبداللہ بن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ہی کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر کرتے جو لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تیرہ مرتبہ مدینہ منورہ پر اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ انہوں نے جنگِ قادسیہ میں اسلام کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے شہادت پائی تھی۔

(۱) صحیح الاسناد ترمذی: کتاب تفسیر القرآن باب تفسیر سورۃ عبس ۳۳۳۱)

(۲) الدر المنثور ۶/ ۵۱۸-۵۱۹)

(۳) تهذیب التهذیب لابن حجر ۸/ ۳۱)

(۱۰۶)

دو امرد پسند مؤذنوں کی بربادی

حضرت سیدنا عبداللہ بن احمد مؤذن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''طواف کعبہ میں مشغول تھا کہ ایک شخص پر نظر پڑی جو غلافِ کعبہ سے لپٹ کر ایک ہی دعا کا تکرار کر رہا تھا: ''یا اللہ عزوجل! مجھے دنیا سے مسلمان ہی رخصت کرنا'' میں نے اس سے پوچھا: تم اس کے علاوہ کوئی اور دعا کیوں نہیں مانگتے؟ اس نے کہا: ''کاش! آپ کو میرے واقعہ کا علم ہوتا'' میں نے دریافت کیا: ''تمہارا کیا واقعہ ہے؟'' تو اس نے بتایا: ''میرے دو بھائی تھے بڑے بھائی نے چالیس سال تک مسجد میں بلا معاوضہ اذان دی جب اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے قرآن پاک مانگا' ہم نے اسے دیا تا کہ اس سے برکتیں حاصل کرے مگر قرآن شریف ہاتھ میں لے کر کہنے لگا: ''تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں قرآن کے تمام اعتقادات و احکامات سے بیزاری اور نصرانی (عیسائی) مذہب اختیار کرتا ہوں پھر وہ مر گیا اس کے بعد دوسرے بھائی نے تیس برس تک مسجد میں فی سبیل اللہ اذان دی مگر اس نے بھی آخری وقت نصرانی ہونے کا اعتراف کیا اور مر گیا لہٰذا میں اپنے خاتمہ کے بارے میں بے حد فکر مند ہوں اور ہر وقت خاتمہ بالخیر کی دعا مانگتا رہتا ہوں تو حضرت سیدنا عبداللہ بن احمد مؤذن رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے استفسار فرمایا: ''تمہارے دونوں بھائی ایسا کون سا گناہ کرتے تھے؟'' اس نے بتایا: ''وہ غیر عورتوں میں دلچسپی لیتے تھے اور امردوں (بے ریش لڑکوں) کو (شہوت سے) دیکھا کرتے تھے۔''

اس واقعہ کے تحت حضرت مولانا محمد الیاس قادری رضوی بانی دعوتِ اسلامی لکھتے ہیں:

اسلامی بھائیو! غضب ہو گیا! کیا اب بھی غیر عورتوں سے بے پردگی اور بے تکلفی سے باز نہیں آئیں گے؟ کیا اب بھی غیر عورتوں نیز اپنی بھابھی، چچی، تائی، ممانی (کہ یہ بھی شرعاً غیر عورتیں ہی ہیں ان) سے اپنی نگاہوں کو نہیں بچائیں گے؟ اسی طرح چچازاد، تایازاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد کا نیز بیوی کی بہن اور بہنوئی کا آپس میں پردہ ہے۔ نامحرم پیر اور مریدنی کا بھی پردہ ہے۔ مریدنی اپنے نامحرم پیر کا ہاتھ نہیں چوم سکتی۔ خبردار! امرد تو آگ ہے آگ! امرد اگرچہ اس بے چارے کا کوئی قصور نہیں، امرد ہونے کے سبب اس کی دل آزاری بھی مت کیجئے مگر اس سے اپنے آپ کو بچانا بے حد ضروری ہے۔ ہرگز امرد کو سکوٹر پر اپنے پیچھے مت بٹھایئے، خود بھی اس کے پیچھے مت بیٹھیے کہ آگ آگے ہو یا پیچھے اس کی تپش ہر صورت میں پہنچے گی۔ شہوت نہ ہو جب بھی امرد سے گلے ملنا محل فتنہ (یعنی فتنے کی جگہ) ہے اور شہوت ہونے کی صورت میں گلے ملنا بلکہ ہاتھ ملانا بلکہ فقہائے کرام رحمہم اللہ السلام فرماتے ہیں: ''امرد کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھنا بھی حرام ہے۔'' (تفسیراتِ احمدیہ ص ۵۵۹) اس کے بدن کے ہر حصے حتیٰ کہ لباس سے بھی نگاہوں کو بچایئے اس کے تصور سے اگر شہوت آتی ہو تو اس سے بھی بچیے، اس کی تحریر یا کسی چیز سے شہوت بھڑکتی ہو تو اس سے نسبت رکھنے والی ہر چیز سے نظر کی حفاظت کیجئے حتیٰ کہ اس کے مکان کو بھی مت دیکھیے اگر اس کے والد یا بڑے بھائی وغیرہ کو دیکھنے سے اس کا تصور قائم ہوتا ہے اور شہوت چڑھتی ہے تو ان کو بھی مت دیکھیے۔ امرد کے ذریعے کیے جانے والے شیطان عیار و مکار کے تباہ کار وار سے خبردار کرتے ہوئے میرے آقا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''منقول ہے، عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں اور امرد کے ساتھ ستر۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۷۲۱) بہر حال اجنبیہ عورت (یعنی جس سے شادی جائز ہو) اس سے اور امرد سے اپنی آنکھوں اور اپنے وجود کو دُور رکھنا سخت

ضروری ہے ورنہ ابھی آپ نے ان دو بھائیوں کی اموات کے تشویش ناک معاملات پڑھے جو بظاہر نیک تھے" مہربانی فرما کر مکتبۃ المدینہ کا مطبوعہ مختصر رسالہ امرد پسند کی تباہ کاریاں کا مطالعہ فرمالیجیے۔"

نفسِ بے لگام تو گناہوں پہ اُکساتا ہے
توبہ توبہ کرنے کی بھی عادت ہونی چاہیے

(بُرے خاتمے کے اسباب ص ۱۸)

(۱۰۷)

یہود ونصاریٰ سے دوستی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی عبداللہ بن قیس ہے اور کنیت ابوموسیٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے فوراً بعد آپ نے ملک یمن کو خیر باد کہہ کر مکہ مکرمہ کا رُخ کیا۔ وہاں سعید بن العاص کے حلیف بن گئے۔ مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی جب غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت جعفر طیار حبشہ سے مدینہ پہنچے تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کی دعوت کے نتیجے میں داخلِ اسلام ہونے والے پچاس دیگر اشعری بھی اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کا شمار ان اجلہ صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے قرآن کریم کو یاد کیا' اسے سمجھا اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے۔

(اسد الغابۃ: ۳/۳۶۴' الاصابۃ: ت: ۴۹۱۶' والاستیعاب: ت: ۱۶۵۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا:

تم اپنے کاتب کو میری خدمت میں پیش کرو تا کہ وہ ہمارے سامنے ملک شام سے آیا ہوا صحیفہ پڑھ کر سنائے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا اس کو جنابت لاحق ہے؟

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں بلکہ وہ نصرانی ہے؟

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر بڑے زور سے اپنی ران پر مارتے ہوئے فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ تمہیں غارت کرے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا ہے:

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ

''اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔'' (المائدہ: ۵/۵۱)

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم نے کسی مسلمان کو اپنا کاتب کیوں نہ مقرر کیا؟''

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''اس کے لیے اس کا دین ہے اور میرے لیے اس کی کتابت ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لَا اُکْرِمُهُمْ اِذَا اَهَانَهُمُ اللّٰهُ وَلَا اُعِزُّهُمْ اِذَا اَذَلَّهُمُ اللّٰهُ وَلَا اُدْنِیْهِمْ اِذَا اَقْصَاهُمُ اللّٰهُ۔''

اللہ تعالیٰ نے جب ان (یہود و نصاریٰ) کی توہین کی ہے تو میں ان کی تکریم نہیں کر سکتا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و رسوا کیا ہے تو میں انہیں عزت نہیں بخش سکتا اور جب اللہ تعالیٰ نے (اپنی رحمت سے) انہیں دُور رکھا ہے تو میں ایسے لوگوں کو قریب نہیں کر سکتا۔'' (عیون الاخبار لابن قتیبہ)

(۱۰۸)

اچھی نیت کا پھل اور بُری کا وبال

منقول ہے کہ ''دو بھائی تھے' ان میں سے ایک عابد اور دوسرا فاسق تھا۔ عابد کی آرزو تھی کہ وہ شیطان کو اپنی محراب میں دیکھے' ایک دن اس کے پاس انسانی شکل میں ابلیس آیا اور کہنے لگا: ''افسوس ہے تجھ پر! تو نے اپنی عمر کے چالیس سال نفس کو قید اور بدن کو مشقت میں ڈال کر ضائع کر دیئے۔ تمہاری جتنی عمر گزر چکی اتنی ابھی باقی ہے' اپنے نفس کی خواہشات پوری کر کے لذت حاصل کر لے اس کے بعد دوبارہ توبہ کر لینا اور واپس عبادت کی طرف لوٹ آنا۔ بے شک اللہ عزوجل بخشنے والا' مہربان ہے۔'' یہ سن کر عابد نے اپنے دل میں کہا: ''میں نیچے جا کر اپنے بھائی کے پاس بیس سال لذات حاصل کروں گا اور خواہشات پوری کروں گا پھر توبہ کر لوں گا اور اپنی عمر کے بقیہ بیس سال عبادت میں صرف کر دوں گا۔'' اب یہ نیچے اترنے لگا ادھر اس کے گناہ گار بھائی نے اپنے نفس سے کہا: ''تو نے اپنی عمر کو نافرمانی میں ضائع کر دیا اور تیرا بھائی جنت میں جب کہ تو جہنم میں جائے گا۔ اللہ عزوجل کی قسم! میں ضرور توبہ کروں گا اور اپنے بھائی کے ساتھ اوپر والے کمرے میں جا کر اپنی بقیہ عمر عبادت میں گزاروں گا۔ شاید اللہ عزوجل مجھے بخش دے۔'' ادھر وہ توبہ کی نیت لے کر اوپر کو چڑھنے لگا اور اس کا عابد بھائی نافرمانی کی نیت سے لے کر اترنے لگا کہ اچانک اس کا پاؤں پھسلا اور وہ اپنے بھائی پر گر پڑا اور دونوں سیڑھیوں پر اکٹھے مر گئے اب عابد کا حشر نافرمانی کی نیت پر ہو گا اور گناہ گار کا حشر

توبہ کی نیت پر ہوگا۔“

اے مسلمانو! دن رات ہونے والے واقعات سے عبرت پکڑنے کے لیے اپنے دلوں کو فارغ کرلو' کتنے ہی لوگ جو اللہ عزوجل سے دُور تھے' قریب ہو گئے اور بہت سے قرب والے دُور کردیئے گئے۔ ان کے گھر والوں اور پڑوسیوں نے ان سے جفا کی۔ قرب حاصل کرنے والوں کے لیے جنت اور دُوری اختیار کرنے والوں کے لیے دوزخ ہے تو اے عقل والو! عبرت حاصل کرو بلاشبہ جب عابد ٹھوکر کھا کر پھسلا تو اپنی نیت تبدیل کرنے اور عبادت کے بعد حد سے بڑھنے اور گناہ کرنے پر رویا' وہ اللہ عزوجل سے محبت تو کرتا تھا لیکن اگر اس کی محبت خالص ہوتی تو وہ ضرور وفا کی طرف لوٹتا اور عنقریب جان لے گا کہ اس نے گرنے والے کنارے پر بنیاد رکھی۔ پس اے عقل والو! نصیحت حاصل کرو۔ (الروض الفائق)

(۱۰۹)

اور بینائی واپس آ گئی

زِنّیرَہ رومیہ رضی اللہ عنہا ان خواتینِ اسلام میں سے تھیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی ایام میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئی تھیں۔ یہ بنومخزوم کی لونڈیوں میں سے تھیں۔ ایک قول کے مطابق بنوعبدالدار کی لونڈی تھیں جب انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان کے اوپر ظلم وستم کا وہی پہاڑ ڈھایا جانے لگا جیسا کہ ان سے پہلے کمزور ولاچار مسلمانوں پر ڈھایا جارہا تھا۔ مشرکینِ مکہ انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتے مگر یہ اللہ کی بندی پورے صبر وتحمل کے ساتھ اپنے ایمان پر قائم رہی۔ اسلام کی راہ میں ہر تکلیف برداشت کی' مشکلات ومصائب سے تنگ آ کر کبھی اپنی زبان پر حرفِ شکایت اُف تک نہیں لائیں۔

ابوجہل سیدہ زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا کو سزائیں دینے میں پیش پیش تھا۔ علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ ابوجہل اپنے لوگوں سے کہا کرتا تھا:

"أَلَا تَعْجَبُوْنَ لِهٰؤُلَاءِ وَاتِّبَاعِهِمْ مُحَمَّدًا؟ فَلَوْ كَانَ مَا أَتٰى بِهٖ مُحَمَّدٌ خَيْرًا وَّحَقًّا' مَا سَبَقُوْنَا إِلَيْهِ' أَفَسَبَقَتْنَا زِنِّيْرَةُ إِلٰى رُشْدِهٖ وَهِيَ مَنْ تَرَوْنَ؟"

"تم لوگوں کو اس بات سے تعجب نہیں ہوتا کہ یہ کیسے کیسے (کمزور ولاچار) لوگ کس طرح محمد کی پیروی کرتے ہیں؟ اگر محمد کا لایا ہوا دین بہتر اور حق ہوتا

تو یہ (خستہ حال لوگ) ہم سے پہلے اسے قبول نہیں کر سکتے تھے (بلکہ ہم مال دار، سمجھ دار اور اثر و رسوخ والے پہلے اسے قبول کرتے) کیا یہ زنیرہ رشد و ہدایت کی طرف ہم پر سبقت لے گئی جب کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کون ہے (اور اس کی حیثیت کیا ہے؟)"

حضرت زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا کو کفارِ مکہ مارتے جاتے اور کہتے جاتے: "تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین چھوڑ دو مگر قربان جایئے اس اولوالعزم اور بہادر خاتون کے مضبوط ایمان پر کہ اس نے کفارِ مکہ کے ہر ستم کو برداشت کر لینا گوارا کر لیا لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو ایک لمحے کے لیے چھوڑنا گوارا نہیں کیا!! بالآخر اللہ کی راہ میں مسلسل سزائیں برداشت کرتے کرتے ان کی آنکھوں کی بینائی چلی گئی اس وقت کفارِ مکہ حضرت زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا سے کہنے لگے:

"اِنَّ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی فَعَلَتَابَكِ مَا تَرَيْنَ۔"

"یقیناً لات وعزیٰ نے تمہارا یہ حال کیا ہے جو تم دیکھ رہی ہو۔"

حضرت زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا بلاشبہ نابینی ہو چکی تھیں مگر ان کے دل کی آنکھیں روشن تھیں۔ چنانچہ انہوں نے کفار کی باتوں کا فوراً اور دوٹوک جواب دیا:

"وَمَا تَدْرِ اللَّاتَ وَالْعُزّٰی مَنْ يَّعْبُدُهُمَا؟ وَلٰكِنْ اَمْرٌ مِّنَ السَّمَآءِ وَرَبِّىْ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يَّرُدَّ بَصَرِىْ۔"

"لات وعزیٰ کو کیا معلوم کہ کون ان کی پوجا کرتا ہے؟ بلکہ یہ بینائی آسمان والے کے حکم ہی سے زائل ہوئی ہے (میری قسمت میں تمہارے ظلم وستم کی بدولت مجھے اندھا ہونا لکھا تھا) اور ہاں! میرا پروردگار اب بھی میری بینائی واپس کرنے پر قادر ہے۔"

سیر و تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے:

"فَاَصْبَحَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَقَدْ رَدَّ اللّٰهُ بَصَرَهَا۔"

''اسی رات کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہ کی بینائی واپس کر دی۔''

چہ جائیکہ کفارِ قریش اس واقعہ سے درسِ عبرت لیتے' اُلٹا کہنے لگے:

''هٰذَا مِنْ سِحْرِ مُحَمَّدٍ!!''

''ارے! یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جادو کا کرشمہ ہے۔''

حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا پر آئے دن کفارِ قریش ستم توڑ رہے تھے چنانچہ ایک دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ زنیرہ رضی اللہ عنہا بھی ان سات لوگوں میں سے ایک تھیں جنہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے آقاؤں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا اور جو اللہ کے راستے میں ستائے جا رہے تھے۔

(اسد الغابۃ ۶۹۴۸' الاستیعاب ۳۳۸۸' الاصابۃ ۱۱۲۲۲' السیرۃ الشامیۃ ۲/ ۴۸۳)

(۱۱۰)

شیطان کا خطرناک جال

حضرت سیدنا امام ابومحمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''تین زاہد دورانِ سال فقط اللہ عزوجل کے بھروسے پر زادِ راہ لیے بغیر حج کے ارادے سے بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہوئے' راستے میں انہوں نے عیسائیوں کی ایک بستی میں قیام کیا' تینوں (زاہدوں) میں سے ایک کی نظر ایک خوب صورت نصرانی عورت پر پڑی تو اس کا دل اس کی طرف مائل ہو گیا جب تینوں نے سفر کا ارادہ کیا تو اس نے حیلے بہانے سے ان کو ٹال دیا اور خود وہیں بیٹھ گیا اس کے دونوں رفیق چلے گئے اور اس کو بستی ہی میں چھوڑ دیا اب اس نے اپنے دل کی بات اس عورت کے والد سے کی۔ اس نے کہا: ''اس کا مہر تجھ پر بہت بھاری ہے تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔'' اس نے پوچھا: ''کیا مہر ہے؟'' اس کے والد نے کہا: ''تو دینِ اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت میں داخل ہو جا۔'' چنانچہ اس زاہد نے نصرانی ہو کر اس عورت سے نکاح کر لیا اور دو بچے بھی پیدا ہوئے۔ آخر کار وہ نصرانیت پر ہی مر گیا جب اس کے دونوں ساتھی سفر سے واپس آئے تو اس کے متعلق دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ تو نصرانیت پر مر چکا ہے اور نصرانیوں نے اسے اپنے قبرستان میں دفن کر دیا ہے تو وہ اس کی قبر پر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عورت اور دو بچوں کو قبر پر روتے ہوئے پایا۔ وہ دونوں بھی رونے لگے۔ عورت نے ان سے پوچھا: ''آپ کیوں رو رہے ہو؟'' انہوں نے اس کی عبادت' نماز اور زہد کا تذکرہ کیا جب عورت نے یہ سنا تو اس کا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور وہ اپنے دونوں بچوں سمیت اسلام لے آئی۔ حضرت سیدنا شیخ ابومحمد

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''سبحان اللہ عزوجل! جو مسلمان تھا کفر پر مرا اور جو کافر تھا اسلام لے آیا۔ تو مسلمان کو چاہیے کہ اپنے انجام سے ڈرتا رہے اور اللہ عزوجل سے حسنِ خاتمہ کا سوال کرتا رہے۔'' (الروض الفائق)

(۱۱۱)

سخاوت اس کو کہتے ہیں

عربوں میں بہت ساری ایسی صفات پائی جاتی ہیں جو انہیں دیگر اقوام کے مقابلہ میں نمایاں کرتی ہیں۔ شجاعت' بہادری' دلیری' مہمان نوازی' عفوودرگزر اور حوصلہ مندی میں انہوں نے حیران کن مثالیں پیش کیں ایسے ایسے لوگ بھی دنیا میں پیدا ہوئے' انہیں اس دنیا سے رخصت ہوئے سینکڑوں سال گزر چکے ہیں مگر تاریخ میں ان کا نام آج بھی زندہ ہے اور ان کے کارناموں کو سنہرے حروف سے لکھا جا چکا ہے۔

معن بن زائدہ کا نام حوصلہ مندی اور بردباری کے حوالہ سے بڑا مشہور ہے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے: ''اَلْحِلْمُ سَيِّدُ الْاَخْلَاقِ .''

''تحمل و بردباری سرچشمہ اخلاق ہے۔''

یہ بالکل درست ہے کہ اعلیٰ اخلاق کی پہچان حوصلہ مندی سے شروع ہوتی ہے۔ حلیم شخص بڑا صابر' شاکر' متواضع' کریم اور ہر معاملہ میں نرمی برتنے والا ہوتا ہے اور ایسے لوگ یقیناً اللہ کے ہاں بھی محبوب ہوتے ہیں اور لوگوں میں بھی بے پناہ شہرت کے حامل اور پسندیدہ ہوتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی اشج عبدقیس کو فرمایا تھا:

''اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ: اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ .''

''تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ کو نہایت پسند ہیں: حلم و بردباری

اور کام میں حوصلہ مندی۔"

(مسلم: ۱۸، ترمذی، ابوداؤد، سنن بیہقی ۱۰/۱۰۴، صحیح ابن حبان وغیرہ)

اس تمہید کے بعد آیئے معن بن زائدہ کے بارے میں پڑھتے ہیں:

ابوالولید معن بن زائدہ بن عبداللہ بن مطر شیبانی بڑا رئیس اور امیر کبیر شخص تھا، لوگوں میں بہت سخی اور رحم دل شخص کے طور پر معروف تھا، اپنی سخاوت، حوصلہ مندی اور بردباری کی بدولت ضرب المثل تھا۔

بنی اُمیہ کے دور میں یہ شخص مختلف عہدوں پر فائز رہا اور ان کے آخری دور میں یزید بن عمر بن ہبیرہ کے خواص میں شامل تھا جو اس وقت اُمیر العراقین (کوفہ و بصرہ) تھا۔ زمانے کے انقلابات ہیں۔ بنی اُمیہ سے بنی عباس نے حکومت چھین لی اور منصور نے یزید بن عمر کا واسط نامی شہر میں محاصرہ کر لیا۔ معن بن زائدہ نے یزید بن عمر کی طرف سے اس کا خوب ساتھ دیا۔ دادِ شجاعت دی، محاصرہ کا اختتام یزید بن عمر کے قتل کی صورت میں ہوا۔ معن کو موقع مل گیا، وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور ایک مدت تک چھپا رہا۔ ادھر منصور نے معن کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور بھاری انعام کا اعلان کیا۔ کوفہ کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ "ہاشمیہ" ہے وہاں کے لوگوں نے منصور کے خلاف بغاوت کر دی اس وقت بنوعباس کی حکومت مضبوط ہو چکی تھی۔ بنواُمیہ کے افراد نے خلیفہ کی بیعت کر لی تھی، آپس میں صلح ہو چکی تھی، ان حالات میں بغاوت کا کوئی سوال نہ تھا۔ معن ہاشمیہ کے قریب ہی چھپا ہوا تھا جب باغیوں کی سرکوبی کے لیے عباسی فوج آئی تو انہوں نے خوب مقابلہ کیا۔ معن نے اپنے چہرے کو چھپایا اور باغیوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ بہادری کے ناقابلِ فراموش جوہر دکھائے اور منصور کو فتح دلانے میں نمایاں کردار ادا کیا چونکہ چہرہ چھپا ہوا تھا لہٰذا منصور پہچان نہ سکا جب لڑائی ختم ہو گئی اور منصور فتح یاب ہوا تو اس نے اس بہادر نوجوان کو اپنے پاس بلایا، تعجب لیے پوچھا: "مَنْ أَنْتَ وَيْحَكَ"۔

"تمہارا ناس ہو تم کون ہو؟"

اس نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور کہنے لگا: امیرالمومنین! میں آپ کا وہ مجرم ہوں جس کی تلاش میں آپ کے سپاہی مارے مارے پھرتے ہیں اور جس کی گرفتاری پر آپ نے بھاری رقم دینے کا اعلان کر رکھا ہے۔ میں ہی معن بن زائدہ ہوں۔

منصور اس کی وفا دیکھ چکا تھا اس نے نہ صرف اسے امان دی بلکہ نہایت عزت افزائی کی' مال و دولت سے نوازا اور اپنے خاص مقربین میں شامل کر لیا۔

جس دور میں معن چھپا ہوا تھا اس دوران ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا اس کا راوی خود معن ہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ منصور نے میری گرفتاری کے آرڈر جاری کر رکھے تھے' پولیس مجھے ہر طرف سے تلاش کر رہی تھی اور میں گرفتاری کے خوف سے ادھر ادھر بھاگ رہا تھا' کوئی شخص بھی مجھے پناہ دینے کے لیے تیار نہ تھا۔ میری گرفتاری پر بھاری انعام کا اعلان تھا۔ میں نے بھیس بدلنے کی کوشش کی' دھوپ میں بیٹھا رہتا تا کہ میرا سفید رنگ کالا ہو جائے' داڑھی کی تراش خراش' سر کے بال اور کپڑوں سے بھی میں ایک مزدور نظر آتا تھا۔ ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے اور رہنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ میں نے ایک دن بغداد سے نکلنے کا ارادہ کیا۔ حلیہ کو مکمل تبدیل کر کے ڈرتا ڈرتا اونٹ پر سوار صحرا کی طرف روانہ ہوا۔ میری منزل بدوؤں کے خیمے تھے۔ جن میں پناہ لے سکتا تھا۔ ادھر میں باہر نکلا ادھر ایک کالا کلوٹا شخص میرے پیچھے روانہ ہوا۔ شہر سے باہر ویرانے میں اس نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور اسے بٹھانا شروع کر دیا۔ میرا اونٹ نیچے ہوا تو لپک کر وہ اونٹ پر چڑھ گیا اور پوری قوت سے میرا بازو پکڑ لیا۔ خنجر اس کے ہاتھ میں تھا۔

میرے اوپر قابو پانے کے بعد اس نے مجھے غور سے دیکھا تو میں نے بڑی لجاجت سے اسے کہا کہ تم نے مجھے کیوں پکڑا ہے اور کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ تمہیں امیرالمومنین تلاش کر رہے ہیں۔ اس نے کہا: ''تم معن بن زائدہ ہو۔''

میں نے کہا کہ اتق اللہ عزوجل کہاں میں کہاں معن بن زائدہ' تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری شکل و صورت اور حلیہ کو دیکھو کہاں معن کہاں میں۔ میں ایک عام آدمی

ہوں۔'' اس نے کہا کہ ''چالاک بننے کی کوشش نہ کرو میں تمہیں خوب جانتا اور پہچانتا ہوں لہٰذا ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش مت کرنا' ورنہ خنجر؟'' جب میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہے تو میں منت سماجت پر اُتر آیا۔ میں نے اسے کہا کہ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تمہیں دولت سے مالا مال کر دوں گا۔ میں نے اپنی خفیہ جیب سے نہایت قیمتی موتیوں کا ایک ہار نکالا اور کہا کہ اگر تم مجھے منصور کے پاس لے جاؤ گے تو وہ تمہیں زیادہ سے زیادہ کیا دے گا۔ یہ ہار اس انعام کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے' تم یہ لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ کیوں میرے خون ناحق کا گناہ اپنے ذمہ لیتے ہو۔''

اس نے موتیوں کا ہار اپنے ہاتھ میں لیا اور اُلٹ پلٹ کر اسے دیکھا۔ کہنے لگا: ''جو قیمت تم نے بتائی ہے واقعی درست ہے لیکن میں اسے لینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' میں نے کہا: ''کیوں آخر وجہ کیا ہے؟'' اس نے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگا کہ ''میں تم سے کچھ سوالات کروں گا اگر تم نے درست جوابات دے دیئے تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔''

میں نے کہا: پوچھو تمہارے ذہن میں کیا سوالات ہیں؟

کہنے لگا: تم لوگوں میں بہت بڑے سخی کے طور پر مشہور ہو' کیا تم نے کبھی اپنا پورا مال کسی کو بخشا ہے؟

میں نے کہا: نہیں! ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ میں کسی کو پورا مال دے دوں۔

کہنے لگا: اچھا! آدھا مال کسی کو دیا ہے؟

میں نے کہا: نہیں! اس نے پوچھا: تیسرا حصہ؟

میں نے کہا: نہیں! تیسرا حصہ بھی نہیں دیا۔

خیر اس طرح سوال کرتے کرتے اس نے کہا کہ کیا تم نے کبھی اپنے مال کا دسواں حصہ لوگوں میں تقسیم کیا ہے؟ اب مجھے شرم آنے لگی کہ میں لوگوں میں اتنا زیادہ سخی مشہور ہوں' جان چھڑوانے کے لیے کہہ دیا کہ ہاں دسواں حصہ تو لوگوں میں تقسیم کیا ہے۔

اب وہ کہنے لگا کہ دیکھو یہ کوئی بڑی چیز نہیں جس پر تم فخر کر سکو۔ سنو میں ایک عام

شخص ہوں' میرے پاس گھوڑا تک نہیں' نہ ہی درہم و دینار کا مالک ہوں۔ میری تنخواہ محض بیس درہم ہے' جو مجھے منصور سے ماہوار ملتی ہے اور یہ ہار جو تم نے مجھے دیا ہے اس کی قیمت بلاشبہ ہزاروں دینار بنتی ہے' جس کا میں اب مالک بن گیا ہوں اور پھر اس نے وہ ہار مجھے واپس دیتے ہوئے کہا کہ میں یہ ہار اور تمہاری جان تمہیں عطیہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں منصور کے حوالے بھی نہیں کروں گا تم چونکہ لوگوں کے درمیان ایک سخی اور رحم دل انسان کے طور پر معروف ہو مگر کبھی اتراتے ہوئے یہ مت کہنا کہ تم بڑے سخی اور رحم دل ہو' میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ اس دنیا میں کوئی تم سے بڑا سخی بھی ہے۔ آج تک تم نے جتنی سخاوت کی ہے' کبھی اس پر فخر نہ کرنا' لوگوں کو بڑے سے بڑا عطیہ دے کر بھی اسے معمولی ہی سمجھنا اور اپنی اس اچھی خصلت کو چھوڑ مت دینا۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اونٹ کی مہار چھوڑ دی اور مجھے آزاد کر کے واپس ہونے لگا۔

میں نے اس کو آواز دی کہ تم نے تو مجھے شرمندگی کے بحرِ بے کراں میں غرق کر دیا۔ میرا قتل ہونا میرے لیے اس سے کہیں زیادہ آسان تھا جو تم نے میرے ساتھ کیا ہے۔ یہ موتی تم لے لو میں اس سے مستغنی ہوں۔ یہ سن کر وہ زور سے ہنسا اور کہنے لگا:

تم چاہتے ہو کہ میں اپنی بات سے پھر جاؤں اور اس سے رجوع کر لوں۔

اللہ کی قسم یہ ہار میں ہرگز نہیں لوں گا اور تمہیں چھوڑ کر جو میں نے اچھا کام کیا ہے اس کا بدلہ بھی دنیا میں نہیں لوں گا۔ یہ کہہ کر وہ تیز قدموں سے چل دیا۔

معن کہتا ہے۔ اس شخص کا سلوک مجھے ہمیشہ یاد رہا۔ وہ دن بھی آیا جب منصور نے مجھے امان دے دی' میرا مال و دولت اور جاگیر واپس آ گئی تو میں نے اس شخص کی تلاش شروع کروائی تاکہ اس کو بدلہ دے سکوں پھر میں نے بھاری انعام کا اعلان بھی کیا مگر بے سود ساری تلاش کے باوجود وہ شخص مجھے نہ مل سکا۔ نجانے اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا بہرحال اس کا احسان مجھے ساری زندگی یاد رہے گا کہ مجھ سے زیادہ سخی لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان ۵/۲۴۴-۲۴۶)

(۱۱۴)

گناہوں کی نحوست

حضرت سیدنا منصور بن عمار علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: ''میرا ایک دینی بھائی تھا جو کہ میرا بہت معتقد تھا' وہ ہر دکھ سکھ میں مجھ سے ملاقات کرتا' میں اس کو انتہائی عبادت گزار اور گریہ وزاری کرنے والا سمجھتا تھا۔ میں نے کچھ دنوں تک اسے نہ پایا اور مجھے بتایا گیا کہ وہ تو بے حد کمزور ہو گیا ہے۔ میں نے اس کے گھر کے متعلق دریافت کر کے اس کے دروازے پر دستک دی تو اس کی بیٹی آئی اور پوچھا: ''کس سے ملنا چاہتے ہیں؟'' میں نے کہا: ''فلاں سے'' وہ میرے آنے کی اجازت طلب کرنے اندر گئی پھر لوٹ کر آئی اور کہنے لگی: ''آپ اندر آجائیں۔'' میں نے داخل ہو کر دیکھا کہ وہ گھر کے وسط میں بستر پر لیٹا ہوا ہے' چہرہ سیاہ' آنکھیں نیلی اور ہونٹ موٹے ہو چکے ہیں۔ میں نے اسے ڈرتے ڈرتے کہا: ''اے میرے بھائی لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کی کثرت کرو۔'' اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور بڑی مشکل سے میری طرف دیکھا پھر اس پر غشی طاری ہو گئی۔ میں نے دوسری مرتبہ بھی تلقین کی تو اس نے مجھے بمشکل آنکھیں کھول کر دیکھا لیکن دوبارہ اس پر غشی طاری ہو گئی۔

جب میں نے تیسری مرتبہ کلمہ پڑھنے کی تلقین کی اور کہا کہ ''اگر تو نے یہ کلمہ نہ پڑھا تو میں تجھے غسل دوں گا' نہ کفن اور نہ ہی تیرا نماز جنازہ پڑھوں گا۔'' یہ سن کر اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا: ''اے میرے بھائی! اے منصور! اس کلمہ کے اور میرے

درمیان رکاوٹ کھڑی کردی گئی ہے۔" میں نے کہا: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" "کہاں گئیں وہ نمازیں، وہ روزے، تہجد اور راتوں کا قیام؟" تو اس نے مجھے حسرت سے بتایا: "اے میرے بھائی! یہ سب اللہ عزوجل کی رضا کے لیے نہیں تھے بلکہ میں یہ عبادتیں اس لیے کیا کرتا تھا تا کہ لوگ مجھے نمازی، روزے دار اور تہجد گزار کہیں اور میں لوگوں کو دکھانے کے لیے ذکرِ الٰہی عزوجل کیا کرتا تھا جب میں تنہائی میں ہوتا تو دروازہ بند کر لیتا، برہنہ ہو کر شراب پیتا اور نافرمانیوں سے اپنے رب عزوجل کا مقابلہ کرتا۔ ایک عرصہ تک میں اسی طرح کرتا رہا پھر ایسا بیمار ہوا کہ بچنے کی امید نہ رہی۔ میں نے اپنی اسی بیٹی سے کہا کہ قرآن پاک لے کر آؤ اس نے ایسا ہی کیا، میں مصحف شریف کے ایک ایک حرف کو پڑھتا رہا یہاں تک کہ جب سورۂ یٰس تک پہنچا تو مصحف شریف کو بلند کر کے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی: "اے اللہ عزوجل! اس قرآنِ عظیم کے صدقے مجھے شفا عطا فرما، میں آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔" اللہ عزوجل نے مجھ سے بیماری کو دور کر دیا جب میں شفایاب ہوا تو دوبارہ لہو ولعب اور لذات وخواہشات میں پڑ گیا۔ شیطان لعین نے مجھے وہ عہد بھلا دیا جو میرے رب عزوجل کے اور میرے درمیان ہوا تھا۔ عرصہ دراز تک گناہ کرتا رہا پھر اچانک اس بیماری میں مبتلا ہو گیا جس میں میں نے موت کے سائے دیکھے تو گھر والوں سے کہا کہ مجھے میری عادت کے مطابق وسطِ مکان میں نکال دیں۔ میں نے مصحف شریف منگوا کر پڑھا اور بلند کر کے عرض کی: یا اللہ عزوجل! اس کی عظمت کا واسطہ جو اس مصحف شریف میں ہے، مجھے اس مرض سے نجات عطا فرما۔"

اللہ عزوجل نے میری دعا قبول فرمائی اور دوبارہ اس بیماری سے مجھے شفا عطا فرما دی لیکن میں پھر اسی طرح نفسانی خواہشات اور نافرمانیوں میں پڑ گیا یہاں تک کہ اب اس مرض میں مبتلا یہاں پڑا ہوا ہوں، میں نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ اس دفعہ بھی مجھے وسطِ مکان میں نکال دو جیسا کہ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں پھر جب میں مصحف شریف منگوا کر پڑھنے لگا تو ایک حرف بھی نہ پڑھ سکا۔ میں سمجھ گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھ پر سخت

ناراض ہے، میں نے اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھا کر عرض کی: ''یا اللہ عزوجل! اس مصحف شریف کی عظمت کا صدقہ! مجھ سے اس مرض کو زائل فرما دے۔'' تو میں نے ہاتفِ غیبی کی آواز سنی مگر اسے دیکھ نہ سکا۔ یہ آواز اشعار کی صورت میں تھی جن کا مفہوم یہ ہے:

''جب تو بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اور جب تندرست ہوتا ہے تو پھر گناہ کرنے لگ جاتا ہے تو جب تک تکلیف میں مبتلا رہتا ہے تو روتا رہتا ہے اور جب قوت حاصل کر لیتا ہے تو بُرے کام کرنے لگتا ہے۔ کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں میں تو مبتلا ہوا مگر اللہ عزوجل نے تجھے ان سب سے نجات عطا فرمائی اس کے منع کرنے اور روکنے کے باوجود گناہوں پر ڈٹا رہا اور تجھ پر جو اللہ عزوجل کا فضل و کرم تھا، تو نے اسے بھلا دیا اور کبھی بھی تجھ پر نہ کپکپی طاری ہوئی نہ ہی خوف لاحق ہوا۔ کتنی مرتبہ تو نے اللہ عزوجل کے ساتھ عہد کیا لیکن پھر توڑ دیا بلکہ ہر بھلی اور اچھی بات کو تو بھول چکا ہے اس جہانِ فانی سے منتقل ہونے سے پہلے پہلے جان لے کر تمہارا ٹھکانہ قبر ہے جو ہر لحہ تجھے موت کی آمد کی خبر سنا رہی ہے۔''

حضرت سیدنا منصور بن عمار علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''اللہ عزوجل کی قسم! میں اس سے اس حال میں جدا ہوا کہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور ابھی گھر کے دروازے تک نہ پہنچا تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ وہ شخص انتقال کر چکا ہے۔ ہم اللہ عزوجل سے حسنِ خاتمہ کی دعا کرتے ہیں کیونکہ بہت سے روزے دار اور راتوں کو قیام کرنے والے بُرے خاتمے سے دوچار ہو گئے۔ (الروض الفائق)

(۱۱۳)

فضیلت وہ جو دشمن بھی تسلیم کرے

احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں سلطنتِ ایران کے شہر یکے بعد دیگرے فتح ہوتے جاتے رہے تھے اور سلطنتِ اسلامیہ کا حصہ بنتے جا رہے تھے ادھر کسریٰ ایران یزدجرد بن شہریار کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی کہ وہ اپنے ملک کے علاقوں کو فتوحاتِ اسلامیہ میں شامل ہوتے دیکھ رہا تھا جب بھی کوئی شہر یا گاؤں مسلمانوں کے ہاتھ آتا کسریٰ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا اور کسی قریبی بستی یا شہر میں پناہ گزین ہو جاتا۔

جب اس نے دیکھا کہ اسلامی فتوحات کا سلسلہ اپنے عروج پر ہے اور نہ معلوم کب کون سا شہر مسلمانوں کے قبضے میں چلا جائے تو اس نے چین کے بادشاہ کو خط لکھ کر پناہ طلب کی اسی طرح اس نے صغد (مشرقی ایشیا میں ایک ملک جس کا دارالحکومت سمرقند ہے) اور ترک بادشاہ سے بھی پناہ اور تعاون طلب کیا۔ شاہِ ترک خاقان نے کسریٰ ایران یزدجرد سے تعاون کرنے کا وعدہ کیا۔ تاریخ میں لکھا ہوا ہے:

"فَانْجَدَهٗ مَلِكُ التُّرْكِ خَاقَانُ بِقُوَّةٍ عَظِيْمَةٍ وَّجَمْعٍ هَائِلٍ، وَمَا لَبِثَ اَنْ لَوَّى عُنُقَ فَرَسِهٖ عَائِدًا عِنْدَمَا قَتَلَ الْاَحْنَفُ ابْنُ قَيْسٍ اثْنَيْنِ مِنْ خِيْرَةِ قُوَّادِهٖ فِيْ مُبَارَزَةٍ فَرْدِيَّةٍ۔"

"شاہِ ترک خاقان کسریٰ ایران یزدجرد کے تعاون کے لیے بھاری تعداد میں ایک عظیم لشکری قوت لے کر (مجاہدینِ اسلام سے مقابلے کے لیے)

آیا۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ (مسلمانوں کے کمانڈر) احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ نے انفرادی مقابلے میں اس کے دو چنیدہ کمانڈروں کو جہنم رسید کر دیا۔ یہ دیکھ کر شاہِ ترک پر اسلامی قوت کی دہشت طاری ہوگئی اور اس نے اپنے گھوڑے کا رُخ اپنے ملک کی طرف موڑ دیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔"

اب کسریٰ کو یقین ہو چلا تھا کہ ایرانی قوت اسلامی کے سامنے دَم توڑ چکی ہے اور مسلم مجاہدین سے مقابلہ ناممکنات میں سے ہے چنانچہ اس نے ایران کے سارے خزانے اکٹھا کرنا شروع کر دیئے اس کی خواہش تھی کہ وہ اپنے خزانوں کے ساتھ شاہِ ترک چین کے پاس چلا جائے اور وہیں اپنی بقیہ زندگی گزار دے اس موقع پر شاہِ ایران اور اس کی رعایا میں جو گفت وشنید ہوئی اسے ملاحظہ فرمائیں:

رعایا: "آپ کیا چاہتے ہیں؟"

کسریٰ: میں شاہِ ترک خاقان یا شاہِ چین کے پاس جا کر انہیں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔

رعایا کو اپنے خود غرض اور مفاد پرست بادشاہ کی بات سُن کر بڑا غصہ آیا اور انہوں نے اس وقت بادشاہ سے جو بات کہی وہ مسلم مجاہدین کی پاکیزگی اور رواداری اور عدل و انصاف کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ رعایا نے اپنے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا:

"مَهْلًا فَإِنَّ هٰذَا رَأْيُ سُوْءٍ، إِنَّكَ إِنَّمَا تَأْتِيْ قَوْمًا فِيْ مَمْلَكَتِهِمْ وَتَدَعُ أَرْضَكَ وَقَوْمَكَ؟ وَلٰكِنِ ارْجِعْ بِنَا إِلٰى هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ فَنُصَالِحَهُمْ، فَإِنَّهُمْ أَوْفِيَاءُ وَأَهْلُ دِيْنٍ، وَهُمْ يَلُوْنَ بِلَادَنَا، وَإِنَّا عَدُوًّا يَلِيْ بِلَادَنَا أَحَبُّ إِلَيْنَا مِنْ عَدُوٍّ يَلِيْنَا فِيْ بِلَادِهٖ وَلَا دِيْنَ لَهُمْ، وَلَا نَدْرِيْ مَا وَفَاؤُهُمْ۔"

"رُک جاؤ، تمہاری رائے انتہائی غلط ہے تم تو خود ایک حکومت میں جا کر پناہ گزین ہو جانا چاہتے ہو اور اپنے ملک اور قوم کو (حالات کے رحم و کرم پر)

چھوڑ دینا چاہتے ہو؟ بلکہ تم ہمارے ساتھ ان لوگوں (مسلمانوں) کے پاس چلو تاکہ ہم ان سے مصالحت کر لیں کیونکہ یہ مسلمان وفادار اور دین دار ہیں اور ہماری سرزمین سے دور اپنے ملکوں میں ہیں' ان کے پاس کوئی دین بھی نہیں ہے اور ہم ان کی وفاداری کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے۔"

مگر کسریٰ نے اپنی رعایا کی تجویز ماننے سے انکار کر دیا اس وقت رعایا نے بھی اپنے بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے: تمہیں جہاں جانا ہے جاؤ مگر اس ملک کے سارے خزانے چھوڑ جاؤ۔ ہم اپنے ملک کے خزانے کسی دوسرے ملک میں منتقل نہیں ہونے دیں گے لیکن کسریٰ نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا: ہم کسی بھی قیمت پر تمہیں نہیں چھوڑیں گے چنانچہ رعایا نے اسی وقت اپنے بادشاہ کو معزول کر دیا جب کہ اس کے حاشیہ بردار اور وزراء اس کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اب یہ جھگڑا خانہ جنگی میں تبدیل ہو گیا اور بادشاہ کے حاشیہ برداروں اور رعایا میں جنگ ہونے لگی۔ رعایا نے بادشاہ کو شکست دے کر پورے خزانے اس سے چھین لیے اور اسے بے دخل کر دیا اس کے بعد انہوں نے احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ کو یہ پوری داستان لکھ بھیجی۔ مسلمانوں نے خبر ملتے ہی کسریٰ کا پیچھا کیا اور مقامِ مرو پر اس سے قتال کیا وہاں اس نے اپنا ساز و سامان چھوڑ دیا اور بھاگ کر سرزمینِ بخاریٰ میں فرغانہ نامی جگہ چلا گیا اور وہیں امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی زمانے تک رہا۔

ادھر ایرانی قوم کا وفد احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچا اور مسلمانوں سے معاہدہ کر لیا' وفد اپنے ملک کے خزانے اور اموال احنف بن قیس رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے کر کے اپنے ملک میں واپس چلا گیا۔ مسلمانوں نے ان کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کا پورا لحاظ کیا اور اب وہ اپنے ملک میں سکون و چین کے ساتھ خوش گوار زندگی گزارنے لگے انہیں جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کے زیر نگیں ان کی زندگی اپنے

شاہوں کے زیرِ تسلط زندگی سے کہیں زیادہ بہتر اور خوش گوار ہے انہیں کبھی احساس نہیں ہوا کہ وہ کسی دوسرے کے زیرِ نگیں ہیں۔ مسلمانوں کی وفاداری اور عدل و انصاف ان کے لیے ایک نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا جو ان کے لیے قابلِ فخر بھی تھا اور قابلِ رشک بھی!!

اسی لیے کہتے ہیں کہ اصل فضل و کرم، شان و خوبی اور اعلیٰ ظرفی وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں۔ عربی کے ایک شعر کا یہ ٹکڑا اس واقعہ کے مناسب حال ہے:

"وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ۔"

"فضیلت و خوبی تو وہ ہے جس کی گواہی دشمن بھی دیں۔"

(لبطولات و مواقف فی الصبر والتضحیۃ ۲۷۳-۲۷۴، جمع و ترتیب محمد حاتم الطبشی، دار القلم دمشق)

(۱۱۴)

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے ڈرتے رہو!

حضرت سیدنا عبداللہ موصلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں ایک غمزدہ شخص تھا جس کو قضیب البان (یعنی بان نامی درخت کی شاخ) کے نام سے پکارا جاتا تھا اس کے احترام اور رعب و دبدبے کے باعث کوئی اس سے کلام کرنے کی جرأت نہیں کرتا تھا' وہ بہت زیادہ رویا کرتا۔ تقدیر اس شخص کی تنہائی میں مجھے اس کے پاس لے گئی تو میں نے اس سے پوچھا: اے میرے محترم! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو اپنی ذات کے سوا ہر چیز سے بے نیاز کر دیا ہے' آپ کے غم اور لوگوں سے جدا رہنے کا سبب کیا ہے؟'' اس نے مجھے دیکھا اور بہت زیادہ رویا پھر اس کا رنگ متغیر ہو گیا' کچھ اضطراب کے بعد اس پر غشی طاری ہو گئی۔ مجھے گمان ہوا کہ وہ انتقال کر گیا ہے۔ بہر حال جب اسے ہوش آیا تو میں نے باتوں ہی باتوں میں اسے مانوس کر لیا اور اسے مخاطب کر کے اس کا دل بہلایا اور اسے قسم دے کر اس کی حالت کے متعلق دریافت کیا تو وہ روتے روتے اپنا واقعہ بیان کرنے لگا: ''میں اپنے شیخ کی خدمت کیا کرتا تھا' وہ ابدال میں سے تھا' میں نے چالیس سال اس کی خدمت کی' وہ بہت عبادت گزار تھا اس نے اپنی وفات سے تین دن قبل مجھے بلا کر کہا: ''اے میرے بیٹے! اے اللہ عزوجل کے بندے! میرا تجھ پر اور تیرا مجھ پر حق ہے اور تجھ پر میرے مکمل حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ تو میری باتیں غور سے سنے اور میری وصیت کو پورا کرے۔''

میں نے عرض کی: ''محبت اور عزت سے آپ کی وصیت پوری کروں گا۔'' تو اس نے کہا: میری عمر کے تین دن باقی ہیں اور میں کافر مروں گا جب میں مر جاؤں تو مجھے میرے کپڑوں سمیت رات کی تاریکی میں ایک تابوت میں رکھ کر شہر سے باہر فلاں جگہ لے جانا اور طلوعِ آفتاب تک وہیں ٹھہرے رہنا جب تو کسی قافلے کو آتے ہوئے دیکھے کہ جن کے پاس بھی ایک تابوت ہوگا وہ اس کو میرے تابوت کے پہلو میں رکھ دیں گے اور میرا تابوت لے جائیں گے' تم وہ دوسرا تابوت لے کر واپس آ جانا پھر اس تابوت کو کھول کر اس میں موجود شخص کو نکالنا اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو تم پر لازم تھا کہ تم میرے ساتھ کرتے (یعنی اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین وغیرہ کرنا)'' یہ سن کر میں رو رو کر پوچھنے لگا: ''ایسا معاملہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ''اے میرے بیٹے! یہ سب کچھ لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور پہلے بھی اور بعد میں بھی اللہ عزوجل ہی کا حکم ہے۔'' لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (پ۱۷، الانبیاء: ۲۳)

''اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے۔''

(صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: ''کیونکہ وہ مالکِ حقیقی ہے جو چاہے کرے' جسے چاہے عزت دے' جسے چاہے ذلت دے' جسے چاہے سعادت دے' جسے چاہے شقی کرے' وہ سب کا حاکم ہے' کوئی اس کا حاکم نہیں جو اس سے پوچھ سکے۔'')

جب تین دن گزر گئے تو میرا شیخ مضطرب ہو گیا' رنگ متغیر ہو گیا اور اس کا چہرہ سیاہ ہو کر مشرق کی طرف گھوم گیا اور وہ اوندھے منہ گر کر مر گیا۔ میں بہت رویا اور مجھے اتنا غم لاحق ہوا جسے اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر مجھے وصیت یاد آئی تو میں نے ان کو ایک تابوت میں رکھا اور جب رات ہوئی تو میں نے تابوت کو اس مقام پر لے جا کر رکھ دیا۔ میرے شیخ نے جس کا نام لیا تھا اور ٹھہرا رہا یہاں تک کہ جب سورج طلوع ہوا تو ایک جماعت گریہ وزاری کرتے ہوئے آئی' ان کے پاس بھی ایک تابوت تھا' انہوں نے اپنا

تابوت اس تابوت کی ایک جانب رکھ دیا ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور میرے لائے ہوئے تابوت کو اُٹھا کر جانے لگا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا: ''جب تک تم مجھے اپنے متعلق کچھ نہ بتاؤ گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔'' تو اس نے بتایا: ''میں اس پادری کا چالیس سال سے خادم رہا ہوں اس نے اپنی موت سے تین دن قبل مجھے بلا کر کہا: ''اے میرے بچے! میرا تجھ پر اور تیرا مجھ پر حق ہے' تجھ پر میرے مکمل حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ جب میں تین دن بعد مر جاؤں تو تم مجھے ایک تابوت میں رکھ دینا اور اُٹھا کر فلاں جگہ رکھ دینا اور اس جگہ کا ذکر کیا اور کہا کہ اگر تو وہاں رکھا ہوا کوئی دوسرا تابوت پائے تو میرے تابوت کو اس کی جگہ رکھ دینا اور اس کو اُٹھا کر گرجے میں لے جانا اور میرے ساتھ جو معاملہ کرنا تجھ پر واجب ہے وہی اس کے ساتھ کرنا (یعنی عیسائیوں کے طریقے پر دفن کرنا)'' جب تین دن گزر گئے تو ان کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا' کلمہ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو کر انتقال کر گئے پھر میں نے ان کے حکم کے مطابق عمل کیا اور ان کو یہاں لے آیا۔''

(وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ) جو تابوت وہ لوگ لے کر آئے تھے میں نے اسے اُٹھایا اور گھر کے ایک کونے میں رکھ کر کھولا تو دیکھا کہ اس میں ایک ایسے بزرگ تھے جن کے چہرے پر انوار کی بارش برس رہی تھی' ان کے سارے بال سفید تھے۔ میں نے ان کو تابوت سے نکالا' ان کے کپڑے اُتارے اور پھر فقراء کے ساتھ مل کر ان کو غسل دیا' ہم نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی اور ایک کونے میں دفن کر دیا۔ وہ دن گواہ ہے کہ میں جب بھی باہر نکلتا ہوں تو میرے چہرے پر بُرے خاتمے کے خوف سے غم کے بادل برسنے لگتے ہیں۔ میرا لوگوں سے جدا رہنے کا سبب یہی ہے۔'' (الروض الفائق)

(۱۱۵)

اور معتصم پہنچ گیا

مشہور عباسی خلیفہ معتصم باللہ (۴۳-۸۳۳ء) کے دربار خلافت میں ایک شخص کھڑا ہوا۔ عرض کی: امیر المومنین میں عموریہ سے آ رہا ہوں میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک موٹے عیسائی نے ایک مسلمان لونڈی کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ لونڈی نے بے بسی کے عالم میں آہ بھری اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا:

''وَامُعْتَصِمَاهُ!'' ''ہائے خلیفہ معتصم تم کہاں ہو؟''

اس موٹے عیسائی نے لونڈی کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا:

''وَمَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْمُعْتَصِمُ! يَجِيءُ عَلٰى أَبْلَقٍ وَّ يَنْصُرُكِ؟''

''معتصم باللہ اس پکار کا کیوں کر جواب دے سکتا ہے! کیا وہ چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر تیرے پاس آئے گا اور تیری مدد کرے گا؟''

پھر اس نے لونڈی کے رخسار پر کھینچ کر ایک دوسرا تھپڑ رسید کر دیا جس سے وہ تلملا اُٹھی۔

یہ سن کر خلیفہ معتصم باللہ نے اس آدمی سے دریافت کیا: ''عموریہ کس سمت میں ہے؟''

اس آدمی نے عموریہ کی سمت اشارہ کر کے بتلایا کہ عموریہ اس طرف ہے۔

خلیفہ معتصم باللہ نے اپنا رُخ عموریہ کی سمت موڑا اور کہا:

"لَبَّیْکِ، اَیَّتُهَا الْجَارِیَةُ! لَبَّیْکِ، هٰذَا الْمُعْتَصِمُ بِاللّٰهِ اَجَابَکِ۔"

"میں تیری آواز پر حاضر ہوں اے لونڈی، معتصم تیری پکار کا جواب دینے آ رہا ہے۔"

پھر خلیفہ نے عموریہ کے لیے بارہ ہزار چتکبرے گھوڑے تیار کرائے اور ایک لشکر جرار لے کر عموریہ پہنچا اور اس کا محاصرہ کر لیا جب اس محاصرے کی مدت طول پکڑ گئی تو اس نے مشیروں سے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا: "ہمارے خیال کے مطابق آپ عموریہ کو انگور اور انجیر پکنے کے زمانے ہی میں فتح کر سکتے ہیں۔" چونکہ اس فصل کے پکنے کے لیے ایک لمبا وقت درکار تھا اس لیے خلیفہ پر یہ مشورہ بڑا گراں گزرا۔

خلیفہ اسی رات اپنے خاص سپاہیوں کے ہمراہ چپکے چپکے لشکر کے معائنے کے لیے نکلا تاکہ مجاہدین کی بات سن سکے کہ اس بارے میں ان کی چہ میگوئیاں کس نتیجے پر پہنچنے والی ہیں۔ خلیفہ کا گزر ایک خیمے کے پاس سے ہوا جس میں ایک لوہار گھوڑوں کے لیے نعلین تیار کر رہا تھا، بھٹی گرم تھی، وہ گرم گرم سرخ لوہے کی نعل نکالتا تو اس کے سامنے ایک گنجا اور بدصورت غلام بڑی تیزی سے ہتھوڑا چلاتا جاتا۔ لوہار بڑی مہارت سے نعل کو اُلٹتا پلٹتا اور اسے پانی سے بھرے برتن میں ڈالتا جاتا۔

اچانک غلام نے بڑے زور سے ہتھوڑا مارا اور کہنے لگا:

"فِیْ رَأْسِ الْمُعْتَصِمِ۔"

"یہ معتصم کے سر پر۔"

لوہار نے غلام سے کہا: "تم نے بڑا بُرا کلمہ کہا ہے، اپنی اوقات میں رہو، تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں کہ خلیفہ کے بارے میں ایسا کلمہ کہو۔"

غلام کہنے لگا: "تمہاری بات بالکل درست ہے مگر ہمارا خلیفہ بالکل عقل کا کورا ہے اس کے پاس اتنی فوج ہے، تمام تر قوت اور طاقت ہونے کے باوجود حملہ میں تاخیر کرنا کسی صورت مناسب نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر خلیفہ مجھے یہ ذمہ داری سونپ دیتا تو میں کل کا دن

عموریہ شہر میں گزارتا۔"

لوہار اور اس کے شاگرد کا یہ کلام سن کر خلیفہ معتصم باللہ کو بڑا تعجب ہوا پھر اس نے چند سپاہیوں کو اس خیمے پر نظر رکھنے کا حکم دیا اور اپنے خیمے کی طرف واپس ہو گیا۔ صبح ہوئی تو ان سپاہیوں نے اس ہتھوڑا مارنے والے غلام کو خلیفہ معتصم باللہ کی خدمت میں حاضر کیا۔

خلیفہ نے پوچھا:

"رات جو باتیں میں نے سنی ہیں' ان باتوں کے کرنے کی تمہیں جرأت کیسے ہوئی؟"

غلام نے جواب دیا: "آپ نے جو کچھ سنا ہے' وہ سچ ہے اگر آپ جنگ میں مجھے کمانڈر بنا دیں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ عموریہ کو میرے ہاتھوں فتح کروا دے گا۔"

خلیفہ نے فرمایا: "جاؤ میں نے فوج کی کمان تمہیں سونپ دی۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عموریہ کو اس غلام کے ہاتھوں فتح کرا دیا پھر معتصم باللہ شہر کے اندر داخل ہوا اب اس نے فوراً اس آدمی کو تلاش کیا جو لونڈی کے متعلق اس کے دربار تک شکایت اور پیغام لے گیا تھا اور اس سے فرمایا: جہاں تو نے اس لونڈی کو دیکھا تھا وہاں مجھے لے چلو۔ وہ آدمی خلیفہ کو وہاں لے گیا' اور لونڈی کو اس کے گھر سے بلا کر خلیفہ کی خدمت میں حاضر کیا اس وقت خلیفہ نے لونڈی سے کہا:

"يَا جَارِيَةُ! هَلْ أَجَابَكِ الْمُعْتَصِمُ؟"

"لڑکی! بتا معتصم تیری مدد کو پہنچا یا نہیں؟"

اس لڑکی نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا اور اب تلاش اس موٹے عیسائی کی ہوئی جس نے اس لڑکی کو تھپڑ رسید کیا تھا اس کو پکڑ کر لایا گیا اور اس لڑکی سے کہا گیا کہ آج وقت ہے تم اس سے اپنا بدلہ لے لو۔ (محاضرات الابرار: ۲/۶۳' قصص العرب: ۳/۲۲۹)

یاد رہے! تاریخی شہر عموریہ کے کھنڈرات انقرہ (ترکی) کے جنوب مغرب میں "اسرقلعہ"

کے نام سے مشہور ہیں۔ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نصیبین سے آکر عموریہ کے اسقف کے پاس مقیم رہے تھے۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید نے ۶۶۶ء میں عموریہ کو اطاعت پر مجبور کیا مگر پھر عیسائیوں نے اسے چھین لیا۔ آخر کار عموریہ کو عباسی خلیفہ معتصم باللہ کے سپہ سالار افشین نے ۸۳۸ء میں فتح کیا۔ ۹۳۱ء میں امیر طرسوس ثمل نے اسے نذرِ آتش کر دیا۔

(اٹلس سیرت نبوی (اردو) ص ۱۸۰ بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۲/۱۴)

(١١٦)

فکرِ آخرت اور موت کی یاد

حضرت سیدنا ابوبکر کتانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں: "ایک شخص بُرائیوں اور خطاؤں پر اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنی زندگی کے سالوں کا حساب لگایا تو ساٹھ سال بنے پھر دنوں کا حساب کیا تو اکیس ہزار پانچ سو دن بنے تو اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا جب ہوش میں آیا تو کہنے لگا: "ہائے افسوس! اگر روزانہ ایک گناہ بھی کیا ہو تو اپنے رب عزوجل کے حضور اکیس ہزار پانچ سو گناہ لے کر حاضر ہوں گا تو ان گناہوں کا کیا حال ہوگا جن کا شمار ہی نہیں؟ ہائے افسوس! میں نے اپنی دنیا آباد کی اور آخرت برباد کی اور اپنے پروردگار عزوجل کی نافرمانی کرتا رہا' میں دنیا میں تو آبادی سے بربادی کی طرف منتقل ہونا پسند نہیں کرتا تو بروزِ قیامت بغیر ثواب وعمل کے حساب وکتاب کیسے دوں گا؟ اور عذاب کا سامنا کیسے کروں گا؟ پھر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور زمین پر گر گیا جب حرکت دی گئی تو اس کی جان جانِ آفریں کے سپرد ہو چکی تھی۔"

! مَنَازِلُ دُنْيَایَ عَمَّرْتُهَا ۔۔۔ وَخَرَّبْتُ دَارِیْ فِی الْاٰخِرَةْ

اَصْبَحْتُ اَنْكَرَ دَارِیْ الْخَرَابَ ۔۔۔ وَاَرْغَبْتُ فِیْ دَارِیَ الْعَامِرَةْ

ترجمہ: (١) میں نے اپنی دنیا کے گھروں کو آباد کیا اور آخرت کے گھر کو ویران کر دیا۔

(٢) اب میں اپنے ویران گھر کو ناپسند کرنے لگا ہوں اور اپنے آباد گھر میں رغبت

رکھتا ہوں۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے ''جو کوئی قبر کی زیارت کرنا چاہے اسے چاہیے کہ اس کی زیارت کرے لیکن وہاں اچھی بات کے علاوہ کچھ نہ کہے کیونکہ میت کو بھی ان چیزوں سے اذیت ہوتی ہے جن سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے۔''

(السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور، الحدیث: ۲۱۱۶، ج ۱، ص ۶۵۴ مختصر)

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ

''کوئی بھی شخص جب اپنے کسی جاننے والے مومن بھائی کی قبر پر سے گزرتا ہے اور اسے سلام کرتا ہے تو وہ اسے پہچانتا اور سلام کا جواب دیتا ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر، سورۃ الروم، تحت الآیۃ ۵۲، ج ۶، ص ۲۹۱)

☆ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے حضرت سیدنا ابو حازم رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا: ''اے ابو حازم! ہم موت کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟'' تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''اس لیے کہ تم نے دنیا کو آباد اور آخرت کو برباد کر دیا ہے اور تم آبادی سے بربادی کی طرف منتقل ہونے کو ناپسند کرتے ہو۔'' پھر پوچھنے لگا: ''اے ابو حازم! اللہ عزوجل کے سامنے حاضری کیسے ہوگی؟'' تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''اے امیر المومنین! نیک آدمی گمشدہ شخص کی طرح ہے جو اپنے گھر والوں کے پاس خوشی خوشی آتا ہے اور گناہ گار شخص بھاگے ہوئے غلام کی طرح ہے جو اپنے آقا کے پاس خوف زدہ اور غمزدہ آتا ہے۔''

☆ حضرت سیدنا ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبادت گزار خاتون ام ہارون رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: ''کیا آپ مرنا پسند کرتی ہیں؟'' تو انہوں نے فرمایا: ''نہیں'' میں نے پوچھا: ''وہ کیوں؟'' تو کہنے لگیں: ''اللہ عزوجل کی قسم! اگر میں مخلوق کی نافرمانی کروں تو اس سے ملنا پسند نہیں کرتی تو خالق عزوجل (کی نافرمانی کر کے اس) سے ملنا کیسے پسند کروں گی۔''

☆ حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے کہ آپ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبر پر کھڑے ہو کر رو رہے تھے' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی: ''جنت و دوزخ کا ذکر کر کے تو آپ نہیں روتے مگر قبر کو یاد کر کے روتے ہیں؟'' تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ''قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے اگر کوئی اس سے نجات پا گیا تو بعد والا معاملہ اس پر آسان ہوگا اور اگر اس پر نجات نہ ہوئی تو بعد والا معاملہ اس سے بھی زیادہ مشکل ہوگا۔''

(جامع الترمذی' ابواب الزھد' باب ماجاء فی فظاعۃ القبر وانہ اول منازل الآخرۃ' الحدیث ۲۳۰۸' ص ۱۸۸۴)

☆ حضرت سیدنا ابو عمر ضریر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت سیدنا حازم رحمتہ اللہ علیہ کے بھائی حضرت سیدنا سہل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بتایا کہ ''میں نے حضرت سیدنا مالک بن دینار علیہ الرحمۃ کو وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا: ''اے ابو یحیٰ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ! آپ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں کس حالت میں حاضر ہوئے؟'' حضرت سیدنا مالک بن دینار علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: ''میں اللہ عزوجل کی بارگاہ میں بہت زیادہ گناہوں کے ساتھ حاضر ہوا جنہیں اللہ عزوجل کے متعلق میرے حسنِ ظن نے ختم کر دیا۔''

☆ ایک زاہد سے سوال کیا گیا: ''آپ کیسے ہیں؟'' تو انہوں نے یہ حکمت بھرا جواب ارشاد فرمایا: ''اس شخص کا حال کیسا ہوگا جو بلا زادِ راہ سفر کا ارادہ رکھتا ہے' وحشت ناک قبر میں بغیر مونس و غمخوار کے رہے گا اور اپنے قادر مالک کی بارگاہ میں بغیر حجت کے حاضر ہوگا۔'' (الروض الفائق)

اس موضوع کو پڑھنے کے لیے ہماری کتاب ''صبح دوام زندگی'' کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱۱۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اندازِ حکمرانی

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ شدید سرد اور تاریک رات میں ایک جگہ آگ کی روشنی دیکھی چنانچہ وہاں تشریف لے گئے' ساتھ جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آگ کے پاس ایک عورت کو دیکھا جس کے تین بچے زاروقطار رو رہے تھے۔ ایک بچہ کہہ رہا تھا: ''امی جان! ان آنسوؤں پر رحم کھاؤ اور کچھ کھانے کو دو۔'' دوسرا بچہ یہ کہہ کر رو رہا تھا: ''امی جان! لگتا ہے شدتِ بھوک سے جان چلی جائے گی۔'' تیسرا بچہ کہہ رہا تھا: ''امی جان! کیا موت کی آغوش میں جانے سے پہلے مجھے کچھ کھانے کو نہیں مل سکتا؟''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آگ کے پاس بیٹھ گئے اور اس عورت سے پوچھا: ''اے اللہ کی بندی! تیرے اس حال کا ذمہ دار کون ہے؟''

اس عورت نے جواب دیا: اللہ اللہ! میری اس حالت کا ذمہ دار امیر المومنین عمر ہے۔ حضرت عمر نے اس سے فرمایا: ''کوئی ہے جس نے عمر کو تمہارے حال سے آگاہ کیا ہو؟''

عورت نے جواب دیا: ''ہمارا حکمران ہو کر وہ ہم سے غافل رہے گا؟ یہ کیسا حکمران ہے جس کو اپنی رعایا کی کچھ خبر نہیں؟''

یہ جواب سن کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (راتوں رات) مسلمانوں کے بیت المال گئے اور دروازہ کھولا۔

بیت المال کا محافظ (چوکیدار) بولا: ''خیر تو ہے امیر المومنین؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور آٹے کی ایک بوری' گھی اور شہد کا ایک ایک ڈبہ بیت المال سے نکالا اور چوکیدار سے فرمایا: ''انہیں میری پیٹھ پر لاد دو۔''

چوکیدار نے عرض کی: ''امیر المومنین! آپ چاہتے کیا ہیں؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میری پیٹھ پر لاد دو۔''

چوکیدار نے عرض کیا: ''آپ یہ چیزیں اپنی پیٹھ پر نہ لادیں۔ اے امیر المومنین!''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میری پیٹھ پر یہ سامان لاد دو۔''

چوکیدار نے کوشش کی کہ امیر المومنین کا تیار کردہ سامان خود اپنی پیٹھ پر لاد لے لیکن امیر المومنین نے سختی سے انکار کیا اور اس سے یوں مخاطب ہوئے:

''ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ! أَحْمِلْ عَلَيَّ أَأَنْتَ تَحْمِلُ عَنِّي ذُنُوبِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟''

''تیری ماں تجھے کھودے! یہ سامان میری پیٹھ پر لاد دو' کیا قیامت کے روز تم میرے گناہوں کا بوجھ اُٹھاؤ گے؟''

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آٹا' گھی اور شہد اپنی پیٹھ پر لاد لیا۔

جب اس عورت کے ہاں پہنچے تو آگ کے پاس بیٹھ گئے اور ان بچوں کے لیے کھانا پکایا جب کھانا تیار ہوگیا تو اس میں گھی اور شہد کی آمیزش کی اور اپنے مبارک ہاتھ سے بچوں کو کھانا کھلایا۔ یہ منظر دیکھ کر ان یتیم بچوں کی ماں کہنے لگی:

''وَاللّٰهِ اِنَّكَ أَحَقُّ بِالْخِلَافَةِ مِنْ عُمَرَ۔''

''قسم اللہ کی! تم عمر سے کہیں زیادہ منصب خلافت کے اہل ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: ''اے اللہ کی بندی! کل عمر کے پاس

جانا' وہاں میں ہوں گا اور تمہارے معاملات کے متعلق اس سے سفارش کروں گا۔"

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس آ گئے اور ایک چٹان کے پیچھے آ کر بیٹھ رہے اور ان بچوں کو دیکھنے لگے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آیئے' واپس چلتے ہیں کیونکہ رات بہت ہی ٹھنڈی ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اپنی جگہ اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک ان بچوں کو ہنستا ہوا نہ دیکھ لوں جیسے میں نے آتے وقت انہیں روتے ہوئے دیکھا تھا۔"

جب اگلے روز کا سورج طلوع ہوا تو ان یتیم بچوں کی ماں دربارِ خلافت میں گئی وہاں اس نے دیکھا کہ حضرت علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے مابین ایک شخص تشریف فرما ہے اور وہ دونوں حضرات اسے امیر المومنین کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں اور یہ وہی شخص تھا جس نے گزشتہ رات اس عورت اور اس کے بچوں کی خدمت میں گزاری تھی اور جس سے اس نے کہا تھا: "اللہ اللہ! میری اس حالت کا ذمہ دار عمر (رضی اللہ عنہ) ہے" چنانچہ جب عورت کی نگاہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر پڑی تو گویا اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی۔

امیر المومنین نے عورت سے فرمایا: "اللہ کی بندی! تیرا کوئی قصور نہیں' چل بتا تو اپنی شکایت کتنی قیمت کے عوض فروخت کرے گی۔"

عورت گویا ہوئی: "معاف فرمایئے اے امیر المومنین!"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "قسم اللہ کی! تو اس جگہ سے ہٹ نہیں سکتی جب تک کہ میرے ہاتھ اپنی شکایت بیچ نہ دو۔"

بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بیوہ خاتون کی شکایت اپنے مالِ خاص سے چھ سو درہم کے عوض خرید لی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو کاغذ قلم لانے کا حکم

دیا اور یہ تحریر قلمبند کرائی:

''ہم علی اور ابن مسعود اس بات پر گواہ ہیں کہ فلاں عورت نے اپنی شکایت امیر المومنین عمر بن خطاب کے ہاتھ فروخت کر دی۔''

پھر امیر المومنین عمر بن خطاب کے رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اِذَا اَنَا مِتُّ فَدَعُوْهَا فِیْ كَفَنِیْ حَتّٰی اَلْقٰی بِهَا اللّٰهَ تَعَالٰی۔''

''جب میری وفات ہو جائے تو اسے میرے کفن میں رکھ دینا تا کہ میں اس کو لے کر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔''

(البدایۃ والنھایۃ للعلامۃ ابن کثیر: ۱۰/ ۱۸۵۔۱۸۷ ادارجمہ)

یاد رہے عبدالرحمٰن بن عوف زہری رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ آپ کا شمار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ ان چھ اصحابِ شوریٰ میں بھی ہے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوقتِ وفات راضی تھے۔ آپ کی پیدائش عام الفیل کے دس سال بعد ہوئی۔ دارِ ارقم میں داخلہ سے قبل ابتدائے دعوت ہی میں آپ نے اسلام قبول کیا اور دو بار ہجرت کی۔ جنگِ بدر اور جملہ غزوات میں آپ نے شرکت فرمائی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دومۃ الجندل کی طرف (لشکر کے ساتھ) روانہ کیا اور وہاں کے سردار اصبغ بن ثعلبہ کلبی کی بیٹی سے شادی کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں اسے فتح کرایا اور آپ نے اصبغ کی صاحب زادی سے شادی کر لی...... رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر کے دوران نمازِ فجر میں آپ کو اپنا جانشین بنایا۔ آپ کی وفات ۷۲ سال کی عمر میں ۳۱ھ میں ہوئی اور بقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

(۱۱۸)

مردے کو بیٹیوں کی رِقت انگیز دعا کام آگئی

حضرت سیدنا حارث بن نبہان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''میں قبرستان جایا کرتا' قبر والوں کے لیے رحم کی دعا مانگتا اور غور وفکر کرتا' ان کے احوال سے نصیحت حاصل کرتا۔ میں انہیں دیکھتا کہ وہ خاموش ہیں' کلام نہیں کرتے اور نہ ہی ان (مرنے والوں) کے پڑوسی ان کی ملاقات کو آتے ہیں' زمین کا پیٹ ان کا بچھونا ہے اور زمین کی پیٹھ ان کا اوڑھنا ہے اور میں انہیں پکارا کرتا: ''اے قبر والو! دنیا سے تمہارے نام ونشان مٹ چکے ہیں لیکن تمہارے گناہ نہیں مٹے' تم نے بوسیدہ گھروں میں ڈیرے لگا لیے ہیں۔ پس تمہارے پاؤں ورم زدہ ہیں۔'' پھر میں بہت زیادہ روتا اور اس کے بعد ایک گنبد کی طرف چلا جاتا جس میں ایک قبر تھی اور اس کے سائے میں سو جاتا۔ ایک مرتبہ میں ایک قبر کے پاس سویا ہوا تھا کہ اچانک صاحب قبر کو دیکھا کہ اس کی گردن میں زنجیر تھی' آنکھیں نیلی اور چہرہ سیاہ ہو چکا تھا اور کہہ رہا تھا: ''ہائے! میری بربادی وہلاکت! اگر دنیا والے مجھے دیکھ لیں تو کبھی بھی اللہ عزوجل کی نافرمانی نہ کریں۔ اللہ عزوجل کی قسم! مجھ سے ان لذات اور ان خطاؤں کے متعلق پوچھا گیا جنہوں نے مجھے زنجیروں میں جکڑوایا اور مجھے غرق کر دیا ہے تو ہے کوئی میری فریاد سننے والا؟ یا میرے گھر والوں کو میری اس حالت کی خبر دینے والا؟''

حضرت سیدنا حارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''جب میں بیدار ہوا تو بہت خوف زدہ تھا' قریب تھا کہ اس ہولناک منظر سے میرا دل نکل جاتا جو میں نے

دیکھا تھا۔ میں گھر گیا اور ساری رات اسی کے متعلق غور و فکر کرتا رہا جب صبح ہوئی تو گھر والوں کو کہا: ''میں کل جہاں گیا تھا مجھے دوبارہ وہاں جانے دو شاید کوئی قبر کی زیارت کرنے کے لیے آئے تو جو میں نے دیکھا اس کو بتاؤں۔'' جب میں وہاں گیا تو کسی کو نہ پایا' میں سو گیا۔ میں نے پھر دیکھا کہ قبر والے کو چہرے کے بل گھسیٹا جا رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے: ''ہائے ہلاکت! دنیا میں میرے اعمال بُرے اور عمر طویل تھی' مجھ پر اللہ عزوجل سخت ناراض ہے اگر رب عزوجل نے مجھ پر رحم نہ کیا اور مجھے عذاب سے نہ بچایا تو میرے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔'' جب میں بے دار ہوا تو ان آنکھوں دیکھے عبرتناک واقعہ کی وجہ سے خوف زدہ تھا۔ بہر حال میں گھر واپس آ گیا اور رات بسر کی جب صبح ہوئی تو میں پھر قبر کے پاس چلا گیا کہ شاید کوئی قبر کی زیارت کے لیے آیا ہو تو میں اس کو یہ سارا واقعہ سناؤں لیکن میں نے قبر کی زیارت کرنے والے کسی شخص کو نہ پایا۔ مجھے نیند آ گئی تو میں نے اس دفعہ صاحبِ قبر کو دیکھا کہ اس کے دونوں قدموں کو باندھا جا رہا ہے اور وہ کہہ رہا ہے: ''دنیا والے مجھ سے کتنے بے خبر ہو چکے ہیں' مجھ پر عذاب بڑھایا جا رہا ہے' اسباب اور حیلے سب منقطع ہو گئے' رب عزوجل مجھ سے ناراض ہے' مجھ پر ہر سمت سے (رحمت کے) دروازے بند ہیں' ہلاکت ہے میرے لیے! اگر رب عزوجل مجھ پر رحم نہ کرے۔''

حضرت سیدنا حارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں خوف کے عالم میں نیند سے بے دار ہوا' میں نے لوٹنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ چاند جیسی تین لڑکیاں آئیں' میں ان سے دُور ہو گیا اور قبر کی آڑ میں چھپ گیا تا کہ میں ان کی گفتگو سن سکوں۔ ان میں سے سب سے چھوٹی لڑکی آگے بڑھی اور قبر کے پاس رُک کر کہا: ''السلام علیک آپ پر سلامتی ہو' اے ابا جان! آپ نے صبح کیسے کی؟ آپ اپنی آرام گاہ میں کیسے ہیں؟ اور آپ کا اپنے ٹھکانے میں ٹھہرنا کیسا ہے؟ آپ ہمارے پاس اپنی محبت چھوڑ کر چلے گئے اور آپ کی خبر گیری کرنا ہم سے منقطع ہو گئی۔ آپ پر ہمیں بہت زیادہ غم ہے اور آپ سے ملنے کا

بہت شوق ہے۔'' پھر وہ بہت زیادہ روئی اس کے بعد دوسری دونوں لڑکیاں آگے بڑھیں، سلام کر کے کہنے لگیں: ''یہ ہمارے اس باپ کی قبر ہے جو ہم پر بہت شفیق اور مہربان تھا۔ اللہ عزوجل آپ کو اپنی رحمت سے خوش رکھے، آپ کو اپنے عذاب کے شر اور سزا سے بچائے۔ اے ابا جان! ہمیں آپ کے بعد ایسی تکالیف اور غم لاحق ہوئے کہ اگر آپ انہیں دیکھ لیتے تو غمگین ہو جاتے اور اگر آپ ان سے آگاہ ہو جاتے تو وہ آپ کو رنجیدہ خاطر کر دیتے۔ مزدوں نے ہمارے چہروں کو بے پردہ کر دیا ہے جنہیں آپ ڈھانپا کرتے تھے۔''

حضرت سیدنا حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ان کی یہ باتیں سن کر مجھے رونا آ گیا پھر میں تیزی سے ان کے پاس گیا اور سلام کرنے کے بعد کہا: ''اے لڑکیو! بے شک بعض اوقات اعمال قبول کیے جاتے ہیں اور بعض اوقات رد کر دیے جاتے ہیں، میں اس قبر میں رہنے والے تمہارے باپ کے اعمال کو دیکھ کر دُکھ میں مبتلا ہو گیا ہوں اور بُرے اعمال کے سبب اس کی عبرت ناک حالت نے مجھے مزید غم زدہ کر دیا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ان لڑکیوں نے میری گفتگو سنی تو کہنے لگیں: ''اے اللہ عزوجل کے نیک بندے! آپ نے کیا دیکھا؟'' میں نے بتایا: ''میں تین دن سے بار بار یہاں آ رہا ہوں اور لوہے کے گرز اور زنجیروں کی آواز سنتا ہوں۔'' جب انہوں نے یہ سنا تو کہنے لگیں: ''اس سے بڑھ کر بھی کوئی دُکھ اور مصیبت ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی حاجات کو پورا کرنے اور گھروں کو آباد کرنے میں مشغول ہیں جب کہ ہمارے باپ کو آگ کا عذاب دیا جا رہا ہے۔ اللہ عزوجل کی قسم! ہمیں چین آئے گا نہ نیند اور نہ ہی صبر یہاں تک کہ ہم اللہ عزوجل کی بارگاہ میں گریہ وزاری کریں گی شاید! وہ ہمارے باپ کو آگ سے آزاد کر دے۔'' پھر وہ اپنی چادروں میں گرتی پڑتی چلی گئیں۔

حضرت سیدنا حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں گھر لوٹا اور رات گزاری جب

صبح ہوئی تو میں پھر قبر کے پاس چلا گیا اور اسی شخص کی قبر کے پاس بیٹھ کر اس کے حال کے متعلق غور وفکر کرنے لگا کہ اچانک مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سو گیا' میں نے قبر والے کو حسین وجمیل صورت میں دیکھا اس کے پاؤں میں سونے کے جوتے ہیں اور اس کے پاس خدام اور غلام ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو سلام کیا: ''اللہ عزوجل آپ پر رحم کرے' آپ کون ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''میں وہی شخص ہوں جس کے معاملے کو دیکھ کر آپ غمگین ہو گئے تھے' اللہ عزوجل آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!''

میں نے پوچھا: ''آپ کا یہ حال کیسے ہوا؟'' تو اس نے کہا: ''جب آپ نے مجھے دیکھا تھا اور کل میری بیٹیوں کو میرے بارے میں بتایا تھا تو وہ اپنے گھروں کو جا کر آنسو بہانے لگیں' بالوں کو بکھیر دیا' اپنے رخساروں کو زمین پر رکھ دیا اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرنے لگیں اور میرے لیے اللہ عزوجل سے بخشش کی دعا مانگنے لگیں تو اللہ عزوجل نے میرے گناہوں کی بخشش فرما کر مجھے آگ سے آزاد کر دیا اور مجھے دلوں کے چین' سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس عطا فرمایا جب آپ میری بیٹیوں سے ملیں تو ان کو میری اس حالت کے متعلق بتا دیں تا کہ وہ غمگین نہ ہوں۔ ان کو بتائیں کہ میں باغات ومحلات' حور وغلماں' مشک وکافور اور فرح وسرور میں ہوں اور یہ بھی بتا دیں کہ اللہ عزوجل نے مجھے معاف فرما دیا ہے۔''

حضرت سیدنا حارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''پس جب میں بیدار ہوا تو اس منظر سے بہت خوش تھا' گھر واپس آیا' رات گزاری جب صبح ہوئی تو پھر سوئے قبرستان چل پڑا وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ لڑکیاں ننگے پاؤں موجود ہیں اور ان کے اوپر غم کے آثار نمایاں ہیں۔ میں نے ان کو سلام کیا اور کہا: ''تمہیں مبارک ہو! میں نے تمہارے باپ کو بہت بڑی بھلائی اور وسیع ملک میں دیکھا ہے اور تمہارے باپ نے مجھے بتایا کہ اللہ عزوجل نے تمہاری دعا قبول فرمالی اور تمہاری کوششوں کو رد نہیں کیا اور اللہ عزوجل نے

تمہاری خاطر تمہارے باپ کو بخش دیا ہے لہٰذا تم اس کی حق دار ہو کہ اس کا شکریہ ادا کرو۔"
یہ سنتے ہی ان میں سب سے چھوٹی لڑکی نے دعا شروع کر دی: "اے اللہ عزوجل! اے دِلوں کو خوش کرنے والے! عیبوں کو چھپانے والے! ہمارے غموں کو دُور کرنے والے! گناہوں کو بخشنے والے! غیبوں کو جاننے والے! تو میری حاجت کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح تنہائی میں میرے گناہوں سے معافی مانگنے کو جانتا ہے تو میرے ارادے، میری نیت اور دل کو بہتر جانتا ہے تو ہی میرا مالک و مولیٰ ہے، میری پکڑ فرمانے والی ذات بھی تیری ہی ہے، میری مصیبتوں کا حاجت روا بھی تو ہی ہے، میری تنہائی کا مونس و غم خوار، میری لغزشوں کو مٹانے والا اور میری دعاؤں کو قبول فرمانے والا بھی تو ہی ہے اگر میں تیری اطاعت میں کوئی کوتاہی کروں اور تیرے منع کردہ کاموں کا ارتکاب کر بیٹھوں تو اپنا فضل و کرم کرتے ہوئے مجھے محفوظ رکھ اور میری پردہ پوشی فرما۔ اے سب سے بڑے کریم! اے مانگنے والوں کی آخری امید اور روزِ جزا کے مالک! تو اچھی طرح جانتا ہے جو میں اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہوں اگر تو نے محض اپنے فضل و کرم سے میری حاجت کو قبول فرمایا ہے اور میرے باپ کے حق میں میری شفاعت کو قبول فرما لیا ہے تو میری روح بھی قبض فرما لے کہ تو ہر چاہے پر قادر ہے۔" پھر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔

پھر دوسری آگے بڑھی اس نے بھی بلند آواز سے پکارا: "اے اللہ عزوجل! اے گردنوں کو آگ کے عذاب سے آزاد کرنے والے! میری مصیبت بھی دُور کر دے میرے دل سے تمام شکوک و شبہات مٹا دے، اے وہ ذات جس نے مجھے سہارا دیا جب میں لڑکھڑا گئی اور میری رہنمائی فرمائی جب میں حیرانی کے عالم میں سرگرداں تھی اور مصیبت و تنگ دستی کے وقت میری دستگیری فرمائی اگر تو نے میری دعا کو قبول فرما لیا ہے اور میری حاجت پوری کر دی ہے اور میرے دل کو اپنے ذکر سے آباد کر دیا ہے تو مجھے بھی میری بہن سے ملا دے۔" اس نے بھی ایک زوردار چیخ ماری اور اپنی جانِ آفریں کے

سپرد کر دی۔

پھر تیسری آگے بڑھی اس نے بھی بلند آواز سے دعا کی: "اے اللہ عزوجل! تو ہر ایک کی خاموشی اور گفتگو کو جاننے والا ہے اور تو ہی فضلِ عظیم کا مالک ہے' عزت والا وہی ہے جس کو تو عزت دے' ذلت والا وہی ہے جس کو تو ذلت کا لباس پہنا دے' شرافت اسی کا خاصہ ہے جس کو تو عطا کرے' سعادت مندی و بدبختی اسی کے حصے میں ہے جس کے مقدر میں جو تو لکھ دے' قرب کی لذت وہی حاصل کر سکتا ہے جس کو تو قرب عطا فرمائے' دُوری و جدائی کا غم وہی جانتا ہے جس کو تو اپنی رحمت سے دُور کر دے' تیرے فضل و کرم سے وہی محروم ہو سکتا ہے جسے تو خود محروم رکھے' جس کو تو نواز دے وہ نفع حاصل کرنے والا اور جس کو تو نہ نوازے وہ نقصان اُٹھانے والا ہو جاتا ہے۔ میں تجھ سے تیرے اس اسمِ اعظم کے واسطے سے سوال کرتی ہوں کہ جس کو تو نے رات پر رکھا تو وہ تاریک ہو گئی' دن پر رکھا تو وہ روشن ہو گیا' پہاڑوں پر رکھا تو وہ گر کر ہموار ہو گئے' ہواؤں پر رکھا تو وہ چلنے لگیں' آسمانوں پر رکھا تو وہ بلند ہو گئے' زمین پر رکھا تو وہ بچھونا بن گئی اور فرشتوں پر رکھا تو وہ سجدہ ریز ہو گئے۔ اے اللہ عزوجل! اگر تو نے میری حاجت پوری کر دی ہے اور میری دعا قبول فرمالی ہے تو مجھے بھی میری بہنوں سے ملا دے۔" پھر اُس نے ایک زوردار چیخ ماری اور اس کی روح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت سیدنا حارث رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان کے احوال سے اور ان کی موت کے اس طرح ایک دوسرے کے قریب قریب ہونے سے تعجب ہوا۔

سبحان اللہ عزوجل! ان لوگوں کو دیکھو! جن کو حکم دیا گیا تو انہوں نے اطاعت کی اور عمل کیے تو ان کے اعمال قبول کیے گئے' انہیں اپنی مراد ملی' انہوں نے وصال طلب کیا تو اللہ عزوجل نے ان کو اپنی محبت کی رسی سے وصال عطا فرمایا' دعا کی تو اللہ عزوجل نے ان کی دعا قبول فرمائی' وہ اس کی بارگاہ میں قولاً فعلاً مخلص رہے اس کی اطاعت میں فرائض و نوافل پورے پورے ادا کیے۔ انہوں نے اللہ عزوجل کی

ملاقات پسند کی تو اللہ عزوجل نے بھی ان سے ملنا پسند کیا اور ان کو قرب ووصل عطا فرما کر ان پر بڑا احسان فرمایا پس وہ اس کے پیارے دین پر انتقال کر گئے کیونکہ وہ اسی کے اہل تھے۔ (الروض الفائق)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نَّبِيِّكَ الْعَظِيْمِ وَرَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ وَالدَّاعِيْ اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ ۔

قال رسول الله تعالى عليه وآله وسلم

حب الوطن من الإيمان

١٤٢٢

(۱۱۹)

امام ابو یوسف کی ذہانت کا ایک واقعہ

آپ علیہ الرحمہ کا پورا نام تھا یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن حبیش بن سعد اور ابو یوسف کی کنیت سے مشہور ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہ کے سب سے عظیم شاگرد رشید ہیں۔ ذہانت و فطانت اور مسائل کے استنباط میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی کو قاضی القضاۃ کا لقب ملا۔ امام ابوحنیفہ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے ابو یوسف ہی ہیں۔'' آپ کی وفات ۶۷ سال کی عمر میں ربیع الاول ۱۸۲ھ میں ہوئی۔

خلیفہ ہارون رشید اور اس کی اہلیہ زبیدہ کے درمیان کسی بات پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اختلاف نے جب طول پکڑا تو ہارون نے غصہ میں قسم کھالی کہ آنے والی رات تم میری سلطنت سے باہر گزارو ورنہ تمہیں طلاق!!

ہارون رشید کی حدودِ سلطنت مشرق میں چین سے لے کر مغرب میں فرانس کے نواح تک پھیلی ہوئی تھیں پھر ایسی وسیع وعریض سرزمین کو ایک ہی رات میں ہارون رشید کی اہلیہ کیوں کر طے کر سکتی تھی جب کہ اس وقت نقل وحمل کے وسائل و ذرائع بھی آج کی طرح کوئی تیز رفتار نہ تھے اب بات زبان سے نکل چکی تھی' اہلیہ بھی کوئی معمولی خاتون نہ تھی' زبیدہ تھی جو اسے جان سے زیادہ عزیز تھی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا' دونوں نہایت پریشان' ادھر ہارون اپنی سبقتِ لسانی پر

پشیمان وشرمندہ بھی تھا چنانچہ اس معمہ کو حل کرنے کے لیے بڑے بڑے علماء ہارون رشید کی خدمت میں بلائے گئے۔ ان میں قاضی ابو یوسف بھی تھے جب علماء کے سامنے اس مسئلے کو رکھا گیا تو سارے علماء غور وخوض میں لگ گئے۔ مسئلے کا کوئی معقول حل نظر نہیں آ رہا تھا' خاموشی طاری ہو گئی ہاں ایک بات پر سبھوں کا اتفاق تھا کہ شرع میں تو اس طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے اس لیے ہارون رشید کی دی ہوئی طلاق واقع ہو گئی اب علماء کی نظریں قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کی طرف اُٹھیں: حضرت! اس مسئلے کا کوئی حل ہے؟ آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

قاضی ابو یوسف مسکرائے' خلیفہ کی طرف دیکھا اور گویا ہوئے: ''آپ کی قسم ایک صورت میں واقع ہونے سے بچ سکتی ہے۔''

ہارون رشید: ''وہ کون سی صورت ہے؟''

امام ابو یوسف: ''اپنی بیوی سے کہیں کہ وہ آج رات کسی بھی مسجد میں گزار لیں اس لیے کہ مسجد آپ کی ملکیت میں نہیں ہے' وہ آپ کی سلطنت سے باہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ○

''اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے خاص ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔'' (الجن:۱۸)

امام ابو یوسف کا یہ فتویٰ سن کر تمام علماء عش عش کر اُٹھے' ان کی ذہانت اور فطانت کے قائل ہو گئے۔ چنانچہ قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ کے فتویٰ کے مطابق ہارون رشید کی اہلیہ زبیدہ نے رات مسجد میں گزاری اور اس طرح ہارون رشید کی طلاق واقع ہوتے ہوتے رہ گئی۔ (سنہرے حروف ص ۳۶۹ مطبوعہ دار السلام)

(۱۲۰)

بکنے والا غلام مجنون نہیں مجذوب تھا

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن مہذب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ایک دفعہ میں غلاموں کے بازار سے گزرا' دلال کو دیکھا کہ وہ ایک غلام کو بیچتے ہوئے کہہ رہا تھا''میں اس کو اس کے عیب پر بیچتا ہوں'' میں نے دلال سے پوچھا''اس میں کیا عیب ہے؟'' اس نے کہا''اسی سے پوچھ لیجئے'' میں نے غلام کے قریب جا کر اس سے دریافت کیا''تجھ میں کیا عیب ہے؟'' اس نے بتایا کہ''اے میرے آقا! مجھ میں بہت زیادہ عیب ہیں مجھے نہیں معلوم کہ میں لوگوں میں کس عیب سے مشہور ہوں'' میں نے دلال سے کہا''مجھے یہ بتاؤ کہ اس میں کیا عیب ہے؟'' اس نے کہا''اسے جنون کی بیماری ہے'' میں نے غلام سے پوچھا''تجھے مرگی کب ہوتی ہے؟ کیا ہر سال یا ہر ماہ یا ہر جمعہ؟'' اس نے کہا''اے میرے آقا! جب محبت کی بیماری دل پر غالب ہوتی ہے تو تمام اعضاء میں سرایت کر جاتی ہے اور جب دوسرے اعضاء پر غالب آتی ہے تو محبت کا خمار تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور عقل محبوب کی یاد میں کھو جاتی ہے' دل مستغرق ہو جاتا ہے' بدن ساکن ہو جاتا ہے اور جاہل اس کو جنون سمجھتے ہیں۔''

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ غلام اللہ عزوجل کے اولیاء میں سے ہے۔ میں نے دلال سے کہا''یہ غلام کتنے میں بیچو گے؟'' اس نے دو سو درہم بتائے تو میں نے دو سو بیس درہم دے دیئے اور غلام کو گھر کے قریب لا

کر اس سے کہا ''اندر داخل ہو جاؤ'' اس نے انکار کرتے ہوئے پوچھا ''کیا آپ کے گھر والے ہیں؟'' میں نے کہا ''جی ہاں!'' اس نے کہا ''غیر محرم کی طرف کون دیکھ سکتا ہے؟'' میں نے اسے کہا ''تجھے اجازت ہے'' اس نے کہا ''اللہ عزوجل پناہ عطا فرمائے جب بھی آپ کی کوئی حاجت ہوگی تو میں اس کو دروازے کے باہر ہی سے پورا کر دوں گا۔'' بہر حال میں خاموش ہو گیا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا پھر اس کے لیے کھانا لایا تو اس نے کہا ''میں روزے دار ہوں۔'' جب رات ہوئی میں رات کا کھانا لایا تو اس نے کہا ''مجھے بھوک نہیں'' اور وہ گھر کی چوکھٹ پر ہی ٹھہر گیا' آدھی رات کو جب میں اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ قیام کی حالت میں نماز پڑھ رہا ہے اور اسے میرے آنے کا علم نہ ہوا جب نماز سے فارغ ہوا تو سجدہ کیا اور بہت رویا۔ میں نے اس کی مناجات سنیں' وہ کہہ رہا تھا ''اے میرے مولیٰ عزوجل! ستارے ڈوب رہے ہیں' آنکھیں سو گئی ہیں تو ایسا زندہ اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے جس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ اے میرے مالک عزوجل! تو نے زمین بچھا کر ہر محبوب کو اس کے محب سے ملا دیا اور تو خود سارے محبت کے ماروں کا محبوب ہے۔ اے تنہائی کے ماروں کے غمگسار! اے میرے پروردگار عزوجل! اگر تو نے مجھے اپنے دروازے سے دور کر دیا تو پھر کس کے دروازے پر جا کر التجا کروں گا۔ یا الہ العالمین عزوجل! اگر تو مجھے عذاب دے تو بے شک مستحق عذاب ہوں اور اگر تو معاف فرما دے تو تو جود و کرم والا ہے۔'' پھر وہ غلام بیٹھ گیا' اپنے ہاتھوں کو بلند کر کے رویا اور کہا ''اے میرے مولیٰ عزوجل! تیرے فضل سے ہی صالحین و عارفین نے نجات حاصل کی' کوتاہی کرنے والوں نے تیری ہی رحمت کے باعث توبہ کی۔ اے معاف فرمانے والے! مجھے بھی اپنے عفو و مغفرت کا ذائقہ چکھا دے اگرچہ میں اس کا اہل نہیں مگر تو تو معاف فرمانے والا ہے۔''

پھر میں کمرے میں داخل ہو گیا اور کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہ کیا جب صبح ہوئی تو میں نے اس کے پاس جا کر کہا: ''رات کو کیسی نیند آئی؟'' تو اس نے جواب دیا ''اے

میرے آقا! کیا وہ شخص سو سکتا ہے جس کو آگ کے عذاب' خدائے جبار عزوجل کی بارگاہ میں پیشی اور گناہوں پر ملامت کا خوف ہو۔" پھر وہ بہت دیر تک روتا رہا تو میں نے کہا "جا! تو رضائے الٰہی عزوجل کے لیے آزاد ہے۔" تو وہ دوبارہ رو کر کہنے لگا "اے میرے آقا! پہلے میرے لیے دو اجر تھے۔ ایک اللہ عزوجل کی بندگی کا اور دوسرا آپ کی خدمت کا اب صرف ایک اجر ہے' اللہ عزوجل آپ کو عذاب نار سے آزادی عطا فرمائے۔" حضرت سیدنا عبدالرحمٰن علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "پھر میں نے اس کو کچھ خرچ دیا مگر اس نے قبول نہ کیا اور کہنے لگا "رزق کی ذمہ دار وہ زندہ ہستی ہے جس کو موت نہیں" پھر وہ نکل کھڑا ہوا اس حال میں کہ اس کے چہرے پر غم کا اثر عیاں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا۔
(الروض الفائق)

سبحان اللہ عزوجل! اس غلام کو اللہ عزوجل کی ملاقات کا کس قدر شوق تھا اور مطلوب کے فوت ہونے پر کس قدر غم۔ اے غفلت کی قید میں جکڑے ہوئے اگر تو امید کی وادی میں جھانکے تو دیکھے گا کہ عبادت گزاروں کے خیمے سمندر کے ساحل پر ٹوٹے ہوئے ہیں۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ (پ۲۶' الذریت:۱۷)

"وہ رات میں کم سویا کرتے۔"

اور تو غمزدہ پرندوں کو غم کی ٹہنیوں پر مسحور کن آواز میں یہ گنگناتے ہوئے سنے گا:

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ (پ۲۶' الذریت:۱۸)

"اور پچھلی رات استغفار کرتے۔"

رات پوے تے بے درداں نوں نیند پیاری آوے
دردمنداں نوں یاد سجن دی ستیاں آن جگاوے

(۱۲۱)

تیرے غم دور اور گناہ معاف ہو جائیں گے

ایک دن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے روز و شب کے معمولات میں سے بعض اوقات ذکر و اذکار کے لیے مقرر کر رکھے ہیں اس دوران میں آپ پر کثرت سے درود بھیجتا ہوں' میں کتنا وقت آپ پر درود پڑھا کروں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جتنا وقت پڑھ سکو۔''

میں نے عرض کیا: ''میں اپنی دعا کے اوقات میں سے ایک چوتھائی آپ پر درود بھیجنے میں صرف کروں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ.''

''جتنا تم پڑھ سکو اگر زیادہ پڑھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔''

میں نے عرض کیا: ''اپنی دعا کا آدھا وقت درود شریف کے لیے نکالوں''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔''

''جتنا پڑھ سکو اگر زیادہ پڑھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔''

میں نے عرض کیا: ''دو تہائی وقت؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جتنا تم پڑھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔“

میں نے عرض کیا:

”أَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا؟“

”کیا اپنی ساری دعا کو آپ کے لیے (درود) بنا دوں؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِذًا تُكْفَى هَمَّكَ وَيُغْفَرُ لَكَ ذَنْبُكَ۔“

”تب تو تمہارے سارے غم اور پریشانیاں دُور کر دی جائیں گی اور تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔“

(اس حدیث سے اندازہ لگائیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کے کتنے فوائد و برکات ہیں۔ اے کاش! ہماری زبانیں ہمہ وقت درود و سلام سے معطر رہیں۔)

(ترمذی: کتاب صفۃ القیامۃ باب ۲۳ نمبر ۲۴۵۷ تحفۃ الاحوذی: ۷/۱۹۸)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم

(۱۲۲)

دسواں دوزخی

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نامور صحابی اور قاری قرآن تھے وہ سید القراء سید الانصار اور سید المسلمین کے القاب سے معروف تھے ان کا تعلق خزرجی قبیلہ نجار کے خاندان بنو معاویہ سے تھا جنہیں بنو حدیلہ بھی کہا جاتا ہے ان کا شمار انصار کے تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے بیعت عقبہ ثانیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ مواخات قائم ہوئی تو وہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کے بھائی بنے۔ وہ غزوۂ طائف تک تمام غزوات میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ انہوں نے عہد صدیقی میں قرآن مجید کی تدوین کا اہم کام انجام دیا۔ خلافت فاروقی میں مجلسِ شوریٰ کے اہم رُکن تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب نمازِ تراویح کے باجماعت قیام کا حکم دیا تو اس کی امامت آپ ہی کے سپرد کی۔ انہیں قرآن حکیم کے ساتھ غیر معمولی لگاؤ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”جسے قرآن سننے کا ذوق ہو وہ ابی کے پاس جائے۔ انہوں نے ۳۰ یا ۳۲ھ میں وفات پائی اور خلیفۂ ثالث عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو آدمیوں نے اپنا اپنا نسب نامہ بیان کیا۔

ایک آدمی نے دوسرے سے کہا:

میں فلاں ابن فلاں ہوں، تم کون ہو؟

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں دو آدمیوں نے اپنا اپنا نسب بیان کیا۔ ایک آدمی نے (بطورِ فخر) کہا: میں فلاں ابن فلاں ہوں...... اس نے نو پشت تک گنایا پھر پوچھا: ''لیکن تم کون ہو تیری ماں مرے؟'' دوسرے آدمی نے جواب دیا: ''میں فلاں ابن فلاں ابن اسلام ہوں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ان دونوں آدمیوں کو بتا دیں۔ پہلے کو بتائیں کہ اے وہ شخص جس نے نو پشت تک اپنا نسب (بطورِ فخر) بیان کیا ہے، وہ نو جہنم میں ہیں اور تو جہنم میں ان کے ساتھ جانے والا دسواں آدمی ہے اور دوسرے آدمی کو بتائیں کہ اے دو پشت تک اپنی نسبت کرنے والے! وہ دونوں جنت میں ہیں اور تو ان کے ساتھ جنت میں جانے والا تیسرا شخص ہے۔'' (شعب الایمان للبیہقی: ۴۷۶۵)

(۱۲۴)

عبید مجنون کی معرفت بھری باتیں

حضرت سیدنا محمد بن فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے ایک نوجوان کو زمین پر لیٹے ہوئے دیکھا' وہ بہت زیادہ رو رہا تھا' میں نے اپنے ایک دوست سے کہا: ''آؤ! اس کے پاس چلیں یقیناً یہ بیمار ہے۔'' تو میرے دوست نے کہا: ''یہ بیمار نہیں بلکہ باطن میں عاشق اور ظاہراً مجنون ہے اس کا دل اللہ عزوجل کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے اور اسے عبید مجنون کے نام سے پکارا جاتا ہے۔'' حضرت سیدنا محمد بن فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں اس کے قریب ہوا تو دیکھا کہ اس نوجوان کا جسم کمزور تھا اور اس پر اون کا ایک جبہ تھا اور وہ کہہ رہا تھا: ''تعجب ہے اس پر جس نے تیری محبت کی حلاوت کو چکھ لیا! وہ کیسے تیری بارگاہ سے دُور ہو سکتا ہے؟'' پھر وہ اسی بات کو دہراتا رہا یہاں تک کہ بے ہوش ہو گیا' میں نے اپنے دوست کو کہا: ''اللہ عزوجل کی قسم! مجنون وہ ہوتا ہے جو اس مقام تک نہ پہنچا ہو جب اس کو ہوش آیا تو پوچھنے لگا: ''آپ مجھے کیوں دیکھ رہے ہو؟'' ہم نے کہا: ''شاید! آپ کو دوا کی ضرورت ہے جو آپ کو اس بیماری سے شفایاب کر دے۔'' اس نے کہا: ''جس ذات نے مجھے اس بیماری میں مبتلا کیا ہے' دوا بھی اسی کے پاس ہے لیکن جو بھی اس بیماری کا علاج کرانا چاہتا ہے' وہ مزید

بیمار ہو جاتا ہے۔'' میں نے کہا: ''وہ علاج کیا ہے؟'' تو اس نے بتایا کہ ''اس بیماری کا علاج حرام کو ترک کرنے' گناہوں سے اجتناب کرنے' مراقبہ کرنے' رات کو نمازِ تہجد ادا کرنے میں ہے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔'' یہ کہنے کے بعد وہ بہت زیادہ رویا اور ہم بھی اس کے ساتھ رونے لگے پھر ہم نے اس سے کہا: ''ہم آپ کے مہمان ہیں' ہمارے لیے دعا فرمایئے'' تو اس نے کہا: ''میں اس میدان کے شاہسواروں میں سے نہیں ہوں۔'' ہم نے اس کو قسم دی تو اس نے دعا کی: ''اللہ عزوجل ہمارے اور آپ کے اعمالِ صالحہ قبول فرمائے اور مغفرت کے ساتھ تمہاری میزبانی فرمائے' جنت کو تمہارا ٹھکانہ بنائے اور تمہارے اور میرے دل میں موت کی یاد ڈال دے۔'' پھر ہم اس سے جدا ہو گئے اس حال میں کہ ہمیں اس کی اچھے الفاظ پر مشتمل دعا بڑی بھلی لگی اور اس سے کلام و نصیحت سے ہمارے دل زندہ ہو گئے۔'' (الروض الفائق)

قارئینِ کرام! یہ تو ایک دیوانے کی حالت ہے جو کہ حبیب سے محبت کرتا ہے تو تم جیسے عقل مند اور دانا کا کیا حال ہونا چاہیے؟ تمہارا رب عزوجل تمہیں بلاتا ہے لیکن تم جواب نہیں دیتے' تمہیں توبہ کا حکم دیتا ہے مگر تم توبہ نہیں کرتے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم اس کی بارگاہ میں حاضر رہو اور تم ہو کہ ہر وقت غائب رہتے ہو کب تک تم اپنی عمر ضائع کرتے رہو گے؟ حالانکہ اس سے تمہیں کچھ نہیں ملا' کب تک اپنی لغزش کا بہانہ بناتے رہو گے؟ اور تمہارے گلے میں اٹکنے والی موت کے معاملے کو طبیب کے پاس نہیں لایا جائے گا تمہاری ہلاکت و بربادی: اس کی بارگاہ میں توبہ کے لیے جلدی کرو' وہ تمہارے قریب ہے تم اس سے ہدایت و توفیق کا سوال کرو' غم و تنگی کو دور کرنے میں اسی کا قصد کرو کہ وہ اپنی بارگاہ کا ارادہ کرنے والوں کو رسوا نہیں

فرماتا اور اس عمل کے ذریعے قرب حاصل کرو جو اس کو پسند ہو اس کی نافرمانیوں سے ڈرو اس لیے کہ وہ حاضر ہے' غائب نہیں اور اسی سے مانگو اس لیے کہ وہ اپنے مانگنے والوں کو عطا فرماتا ہے اسی وقت اس کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس کے سامنے گریہ وزاری کرو' قریب ہے کہ وہ تمہیں اپنی اطاعت کے لیے چن لے اور تمہیں ہدایت کی توفیق عطا فرما دے' اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اَللّٰهُ یَجْتَبِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ۝

(پ ۲۵' الشوریٰ ۱۳)

''اور اللہ اپنے قرب کے لیے چن لیتا ہے جسے چاہے اور اپنی طرف راہ دیتا ہے اسے جو رجوع لائے۔''

(۱۲۴)

ان خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

ذیل میں ہم فقرائے اسلام کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جن کا شمار بلاشبہ فقرائے اسلام میں ہوتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اسلامی کردار واخلاق کے اعتبار سے ممتاز شخصیات تھے اور میزانِ اسلام میں ان کا وزن بہت زیادہ تھا۔

ان فقرائے اسلام میں حضرت عمیر بن سعد بن عبید بن نعمان بن قیس بن عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ کا بھی نام آتا ہے۔ ان کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا چنانچہ ان کی ماں کی دوسری شادی حضرت جلاس بن سوید رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور انہی کے گھر میں ان کی پرورش و پرداخت ہوئی۔ حضرت جلاس بن سوید رضی اللہ عنہ ابتداء میں نفاق کا شکار ہو گئے تھے مگر پھر صدق دل سے تائب ہوئے اور مخلص صحابہ میں شامل ہو گئے۔ آپ نے عمیر کی تربیت پر خاصی توجہ دی اور ان سے محبت کا حق ادا کر دیا۔ غزوۂ تبوک میں عمیر نے اپنی آنکھوں سے غنیمت کے اموال دیکھے۔ انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک تھیلی پیش کرتے ہوئے دیکھا جس میں سونے کے ایک ہزار دینار تھے مگر اپنی سخت ضرورت کے باوجود انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں سے کچھ بھی تقاضہ نہیں کیا جبکہ مالِ غنیمت میں سے انہیں تقاضہ کرنے کا پورا حق تھا۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی فقر و فاقہ میں بسر کر دی مگر کبھی دستِ سوال دراز نہیں کیا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ان کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ فاضل اور زاہد ہیں۔ انصار کے جن تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو زاہد شمار کیا جاتا ہے ان میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا نام بھی آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے غیبت سے منع فرمایا ہے

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں حمص کا گورنر بنا کر بھیجا تھا جب امیر المومنین کی دعوت پر پیدل چل کر مدینہ منورہ پہنچے تو امیر المومنین نے پوچھا:

"أَمَا كَانَ أَحَدٌ يَتَبَرَّعُ لَكَ بِدَابَّةٍ؟"

"کسی بھی مسلمان نے تمہارے لیے کوئی سواری فراہم نہیں کی؟"

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"مَا فَعَلُوْا وَلَا سَأَلْتُهُمْ."

"انہوں نے پیشکش کی نہ میں نے تقاضہ کیا۔"

امیر المومنین نے ان کا جواب سن کر فرمایا:

"بِئْسَ الْمُسْلِمُوْنَ"

"مسلمان کس قدر بے حس ہو گئے۔"

حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"إِنَّ اللّٰهَ قَدْ نَهَاكَ عَنِ الْغِيْبَةِ."

"اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیبت کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

جب امیر المومنین نے اموال غنیمت اور جزیہ کے تعلق سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: "میں نے سارے اموال وہیں خرچ کر دیے جہاں کے وہ مستحق تھے۔"

ان کے زہد کی ایک مثال وہ واقعہ ہے کہ جب امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی خدمت میں ایک آدمی کو سو دینار دے کر بھیجا تو انہوں نے اسی وقت یہ

سارے دینار شہداء کے بچوں کو بلا کران میں تقسیم کر دیئے اور اپنے گھر میں کچھ نہیں رکھا جب کہ انہیں خود ان دیناروں کی شدید ضرورت تھی۔

(اسد الغابۃ ۶/۷۶،۴۰ طبقات ابن سعد ۴/۲۷۵، سیر اعلام النبلاء ۲/۵۶۱)

تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

فقرائے اسلام میں ایک نام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ یہ سابقین اوّلین میں سے تھے۔ انہوں نے کفایت شعاری اور قناعت کے ساتھ پوری زندگی گزار دی۔ دنیوی ناز و نعم کو اپنے قریب بھی نہ آنے دیا پھر کیا خیال ہے آپ کا ان کے بارے میں؟ دنیا کی آسائش و زیبائش نہ ہونے کی صورت میں وہ ایک کامیاب زندگی گزار سکے؟ ہرگز نہیں، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فقرائے اسلام میں سے ضرور تھے مگر شریعت کی میزان میں ان کا وزن بہت ہی بھاری تھا اور وہ ایک عظیم مقام و مرتبے پر فائز تھے حتیٰ کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں انہیں جنت کی بشارت دے دی تھی اور فرمایا تھا:

"أَنْتَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ ـ"

"تم جنتیوں میں سے ہو۔"

نیز فرمایا تھا:

"آخِرُ شَرْبَةٍ تَشْرَبُهَا مِنَ الدُّنْيَا شَرْبَةُ لَبَنٍ ـ"

"اس دنیا سے آخری گھونٹ جو تم پیو گے وہ دودھ کا گھونٹ ہوگا۔"

چنانچہ جنگِ صفین میں انہوں نے دودھ کا پیالہ منگوایا اور لڑائی کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ۶/۴۲۱، اسد الغابۃ ۴/۳۸۰۴)

نفع بخش سودا

یہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ مکہ کے رئیس عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے،

تجارت کا کاروبار شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے مال دار ہو گئے' کچھ دنوں قبل غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے مگر تجارت کی برکت سے ان کے پاس سونے چاندی کی ریل پیل ہو گئی جب انہوں نے اسلام قبول کیا اور مکہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا چاہی تو قریش ان کے اور ان کی ہجرت کے درمیان حائل ہو گئے اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے کہا: ''جب تم مکہ آئے تھے تو ایک زرخرید غلام تھے' مکہ کی آب و ہوا میں پلے بڑھے جوان ہوئے یہیں تم نے تجارتی کاروبار شروع کیا جس کی بدولت کافی مال و دولت تمہارے ہاتھ آ گیا اب تم چاہتے ہو کہ یہ سارا مال لے کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جا ملو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا' ہم یہ مال تمہیں ہرگز نہیں لے جانے دیں گے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال کفارِ قریش کے حوالے کر دیا اور پیدل چل کر تھکے ہارے پراگندہ حال مدینہ منورہ پہنچے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا: ''رَبِحَ الْبَيْعُ أَبَا يَحْيٰى۔''

''ابو یحییٰ! تم نے بہت ہی نفع بخش سودا کیا ہے۔''

(البدایۃ والنہایۃ ۷/۳۱۹' المنتظم ۵/۱۵۶' سیر اعلام النبلاء)

یوں حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے اللہ کی راہ میں سب کچھ قربان کر کے خود کو فقرائے مسلمین کی فہرست میں شامل کر لیا اور تا زندگی دنیوی عیش و عشرت سے کوسوں دور رہ کر زہد و ورع کی زندگی گزاری۔

یہ ہیں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ہیں' ان کا اپنا بیان ہے:

''لَقَدْ كُنْتُ تَاجِرًا قَبْلَ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَلَمَّا أَسْلَمْتُ أَرَدْتُ أَنْ أَجْمَعَ بَيْنَ التِّجَارَةِ وَالْعِبَادَةِ، فَلَمْ يَسْتَقِمْ أَمْرِيْ عَلٰى مَا أَرَدْتُ، فَتَرَكْتُ التِّجَارَةَ، إِنِّيْ لَا أَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ الْبَيْعَ، وَلٰكِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَكُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ لَا

تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔"

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و اقرار کرنے سے قبل میں ایک تاجر تھا جب میں نے اسلام قبول کیا تو میری خواہش تھی کہ تجارت بھی کروں اور عبادت میں بھی مشغول رہوں مگر میں اپنی خواہش کے مطابق یہ دونوں کام ایک ساتھ انجام نہیں دے سکا۔ چنانچہ میں تجارت سے سبکدوش ہو گیا (اور عبادت میں لگ گیا) میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حرام ٹھہرایا ہے بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہو جنہیں کوئی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں رکھتی۔"

مذکورہ مثالوں سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ فقر اور قلتِ مال کسی کی شان و عظمت کو گہنا نہیں سکتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اکثریت فقراء کی تھی مگر ان کی شان عظیم سے عظیم تر تھی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فقر کا انداز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ ذیل دعا سے ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین سو تیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو لے کر جنگِ بدر کے لئے نکلے اس وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی تھی:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ، اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ، اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَأَشْبِعْهُمْ۔"

"اے اللہ! یہ میرے صحابہ پیدل ہیں انہیں سواریاں نصیب فرما' اے اللہ! یہ بے لباس ہیں انہیں لباس عطا کر' اے اللہ! یہ بھوکے ہیں انہیں سیر کر۔"

(ابوداؤد: کتاب الجہاد' باب: فی نفل السریۃ تخرج من العسکر ۲۷۴۷)

(۱۲۵)

دن بھر میں سال بھر کا سفر

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''میں اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور ہم اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا تذکرہ کر رہے تھے تو حضرت سیدنا سری سقطی علیہ الرحمہ نے بتایا کہ ایک دفعہ میں بیت المقدس میں ایک چٹان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس سال حج کی سعادت نہ ملنے پر افسوس کر رہا تھا کیونکہ حج میں صرف دس دن باقی رہ گئے تھے جب میں نے اپنے دل میں سوچا کہ لوگوں کا رُخ بیت اللہ شریف کی طرف ہے اور دن بھی بہت تھوڑے ہیں جبکہ میں یہاں ٹھہرا ہوا ہوں پس میں پیچھے رہ جانے پر رونے لگا۔ اچانک میں نے ایک غیبی آواز سنی' کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: ''اے سری سقطی! مت رو! بے شک اللہ عزوجل نے ایسے لوگوں کو تمہارے لیے مقرر کر دیا ہے جو تمہیں مقامِ حج تک پہنچا دیں گے۔'' میں نے سوچا: ''یہ کیسے ہوگا حالانکہ میں بیت المقدس میں ہوں اور دن بھی تھوڑے رہ گئے ہیں۔'' تو اسی غیبی آواز نے کہا: ''غمگین نہ ہو' اللہ عزوجل تم پر مشکل کام کو آسان فرما دے گا۔'' میں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا اور اس غیبی آواز کی سچائی جاننے کے لیے انتظار میں بیٹھ گیا اچانک میں نے دیکھا کہ مسجد کے دروازے سے چار نوجوان داخل ہوئے (ان کے چہرے اتنے نورانی تھے) گویا سورج ان کے چہروں سے طلوع ہو رہا تھا اور نور ان کی پیشانیوں سے چمک رہا تھا' ان میں ایک بارعب اور باجلال نوجوان آگے بڑھا اور باقی اس کے پیچھے ہو گئے' ان سب نے بالوں کا لباس اور پاؤں میں کھجور کے پتوں کے جوتے پہنے ہوئے تھے وہ چٹان کے

قریب ہوئے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کی تو ان کے انوار سے مسجد بھر گئی' میں بھی ان کے ساتھ جا کر کھڑا ہو گیا اور عرض کی: ''اے رب عزوجل! شاید یہ وہی لوگ ہیں جن کی وجہ سے تو مجھ پر رحم فرمائے گا اور جن کی صحبت مجھے عنایت کرے گا۔''

وہ گنبد میں داخل ہوئے نوجوان ان کے آگے آگے تھا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے تھے' ہر ایک نے دو دو رکعتیں ادا کیں پھر وہ نوجوان اپنے رب عزوجل سے مناجات کرنے لگا' میں اس کی مناجات سننے کی خاطر اس کے قریب ہو گیا پھر اس نے گریہ وزاری کی اور تکبیر کہی اور ایسی نماز پڑھی جس نے میرا دل اور دماغ سلب کر لیا جب وہ فارغ ہوا تو بیٹھ گیا باقی تینوں اس کے سامنے بیٹھ گئے تو میں نے ان کے قریب جا کر سلام پیش کیا' نوجوان نے کہا: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' اے سری سقطی! اے وہ شخص جسے آج غیبی آواز کے ذریعے خوشخبری دی گئی کہ اس کا حج اس سال فوت نہیں ہوگا۔'' اس کی یہ بات سن کر میں بے ہوش ہونے کے قریب پہنچ گیا' میرا دل خوشی سے بھر گیا میں نے عرض کی: ''اے میرے آقا! جی ہاں! آپ کی آمد سے کچھ دیر پہلے مجھے غیب سے بتایا گیا ہے۔'' تو اس نے کہا: ''اے سری سقطی! آپ کو ہاتف غیبی کے آواز دینے سے ایک لمحہ پہلے ہم خراسان شہر سے بغداد کی طرف جا رہے تھے وہاں ہم نے اپنی ضروریات پوری کیں اور بیت اللہ شریف جانے کا ارادہ ہوا پھر خواہش ہوئی کہ شام میں انبیائے کرام علیہم السلام کے مزارات کی زیارت کر لیں پھر مکہ مکرمہ حاضری دیں گے' ہم مزارات کی زیارت کرنے کے بعد اب یہاں بیت المقدس کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔'' میں نے عرض کی: ''اے میرے سردار! آپ خراسان میں کیا کر رہے تھے؟'' اس نوجوان نے بتایا: ''ہم اپنے دینی بھائیوں حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمہ اور حضرت سیدنا معروف کرخی علیہ الرحمۃ کے ساتھ اکٹھے بیت الحرام کے ارادے سے بغداد آئے' میں بیت المقدس کی زیارت کرنے آ گیا اور وہ دونوں دیہات کے راستے سے چلے گئے۔'' میں نے کہا: ''اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے' خراسان سے بیت المقدس تک ایک سال کی مسافت ہے۔''

اس نے کہا: ”اگرچہ ایک ہزار سال کی مسافت ہو' بندہ اس کا ہو' زمین بھی اس کی ہو' آسمان بھی اس کا ہو' زیارت بھی اس کے گھر کی ہو اور ارادہ بھی اسی کی بارگاہ میں حاضری کا ہو تو پھر پہنچانا اور قوت وقدرت مہیا کرنا بھی اس کے ذمۂ کرم پر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ سورج کیسے مشرق سے مغرب تک کا سفر ایک دن میں طے کر لیتا ہے؟ کیا وہ اپنی قوت سے اتنی مسافت طے کرتا ہے یا قادر عزوجل کی قوت وارادے سے؟ جب ایک بے جان جامد سورج جس پر نہ حساب ہے نہ عذاب' ایک دن میں مشرق سے مغرب تک پہنچ جاتا ہے تو یہ کوئی حیرانگی کی بات نہیں کہ اس کا ایک بندہ ایک دن میں خراسان سے بیت المقدس پہنچ جائے۔ اللہ عزوجل ہی قدرت وقوت کا مالک ہے اور خلافِ عادت کام اسی سے صادر ہوتا ہے جو اس کا محبوب اور مختار ہو' اے سری سقطی! دنیا وآخرت کی عزت اختیار کر اور دنیا وآخرت کی ذلت تک پہنچنے سے بچ۔“

میں نے عرض کی: ”اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے! دنیا وآخرت کی عزت کی طرف میری رہنمائی فرما دیجیے؟“ تو اس نے کہا: ”جو بغیر مال کے امیری' بغیر سیکھے علم' بغیر خاندان کے عزت چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے دل سے دنیا کی محبت نکال دے اس کی طرف مائل نہ ہو اور نہ اس سے مطمئن ہو اس لیے کہ دنیا کی صفائی میں میل کی ملاوٹ اور اس کے میٹھے پن میں کڑواہٹ ہے۔“ میں نے پھر عرض کی: ”اے میرے سردار! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو اپنے انوار کے ساتھ خاص کیا اور اپنے اسرار سے آگاہ فرمایا۔ اب کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے بتایا: ”اب حج بیت اللہ اور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ پُرانوار کی زیارت مقصود ہے۔“ میں نے عرض کی: ”اللہ عزوجل کی قسم! میں آپ سے جدا نہیں ہوں گا کیونکہ آپ سے جدا ہونا' روح کے جسم سے جدا ہونے سے بھی زیادہ سخت ہے۔“ اس نے بسم اللہ شریف پڑھی اور میں بھی ان کے ہمراہ بیت المقدس سے بستی کی طرف چل پڑا' ہم چلتے رہے یہاں تک کہ اس نے کہا: ”اے سری سقطی! ظہر کا وقت ہو گیا ہے تو کیا نماز نہ پڑھ لیں؟“ میں نے کہا: ”کیوں نہیں“ میں نے مٹی سے تیمم

کا ارادہ کیا تو اس نے کہا: ''یہاں پانی کا ایک چشمہ ہے۔'' پھر وہ راستے سے کچھ ہٹا اور ایسے چشمے پر لے گیا جس کا پانی شہد سے بھی زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے وضو کیا اور پانی پی کر کہا: ''اللہ عزوجل کی قسم! میں اس راستے سے کئی مرتبہ گزرا لیکن پانی کا چشمہ یہاں کبھی نہیں پایا۔''

اس نے کہا: ''سب تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں جس نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا۔ ہم نے نمازِ ظہر ادا کی پھر عصر تک چلتے رہے پھر اچانک حجاز کے پہاڑ اور دیواریں ہمارے سامنے ظاہر ہوگئے' میں نے کہا: ''یہ تو حجازِ مقدس کی زمین ہے۔'' اس نے مجھ سے کہا: ''آپ مکہ مکرمہ میں پہنچ چکے ہیں۔'' میں گریہ وزاری کرنے لگا پھر اس نے مجھ سے پوچھا: ''اے سری سقطی! کیا تم ہمارے ساتھ داخل ہوگے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' جب ہم باب الندوہ سے داخل ہوئے تو میں نے دو شخص دیکھے' ان میں سے ایک بوڑھا اور دوسرا جوان تھا جب انہوں نے اس کو دیکھا تو مسکرائے اور کھڑے ہو کر معانقہ کیا اور کہا: ''الحمدللہ علی السلامۃ'' میں نے اپنے رفیق نوجوان سے پوچھا: ''اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے! یہ کون ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''عمر رسیدہ بزرگ حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ اور جوان حضرت سیدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہما ہیں۔'' پھر ہم نے مغرب وعشا کی نماز پڑھی' ہم سب اپنی طاقت کے مطابق نماز کے لیے کھڑے ہوئے' میں ان کے ساتھ نماز پڑھتا رہا یہاں تک کہ حالتِ سجدہ میں مجھے نیند آگئی جب میں بیدار ہوا تو وہاں کوئی نہ تھا' میں غم زدہ شخص کی طرح تنہا رہ گیا' ان کو مسجد حرام' مکہ مکرمہ اور منیٰ شریف میں بہت تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملے میں ان سے بچھڑنے کی وجہ سے روتا ہوا واپس آگیا۔'' (الروض الفائق)

معزز قارئین! ان لوگوں کی صفات سنو جنہوں نے عشق کو چھپایا اور ہمیشہ عشق کرتے بھی رہے' سلام عام کیا' کھانا خیرات کیا' ہمیشہ روزے رکھے' راتوں میں نماز پڑھتے رہے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے' گناہوں سے اجتناب کرتے رہے'

مخلوق سے کنارا کش رہے اور مولیٰ عزوجل سے مناجات کے لیے خلوت اختیار کی اور خلوت وتنہائی میں بھی اطاعت کرتے رہے لہٰذا اللہ عزوجل نے ان کی خطائیں معاف فرمادیں ان کے درجات بلند کیے جب وہ ندامت کے سمندر پر سوار ہوئے اور ملامت کی ہوا سے بچتے رہے سلامتی کی سرزمین میں پہنچے تو اللہ عزوجل نے ان کے دِلوں کو پاک کر دیا اور ان کے عیبوں پر پردہ ڈال دیا' ان کے گناہ بخش دیئے اور انہیں ان کے مطلوب تک پہنچا دیا تو انہوں نے اس کو پہچان لیا اور اس کو عبادت کے لائق سمجھا تو اس کی عبادت کرنے لگے اور انہوں نے اس سے معاملہ کرنے میں نفع پایا تو اس سے معاملہ کیا اور صدق ووفا پر اس کی بیعت کی۔ انہوں نے قتل کرنے والے اور قیدی کے درمیان تقدیر کے فیصلے سے حیران ہو کر رخساروں پر آنسو بہائے اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ندا دی: "اے اپنے بندوں کی توبہ قبول فرمانے اور بُرائیوں کو مٹانے والے! اے وہ ذات کہ ہمتیں جس کا احاطہ نہیں کرسکتیں اور جس پر آوازیں مختلف نہیں ہوتیں ہمیں آفات کی تاریکی سے نکال کر صفات کے ادراک کا نور عطا فرما۔ (آمین)

اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے:

"اَلشَّابُّ التَّائِبُ حَبِيْبُ اللهِ یعنی جوانی میں توبہ کرنے والا اللہ عزوجل کا حبیب ہے۔"

(حلیۃ الاولیاء عبدالملک بن عمر بن عبدالعزیز' الحدیث ۷۲۹۶' ج۵' ص ۳۹۴ مفہوماً)

اللہ عزوجل کی بندے سے یہ محبت اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ جوانی میں توبہ کرنے والا ہو کیونکہ نوجوان تر اور سرسبز ٹہنی کی طرح ہوتا ہے جب وہ اپنی جوانی اور ہر طرف سے شہوات ولذات سے لطف اُٹھانے اور ان کی رغبت پیدا ہونے کی عمر میں توبہ کرتا ہے اور یہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ دنیا اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے اس کے باوجود محض رضائے الٰہی کے لیے وہ ان تمام چیزوں کو ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق بن جاتا ہے اور اس کے مقبول بندوں میں اس کا شمار ہونے لگتا ہے۔

(۱۲۶)

مظلوم کی بددعا سے بچو

علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ ''البدایۃ والنھایۃ'' میں بیان کیا ہے کہ برامکہ خاندان جو خاصہ مشہور اور نہایت ہی خطرناک تھا' بغداد میں خلیفہ ہارون رشید کی وزارت کی کرسیاں انہی کے ہاتھ میں تھیں۔ یہ خاندان خوشحال اور ترقی یافتہ شمار ہونے لگا تھا چنانچہ اس خاندان کے لوگ اپنی عالی شان بلڈنگوں کے اندر اور باہر سونے چاندی کے پانی سے ملمع سازی کرتے جس کی وجہ سے یہ عمارات سورج کی روشنی میں جگمگ جگمگ کرتی تھیں۔

اس خاندان نے اسی طرح کے فضول کاموں میں اپنی دولت کو ضائع کیا' ناحق خون بہائے' سرکشی کی اور بغاوت کو جنم دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک زبردست پکڑنے والے کی طرح پکڑ لیا اور ان کا انجام کار بہت خراب ہوا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ یُمْلِی الظَّالِمَ حَتّٰی اِذَا أَخَذَہٗ لَمْ یُفْلِتْہُ۔''

''اللہ تبارک وتعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے مگر جب اسے پکڑ لیتا ہے تو ہرگز نہیں چھوڑتا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تلاوت فرمائی:

''وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ ۔ اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ۔''

''تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔'' (ہود:۱۱/۱۰۲)

(جامع الترمذی تفسیر القرآن باب ومن سورۃ ھود حدیث: ۳۱۱۰)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس خوش حال خاندان پر ایک ایسے آدمی کو مسلط کر دیا جو ان کا سب سے زیادہ محبوب اور ان کا بہت قریبی بھی تھا' دنیا اس کو خلیفہ ہارون رشید کے نام سے جانتی ہے اس نے ایک ہی رات کے اندر اس خاندان (برامکہ) کے بڑے بڑے لوگوں کو قید کر لیا اور ان میں سے ہر ایک کی پیٹھ پر کوڑے برسائے پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے' انہیں بُری طرح سے قتل کیا' ان کے مال و جائیداد پر قبضہ کر لیا' ان کی عالیشان عمارتوں کو منہدم کر دیا اور ان کی عورتوں کو قید خانوں میں ڈال دیا اسی خاندان کا ایک عمر رسیدہ شخص تھا جس کی پیٹھ پر کوڑوں کی بارش ہو رہی تھی اور وہ رو رہا تھا اس سے جب ایک غلام نے دریافت کیا کہ آخر یہ کیسی مصیبت تم لوگوں پر آ پڑی ہے؟ بوڑھے نے جواب دیا: کسی مظلوم کی بددعا راتوں رات ہمیں لگ گئی جس سے ہم غفلت میں پڑے سو رہے تھے لیکن اللہ اس سے ہرگز غافل نہیں تھا

لَا تَظْلِمَنَّ اِذَا مَا كُنْتَ مُقْتَدِرًا   فَالظُّلْمُ يَرْجِعُ عُقْبَاهُ اِلَى النَّدَمِ

''جب تم صاحب قدرت ہو تو ہرگز کسی پر ظلم نہ کرو کیونکہ ظلم کا انجام بالآخر ندامت ہی ہوتا ہے۔''

تَنَامُ عَيْنَاكَ وَالْمَظْلُوْمُ مُنْتَبِهٌ   يَدْعُوْ عَلَيْكَ وَعَيْنُ اللهِ لَمْ تَنَمِ

''تم محوِ خواب ہو جاتے ہو جب کہ مظلوم کو نیند نہیں آتی' وہ تمہارے لیے بددعا کرتا ہے اور (جان رکھو کہ) اللہ کی آنکھ نہیں سوتی (اس لیے ظالم کو چھٹکارا نہیں)''۔

اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"دَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ دُوْنَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَيَقُوْلُ: وَعِزَّتِيْ لَأَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِيْنٍ."

''مظلوم کی دعا کو اللہ تعالیٰ بادلوں کے اوپر اُٹھاتا ہے اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: میری عزت کی قسم! میں تیری ضرور بالضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ مدت بعد ہی سہی۔''

(سنن ابن ماجہ' الصیام' باب فی الصائم لاترد دعوتہ' حدیث: ۱۷۵۲ و جامع الترمذی' الدعوات' باب سبق المفردون' حدیث: ۳۵۹۸)

اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا تو ان سے آخری وصیت یہی فرمائی تھی:

"وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ' فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ."

''مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کی دعا اور اللہ (کی بارگاہ) کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہے۔''

(صحیح البخاری' الزکاۃ' باب اخذ الصدقۃ من الاغنیاء' حدیث ۱۴۹۶ و صحیح مسلم' الایمان' باب الدعاء الی الشہادتین وشرائع الاسلام' حدیث: ۱۹)

(۱۲۷)

عوام وخواص کی عید کی ضروریات

حضرت سیدنا محمد بن ابی فرج رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''مجھے ماہِ رمضان میں ایک خادمہ کی ضرورت پڑی جو ہمیں کھانا تیار کر دے' میں نے بازار میں ایک خادمہ کو دیکھا جس کی کم قیمت میں بولی دی جارہی تھی اس کا چہرہ زرد' بدن کمزور اور جلد خشک تھی۔ میں اس پر ترس کھاتے ہوئے اسے خرید کر گھر لے آیا اور کہا: ''برتن پکڑو اور رمضان کی ضروری اشیاء کی خریداری کے لیے میرے ساتھ بازار چلو۔'' تو وہ کہنے لگی: ''اے میرے آقا! میں تو ایسے لوگوں کے پاس تھی جن کا پورا زمانہ رمضان ہوا کرتا تھا۔'' اس کی یہ بات سن کر میں سمجھ گیا کہ یہ ضرور اللہ عزوجل کی نیک بندی ہوگی۔ وہ ماہِ رمضان میں ساری رات عبادت کرتی اور جب آخری رات آئی تو میں نے اس کو کہا: ''عید کی ضروری اشیاء خریدنے کے لیے ہمارے ساتھ بازار چلو۔'' تو وہ پوچھنے لگی: ''اے میرے آقا! عام لوگوں کی ضروریات خریدیں گے یا خاص لوگوں کی؟'' میں نے اس سے کہا: ''اپنی بات کی وضاحت کرو؟'' تو اس نے کہا: ''عام لوگوں کی ضروریات تو عید کے مشہور کھانے ہیں جبکہ خاص لوگوں کی ضروریات مخلوق سے کنارا کش ہونا' خدمت کے لیے فارغ ہونا' نوافل کے ذریعے اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرنا اور عاجزی وانکساری کرنا ہے۔''

یہ سن کر میں نے کہا: ''میری مراد کھانے کی ضروری اشیاء ہیں۔'' اس نے پھر پوچھا: ''کون سا کھانا؟ جو جسموں کی غذا ہے یا دلوں کی؟'' تو میں نے کہا: ''اپنی بات

واضح کرو؟'' تو اس نے مجھے بتایا: ''جسموں کی غذا تو معروف کھانا اور خوراک ہے جب کہ دِلوں کی غذا گناہوں کو چھوڑنا' اپنے عیب دُور کرنا' محبوب کے مشاہدہ سے لطف اندوز ہونا اور مقصود کے حصول پر راضی ہونا لیکن ان چیزوں کے لیے خشوع' پرہیزگاری' تکبر کو چھوڑنا' مولیٰ عزوجل کی طرف رجوع کرنا اور ظاہر و باطن میں اس پر بھروسہ کرنا ضروری ہے۔'' پھر وہ لونڈی نماز کے لیے کھڑی ہوگئی اس نے پہلی رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی پھر آل عمران شروع کردی پھر ایک سورت ختم کر کے دوسری سورت شروع کرتی رہی یہاں تک کہ سورۂ ابراہیم کی اس آیت تک پہنچ گئی:

یَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَكَادُ یُسِیْغُهٗ وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍؕ وَمِنْ وَّرَآىٕهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ۝ (پ۱۳' ابراہیم: ۱۷)

''بمشکل اس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور گلے سے نیچے اُتارنے کی امید نہ ہوگی اور اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور مرے گا نہیں اور اس کے پیچھے ایک گاڑھا عذاب۔''

(صدرالافاضل' سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: ''حدیث شریف میں ہے کہ جہنمی کو پیپ کا پانی پلایا جائے گا جب وہ منہ کے پاس آئے گا تو اس کو بہت ناگوار معلوم ہوگا جب اور قریب ہوگا تو اس سے چہرہ بھن جائے گا اور سر تک کی کھال جل کر گر پڑے گی جب پئے گا تو آنتیں کٹ کر نکل جائیں گی۔ (اللہ عزوجل کی پناہ) یعنی ہر عذاب کے بعد اس سے زیادہ شدید و غلیظ عذاب ہوگا۔ نعوذ باللہ من عذاب النار و من غضب الجبار۔'')

پھر وہ روتی ہوئی اسی آیت کو دہراتی رہی یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی جب میں نے اسے حرکت دی تو اس کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

سبحان اللہ عزوجل! ان لوگوں کی خوبیاں جنہوں نے اپنے چہروں کو غم و حزن کے آنسوؤں سے دھویا' ذکرِ الٰہی عزوجل اور تلاوتِ کلامِ باری تعالیٰ سے راتوں میں اپنی

آنکھوں کو بے دار رکھا اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنے قدموں پر کھڑے رہے اور اچھے اعمال بجالانے کی کوشش کرتے رہے پس ان کا ہر لمحہ رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں جیسا ہے۔

مسلمانو! کتنا نیک بخت ہے وہ شخص جس کو اللہ عزوجل نے قبولیت کی خلعت بخشی، کتنا انعام واکرام ہے اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے انتہائے مقصود تک پہنچایا اور کتنا بد بخت ہے وہ شخص جس کے روزے مردود ہوگئے اور گناہوں پر اس کی پکڑ ہوگئی اس کے ماہ وسال بے کار گزر گئے اور اس نے اپنے نفس کی خواہش کو رب عزوجل کی بارگاہ میں حاضری پر ترجیح دی یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت آ گیا۔

(الروض الفائق)

(۱۲۸)

شجاعت فاروقی کے چند مناظر

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دارارقم کی طرف روانہ ہوتے ہی اسلام کے سورج میں کچھ زیادہ ہی روشنی اور چمک نظر آنے لگی تھی' ان کا کلمۂ حق کی شہادت ادا کرنا تھا کہ مسلمانوں کے دل خوشی و مسرت سے باغ باغ ہو گئے۔

خلعتِ شہادت سے سرفراز ہونے کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں سے پوچھتے ہیں: ''قریشیوں میں وہ کون سا آدمی ہے جو مسلمانوں کی بات ادھر سے ادھر پہنچایا کرتا ہے؟'' جب جمیل بن معمر الجمحی کا نام بتایا گیا تو آپ فوراً اس کے پاس پہنچتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں:

''أَعَلِمْتَ يَا جَمِيلُ! أَنِّيْ أَسْلَمْتُ وَدَخَلْتُ فِيْ دِيْنِ مُحَمَّدٍ؟''

''اے جمیل! کیا تجھے معلوم بھی ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین میں داخل ہو چکا ہوں؟''

اتنا سننا تھا کہ جمیل بن معمر کوئی بات کہے بغیر اپنی چادر کھینچتے ہوئے وہاں سے چل پڑا اس کے پیچھے عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہو لیے۔ سردارانِ قریش کعبہ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے جمیل جیسے ہی مسجد حرام کے دروازے پر پہنچا زوردار آواز میں پکارنے لگا:

''يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَلَا إِنَّ ابْنَ الْخَطَّابِ قَدْ صَبَأَ۔''

''اے قریش کی جماعت! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ابن خطاب بھی بے

دین ہوگیا۔"

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمیل کے پیچھے سے فوراً آواز دی:

"كَذَبَ، وَلٰكِنِّيْ أَسْلَمْتُ وَشَهِدْتُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ."

"اس نے جھوٹ کہا: بلکہ میں نے اسلام قبول کیا ہے اور میں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔"

قریش نے جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبانی ان کے اسلام کا اعلان سنا تو سب کے سب ان کے اوپر ٹوٹ پڑے ادھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ان سے گتھم گتھا ہو گئے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ دو پہر تک قریشیوں سے برسرِ پیکار رہے اب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کافی تھک چکے تھے چنانچہ بیٹھ گئے اور قریش نے انہیں گھیرے میں لے لیا اس وقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا:

"اِفْعَلُوْا مَا بَدَا لَكُمْ، فَأَحْلِفُ بِاللّٰهِ أَنْ لَّوْ كُنَّا ثَلَاثَمِائَةٍ لَقَدْ تَرَكْنَاهَا لَكُمْ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا لَنَا."

"تم جو جی میں آئے کرو (میں اپنا فیصلہ بدلنے والا نہیں) میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم مکہ میں تین سو مسلمان ہوتے تو دو میں سے ایک فیصلہ یقینی تھا یا تو ہم مکہ تمہارے لیے چھوڑ دیتے یا تمہیں مکہ کو ہمارے لیے چھوڑنا پڑتا۔"

اسی دوران ایک عمر رسیدہ قریشی ریشمی دھاری دار حلہ اور منقش قمیص زیب تن کیے ہوئے وہاں آپہنچا اس نے پوچھا: ماجرا کیا ہے؟

کہنے لگے عمر بے دین ہوگیا ہے۔

اس نے کہا: ایک شخص نے اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کیا ہے تمہیں کیا

پریشانی ہے؟ کیا بنو کعب بن عدی کی طاقت کا تمہیں اندازہ نہیں، چلو بھاگو یہاں سے!!
قریش نے اس کی بات کی تعمیل کی اور فوراً تتر بتر ہو گئے۔

عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے: ہجرت کے بعد میں نے اپنے والد سے پوچھا: ''وہ شخص کون تھا؟'' تو فرمایا: ''عاص بن وائل'' یہ رشتے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ماموں لگتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء تالیف: امام ذہبی (۱/۱۴۱))

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ وہ مدینہ منورہ چھپ چھپا کر ہجرت کرتے تھے مگر جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو ہجرت کے وقت تلوار لٹکائے ہوئے مسجد حرام میں آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ قریشِ مکہ بیت اللہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور انہیں مخاطب کر کے بآوازِ بلند گویا ہوئے:

''شَاهَتِ الْوُجُوْهُ، وَاللّٰهِ! لَا يُرْغِمُ اللّٰهُ إِلَّا هٰذِهِ الْمَعَاطِسَ، مَنْ أَرَادَ أَنْ تَثْكِلَهُ أُمُّهُ أَوْ يُوْتِمَ وَلَدَهُ أَوْ تُرْمِلَ زَوْجَتُهُ، فَلْيَلْقَنِيْ خَلْفَ هٰذَا الْوَادِيْ۔''

''یہ چہرے نامراد ہوں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ ان دشمنوں کو نامراد کرے جس کی خواہش ہو کہ اس کی ماں اسے گم کر دے جو اپنے بچوں کو یتیم کروانا چاہے جو چاہے کہ اس کی گھر والی بیوہ ہو جائے وہ اس وادی کے پیچھے مجھ سے مقابلہ کرنے آ جائے۔''

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے سارے لوگ واقف تھے کس کی ہمت تھی جو اس مردِ مجاہد کے مقابلے کے لیے نکلتا؟ چنانچہ برسرِ عام عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اس موقع سے دوسرے کمزور مسلمانوں نے بھی فائدہ اٹھایا اور تقریباً بیس کمزور و لاچار مسلمانوں نے ان کی معیت میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

بخاری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"مَا زِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ ".

"عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ہم ہمیشہ شان و شوکت کے ساتھ رہے۔"

(بخاری ۳/۱۳۴۸، صحیح ابن حبان ۱۵/۳۰۲، سنن البیہقی الکبری ۶/۳۷۱، مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۳۵۴، مسند بزار ۵/۲۷۴)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے:

"وَاللهِ! مَا اسْتَطَعْنَا أَنْ نُصَلِّيَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ ظَاهِرِيْنَ حَتّٰى أَسْلَمَ عُمَرُ."

"اللہ کی قسم! عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے قبل ہم لوگوں کو کعبہ کے سامنے کھلے عام نماز پڑھنے کی طاقت نہیں تھی۔"

(مستدرک حاکم ۳/۹۰، المعجم الکبیر للطبرانی ۹/۱۶۲، حدیث نمبر ۸۸۰۶)

یاد رہے! سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شجاعت کے واقعات تاریخ کے صفحات میں بے شمار ہیں، ہم نے اپنے قارئین کے لیے مذکورہ چند گوشوں کو ہی یہاں جگہ دی ہے۔

(۱۲۹)

علمِ غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک انصاری نے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ سراپا عظمت میں حاضر ہو کر عرض کی: ''یارسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم! چند اشیاء کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کے لیے حاضرِ خدمت ہوا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' تھوڑی دیر میں قبیلہ ثقیف سے بھی ایک شخص حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: ''یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم چند اشیاء کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انصاری تجھ پر سبقت لے گیا ہے۔'' تو اس انصاری نے عرض کی: ''یہ شخص مسافر ہے اور مسافر زیادہ حق دار ہے' آپ اسی سے ابتدا کیجیے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثقفی کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں ہی تمہیں بتا دوں کہ کیا پوچھنے آئے ہو اور اگر چاہو تو تم ہی سوال کرو میں جواب دیتا ہوں۔'' اس نے عرض کی: ''یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم میں جو پوچھنے آیا ہوں' آپ خود ہی فرما دیجیے کیونکہ یہ زیادہ حیران کن ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم مجھ سے رکوع وسجود اور نماز روزے کے متعلق پوچھنے آئے ہو۔'' تو اس نے عرض کی: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بتانے میں کچھ بھی خطا نہ کی جو میرے دل میں تھا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو اس وقت نماز پڑھ لو اور ہر مہینے کی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھو' رات

کے پہلے حصے میں آرام، درمیانے میں قیام اور آخری میں پھر سو جاؤ اگر تم درمیان سے آخر تک جاگتے رہو تو بھی نماز پڑھتے رہو۔" وہ ثقفی اُٹھ کھڑا ہوا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انصاری کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے بھی ارشاد فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں ہی تمہیں بتادوں کہ کیا پوچھنے آئے ہو اور اگر چاہو تو تمہی سوال کرو میں جواب دیتا ہوں۔" اس نے عرض کی: "یا نبی اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم میں جو پوچھنے آیا ہوں، آپ خود ہی فرما لیجیے۔" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم یہ پوچھنے آئے ہو کہ حاجی کے لیے کیا اجر و ثواب ہے جب وہ گھر سے نکلے؟ وقوفِ عرفہ کا ثواب کیا ہے؟ رمی جمار کرنے (یعنی شیطان کو کنکریاں مارنے) کا اجر کیا ہے؟ سر کا حلق کروانے کا اجر کیا ہے؟ اور آخری طواف کرنے کا کیا ثواب ملے گا؟" تو اس نے عرض کی: "قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دل کی بات بتانے میں کچھ خطا نہ کی۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب حاجی گھر سے نکلتا ہے تو اس کے ہر قدم کے عوض ایک حسنہ (نیکی) لکھ دی جاتی اور ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔ وقوفِ عرفہ کے وقت اللہ عزوجل آسمانِ دنیا پر خاص تجلی فرما کر ارشاد فرماتا ہے: "میرے غبار آلود اور پراگندہ سر بندوں کو دیکھو! گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ان کے گناہوں کو بخش دیا اگرچہ بارش کے قطروں اور ریت کے ذروں کے برابر ہوں۔" اور جب وہ جمروں پر کنکریاں مارتا ہے تو کوئی نہیں جانتا کہ اس کا کیا اجر ہے؟ یہاں تک کہ روزِ قیامت اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا اور جب آخری طواف کرتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن کہ اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔"

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، الحدیث ۱۸۸۴، ج ۳/ص ۱۸۱)

یہی حدیث حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے کہ ایک انصاری حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ پوچھنے کے لیے حاضر ہوا اسی اثناء میں ایک ثقفی بھی اس غرض سے حاضر ہوا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا: ''اے ثقفی بھائی! انصاری تجھ سے سبقت لے گیا ہے لہٰذا تم بیٹھ جاؤ' ہم پہلے انصاری کی حاجت سے ابتدا کریں گے۔'' اس ثقفی کا چہرہ متغیر ہو گیا تو انصاری نے کھڑے ہو کر عرض کی: ''یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اس ثقفی کی حاجت پوچھ لیجیے کیونکہ میں اس کے چہرے کو بدلتا ہوا دیکھ رہا ہوں' مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایسی بات نہ کہہ دے جو مجھے ناگوار گزرے۔'' سرکارِ والا تبار' ہم بے کسوں کے مددگار' شفیع روزِ شمار' دوعالم کے مالک ومختار باذنِ پروردگار عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری کے لیے بھلائی کی دعا فرمائی پھر ارشاد فرمایا: ''اے ثقفی بھائی! تم سوال کرو جو چاہو اور اگر چاہو تو میں تمہارا سوال بتا کر اس کا جواب دوں؟'' اس نے عرض کی: ''مجھے یہ بات زیادہ پسند ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی ارشاد فرما دیں۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم یہ پوچھنے آئے ہو کہ تم کس ماہ روزے رکھو؟ کس رات قیام کرو' رکوع کس طرح کرو؟ اور سجدے میں تمہاری حالت کیسی ہو؟'' اس نے عرض کی: ''اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں انہی چیزوں کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر مہینے کی تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھو' رات کے پہلے اور تیسرے حصے میں آرام اور دوسرے حصے میں قیام کرو اور اگر دوسرے سے آخر رات تک تم بے دار رہو تو بھی نماز پڑھ سکتے ہو۔ رکوع کے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر انگلیاں کشادہ رکھو' سجدے کے وقت پیشانی کو زمین پر جما کر رکھو اور ٹھونگیں نہ مارو۔''

پھر ارشاد فرمایا: ''اے انصاری! اب تم سوال کرو اور اگر چاہو تو میں خود تمہارا سوال بتا کر جواب دوں؟'' تو اس نے بھی عرض کی: ''یارسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بتا دیجیے جس طرح میرے رفیق کو بتایا ہے' مجھے بھی یہی پسند ہے۔'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم گھر سے مسجد حرام کے ارادے سے

نکلنے کا اجر پوچھنے آئے ہو اور وقوف عرفہ، رمی جمار، سر منڈوانے اور طواف وغیرہ کا اجر و ثواب پوچھنا چاہتے ہو۔" انصاری صحابی نے بھی اسی طرح عرض کی: "اس ذات کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں انہی چیزوں کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تمہارے مسجد حرام کے لیے گھر سے نکلنے پر ہر قدم پر ایک حسنہ (نیکی) لکھی جائے گی، ایک گناہ مٹا دیا جائے گا اور ایک درجہ بلند کر دیا جائے گا اور تیرا طواف کی دو رکعتیں پڑھنا غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی ستر غلام آزاد کرنے کی طرح ہے اور تیرا عرفات میں ٹھہرنے کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ عزوجل اہلِ عرفات پر خاص تجلی فرماتا اور ارشاد فرماتا ہے: "میرے بندے دور دور سے پراگندہ سر اور غبار آلود میری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔" پس اللہ عزوجل اپنے فرشتوں کے سامنے ان پر فخر فرماتا اور ارشاد فرماتا ہے: "اگرچہ تمہارے گناہ ریت کے ذروں، آسمان کے ستاروں، سمندر اور بارش کے قطروں کے برابر بھی ہوں تب بھی میں انہیں بخش دوں گا۔" اور رمی جمار تیرے رب عزوجل کے ہاں تیرے لیے ذخیرہ ہے جس کی تجھے سب سے زیادہ بروزِ قیامت حاجت ہوگی۔ سر کا حلق کروانے میں ہر بال کے عوض قیامت کے دن نور ہوگا اور اس کے بعد تو طوافِ صدر (یعنی طواف زیارت جو عرفات سے واپسی کے بعد کیا جاتا ہے) اس حال میں کرے گا کہ تجھ پر کوئی گناہ باقی نہ ہوگا اور ایک فرشتہ آ کر اپنا ہاتھ تیرے کندھوں کے درمیان رکھ دے گا پھر کہے گا: "اللہ عزوجل نے تیرے گزشتہ گناہوں کو بخش دیا ہے پس آئندہ دنوں میں اچھے اعمال کر اور واپس لوٹ جا کیونکہ تجھے بھی بخش دیا گیا اور اسے بھی بخش دیا جائے گا جس کی تو شفاعت کرے گا۔"

(المعجم الکبیر، الحدیث ۱۳۵۶۶، ج ۱۲، ص ۳۲۵، الترغیب والترھیب، کتاب الحج، باب الترغیب فی الحج والعمرۃ، الحدیث ۱۷۱۲، ج ۲، ص ۱۰۸، مجمع الزوائد، کتاب الحج، باب فضل الحج، الحدیث ۵۲۵۰، ج ۳، ص ۱۰۱)

(۱۳۰)

تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی میں ہم لوگوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک سایہ دار درخت چھوڑ دیا تاکہ آپ اس کے سائے تلے آرام فرمائیں پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مختلف درختوں کے سائے میں آرام کرنے کے لیے چلے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کے ساتھ اپنی تلوار لٹکا دی اور اس کے سائے میں سو گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی متفرق ہو کر درختوں کے نیچے سو گئے۔ اس دوران ایک اعرابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کی تلوار درخت سے اُتار کر اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اتنے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی۔ اعرابی نے تلوار لہراتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''أَتَخَافُنِيْ؟'' ''تم مجھ سے ڈر رہے ہو؟''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں''

اعرابی کہنے لگا: ''مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟''

''تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ!''

اتنا سننا تھا کہ اعرابی کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر زمین پر گر گئی پھر تلوار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ میں اُٹھالی اور فرمایا:

''مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ؟''

"تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟"

اعرابی لجاجت کے ساتھ عرض کرنے لگا: "کُنْ خَیْرَ آخِذٍ ۔"

"آپ اچھا بدلہ لینے والا بنیں۔"

مطلب یہ ہے کہ میں نے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی؛ آپ بھی بدلے میں مجھے قتل کر سکتے ہیں مگر آپ مجھے معاف فرما کر اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیں اور میری برائی کا بدلہ بھلائی سے دیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّی رَسُوْلُ اللّٰهِ؟"

"کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور میں اللہ کا رسول ہوں۔"

اعرابی نے کہا:

"أُعَاهِدُكَ أَنْ لَّا أُقَاتِلَكَ وَلَا أَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ ۔"

"میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ (آج کے بعد) میں آپ سے قتال نہیں کروں گا اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے قتال کریں گے۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرما کر اس کا راستہ چھوڑ دیا جب وہ اپنی قوم کے لوگوں کے پاس پہنچا تو ان سے کہا:

"جِئْتُكُمْ مِّنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ ۔"

"میں تمہارے پاس ایک بہترین آدمی کے پاس سے آ رہا ہوں۔"

(بخاری، مسلم، فتح الباری ۷/۵۹۴)

(۱۴۱)

زبان اور آنکھوں والا بادل اور حج بیت اللہ

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ''جب طوفانِ نوح کے بعد بیت المعمور جس کی بنیاد حضرت سیدنا آدم علیہ السلام نے رکھی تھی' کو چھٹے آسمان پر اُٹھایا گیا تو اللہ عزوجل نے حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ شریف کی جگہ آ کر اس کے نشانات پر بنیاد رکھیں۔ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے مگر وہ آپ علیہ السلام سے پوشیدہ تھا اور آپ علیہ السلام کو اس کا کوئی نشان دِکھائی نہ دے رہا تھا تو اللہ عزوجل نے ایک بادل بھیجا جو لمبائی چوڑائی میں بیت اللہ شریف کی مقدار کے برابر تھا اس کا سر، زبان اور دو آنکھیں تھیں، وہ بیت اللہ شریف کے مقام پر کھڑا ہو گیا اور عرض کی: ''اے ابراہیم (علیہ السلام) میری مقدار کے برابر بنیاد رکھ دیں۔'' حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے کہنے کے مطابق بنیاد رکھی پھر بادل چلا گیا جب آپ علیہ السلام اس کے بنانے سے فارغ ہوئے تو طواف کیا۔ اللہ عزوجل نے آپ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ ''لوگوں میں حج کا اعلان کریں۔'' آپ علیہ السلام نے عرض کی: ''میری آواز کیسے پہنچے گی؟'' تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''اے ابراہیم! (علیہ السلام) تیرا کام ہے ندا کرنا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے۔'' تو حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا:

''اے اللہ عزوجل کے بندو! تمہارے رب عزوجل نے گھر بنایا اور تمہیں اس کا حج کرنے کا حکم دیا ہے۔'' تو اللہ عزوجل نے سب زمین والوں کو آپ

علیہ السلام کی آواز سنائی تو جنوں، انسانوں، پتھر اور مٹی کے ڈھیلوں، پہاڑوں اور ریتلے میدانوں اور ہر خشک وتر نے جواب دیا۔ مشرق و مغرب والوں کو آواز پہنچائی تو ماؤں کے پیٹوں سے اور مردوں کی پشتوں سے سب نے یہ کہتے ہوئے جواب دیا:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

تو آج وہی شخص حج کرے گا جس نے اس دن جواب دیا تھا جس نے ایک مرتبہ لبیک کہا تو وہ ایک مرتبہ حج کرے گا جس نے دو مرتبہ کہا وہ دو مرتبہ اور جس نے تین مرتبہ لبیک کہا وہ تین مرتبہ حج کرے گا اور جس نے اس سے بھی زیادہ بار لبیک کہا وہ اتنی ہی بار حج کرے گا۔"

(شعب الایمان للبیہقی، باب فی المناسک، حیث الکعبۃ والمسجد الحرام، الحدیث ۳۹۸۹، ج ۳، ص ۴۳۶ ملخصاً، اخبار مکۃ للفاکہی، ذکر ابراہیم علیہ السلام علی المقام..... الخ، الحدیث ۹۷۳، ج ۱، ص ۴۳۵، فردوس الاخبار للدیلمی، باب اللام، الحدیث ۵۳۴۳، ج ۲، ص ۲۱۷)

امیر المومنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ، "میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے عرض کی: "میرے ماں باپ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان! اس گھر کی شان کیا ہے؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے علی! اللہ عزوجل نے میری اُمت کے گناہوں کے کفارے کے لیے دنیا میں اپنا گھر بنایا۔" میں نے عرض کی: "میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! اس حجرِ اسود کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "یہ قیمتی پتھر جنت میں تھا، اللہ عزوجل نے اسے دنیا میں اُتارا تو اس کی روشنی سورج جیسی تھی لیکن جب سے اسے مشرکین کے (ناپاک) ہاتھ لگے اس کا رنگ تبدیل ہو گیا اور اب یہ سخت سیاہ ہو گیا ہے۔"

(اخبار مکۃ للفاکہی، ذکر المقام وفضلہ، الحدیث ۹۶۸، ج ۱، ص ۴۴۳، مختصر و بتغیر)

اے مسلمانو! ہر گھر بیت اللہ نہیں اور نہ ہی ہر پہاڑ عرفات ہے' نہ ہر توشہ مکہ تک پہنچاتا ہے۔ اے وہ شخص جس نے حج فوت کر دیا اس کی طرف راستہ نہ پایا' اپنی عمر کھیل کود میں گزار دی اور گناہوں کا بھاری بوجھ اُٹھائے رکھا۔ عصیاں کے میدان میں غفلت سے اپنے دامن کو گھسیٹا' نجات طلب کی لیکن اس تک نہ پہنچا لہٰذا تو حج میں جلدی کر اور اور اپنے لیے اسلام کو رہنما بنا جس کا ادراک نہ کوئی آنکھ کر سکتی ہے اور نہ ہی عقلیں اور نہ ہی عقلیں اور فکریں اس کی مثال ونظیر لا سکتی ہیں۔ زیارت حرمین کے بارے میں ایک اور واقعہ ملاحظہ ہو۔

حضرت سیدنا وہب بن منبہ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں تورات شریف میں ہے کہ ''اللہ عزوجل بروزِ قیامت اپنے سات لاکھ مقرب فرشتوں کو بھیجے گا جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں سونے کی زنجیر ہوگی۔ اللہ عزوجل فرمائے گا: ''جاؤ! اور بیت اللہ شریف کو ان زنجیروں میں باندھ کر محشر کی طرف لے آؤ۔'' فرشتے جائیں گے' ان زنجیروں سے باندھ کر کھینچیں گے اور ایک فرشتہ پکارے گا: ''اے کعبۃ اللہ! چل'' تو کعبہ مبارکہ کہے گا: ''میں نہیں چلوں گا جب تک میرا سوال پورا نہ ہو جائے۔'' فضائے آسمانی سے ایک فرشتہ پکارے گا: ''تو سوال کر'' تو کعبہ عرض کرے گا: ''اے اللہ عزوجل! تو میرے پڑوس میں دفن مومنین کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔'' تو کعبہ شریف کو ایک آواز سنائی دے گی: ''میں نے تیری درخواست قبول فرمالی۔''

حضرت سیدنا وہب بن منبہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''پھر مکہ کے مردوں کو اُٹھایا جائے گا جن کے چہرے سفید ہوں گے' وہ سب احرام کی حالت میں کعبہ کے گرد جمع ہو کر تلبیہ (یعنی لبیک) کہہ رہے ہوں گے پھر فرشتے کہیں گے: ''اے کعبہ! اب چل۔'' تو وہ کہے گا: ''میں نہیں چلوں گا یہاں تک کہ میری درخواست قبول ہو جائے۔'' تو فضائے آسمانی سے ایک فرشتہ پکاریگا: ''تو مانگ' تجھے دیا جائے گا۔'' تو کعبہ شریف کہے گا: ''اے اللہ عزوجل! تیرے گناہ گار بندے جو اکٹھے ہو کر دُور دُور سے غبار آلود ہو کر میرے پاس

آئے انہوں نے اپنے اہل و عیال اور احباب کو چھوڑا۔ انہوں نے فرمانبرداری اور زیارت کے شوق میں نکل کر تیرے حکم کے مطابق مناسکِ حج ادا کیے تو میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ان کے حق میں میری شفاعت قبول فرما' ان کو قیامت کی گھبراہٹ سے امن میں رکھ اور انہیں میرے گرد جمع فرمادے۔''

تو ایک فرشتہ ندا دے گا: ''ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے تیرے طواف کے بعد گناہوں کا ارتکاب کیا ہوگا اور ان پر اصرار کر کے اپنے اوپر جہنم واجب کر لی ہوگی۔'' تو کعبہ عرض کرے گا: ''اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے ان گناہ گاروں کے حق میں شفاعت قبول ہونے کا سوال کرتا ہوں جن پر جہنم واجب ہو چکی ہے۔'' تو اللہ عزوجل فرمائے گا: ''میں نے ان کے حق میں تیری شفاعت قبول فرمائی۔'' تو وہ فرشتہ ندا کرے گا: ''جس نے کعبہ کی زیارت کی تھی وہ لوگوں سے الگ ہو جائے۔'' اللہ عزوجل ان سب کو کعبہ کے گرد جمع کر دے گا' ان کے چہرے سفید ہوں گے اور وہ جہنم سے بے خوف ہو کر طواف کرتے ہوئے تلبیہ کہیں گے پھر فرشتہ پکارے گا: ''اے کعبۃ اللہ! چل تو کعبہ شریف تلبیہ کہے گا:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ بِیَدَیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ۔

پھر فرشتے اس کو کھینچ کر محشر تک لے جائیں گے۔

(احیاء علوم الدین' کتاب اسرار الحج' الباب الثانی ج ۱' ص ۳۴۳' مختصراً)

پاک ہے وہ ذات جس نے کعبہ مشرفہ کو امن اور عزت والا گھر بنایا اور اس میں رہنے والے انسانوں اور جانوروں کو امان دی اور آبِ زم زم کے ساتھ خاص کیا اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام کو فرض و واجب اور نوافل کی ادائیگی کے لیے قائم کیا اور سعی کے لیے صفا و مروہ کا انتخاب فرمایا اور جفا کے بدلے صلہ رحمی کو پیدا فرمایا۔

(۱۳۲)

سو افراد کا قاتل بخش دیا گیا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں وہ کہتے ہیں: ''کیا میں تم لوگوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ سناؤں جسے میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے دل نے محفوظ رکھا؟ (حدیث یہ ہے کہ) ایک شخص نے ننانوے آدمی قتل کیے پھر اسے توبہ کی توفیق ملی تو اس نے روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کے متعلق دریافت کیا جب ایک عالم کی نشاندہی کی تو وہ اس کے پاس حاضر ہوا اور فتویٰ پوچھا:

''اِنِّیْ قَتَلْتُ تِسْعَةً وَّتِسْعِیْنَ نَفْسًا، فَھَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ؟''

''میں نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا ہے، کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی۔''

عالم نے جواب دیا: ''ننانوے خون کے بعد توبہ!! (نہیں، نہیں! اب توبہ قبول نہیں ہو سکتی)

اس قاتل نے یہ فتویٰ سن کر اپنے میان سے تلوار کھینچی اور اس کا کام بھی تمام کر دیا اور یوں اس کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی فہرست میں اس عالم کا بھی اضافہ ہو گیا چنانچہ اب یہ تعداد سو ہو گئی پھر کچھ عرصہ بعد اس کے ضمیر نے ملامت کی تو اس نے پھر روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ پوچھا اس کی ایک عالم کی طرف رہنمائی کی گئی۔ وہ اس کے پاس پہنچا اور یہ فتویٰ پوچھا:

''اِنِّیْ قَتَلْتُ مِائَةَ نَفْسٍ، فَھَلْ لِیْ مِنْ تَوْبَةٍ؟''

"میں نے سو خون کیے ہیں' کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟"

عالم نے جواب دیا:

"وَمَنْ يَحُولُ بَيْنَكَ وَبَيْنَ التَّوْبَةِ؟"

"بھلا تیرے اور توبہ کے درمیان کون سی رکاوٹ ہے (کہ توبہ قبول نہ ہوگی؟ ضرور قبول ہوگی۔)"

جس بُرے گاؤں میں تیری رہائش تھی وہاں سے نکل کر فلاں گاؤں میں چلے جاؤ جو صالح و نیک لوگوں کی بستی ہے اور وہاں جا کر اپنے پروردگار کی عبادت میں لگ جاؤ۔

وہ آدمی نیکوکاروں کی بستی کی طرف روانہ ہو گیا' راستے میں اس کی موت کا وقت آ پہنچا۔ رحمت اور عذاب کے فرشتے اس کی روح نکالنے کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے۔

عذاب کے فرشتوں نے کہا: اس نے کبھی خیر کا کوئی کام نہیں کیا اس لیے ہم ہی اس کی روح قبض کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

رحمت کے فرشتوں نے کہا: "یہ توبہ کی حالت میں (نیک بستی کی طرف) نکلا ہے اس لیے اس کی روح ہم قبض کریں گے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس ایک اور فرشتہ آدمی کی صورت میں بھیجا۔ فرشتوں نے اس کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔

اس فرشتے نے کہا: "دیکھو ان دونوں بستیوں میں کون سی بستی زیادہ قریب ہے پھر جو بستی اس سے قریب ہو اس کے ساتھ اس کو شمار کرو۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جب اس آدمی کو موت نے آ دبوچا تو اس نے خود کو کچھ آگے کیا اور اس طرح نیکوکاروں کی بستی سے قریب اور بُری بستی سے دُور ہو گیا چنانچہ فرشتوں نے اسے نیکوکاروں کی بستی میں شمار کیا اور رحمت کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی۔

(صحیح البخاری' احادیث الانبیاء' باب: ۵۴' حدیث: ۳۴۷۰ و صحیح مسلم' التوبۃ' باب قبول توبۃ القاتل وان کثر قتلہ' حدیث: ۲۷۶۶ و مسند احمد: ۳/۲۰)

(۱۳۴)

خوفِ خدا اور اہلِ اللہ

خوفِ خدا کے بارے میں چند بزرگانِ دین کے واقعات ملاحظہ ہوں:

☆......حضرت سیدنا ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رونا خوف سے آتا ہے اور بے قراری رجاء وشوق سے ہوتی ہے جب حضرت سیدنا محمد منکدر رحمۃ اللہ علیہ رویا کرتے تو اپنے چہرے اور داڑھی پر آنسو مل لیا کرتے' ان سے اس کے متعلق عرض کی گئی تو ارشاد فرمایا: "مجھے پتہ چلا ہے کہ آگ اس جگہ کو نہ کھائے گی جسے آنسو چھوئیں۔"

(سیر اعلام النبلاء الرقم ۷۷ محمد بن منکدر بن عبد اللہ ج ۶ ص ۱۵۹)

اے میرے عزیز! یہ رونا گناہوں کی آگ کو بجھاتا' دلوں کی کھیتی کو زندہ کرتا اور مطلوب تک پہنچاتا ہے' اپنی تنہائیوں میں بے وفائیوں پر روتا رہ اور دن رات لغزشوں اور گناہوں پر آنسو بہاتا رہ۔

☆......حضرت سیدنا ابوبکر کنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک ایسا نوجوان دیکھا جس سے زیادہ خوب صورت کسی کو نہ دیکھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: "تو کون ہے؟" تو اس نے جواب دیا: "میں تقویٰ ہوں۔" میں نے اس سے استفسار کیا: "تو کہاں رہتا ہے؟" تو اس نے بتایا: "ہر غمگین رونے والے کے دل میں۔"

☆......منقول ہے کہ حضرت سیدنا یزید رقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواب میں اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

قرأت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ قرأت ہے تو رونا کہاں ہے؟''

☆ حضرت سیدنا احمد بن ابی حواری علیہ رحمتہ اللہ الباری ارشاد فرماتے ہیں: ''میں نے اپنی لونڈی کو خواب میں دیکھا کہ اس سے زیادہ حسین کوئی عورت نہ دیکھی تھی اس کا چہرہ حسن و جمال سے دمک رہا تھا' میں نے اس سے پوچھا: ''تیرا چہرہ اتنا روشن کیوں ہے؟'' تو وہ کہنے لگی: ''آپ کو وہ رات یاد ہے جب آپ (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) اللہ عزوجل کے خوف سے روئے تھے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' اس نے کہا: ''آپ کے آنسوؤں کا ایک قطرہ میں نے اٹھا کر اپنے چہرے پر مل لیا تو چہرہ ایسا ہو گیا جیسا آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔''

☆...... حضرت سیدنا عطاء سلمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بہت زیادہ گریہ وزاری فرماتے۔ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''میں کیوں نہ روؤں حالانکہ موت کے پھندے میری گردن میں ہیں' قبر میرا گھر ہے اور قیامت میرا ٹھکانہ ہے اور اپنا اپنا حق مانگنے والے میرے اردگرد کھڑے ہو کر پکار رہے ہیں: ''اے شخص! ہمارے اور تمہارے درمیان میدانِ محشر میں فیصلہ ہوگا۔''

☆...... حضرت سیدنا یزید رقاشی رحمتہ اللہ علیہ اپنی موت کے وقت رونے لگے تو ان سے عرض کی گئی: ''آپ کیوں روتے ہیں؟'' تو ارشاد فرمایا: ''میں اس وجہ سے روتا ہوں کہ اب مجھے راتوں کے قیام دن کے روزوں اور ذکر کی مجالس میں حاضری کا موقع نہ ملے گا۔''

☆...... حضرت سیدنا عامر بن قیس رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا وقتِ وصال قریب آیا تو رونے لگے' آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی گئی: ''کون سی چیز آپ کو رلا رہی ہے؟'' تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''میں سخت گرمیوں کے روزوں اور سردیوں میں قیام پر رو رہا ہوں۔'' (کیونکہ اب دوبارہ یہ موقع ہاتھ نہ آئے گا)

☆...... حضرت سیدنا ابو شعثاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی موت کے وقت رونے لگے' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا گیا:

''کون سی چیز آپ کو رُلا رہی ہے؟'' تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے راتوں کے قیام کا شوق تھا۔''

☆...... حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک عبادت گزار شخص بیمار ہوگیا تو ہم اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس گئے' وہ لمبی لمبی سانسیں لے کر افسوس کرنے لگا۔ میں نے اس کو کہا: ''کس بات پر افسوس کر رہے ہو؟'' تو اس نے بتایا: ''اس رات پر جو میں نے سو کر گزاری اور اس دن پر جس دن میں نے روزہ نہ رکھا اور اس گھڑی پر جس میں میں اللہ عزوجل کے ذکر سے غافل رہا۔''

☆...... ایک عابد اپنی موت کے وقت رونے لگا اس سے وجہ دریافت کی گئی تو اس نے جواب دیا کہ ''میں اس بات پر روتا ہوں کہ روزے دار روزے رکھیں گے لیکن میں ان میں نہ ہوں گا۔ ذاکرین ذکر کریں گے لیکن میں ان میں نہ ہوں گا' نمازی نمازیں پڑھیں گے لیکن میں ان میں نہ ہوں گے۔''

اے غافل انسان! ان بزرگوں کو دیکھ! مرنے پر کیسے افسردہ اور نادم ہو رہے ہیں کہ موت کے بعد عملِ صالح نہ کر سکیں گے۔ اپنی بقیہ عمر سے کچھ حاصل کر لے اور جان لے کہ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ کیا تو ان لوگوں کی قبروں سے گزرتے ہوئے عبرت حاصل نہیں کرتا؟ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ اپنی قبروں میں اطمینان سے ہیں لیکن پھر بھی تمہاری طرف لوٹنے کی خواہش کرتے ہیں' وہ فوت شدہ اعمال کی تلافی چاہتے ہیں۔ کتنے واعظین نے وعظ کیا' ڈرایا اور موت نے کتنی مٹی کو آباد کر دیا؟ کیا تیرے پاس ایسے کان نہیں جو نصیحت کو سنیں؟ کیا تو ایسی آنکھ نہیں رکھتا جو اپنے محبوب کے جدا ہونے پر آنسو بہائے؟ کیا تیرے پاس ایسا دل نہیں جو خوفِ خدا عزوجل سے گڑگڑائے؟ کیا تجھے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرنے کی طمع نہیں؟ (الروض الفائق)

(۱۳۴)

بارگاہِ نبوت کے احترام کے تقاضے

سورۃ الحجرات کی روشنی میں جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝

"اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔" (الحجرات:۴۹/۲)

آیتِ کریمہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ادب واحترام اور تعظیم و تکریم کا بیان ہے جس کا ہر مسلمان سے تقاضہ ہو رہا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ادب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی مجلس میں بلند آواز سے گفتگو نہ کی جائے اور آپ سے کلام کرتے وقت وقار و سکون کا غایت درجے لحاظ رکھا جائے۔ نیز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح اونچی اونچی آواز سے بات نہ کی جائے جس طرح آپس میں بے تکلفی سے ایک دوسرے سے کی جاتی ہے۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ

اپنے گھر آئے اور دروازہ بند کر لیا۔ یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ اسلام کی حمایت میں تقریر کیا کرتے تھے اور اسلام پر اعتراضات کا دفاع کرتے تھے۔ بسا اوقات ان کی آواز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہو جایا کرتی تھی کیونکہ ان کی آواز قدرتی طور پر بلند تھی حالانکہ آیت میں مقصود یہ نہیں ہے بلکہ یہاں ان لوگوں کے بارے میں کہا گیا جو ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھے بغیر اونچی آواز سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تکلف باتیں کرتے تھے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی آواز تو اسلام کی سربلندی کے لیے اونچی ہوا کرتی تھی اس لیے وہ اس آیت کے مصداق نہیں تھے۔

غرض حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے خود کو گھر کے اندر بند کر لیا اور زاروقطار رونے لگے یہاں تک کہ ان کی پسلیاں ٹوٹنے کے قریب ہو گئیں۔ انہوں نے کہا:

”وَالَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ لَا أَخْرُجُ مِنْ بَیْتِیْ حَتّٰی یَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَیَّ أَوْ أَمُوْتَ فِیْ بَیْتِیْ۔“

”قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، میں اپنے گھر سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کر لے یا میں گھر ہی کے اندر نہ مر جاؤں۔“

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو غائب پایا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

”یَا أَبَا عَمْرٍو! مَا شَأْنُ ثَابِتٍ؟ أَشْتَکٰی؟“

”اے ابو عمرو! ثابت کا کیا حال ہے؟ کہیں وہ بیمار تو نہیں؟“

حضرت سعد بن معاذ نے عرض کی:

”اِنَّهٗ لَجَارِیْ وَمَا عَلِمْتُ لَهٗ بِشَکْوٰی۔“

”وہ میرے پڑوسی ہیں، مجھے ان کی بیماری کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔“

جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے گھر آئے تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا تذکرہ کیا۔ ان کے جواب میں حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا: ”یہ (مذکورہ) آیتِ کریمہ نازل ہوئی ہے اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب سے اونچی آواز میری ہی ہوتی ہے اس لیے میں تو جہنمی ہو گیا ہوں۔“

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔“

”بلکہ وہ تو جنتیوں میں سے ہیں۔“ (صحیح بخاری: ۳۶۱۳، ۴۸۴۶؛ مسلم: ۱۱۹)

یہ اس وقت کی بات ہے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری حیات میں تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ آپ کی نشست و برخواست تھی لیکن آج رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہم میں نہیں ہے اس لیے آپ کے حق میں ادب و احترام اور تعظیم و تکریم یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی تعلیمات کے مطابق عمل کیا جائے اور جن جن باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے ان سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی حکم جب ہمارے سامنے آ جائے اور وہ صحیح سند سے ثابت ہو تو پھر ہمیں چاہیے کہ فوراً اس حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں خواہ ہماری فکر اس سے متصادم ہی کیوں نہ ہو؟ اور جن باتوں سے روکا ہے ان سے رک جائیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے حق ادب واحترام کا تقاضہ یہی ہے یہی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور اسی میں مسلمانوں کی کامیابی کا مضمر ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

"اور (اللہ کا) رسول تمہیں جو کچھ دے تو وہ لے لو اور جس سے منع کرے تو اس سے رُک جاؤ۔" (الحشر:۵۹/۷)

اس واقعہ میں دو صحابیوں کا نام آیا ہے ان کا مختصر تعارف یہ ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے' ان کی والدہ بنو طے سے تھیں' ان کی کنیت ابو محمد تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے' انہوں نے خلافت صدیق میں جنگ یمامہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔ (اسد الغابہ' ج:۱)

سعد بن معاذ بن نعمان ایک جلیل القدر صحابی اور مدینہ منورہ میں اوس کے ایک بڑے قبیلے بنو عبدالاشہل کے نامور اور معزز سردار تھے۔ وہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ سریہ بواط کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا جانشین مقرر کیا۔ تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ غزوۂ خندق میں ایک مشرک کے تیر سے ان کا بازو شدید زخمی ہو گیا یہی زخم ان کی شہادت کا سبب بنا۔ ان کی وفات کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سعد کی موت سے عرشِ عظیم جنبش میں آ گیا ہے۔" (اردو دائرہ معارف اسلامیہ' ج:۱۱)

(۱۳۵)

نوجوان بزرگ

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پہاڑ کے دامن میں پریشان حال نوجوان دیکھا جس کے آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا: ''اللہ عزوجل تم پر رحم فرمائے' تم کون ہو؟'' اس نے جواب دیا: ''میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا ایک غلام ہوں۔'' تو میں نے اس سے کہا: ''واپس لوٹ جا اور معافی مانگ لے۔'' تو اس نے کہا: ''معذرت کے لیے کوئی دلیل ہونی چاہیے۔ ایک نافرمان کون سا عذر پیش کرے؟'' تو میں نے اسے مشورہ دیا: ''ایسے شخص سے رابطہ قائم کر جو اس کے ہاں تیری سفارش کرے۔'' تو وہ کہنے لگا: ''سب سفارش کرنے والے اس سے ڈرتے ہیں۔'' اس کی یہ بات سن کر میں نے اس سے پوچھا: ''وہ کون ہے؟'' تو اس نے بتایا کہ: ''وہ میرا مولیٰ عزوجل ہے جس نے بچپن میں مجھے پالا لیکن جوان ہو کر میں نے اس کی نافرمانی کی' مجھے اس سے شرمندگی ہوتی ہے کہ میں اس نے خوب صورت شکل اور برے فعل سے ملوں گا۔'' پھر اس نے ایک چیخ ماری اور اس کے ساتھ ہی اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اسی وقت ایک بوڑھی عورت کہیں سے آ پہنچی اور کہنے لگی: ''اس غم اور مصیبت کے مارے ہوئے انسان کی مرنے پر کس نے مدد کی؟'' میں نے اس سے عرض کی: ''اس کی تجہیز و تکفین پر میں آپ کی مدد کروں گا۔'' تو وہ بولی: ''اس کو اپنے مارنے والے کے سامنے اسی حالت میں چھوڑ دو' ممکن ہے کہ اس حالت میں دیکھ کر وہ اس پر رحم فرما

دے۔"

چنانچہ جب حضرت سیدنا ثابت بنانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہوا اور انہیں دفن کیا گیا تو اینٹیں برابر کرتے ہوئے ایک اینٹ گر گئی۔ حضرت سیدنا جعفر بن حسین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اینٹ نکالنے کے لیے قبر میں ہاتھ ڈالا تو کسی کو نہ پایا۔ میں بڑا حیران ہوا لیکن کسی کو یہ بات نہ بتائی اور اسی سوچ میں حضرت سیدنا ثابت بنانی رحمتہ اللہ علیہ کے گھر آ گیا۔ میں نے آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی بیٹی سے تعزیت کی اور اس سے دریافت کیا: "وہ کون سی دعا یا بات اکثر کہا کرتے تھے؟" تو ان کی بیٹی نے جواب دیا: "میں انہیں اکثر روتے اور یہ آیتِ کریمہ تلاوت کرتے ہوئے دیکھتی تھی:

"رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ۔"

"اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث۔"

(پ۱۷، الانبیاء:۸۹)

تو میں نے کہا: "یقیناً اللہ عزوجل نے حضرت سیدنا ثابت رحمتہ اللہ علیہ کی دعا قبول فرمالی ہے۔"

(۱۳۶)

شیطانی محفل میں پروانۂ ہدایت

یہ قصہ...... بہت ہی عجیب وغریب ہے...... (شیخ عوض نے ایک درس میں بیان کیا اور حازمی نے اپنی کتاب میں لکھا' درس کا عنوان تھا ''نگاہ پست رکھنے کے فوائد'') یہ قصہ اس جگہ پیش آیا تھا جہاں شیطان اپنے پورے لاؤلشکر کے ساتھ موجود رہتا ہے جہاں بے گناہ انسانوں کو گناہ کی دلدل میں پھنسانے کے لیے نت نئے طریقے استعمال کیے جاتے ہیں' جہاں رقص وسرود کی محفلیں برپا کی جاتی ہیں اوران مجالس میں بے ہودگی اپنے عروج پر ہوتی ہے...... جی ہاں! یہ قصہ اسی جگہ پیش آیا جہاں ایمان اس بے غیرتی کی تاب نہ لاکر بندے کے دل سے نکل کر معلق ہو جاتا ہے اس عجیب وغریب قصے کا راوی خود وہی ہے' وہی جو کچھ دیر قبل ڈانسنگ ہال کے رنگ برنگ پروگراموں سے اپنی ذہنی عیاشی کا سامان کر رہا تھا اور اب چند لمحے بعد توبہ کی توفیق پا چکا ہے۔ یہ قصہ شیخ علی طنطاوی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے...... لکھتے ہیں:

''میں شہر حلب کی ایک مسجد میں داخل ہوا وہاں میری نظر ایک نوجوان پر پڑی بے ساختہ میری زبان سے نکلا: ''سبحان اللہ! یہ نوجوان تو وہی لگتا ہے جو انتہائی شریر تھا' شراب نوشی اس کی عادت تھی اور زناکاری اس کا محبوب مشغلہ سود ورشوت کی چکی میں وہ لوگوں کو پیستا تھا اور والدین کا نافرمان تھا۔ والدین نے اس سے تنگ آکر اسے گھر سے نکال باہر کیا تھا' میں سخت حیران

و ششدر تھا کہ یہ نوجوان کیسے مسجد کے اندر آ گیا ہے؟
میں نے اس سے قریب ہو کر پوچھا: ''تم فلاں نوجوان ہو؟''
نوجوان نے جواب دیا: ''جی ہاں!''
میں نے کہا: تمہاری ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے..... ذرا مجھے بتانے کی زحمت کرو گے کہ آخر تمہیں کیسے ہدایت ملی؟''
نوجوان بولا: میری ہدایت کا سہرا اس بزرگ کے سر جاتا ہے جس نے محفل رقص میں ہم حاضرین کے سامنے وعظ ونصیحت فرمائی تھی۔
میں نے تعجب سے کہا: ''محفل رقص میں پروانۂ ہدایت؟''
نوجوان بولا: ''جی ہاں! محفل رقص میں۔''
میں نے پوچھا: وہ کیسے؟'' نوجوان گویا ہوا:
''ہمارے محلے میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی اس میں ایک عمر رسیدہ بزرگ لوگوں کی امامت کراتے تھے۔ ایک روز امام صاحب مقتدیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا: ''لوگ کہاں ہیں؟'' کیا بات ہے اکثر لوگ' خصوصاً نوجوانوں کا طبقہ مسجد میں حاضر نہیں ہوتا بلکہ مسجد کے قریب نہیں آتا؟ ایک مقتدی نے جواب دیا: ''محفل رقص ایک کشادہ کمرے میں برپا ہوتی ہے جس میں لکڑی کا ایک بلند سٹیج بنا ہوتا ہے اس پر نوجوان لڑکیاں برہنہ جسم یا نیم عریاں لباس پہن کر ایمان سوز گیت گاتی ہیں اور رقص کرتی ہیں اور لوگ ان کے اردگرد اکٹھے ہوتے ہیں اور ان سے لذت اٹھاتے ہیں۔'' امام صاحب نے کہا: ''کیا جو لوگ یہ منظر دیکھتے ہیں وہ مسلمان ہوتے ہیں؟''
جواب ملا: ''ہاں!'' امام صاحب نے کہا:
''لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔''
آؤ ہم اس محفل میں چلتے ہیں اور لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں۔ مقتدیوں نے

کہا: ''امام صاحب! آپ کون سی دنیا میں ہیں' آپ ایسے لوگوں کو نصیحت کریں گے اور وہ بھی محفلِ رقص میں؟ امام صاحب نے کہا: ''ہاں! ہاں! بالکل!''

مقتدیوں نے بڑی کوشش کی کہ امام صاحب کو ان کی رائے سے پھیر دیں اور انہوں نے امام صاحب کو بتایا کہ جب آپ اس محفل میں تماش بینوں کو نصیحت کرنے جائیں گے تو وہ لوگ آپ کا خوب خوف مذاق اُڑائیں گے' ہنسیں گے اور ان کی طرف سے آپ کو تکلیف دہ باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے فرمایا:

''وَهَلْ نَحْنُ خَيْرٌ مِّنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟''

''کیا ہم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہتر ہیں؟''

یہ کہہ کر امام صاحب نے ایک مقتدی کا ہاتھ پکڑا اور ساتھ لے کر چل پڑے تاکہ وہ ڈانسنگ ہال تک رہنمائی کر سکے جب امام صاحب اور ان کے ساتھی مقتدی حضرات ڈانسنگ ہال پہنچے تو اس کے ذمہ دار نے پوچھا: تم لوگ یہاں کس نیت سے آئے ہو؟ امام صاحب نے جواب دیا: ڈانسنگ ہال میں جو لوگ موجود ہیں ہم انہیں کچھ نصیحت کرنا چاہتے ہیں۔ امام صاحب کی بات سن کر ذمہ دار بڑے تعجب میں پڑ گیا اور انہیں غور سے اوپر سے نیچے تک دیکھنے لگا پھر اس نے ان لوگوں کو اندر داخل ہونے سے منع کر دیا۔ امام صاحب اور ان کے ساتھ گئے ہوئے لوگوں نے ذمہ دار کو بڑا سمجھایا بجھایا اور اس سے اپیل کی کہ وہ اندر داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائے۔ بالآخر ان لوگوں نے ڈانسنگ ہال کے ذمہ دار کو اس کی ایک دن کی آمدنی دے کر اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ ذمہ دار نے ان کی تجویز قبول کرنے کے بعد کہا: آج جاؤ' کل جب پروگرام کا افتتاح ہو تو

تم لوگ آنا۔"

نوجوان آگے بیان کرتا ہے:

"میں اگلے دن ڈانسنگ ہال کے اندر موجود تھا' سٹیج پر ایک نوجوان دوشیزہ نمودار ہوئی اور اس نے رقص کرنا شروع کیا جب اس کا رقص ختم ہوا تو سٹیج کا پردہ گرا جب پردہ دوبارہ اُٹھا تو اچانک سامنے سٹیج پر ایک باوقار بزرگ ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ بزرگ (امام صاحب) نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنے کے بعد لوگوں کو پند ونصائح شروع کیے۔ لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی اور انہیں تعجب ہوا کہ یکا یک یہ کیا شروع ہو گیا کیونکہ پہلی لڑکی جب سٹیج پر سے ڈانس کر کے گئی تھی اور پردہ گرا تھا تو ناظرین کسی اور لڑکی کا شوق لگائے ہوئے تھے لیکن جب دوبارہ پردہ اُٹھا تو ان کی توقع کے خلاف سٹیج پر پند ونصائح کرتے ہوئے بزرگ نظر آئے جس سے ان کی حیرانی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ ناظرین نے سمجھا کہ شاید یہ بھی پروگرام کا کوئی مزاحیہ حصہ ہے لیکن جب ناظرین نے دیکھا کہ سامنے سٹیج پر بیٹھے ہوئے بزرگ امام صاحب ہیں جو نصیحت کرنے کی غرض سے ڈانسنگ ہال میں تشریف لائے ہیں تو انہوں نے امام صاحب کا مذاق اُڑانا شروع کیا اور استہزاء کرتے ہوئے اپنی آوازیں بلند کرنے لگے جب کہ امام صاحب ان کی ہنسی مذاق اور استہزاء کی پروا کیے بغیر پند ونصائح میں مگن تھے اس شور وغل اور ہنسی مذاق کے دوران میں ہی حاضرین میں سے ایک شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے سامعین کو خاموش رہنے اور امام صاحب کی گفتگو سننے کا حکم دیا۔ یکا یک ڈانسنگ ہال میں سناٹا چھا گیا اب ہمیں صرف اور صرف امام صاحب کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ امام صاحب نے ایسا پُر اثر کلام سنایا جیسا ہم

نے اس سے پہلے کبھی نہیں سنا تھا۔ انہوں نے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ سنائیں اور پھر بعض صالحین کی توبہ کے قصے بتائے اور ان کی تقریر کا ایک حصہ یہ تھا:

اے لوگو! تم نے ایک طویل زندگی پائی ہے لیکن زندگی کے اکثر حصوں میں تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو دعوت دی ہے' تمہاری معصیت و نافرمانی کی لذت کہاں گئی؟ لذت وقتی تھی اب وہ غائب ہو چکی ہے لیکن تمہارے سیاہ نامۂ اعمال باقی رہ گئے ہیں اور عنقریب قیامت کے روز تم سے اس سلسلے میں باز پرس ہوگی اور وہ دن دُور نہیں جس میں اس کائنات میں کوئی زندہ نہ رہے گا' سب مر جائیں گے' صرف اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بابرکات باقی رہے گی......

اے لوگو! کیا تم نے کبھی اپنے نامۂ اعمال میں جھانکنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمہارے سیاہ اعمال تمہیں کس ڈگر پر لیے جا رہے ہیں؟ جب تمہارے اندر دنیوی آگ برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے کہ پل بھر میں یہ آتش تمہاری چمڑی ادھیڑ کر رکھ دیتی ہے جب کہ یہ جہنم کی آگ کا سترہواں حصہ ہے پھر جہنم کی آگ تم کیسے برداشت کر سکتے ہو؟ لوگو! ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو۔ یہ خطاب سنتے ہی تمام لوگ رو پڑے پھر امام صاحب ڈانسنگ ہال سے نکل پڑے اور ان کے پیچھے لوگوں کا اجتماع بھی باہر آ گیا۔ سارے لوگوں نے امام صاحب کے ہاتھ پر توبہ کی حتیٰ کہ ڈانسنگ ہال کا مالک بھی تائب ہو گیا اور اپنے گزشتہ کردار پر بڑا نادم ہوا۔" (التائبون الی اللہ للحازمی ج ا ص ۲۲۵)

(۱۳۷)

دو جوانوں کا حال

حضرت سیدنا یوسف بن حسین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں حاضر تھا اور آپ اردگرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو بیان فرما رہے تھے' سب لوگ رو رہے تھے مگر ایک نوجوان ہنس رہا تھا۔ حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے اس سے پوچھا: ''اے نوجوان! تجھے کیا ہے؟ لوگ رو رہے ہیں اور تم ہنس رہے ہو؟'' تو اس نے جواب دیا: ''لوگ یا تو جہنم کے خوف سے عبادت کرتے ہیں اور نجات کو ہی اپنا اجر سمجھتے ہیں یا جنت میں جانے کے لیے عبادت کرتے ہیں تاکہ اس کے باغوں میں رہیں اور اس کی نہروں سے پئیں۔ لیکن میرا ٹھکانہ نہ تو جنت ہے اور نہ ہی جہنم۔ میں اپنی محبت کا بدلہ نہیں چاہتا۔'' حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے دوبارہ اس سے پوچھا: ''اگر اس نے تمہیں دھتکار دیا تو کیا کرو گے؟'' تو اس نے چند اشعار سنائے جن کا مفہوم یہ ہے: ''جب میں نے محبت کے باوجود وصال حاصل نہ کیا تو دوزخ میں ٹھکانہ بنا لوں گا پھر جب مجھے صبح و شام عذاب ہوگا تو میری چیخ و پکار سے اہلِ دوزخ بھی تنگ آ جائیں گے جب میں وصالِ یار پانے کی کوئی راہ نہ پا سکا تو گناہ گاروں کی ٹولیاں بھی مجھ پر گریہ وزاری کریں گی۔ اے میرے مالک عزوجل! چاہے تو مجھے عذاب میں مبتلا کر دے یا آزاد کر دے' مجھے تیری مرضی قبول ہے اگر میں اپنے دعوئ محبت میں سچا ہوں تو محض اپنے کرم سے میری حالت کو تبدیل کر دے اور اگر میرا دعویٰ بہت جھوٹا ہے تو مجھے اس کی سزا میں طویل عذاب سے دوچار کر دے۔'' جب وہ چپ ہوا تو ایک غیبی آواز آئی: ''اے ذوالنون! مخلصین کی

اپنے رب عزوجل سے ایسی محبت ہوتی ہے کہ وہ خوشحالی وتنگدستی میں بھی اس سے محبت کرتے نعمتوں اور مصیبتوں پر بھی اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔"

نیک لوگ اس لیے سعادت مند ہو گئے کیونکہ انہوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے رب عزوجل کو مقصود بنایا جب انہوں نے اس مقصد میں رغبت اختیار کی تو انہیں اس تک پہنچنے سے بیوی بچوں کی محبت نہ روک سکی۔ انہوں نے اس راہ میں آنے والی مشقت کو شہد سے زیادہ میٹھا پایا' ان کے لیے شہد بھی ان تکالیف جیسا میٹھا نہیں' وہ ہمیشہ اپنے محبوب کی محبت میں مصائب جھیلتے رہے پھر بھی قرب کی طلب سے پیچھے نہ ہٹے اور ان کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ کسی شہر سے کوچ کرتے ہیں تو وہ شہر بھی ان کے فراق میں آنسو بہاتا ہے۔

(یہ تو ایک جوان کا حال تھا اب دوسرے کا حال سنیے)

☆ حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں ایک پہاڑ پر چل رہا تھا اچانک مجھے کسی کے رونے اور فریاد کرنے کی آواز سنائی دی میں اس آواز کے پیچھے چل پڑا۔ یہ آواز موٹے کپڑوں میں ملبوس ایک نوجوان کی تھی جو زمین پر راکھ بچھا کر اس پر لوٹ پوٹ ہو کر یوں مناجات کر رہا تھا: "اے میرے معبود اور میرے مالک! تیری عزت وجلال کی قسم! میں نے ہرگز تیری مخالفت کرتے ہوئے تیری نافرمانی نہ کی بلکہ اس وقت میں تجھ سے غافل تھا اور میں تیرے عذاب کو ہلکا بھی نہیں سمجھتا۔ میرے نفس کی سرکشی کے سبب شقاوت و بدبختی مجھ پر غالب آ گئی تو نے میرے گناہوں پر پردہ ڈالا تو میں دھوکے میں پڑ گیا اور اپنی جہالت اور بے وقوفی کے سبب تیری نافرمانی کی اب مجھے تیرے عذاب سے کون بچائے گا؟ جب تو اپنی رسی مجھ سے قطع کر دے گا اور مجھے اپنی بارگاہ سے دور کر دے گا تو میں کس کی رسی تھاموں گا؟ ہائے افسوس! تیری بارگاہ میں کھڑا ہونا پڑے گا' ہائے ندامت! تیری بارگاہ میں پیشی ہوگی' میں نے کتنی بار توبہ کی لیکن پھر گناہوں کی طرف لوٹ آیا' کتنی بار عہد کیا پھر عہد توڑ دیا۔"

کر کے توبہ پھر گناہ کرتا ہے جو
میں وہی بدکار ہوں کر دے کرم!

(۱۳۸)

صدیق کو مصلیٰ عطا کر دیا تو علی کو جھنڈا دے دیا

(رضی اللہ عنہما)

کیونکہ بزرگ مصلوں پہ اچھے لگتے ہیں اور جوانوں کے ہاتھ میں جھنڈے اچھے لگتے ہیں لیکن وہ بھی حق کا امام ہے اور یہ بھی حق کا امام ہے ؎

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوز صدیق دے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نطاۃ'' کے قلعوں کے مشرق میں تیروں کی پہنچ سے دور پڑاؤ ڈالا اور ''حصن ناعم'' کے محاصرے سے جنگ کا آغاز کیا۔ یہ بہت محفوظ' بلند اور مشکل چڑھائی والا قلعہ تھا اور یہود کی پہلی دفاعی لائن کی حیثیت رکھتا تھا اسی میں ان کا شہ زور بہادر مرحب بھی تھا جو ہزار مردوں کے برابر مانا جاتا تھا۔ (تجلیات نبوت' ص: ۲۸۰)

باشندگان خیبر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر تل گئے اور جنگ پر آمادہ ہو گئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدینِ اسلام کے ساتھ ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہودی اپنے قلعوں میں بند ہو کر رہ گئے اور انہیں اپنی کامیابی بظاہر ناممکن الحصول نظر آنے لگی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل رات کو فرمایا:

''لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ .''

''میں کل ایک ایسے آدمی کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح عطا

کرے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر لوگوں نے رات باہم چہ میگوئیاں کرتے ہوئے گزاری کہ کل کس خوش نصیب کو جھنڈا ملنے والا ہے۔ صبح ہوئی تو لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس کو جھنڈا ملے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"علی بن ابی طالب کدھر ہے؟"

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! ان کی آنکھ آئی ہوئی ہے۔" (آنکھوں میں تکلیف ہے) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے بلا کر میرے پاس لاؤ۔"

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھ میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور دعا فرمائی چنانچہ اسی وقت وہ شفایاب ہو گئے جیسے بیمار ہی نہ تھے پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"يَا رَسُولَ اللهِ! أُقَاتِلُهُمْ حَتّٰى يَكُونُوا مِثْلَنَا؟"

"اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا میں ان (باشندگانِ خیبر) سے اس وقت تک لڑائی کرتا رہوں جب تک کہ وہ ہماری ہی طرح مسلمان نہ بن جائیں؟" رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اُنْفُذْ عَلٰى رِسْلِكَ حَتّٰى تَنْزِلَ بِسَاحَتِهِمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، وَأَخْبِرْهُمْ بِمَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ مِنْ حَقِّ اللهِ فِيهِ، فَوَاللهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ

حُمْرُ النَّعَمِ۔"

"تم اطمینان سے پیش قدمی کرتے ہوئے ان کے میدان میں پہنچو پھر انہیں اسلام کے پیغام سے آگاہ کرو اور انہیں بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ کے ان پر کیا حقوق بنتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے سے ایک آدمی کو بھی راہِ راست پر لے آئے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔"

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اُٹھایا اور یہودیوں کے قلعے کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے انہیں اسلام کا پیغام پہنچایا لیکن انہوں نے اس کا کوئی اثر نہیں لیا اور اپنے قلعے میں محصور رہے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو رہی ہے اور اس طرح کسی خاطر خواہ نتیجے تک نہیں پہنچا جا سکتا ہے تو انہوں نے یہودیوں کے سب سے بڑے بہادر کو لڑنے کی دعوت دی۔ چنانچہ قلعے کا مالک مرحب ہتھیاروں سے لیس ہو کر آہنی ٹوپی پہنے ہوئے مقابلے کے لیے آنکلا جس کی شجاعت و جوانمردی مشہور تھی اور واقعی تھا بھی وہ بڑا بہادر۔ وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے نکلا

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّيْ مَرْحَبُ ۔۔۔ شَاكِي السَّلَاحِ بَطَلٌ مُّجَرَّبُ

إِذَا الْحُرُوْبُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

"خیبر کو معلوم ہے کہ میں مرحب ہوں' پورا ہتھیار بند اور آزمودہ کار جب جنگجو میدان کارزار میں شعلے کی طرح بھڑک اُٹھیں۔"

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا

أَنَا الَّذِيْ سَمَّتْنِيْ أُمِّيْ حَيْدَرَهْ ۔۔۔ كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

أُوْفِيْهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السَّنْدَرَهْ

"میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر (شیر ببر) رکھا ہے میں جنگلی شیر کی طرح شدید طاقت ور اور خوف ناک ہوں' میں تجھے صاع کے عوض نیزے کی ناپ پوری کر دوں گا (میں معمولی نقصان اُٹھا کر تجھے شدید

نقصان پہنچاؤں گا)"۔

پھر دونوں ایک دوسرے پر حملے کرتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ایک کاری ضرب لگائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار مرحب یہودی کی آہنی ٹوپی پھاڑتی ہوئی سر کے نیچے تک پہنچ گئی اور وہ فوراً جہنم رسید ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی پوری ہوئی:

"لَأُعْطِيَنَّ هٰذِهِ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ، يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ۔"

"کل میں ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ فتح نصیب کرے گا' وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔"

(صحیح البخاری' المغازی' باب غزوۃ خیبر' حدیث: ۴۲۱۰ و صحیح مسلم' الفضائل' باب من فضائل علی بن ابی طالب' حدیث: ۲۴۰۶)

(۱۳۹)

سارا شہر مسلمان ہو گیا

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سال حج کا ارادہ کیا جب اونٹنی پر سوار ہوا تو اس کا رخ کعبہ کی طرف ہی تھا لیکن جب میں نے اس کی گردن پر ہاتھ مارا تو وہ قسطنطنیہ (استنبول) کی طرف مڑ گئی۔ میں نے کئی مرتبہ اس کا رخ موڑا مگر وہ قبلہ کی طرف نہ مڑی، میں نے اپنے دل میں کہا: ''اے اللہ عزوجل! اس میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے۔'' میں نے اس کی مرضی کے مطابق اسے جانے دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: ''اے اللہ عزوجل! اگر تو مجھے اپنے گھر نہ جانے دے تو میرے پاس اس کا کوئی حل نہیں، تمام معاملہ تیرے ہی پاس ہے۔'' فرماتے ہیں کہ اونٹنی تیزی سے چلتی ہوئی قسطنطنیہ میں داخل ہو گئی جب میں شہر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ لوگ فتنہ وفساد میں مبتلا ہیں۔ میں نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ تو اس نے بتایا: ''بادشاہ کی بیٹی کی عقل زائل ہو گئی ہے اور لوگ کوئی ایسا طبیب تلاش کر رہے ہیں جو اس کا علاج کر سکے۔''

میں نے دل میں کہا: ''میرے رب عزوجل کی عزت کی قسم! اسی کام کے لیے میرے رب عزوجل نے مجھے اس سال حج سے روک دیا ہے۔'' میں نے ان لوگوں کو بتایا: ''میں طبیب ہوں۔'' انہوں نے پوچھا: ''کیا آپ علاج کریں گے؟'' میں نے کہا: ''ہاں! انشاء اللہ عزوجل'' لوگوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بادشاہ کے پاس لے گئے اس نے اپنی بیٹی کا علاج میرے ذمہ لگا دیا۔ میں نے اللہ عزوجل سے مدد طلب کی اور کمرے

میں داخل ہو گیا۔ میں نے وہاں لوہے کی کھنک سنی اور کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا: ''اے جنید! (رحمتہ اللہ علیہ) اونٹنی نے تجھے ہماری طرف لانے کی کتنی کوشش کی جب کہ تو اسے کعبہ مشرفہ کی طرف پھیرتا رہا۔'' اس کلام سے میری عقل کھو گئی پھر میں اندر داخل ہوا تو ایسی لڑکی دیکھی کہ دیکھنے والوں نے اس سے زیادہ حسین لڑکی نہ دیکھی ہو گی' وہ زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا: ''یہ کیسی حالت ہے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''اے دِلوں کے طبیب! مجھے کوئی ایسا کام بتایئے جس سے میں غم سے نجات پا جاؤں۔''

میں نے اسے کہا:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (عَزَّوَجَلَّ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) پڑھ۔''

اس نے بلند آواز سے کلمہ پڑھا تو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں کھل گئیں جب اس کے باپ نے دیکھا تو کہنے لگا: ''آپ کتنے اچھے طبیب ہیں اور آپ کی دوا کتنی اچھی ہے۔ میرا علاج بھی ایسی دوا سے کر دیجیے جس سے اس کا علاج کیا ہے۔''

تو میں نے کہا: ''تم بھی پڑھو:

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (عَزَّوَجَلَّ وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

پھر اس کی ماں آئی' وہ بھی دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور مسلمان ہو گئی پھر اس شہر میں رہنے والے سب لوگ مسلمان ہو گئے اس پر میں نے اللہ عزوجل کی حمد کی اور روانگی کا ارادہ کیا تو وہ لڑکی کہنے لگی: ''اے جنید! (رحمتہ اللہ علیہ) جانے کی جلدی نہ کیجیے۔ میں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عرض کی ہے کہ آپ کی موجودگی میں میرا انتقال ہو' آپ میری نمازِ جنازہ پڑھائیں اور دفن کر دیں۔'' پھر اس نے کلمہ شہادت پڑھ کر موت کا جام نوش کر لیا۔ (الروض الفائق)

(۱۴۰)

قصرشاہی اور درویش کی جھونپڑی

عباسی خلیفہ مامون رشید کا صاحب زادہ علی بن مامون ایک روز قصر شاہی کی چھت پر بغداد کا معائنہ کرنے کے لیے چڑھا اور بلند برجوں سے معائنہ کرنے لگا اس کی خوراک لذیذ تھی اس کی سواری پُر سکون اور نرم و گداز تھی اس کی زندگی لطف و مزے میں کٹ رہی تھی، وہ قابلِ فخر اور خوب صورت لباس زیب تن کرتا' اچھے سے اچھا اور لذیذ سے لذیذ کھانا کھاتا مگر اس کی زندگی کا یہ پہلا دن تھا کہ اسے بھوک نہیں لگ رہی تھی اور نہ کچھ پینے کی خواہش ہو رہی تھی۔

خلیفہ کا یہ شہزادہ علی شاہی قصر کی چھت سے بازار کے اندر لوگوں کی نقل و حرکت دیکھ رہا تھا۔ یہ جا رہا ہے وہ آ رہا ہے' یہ بیچ رہا ہے وہ خرید رہا ہے۔ غرض ہر ایک اپنے اپنے کام میں منہمک و مشغول ہے۔ شہزادے نے اپنی نظر ایک آدمی پر گاڑھ لی جو اجرت پر بار برداری کا کام کر رہا تھا اس کے اوپر صلاح و نیکی اور تقویٰ و پرہیز گاری کے آثار نمایاں تھے اس کے مونڈھوں پر رسیاں لٹک رہی تھیں اس کی پیٹھ پر بوجھ (بوریاں یا کوئی سامان) لدا ہوا تھا' وہ سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ایک دُکان سے دوسری دُکان اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر رہا تھا۔

شہزادہ علی اس محنت و مشقت کرنے والے بار بردار (قلی) کی حرکات و سکنات کا بغور معائنہ کر رہا تھا جب چاشت کا وقت ہوا تو وہ قلی اپنا کاروبار چھوڑ کر بازار سے نکل گیا

اور دجلہ کے ساحل پر چلا گیا وہاں اس نے دجلہ کے پانی سے وضو کیا' دو رکعت نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ اُٹھا کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعائیں کرنے لگا

سُبْحَانَ مَنْ يَعْفُوْ وَنَهْفُوْ دَآئِمًا وَلَمْ يَزَلْ مَهْمَا هَفَا الْعَبْدُ عَفَا

''پاک ہے وہ ہستی جو ہماری ہمیشہ کی لغزشوں سے درگزر فرماتا ہے اور جب کبھی بندہ لغزش کرتا ہے (پھر توبہ کرتا ہے) تب اللہ اسے معاف فرما دیتا ہے۔''

يُعْطِي الَّذِيْ يُخْطِيْ وَلَا يَمْنَعُهُ جَلَالُهُ عَنِ الْعَطَا لِذِي الْخَطَا

''خطا کار کو بھی وہ نوازتا ہے اس کی عظمت و جلال خطا کار کو بھی اس کے عطیات سے روکتی نہیں۔''

بڑی بابرکت ہے وہ ذات جس کی طرف فقراء و مساکین رجوع کرتے ہیں' بڑا بزرگ ہے وہ اللہ جس کے دربار میں کمزور و مظلومین دستِ سوال بلند کرتے ہیں اور بہت پاک ہے وہ ہستی جس کو معمولی حیثیت کے لوگوں نے پہچان لیا لیکن بڑے بڑے مال دار اور باحیثیت لوگ اس کو پہچاننے میں چوک جاتے ہیں۔ بہت قابلِ قدر ہیں وہ لوگ جو خیموں میں اور عام چبوتروں پر رہ کر محض روٹی کے چند ٹکڑوں پر زندگی گزار کر بھی اللہ کو پہچان لیتے ہیں مگر بلند قلعوں میں رہنے والے اونچے اونچے عہدوں پر کام کرنے والے اور اپنی طاقت پر اترانے والے انسان اللہ کی حقیقت سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔

غرض شہزادہ علی اپنی نظر اس قلی کے اوپر گاڑھے ہوئے تھا جب قلی نے دو رکعت چاشت کی نماز پڑھ لی تو پھر اپنے کام پر واپس ہو گیا اور مسلسل محنت و لگن کے ساتھ ظہر سے کچھ وقت پہلے تک اپنے کام میں مشغول رہا پھر ایک درہم میں ایک خشک روٹی خریدی اور اسے لے کر دریائے دجلہ کے کنارے چلا گیا وہاں اس نے پانی میں روٹی بھگوئی اور کھا کر پانی پیا اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر نمازِ ظہر کے لیے وضو کیا' نماز پڑھ کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر گڑگڑا کر دعائیں مانگیں اور اپنے پروردگار سے سرگوشی کرنے کے

بعد تھوڑی دیر کے لیے سورہا پھر بے دار ہوا اور بازار میں اپنے کام کاج میں مشغول ہو گیا اس نے دن بھر انتہائی محنت و مشقت سے اپنا کام کیا اور جب شام ہوئی تو ایک روٹی خریدی اور اپنے گھر واپس چلا گیا۔

دوسرے دن وہ پھر بازار آیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور اسی معمول کے مطابق اس نے اپنا دن گزارا اور پھر شام کو اپنے گھر لوٹ گیا اسی طرح اس نے تیسرے اور چوتھے دن بھی کیا اور اس معمول کے مطابق اپنی زندگی گزارتا رہا۔

شہزادہ علی اس قلی کو دیکھ کر بڑے تعجب میں پڑ گیا اور اس کے حالات سے واقفیت کا شوق اس کے دل میں سما گیا چنانچہ اس نے قلی کو بلوانے کے لیے اپنے ایک فوجی کو بھیجا' وہ فوجی گیا اور قلی سے کہا کہ شہزادہ صاحب آپ کو قصرِ شاہی میں یاد فرما رہے ہیں۔

قلی نے فوجی کو جواب دیا: مجھے اور بنو عباس کے بادشاہوں میں کیا واسطہ' میرے اور ان خلفاء کے درمیان کوئی رشتہ داری بھی نہیں اور نہ ہی ان کے پاس مجھے کوئی مقدمہ دائر کرنا ہے نہ مجھے کسی قسم کی کوئی دشواری ہے اور نہ مجھے کوئی اہم معاملہ درپیش ہے اگر کوئی مشکل گھڑی آ پہنچتی ہے تو میں اس ہستی کی طرف رجوع کرتا ہوں جو زندہ ہے اور آسمان و زمین سب اسی سے قائم ہیں جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے آسودہ کرتا ہے اور جب پیاسا ہوتا ہوں تو مجھے اللہ تعالیٰ سیراب کرتا ہے۔ میرے پاس نہ تو اپنا کوئی گھر ہے نہ کوئی جائے داد اور نہ زمین ہے؟

فوجی نے کہا: یہ امیر کا حکم ہے اس لیے آج ہر صورت میں تجھے شہزادے کے محل میں حاضری دینی ہی پڑے گی۔

مسکین قلی نے سمجھا کہ امیر اس کا محاسبہ کرے گا اس کے خلاف کوئی حکم صادر کرے گا چنانچہ اس نے کہا:

"حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔"

"اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔" (آل عمران: ۳/۱۷۳)

یہی وہ کلمہ ہے جو ہر فقیر و مسکین' پریشان حال اور مظلوم کا ہتھیار ہے جس کو وہ جابر و ظالم شاہوں کے سامنے استعمال کر کے ان کا سرنگوں کر دیتے ہیں۔

اور یہی وہ کلمہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب انہیں بھڑکتی آگ میں ڈالا گیا تھا۔

یہی کلمہ نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر و احد' احزاب اور تبوک کی جنگوں میں مسلمانوں کی قلت وضعف اور دشمنانِ اسلام کی کثرت وقوت کو دیکھ کر کہا تھا۔

جو عیسائیوں کی بڑی قوت کے سامنے صلاح الدین ایوبی نے کہا تھا۔

جو افغان مجاہدین نے روس کی قوت و سطوت' اس کے بڑے بڑے جہازوں' بھاری ٹینکوں اور میزائلوں کو دیکھ کر اس وقت کہا تھا جب انہیں مجبور کیا جاتا رہا کہ عالمی قوت کے سامنے سپر ڈال دو ورنہ کچل دیے جاؤ گے لیکن ان مجاہدین کی زبان پر یہی جملہ تھا: "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ."

غرض فقیر و مسکین قلی نے امیر المومنین مامون رشید کے صاحب زادے علی کی خدمت میں داخل ہو کر سلام عرض کیا۔

شہزادہ علی: کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟

قلی: میں کبھی آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا جب میں نے آپ کو دیکھا ہی نہیں تو پہچان کیسے سکتا ہوں؟

شہزادہ علی: میں خلیفہ کا صاحب زادہ ہوں۔

قلی: لوگ بھی یہی بتا رہے تھے۔

شہزادہ علی: تمہارا کام کیا ہے؟

قلی: أَعْمَلُ مَعَ عِبَادِ اللّٰهِ فِيْ بِلَادِ اللّٰهِ .

"میں اللہ کے ملک میں اللہ کے بندوں کے ساتھ کام کرتا ہوں۔"

شہزادہ علی: میں نے تجھے کئی دنوں تک مشقت کے کام کرتے ہوئے دیکھا اس

لیے میری خواہش ہوئی کہ میں تیرا بوجھ کچھ ہلکا کر دوں۔

قلی: وہ کیسے؟

شہزادہ علی: تم اپنے اہل وعیال کے ساتھ آ جاؤ اور ہمارے قصر میں رہائش پذیر ہو جاؤ۔ کھاؤ پیو آرام کرو کوئی رنج ہوگا نہ غم اور نہ کام کاج کے بارے میں کچھ فکر کرنی پڑے گی۔

قلی: شہزادہ صاحب! رنج تو اسے نہیں ہوگا جو گناہ کے کاموں میں ملوث نہیں ہوتا' غم سے وہ بچا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے کاموں سے خود کو الگ تھلگ رکھتا ہے اور جو کوئی بُرائی نہیں کرتا اس کو فکر کس بات کی؟ البتہ جو آدمی اللہ کے غیظ وغضب میں اور اس کی نافرمانی میں اپنی صبح وشام گزارتا ہے' وہی رنج وغم اور فکر سے دوچار ہوتا ہے۔

شہزادہ علی: تمہارے گھر والے ہیں؟

قلی: میری ایک ماں ہے جو نہایت ہی بوڑھی ہے' میری ایک ہمشیرہ ہے جو اندھی ہے' وہ دونوں ہر روز روزے سے رہتی ہیں' میں روزانہ مغرب سے قبل اُن دونوں کے لیے افطار کا بندوبست کر کے لاتا ہوں' ہم سب مل کر افطار کرتے ہیں اور عشا کی نماز کے بعد سو جاتے ہیں۔

شہزادہ علی: پھر تم جاگتے کب ہو؟

قلی: جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر رات کے تیسرے حصے میں جلوہ افروز ہوتا ہے۔

شہزادہ علی: کیا تیرے اوپر کسی قسم کا قرض ہے؟

قلی: گناہوں کا بوجھ ہے جو میرے اور اللہ کے درمیان ہے۔

شہزادہ علی: کیا تو نہیں چاہتا کہ میرے ساتھ شاہی قصر میں رہے؟

قلی: اللہ کی قسم! نہیں!

شہزادہ علی: آخر کیوں؟

قلی: مجھے تختی دل اور دین کے ضیاع کا خوف ہے۔

شہزادہ علی: کیا تجھے یہ منظور ہے کہ تو ایک بھو کا قلی بنا رہے اور تیرے جسم پر کپڑے بھی نہ ہوں اور یہ منظور نہیں کہ میرے ساتھ قصر شاہی میں زندگی گزارے؟

قلی: یہی بات ہے اللہ کی قسم!

پھر قلی شہزادہ علی کے پاس سے واپس ہو گیا۔

قلی کے جواب سے شہزادہ بڑا متاثر ہوا۔ ایک رات شہزادہ اپنی غفلت سے ہوش میں آیا اور چیختے ہوئے نیند سے بے دار ہوا اسے یقین ہو چلا کہ وہ اب تک گہری نیند سو رہا تھا اب توبہ کر کے اللہ کا مخلص بندہ بن جانا چاہیے چنانچہ شہزادہ علی آدھی رات کو نیند سے بے دار ہوا اور اپنے چشم و خدم سے کہنے لگا: میں دور دراز علاقے میں جا رہا ہوں جب تین دن کا وقفہ گزر جائے تو میرے والد کو تم لوگ بتلا دینا کہ میں کوچ کر چکا ہوں اب میرے اور میرے والد کی ملاقات قیامت ہی کے روز ہو گی۔

إِنْ كَانَ قَدْ عَزَّ فِي الدُّنْيَا اللِّقَاءُ فَفِي

مَوَاقِفِ الْحَشْرِ نَلْقَاكُمْ وَيَكْفِينَا

"اگر دنیوی زندگی میں ملاقات مشکل ہو جائے تو میدانِ حشر میں ہم تم سے ملاقات کریں گے اور ہمیں وہ ملاقات کفایت کر جائے گی۔"

شہزادہ علی رات کے اندھیرے میں قصر شاہی سے نکلا اپنی شان دار و خوب صورت پوشاک کو اتار پھینکا اور فقراء و مساکین کا لباس زیب تن کر کے راتوں رات نکل پڑا اور جا کر ایسے چھپ گیا کہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کدھر چلا گیا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ شہزادہ علی واسط (ایک شہر کا نام جو اموی گورنر حجاج بن یوسف نے دریائے دجلہ کے جنوب میں کوفہ اور بصرہ کے درمیان بسایا تھا اس لیے اس کا نام واسط رکھا گیا۔ واسط حجاج کا دارالحکومت تھا۔ حجاج کی وفات کے بعد اس کا چچازاد محمد بن قاسم فاتح سندھ واسط ہی میں قید رہا۔ بعد میں اس شہر کی اہمیت جاتی رہی) کی طرف

روانہ ہوا' اس نے اپنی حالت تبدیل کر لی اور مسکین وفقیر بن گیا' اس نے اینٹ بنانے والے ایک تاجر کے ساتھ بحیثیت مزدور کام کرنا شروع کر دیا' وہ اینٹ اور مٹی ڈھونے اور مکانات بنانے کا کام کرتا۔

جی ہاں! خلیفہ کا بیٹا شاہی قصر کو چھوڑ کر اب درویش بن گیا' وہ کثرت سے روزے رکھتا' رات کو دیر دیر تک اللہ عزوجل کی عبادت کرتا۔ صبح وشام دعا ومناجات میں مشغول رہتا' قرآنِ کریم حفظ کرتا' سخت گرمی میں روزے رکھتا' رات عبادت میں گزارتا اور اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھتا اس کے پاس صرف ایک ہی دن کی خوراک ہوتی چنانچہ اب اس کے رنج وغم اور کرب وپریشانی سب غائب ہو گئے اور اس کا کبر وغرور اور گھمنڈ سب ختم ہو گیا۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

''کیا ایک ایسا شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور ہم نے اس کے لیے نور بنا دیا' وہ اس کی روشنی میں لوگوں میں چلتا ہے' (کیا) وہ اس شخص جیسا (ہو سکتا) ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ اندھیروں میں پڑا ہے' ان سے نکلنے والا نہیں اسی طرح کافروں کے لیے ان کاموں میں کشش رکھی گئی ہے جو وہ کرتے ہیں۔'' (الانعام:۶/۱۲۲)

جب شہزادے کی موت کا وقت آن پہنچا تو اس نے اپنے تاجر کو اپنی اصلیت سے آگاہ کیا اس نے بتایا کہ وہ خلیفہ مامون رشید کا صاحب زدہ ہے نیز اس نے اپنے تاجر کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے نہلا دھلا اور کفنا کر دفن کر دے پھر اس نے اپنی انگوٹھی نکال کر تاجر کے حوالے کر دی کہ وفات کے بعد یہ انگوٹھی خلیفہ مامون کے حوالے کر دینا۔

چنانچہ جب شہزادے کا انتقال ہو گیا تو تاجر نے اسے نہلایا' دھلایا اور کفنایا اور پھر

اس کی نمازِ جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا اس کے بعد انگوٹھی لے کر تاجر خلیفہ مامون کی خدمت میں پہنچا جب خلیفہ کی نگاہ اپنے صاحب زادے کی انگوٹھی پر پڑی تو وہ دہل سا گیا اور چیخ چیخ کر اس قدر زار و قطار رونے لگا کہ اس کی ہچکی بندھ گئی پھر خلیفہ مامون نے تاجر سے اپنے صاحب زادے کے متعلق پوچھا کہ وہ کیا کرتا تھا؟

تاجر نے خلیفہ کو بتلایا کہ شہزادہ علی اللہ تعالیٰ کی کثرت سے عبادت کیا کرتا تھا' زہد و ورع اس کی خاص صفت تھی۔ وہ اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ رجوع کرتا تھا اور اللہ کے ذکر اذکار میں اس کے اوقات گزرتے تھے۔ یہ بیان کرنے کے بعد تاجر نے خلیفہ کو بتایا کہ اب اس کا بیٹا اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔

یہ سننا تھا کہ خلیفہ چیخ پڑا اور اس کے ساتھ وزراء بھی زار و قطار رونے لگے۔ ان کی آہ و زاری سے فضا گونج اٹھی اور سبھی کو یقین ہو گیا کہ در حقیقت شہزادہ علی نے سعادت و کامرانی کی راہ کو پہچان لیا تھا اس لیے قیامت کے روز کامیابی کے لیے اپنی راہ بدل لی اور شاہی کرسی کو چھوڑ کر درویشوں کی زندگی پر ترجیح دی مگر اس کو دیکھ کر ایسا نہیں ہوا کہ وہ لوگ بھی کامیاب و کامران زندگی کی راہ طلب کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ

''چنانچہ اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے وہ آسمان میں چڑھ رہا ہو۔'' (الانعام: ۶/۱۲۵)

(''المسک والعنبر فی خطب المنبر'' تالیف: عائض القرنی۔)

(۱۴۱)

اولیائے کرام کیلئے زمین سمٹ جاتی ہے

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ''میں بصرہ میں پانچوں نمازیں مقامی مسجد میں پڑھا کرتا تھا جو ''مسجد الخشابین'' یعنی ''لکڑیاں بیچنے والوں کی مسجد'' کے نام سے معروف تھی اور اس کے امام مغرب سے تعلق رکھتے تھے جن کو ابوسعید کہا جاتا تھا جو نیکی کے کاموں میں مشہور تھے اور مسجد میں نمازِ فجر کے بعد بیان کیا کرتے تھے۔ ایک سال میں حج کے لیے روانہ ہوا' وہ شدید گرمی کا سال تھا۔ عام طور پر رات کو میں اپنے رفقاء سے آگے نکل جاتا اور سو جاتا پھر میرے دوست مجھے آملتے' ایک رات اسی طرح میں راستے سے ہٹ کر سویا ہوا تھا کہ قافلہ آگے نکل گیا اور میرے دوستوں کو میری خبر تک نہ ہوئی۔ میں سویا رہا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا جب بے دار ہوا تو میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کون سا راستہ ہے۔ میں نے اپنے رب عزوجل سے عرض کی: ''اے میرے مولیٰ عزوجل! تو مجھے کہاں لے آیا اور اپنے گھر سے بھی دُور کر دیا۔'' بہر حال میں چلتا رہا یہاں تک کہ تھک گیا۔ گرمی بھی شدید تھی' میں زندگی سے مایوس ہو گیا اور ریت کے ٹیلے پر موت کا انتظار کرنے لگا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شخص مجھے پکار رہا ہے' میں کھڑا ہوا' دیکھا تو وہ ہمارے امام مسجد حضرت سیدنا شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ تھے۔ انہوں نے پوچھا: ''کیا آپ بھوکے ہیں؟'' میں نے عرض کی: ''جی ہاں!'' تو انہوں نے مجھے ایک گرما گرم روٹی دی' میں نے کھائی تو میری سانس بحال ہو گئی' مجھے

پیاس لگی تو انہوں نے مجھے ایک چمڑے کا تھیلا دیا جس میں شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا پانی تھا' میں نے پیا اور چہرے کو بھی دھویا تو میری تازگی اور راحت لوٹ آئی۔

پھر انہوں نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''میرے پیچھے چلو'' میں تھوڑی دیر تک آپ کے پیچھے چلا تو مکہ مکرمہ جا پہنچا۔ انہوں نے ارشاد فرمایا: ''یہیں ٹھہر جاؤ' تین دن بعد تمہارے دوست یہاں پہنچ جائیں گے۔'' پھر مجھے ایک روٹی دے کر چلے گئے میں نے اس روٹی کا ایک لقمہ ہی کھایا تو سیر ہو گیا۔ میں نے وہ روٹی تین دن اپنے پاس رکھی یہاں تک کہ میرے رفقاء آگئے جب میں نے عرفہ میں وقوف کیا تو حضرت سیدنا شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ کو ایک چٹان کے قریب دعا میں مشغول کھڑے ہوئے دیکھا۔ میں نے سلام کیا' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فارغ ہو کر سلام کا جواب دیا اور پوچھا: ''کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' میں نے عرض کی: ''دعا فرما دیں۔'' انہوں نے دعا کی پھر ہم پہاڑ سے اُتر آئے اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجھے نظر نہ آئے۔ میں حج ادا کر کے بصرہ واپس آ گیا اور گھر میں رات گزاری جب صبح ہوئی تو حضرت سیدنا شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ کے پیچھے مسجد میں صبح کی نماز پڑھی جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے سلام اور مصافحہ کیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور میرے ہاتھ کو دبایا۔ میں سمجھ گیا کہ راز کو ظاہر نہیں کرنا۔ مسجد کا مؤذن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت خدمت کیا کرتا تھا' میں نے اس سے ایام حج میں مسجد سے حضرت سیدنا شیخ ابوسعید علیہ الرحمۃ کی عدم موجودگی کے متعلق پوچھا تو اس نے قسم کھائی کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پانچوں نمازیں اسی مسجد میں ادا فرمائیں تو میں نے جان لیا کہ یہ بزرگ' انسانوں کے سردار ابدال میں سے ہیں۔''

☆ حضرت سیدنا عبدالصمد بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ''میں بغداد سے یمن سمندر کے راستے سفر کرتا تھا اور ہر سال حج کیا کرتا۔ ایک سال منیٰ و عرفہ کے درمیان

راستے میں خوب صورت، صاف ستھرے لباس میں ملبوس ایک نوجوان کو دیکھا گویا اس کا چہرہ روشن چراغ تھا۔ وہ سر کے نیچے پتھر رکھ کر ریت پر لیٹا ہوا موت سے لڑ رہا تھا یعنی مرنے کے قریب تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور پوچھا: ''کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''ہاں! آپ میرے پاس کھڑے رہیں یہاں تک کہ میں سانس پورے کر کے اپنے رب عزوجل سے جا ملوں۔'' میں نے عرض کی: ''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے کہا: ''جب میں مر جاؤں تو مجھے دفن کر دینا اور میرے کندھے سے یہ تھیلی لے لینا جب آپ یمن میں مقامِ صنعا پر پہنچیں تو ''دارالوزارہ'' کے متعلق پوچھنا وہاں سے ایک بڑھیا اور اس کی بیٹیاں نکلیں گی، ان کو یہ تھیلی دے کر کہنا کہ مسافر عثمان نے آپ کو سلام بھیجا ہے پھر وہ نوجوان بے ہوش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد جب ہوش میں آیا تو یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کر رہا تھا:

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ○

''یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا اور رسولوں نے حق فرمایا۔''

(پ۲۳، یٰس: ۵۲)

پھر اس نے ایک چیخ ماری اور دنیا سے کوچ کر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور کفن پہنایا اس کا چہرہ نور سے دمک رہا تھا۔ میں نے لوگوں کے ساتھ مل کر نمازِ جنازہ پڑھی اور اسے دفن کر دیا اس کے بعد تھیلی لی اور یمن پہنچ کر جب اس کے بتائے ہوئے گھر کے متعلق پوچھا تو ایک بوڑھی عورت اور اس کی بیٹیاں باہر آئیں، میں نے ان کو وہ تھیلی دی تو وہ اسے دیکھ کر رونے لگیں۔ بڑھیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑی جب اسے ہوش آیا تو مجھ سے پوچھنے لگی: ''اس تھیلی کا مالک کہاں ہے؟'' میں نے اس کے متعلق سب کچھ بتا دیا تو وہ کہنے لگی: ''اللہ عزوجل کی قسم! وہ میرا بیٹا عثمان تھا اور یہ اس کی بہنیں ہیں اس نے اپنے گھر والوں، عزیزوں اور خادموں کو چھوڑا اور چہرے پر نقاب کر کے نکل گیا، معلوم نہیں کہاں گیا۔ اللہ عزوجل تمہیں میری اور میرے بیٹے کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔''

پھر رونے لگی۔

اِیں دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

یا اللہ عزوجل! اگر تو صرف عبادت گزاروں پر رحم فرمائے گا تو عبادت میں کوتاہی کرنے والوں کا والی کون ہوگا؟ اگر تو صرف اخلاص والوں کو قبول کرے گا تو خطا کاروں کا وارث کون بنے گا؟ اگر تو صرف نیکوکاروں پر کام کرے گا تو عاصیوں پر کرم کون کرے گا؟ یا اللہ عزوجل! میری حسرت کتنی بڑی ہے کہ میں دوسروں کو نصیحت کرتا ہوں اور خود تجھ سے غافل ہوں۔ یا اللہ عزوجل! میری مصیبت کتنی شدید ہے کہ میں دوسروں کو بیدار کرتا ہوں اور خود غفلت کی نیند سویا ہوا ہوں۔ یا اللہ عزوجل! میرا قصہ و ماجرا کتنا عجیب ہے کہ میں راہِ حق کی طرف دوسروں کی رہنمائی کرتا ہوں اور خود اس کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہوں۔ یا اللہ عزوجل! اپنے اس بندے پر جود و کرم کی بارش برسا دے۔ یا اللہ عزوجل! جب میں کسی کو تیری بارگاہ کا راستہ دِکھاؤں اور وہ وہاں تک رسائی حاصل کر لے تو کیا تو اسے قبول کرلے گا جس کی رہنمائی کی گئی ہے اور رہنمائی کرنے والے کو دُھتکار دے گا؟ یا اللہ عزوجل! اگر میرا کلام خالصتاً تیری رضا کے لیے نہیں تو میرے اجتماع میں کوئی ایسا شخص بھی تو ہوگا جو صرف اور صرف تیری رضا کے لیے آیا ہوگا۔ اے میرے پروردگار عزوجل! اس کے صدقے میری تقصیر و کوتاہی معاف فرما دے اور ہم سب پر اپنا رحم و کرم فرما۔ (الروض الفائق)

بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (آمِيْنَ) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ۔

(۱۴۲)

یقینی جنتی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

"یَطْلُعُ عَلَیْکُمُ الْآنَ رَجُلٌ مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ۔"

"ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا۔"

چنانچہ انصار کے ایک آدمی نمودار ہوئے جن کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا' انہوں نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ سے اٹھا رہے تھے۔

جب دوسرا دن آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات فرمائی یعنی "ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا۔"

چنانچہ اس دن بھی وہی انصاری نمودار ہوئے جو گزشتہ دن نمودار ہوئے تھے اور آج بھی وہ پہلے ہی کی طرح تھے۔

جب تیسرا دن آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات فرمائی یعنی "ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی آدمی نمودار ہوگا" چنانچہ اس تیسرے دن بھی وہی انصاری نمودار ہوئے اور اس حالت میں جیسے پہلے دن تھے یعنی ان کی داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور انہوں نے اپنے جوتے بائیں ہاتھ میں اٹھار کھے تھے۔

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چل دیے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس انصاری کے پیچھے پیچھے گئے اور ان سے عرض کی: میں نے اپنے

والد سے جھگڑا کر لیا ہے اور قسم کھالی ہے کہ میں تین دنوں تک ان کے پاس نہیں جاؤں گا اگر آپ چاہیں تو مجھے اپنے پاس تین دن قیام کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے کہا: ٹھیک ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ میں نے یہ تین راتیں اس انصاری کے ساتھ گزاریں مگر میں نے دیکھا کہ وہ رات کو عبادت کے لیے تھوڑے سے وقت کے لیے بھی بے دار نہیں ہوئے ہاں میں نے یہ دیکھا کہ جب نیند ٹوٹتی اور اپنے بستر پر کروٹیں بدلتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور تکبیر کہتے حتیٰ کہ فجر کی نماز کے لیے بے دار ہوتے۔ میں نے ایک بات یہ دیکھی کہ وہ اپنی زبان سے کوئی بھلی بات ہی نکالتے تھے جب میں نے تین راتیں ان کے ساتھ گزار لیں اور قریب تھا کہ میں ان کے عمل کو حقیر جانتا (کہ ہمارے مقابلے میں ان کا کوئی خاص عمل تو ہے نہیں) تو میں نے کہا: اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے والد کے درمیان کسی قسم کی ناراضی یا لڑائی نہیں تھی البتہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ یہ فرماتے ہوئے سنا:

"یَطْلُعُ عَلَیْکُمُ الْاٰنَ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔"

"ابھی تمہارے سامنے ایک جنتی شخص نمودار ہوگا۔"

چنانچہ تینوں دفعہ آپ ہی نمودار ہوئے لہٰذا میری خواہش ہوئی کہ آپ کے پاس رہ کر دیکھوں کہ آخر وہ کون سا عمل آپ بجالاتے ہیں (جو میں نہیں کرتا) جسے میں اپنا سکوں لیکن میں نے دیکھا کہ آپ کوئی زیادہ عمل نہیں کرتے پھر وہ کیا بات ہے جس کی بناء پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق یہ بات فرمائی ہے (جسے آپ نے سنا ہے؟)

انصاری نے فرمایا: عمل تو صرف اتنا ہی ہے جو آپ نے دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں ان کے پاس سے واپسی کے لیے مڑا تو انہوں نے مجھے آواز دے کر بلایا اور فرمایا:

"مَا هُوَ اِلَّا مَا رَأَیْتَ غَیْرَ اَنِّیْ لَآ أَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ لِأَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ غِشًّا وَّلَا أَحْسُدُ أَحَدًا عَلٰی خَیْرٍ أَعْطَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهُ."

"عمل تو وہی ہے جو آپ نے دیکھا البتہ اس کے علاوہ ایک بات یہ ہے کہ میرے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کوئی رنجش نہیں اور نہ میں کسی آدمی سے اس بھلائی پر حسد کرتا ہوں جو اسے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ سُن کر عرض کیا:

"هٰذِهِ الَّتِیْ بَلَغَتْ بِكَ وَهِیَ الَّتِیْ لَا نُطِیْقُ."

"یہی وہ صفت ہے جو آپ کو اس درجے تک لائی ہے اور یہی وہ خصلت ہے جس کو اپنانے کی ہم میں طاقت نہیں۔"

(مسند احمد: ۳/۱۶۶ حافظ عراقی تخریج الاحیاء ۳/۱۸۷ میں کہتے ہیں کہ احمد نے اسے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح سند سے روایت کیا ہے)

یاد رہے! عبداللہ بن عمرو عاص رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ ان کا تعلق قریش کے قبیلے بنو سہم سے تھا۔ انہوں نے دس سال کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اسی وقت مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ ان کے والد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل ۸ ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ تورات کے بھی عالم تھے اسی وجہ سے آپ کو قاری الکتابین (دو کتابوں کو پڑھنے والا) کہا جاتا ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حدیث کو لکھ لیا کرتے تھے۔ اسی لیے انہیں تمام صحابہ سے زیادہ احادیث یاد تھیں۔ ان کی جمع کردہ احادیث کے مجموعے کو "صحیفہ صادقہ" کہا جاتا ہے۔ تعلیم و تعلم کے علاوہ وہ زہد و ورع میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ وہ بہادر، شہسوار اور دلیر تھے۔ انہوں نے حنین، تبوک اور یمامہ کی جنگوں میں شرکت کی۔ وہ ستر سال کی عمر پا کر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

(۱۴۳)

پُراسرار اعرابی اور خلیفہ ہارون الرشید

ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید نے حرم مکہ میں داخل ہو کر طواف شروع کیا اور عام لوگوں کو طواف سے منع کر دیا لیکن ایک اعرابی خلیفہ کے آگے آگے چلتے ہوئے ان کے ساتھ طواف کرنے لگا۔ خلیفہ پر یہ بات ناگوار گزری' اپنے دربان کی طرف متوجہ ہوا گویا کہ یہ اشارہ تھا کہ اس کو منع کرے' دربان نے آگے بڑھ کر اس اعرابی سے کہا: ''اے بدو! طواف نہ کرتا کہ مسلمانوں کا امیر طواف کر لے۔'' اعرابی نے جواب دیا: ''اس مقام اور بیت حرام میں اللہ عزوجل کے نزدیک سب لوگ برابر ہیں۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

(۱۰۵) سَوَآءَ نِالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ ۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

ترجمہ: کہ اس میں ایک سا حق ہے وہاں کے رہنے والے اور پردیسی کا اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔ (پ ۱۷ الحج: ۲۵)

جب ہارون الرشید نے اعرابی کا یہ جواب سنا تو دربان کو روکنے سے منع کر دیا پھر بوسہ دینے کے لیے حجرِ اسود کے پاس آیا تو اعرابی نے اس سے پہلے بوسہ دے لیا جب مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھی تو اعرابی نے پھر آگے بڑھ کر اس سے پہلے نماز ادا کر لی جب

ہارون الرشید نماز وطواف سے فارغ ہوا تو دربان کو حکم دیا: ''اعرابی کو میرے پاس لاؤ۔'' دربان اعرابی کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''امیر المومنین کے پاس چلو۔'' اعرابی نے جواب دیا: ''مجھے اس کی حاجت نہیں اگر اسے کوئی حاجت ہے تو وہ خود ہی پوری کرنے کی کوشش کرے۔'' دربان غصے میں پلٹا اور خلیفہ کو اس کی بات بتائی۔ یہ سن کر ہارون الرشید نے کہا: ''اس نے سچ کہا ہے' ہم حاجت مند ہیں تو ہمیں ہی اس کے پاس جانا چاہیے۔'' پھر ہارون الرشید اُٹھا جب کہ دربان اس کے سامنے کھڑا تھا اور اعرابی کے پاس جا کر اسے سلام کیا' اس نے جواب دیا۔ خلیفہ نے اس سے پوچھا: ''اے عربی بھائی! کیا تمہیں تمہاری اجازت سے یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' تو اعرابی نے بلاخوف وخطر جواب دیا: ''یہ گھر میرا نہیں' نہ ہی حرم میرا ہے' یہ گھر بھی اللہ عزوجل کا ہے اور حرم بھی اللہ عزوجل کا یہاں ہم سب برابر ہیں تو اگر چاہے تو بیٹھ جا اور چاہے تو لوٹ جا۔''

ہارون الرشید نے جب ایسی بات سنی جو اس کے ذہن میں کھٹکی بھی نہ تھی تو اسے انتہائی ناگوار گزرا' وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ کوئی شخص میرے ساتھ یوں گفتگو کرے گا۔ بہر حال وہ اس اعرابی کے پہلو میں بیٹھ گیا اور اس سے پوچھنے لگا: ''اے اعرابی! میں تم سے تمہارے فرض کے متعلق پوچھتا ہوں اگر تم اسے بجا لاتے ہو تو دیگر فرائض کو بھی اچھی طرح ادا کرتے ہو گے اور اگر اسے ہی ادا نہیں کرتے تو دیگر فرائض میں بھی کوتاہی کرتے ہو گے۔'' اعرابی نے اُلٹا خلیفہ سے سوال کر دیا: ''تم یہ سوال سیکھنے کے لیے کر رہے ہو یا شرارت کے لیے؟'' ہارون الرشید اس کے فوراً جواب دینے سے بہت حیران ہوا اور کہنے لگا: ''نہیں! میں نے تو حصولِ علم کے لیے سوال کیا ہے۔'' یہ سن کر اعرابی بولا: ''تو پھر اُٹھ اور سوال کرنے والے کے مقام پر بیٹھ جا۔'' خلیفہ ہارون الرشید کھڑا ہوا اور اعرابی کے سامنے دوزانو بیٹھ گیا تو اعرابی نے کہا: ''اب تو صحیح جگہ بیٹھا اب جو پوچھنا ہے پوچھ۔'' تو ہارون الرشید نے سوال کیا: ''مجھے اس کے متعلق بتائیے جو اللہ عزوجل نے آپ پر فرض کیا ہے۔'' اعرابی کہنے لگا: ''تم کس فرض کے متعلق پوچھ رہے ہو؟ ایک فرض کے متعلق یا پانچ

کے متعلق؟ یا سترہ کے متعلق؟ یا چونتیس کے متعلق؟ یا چورانوے کے متعلق؟ یا چالیس میں سے ایک کے متعلق؟ یا زندگی بھر میں ایک کے متعلق؟ یا دوسو میں سے پانچ کے متعلق؟''
ہارون الرشید بطورِ مزاح ہنس پڑا پھر کہنے لگا: ''میں نے تم سے صرف فرض کے متعلق پوچھا اور تم نے مجھے پورے زمانے کا حساب دے دیا۔'' اعرابی بولا: ''اے ہارون! اگر دین میں حساب نہ ہوتا تو اللہ عزوجل بروزِ قیامت تمام مخلوق سے حساب نہ لیتا۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

(۱-۶) فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۝

''تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا اور اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب کو۔'' (پ۱۷، الانبیاء:۴۷)

جب اعرابی نے خلیفہ کو ''یا ہارون'' کہہ کر مخاطب کیا اور ''یا امیر المومنین'' نہ کہا تو ہارون الرشید کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں ہو گئے اس کی حالت متغیر ہو گئی اور اسے سخت تکلیف پہنچی مگر اللہ عزوجل نے غضب سے اس کی حفاظت فرمائی اور جب اس نے جان لیا کہ اللہ عزوجل نے اس اعرابی کو اس کلام کی طاقت و توفیق عطا فرمائی ہے تو وہ اپنی حالت پر لوٹ آیا پھر ہارون الرشید نے کہا: ''میرے آباء واجداد کی مٹی کی قسم! اگر تو نے اپنی بات کی وضاحت نہ کی تو صفا و مروہ کے درمیان میں تیری گردن مارنے کا حکم دے دوں گا۔'' دربان نے گزارش کی: ''اے امیر المومنین! اس مقدس مقام کی عظمت کے پیش نظر اللہ عزوجل کے لیے اسے معاف کر دیجیے۔'' اعرابی ان دونوں کی بات سن کر ہنسنے لگا حتی کہ وہ چت لیٹ گیا، ہارون الرشید نے پوچھا: ''کیوں ہنس رہے ہو؟'' تو اس نے جواب دیا: ''تم دونوں پر حیرت کرتے ہوئے ہنس رہا ہوں کہ ایک یقینی موت کو بخشوانا چاہتا ہے اور دوسرا اس موت کے لانے میں جلدی کر رہا ہے جس کا وقت نہیں آیا۔'' جب ہارون الرشید نے اس کی یہ بات سنی تو دنیا کو حقیر سمجھنے لگا پھر اس نے کہا: ''میں

تجھے اللہ عزوجل کا واسطہ دیتا ہوں کہ اپنی بات کی وضاحت کر دے' میرا دل اس کی وضاحت سننے کے لیے بے چین ہے۔"

تو اعرابی نے جواب دیتے ہوئے کہا: "تم نے پوچھا تھا کہ اللہ عزوجل نے مجھ پر کیا فرض کیا ہے تو سنو! اللہ عزوجل نے مجھ پر کثیر امور فرض کیے ہیں جو میں نے تمہیں ایک فرض کے متعلق کہا ہے تو وہ دینِ اسلام ہے' پانچ فرائض سے مراد پانچ نمازیں ہیں سترہ فرائض سے مراد دن رات کی نمازوں کی سترہ رکعتیں ہیں' چونتیس فرائض سے مراد ان رکعتوں کے چونتیس سجدے ہیں' چرانوے فرائض سے مراد ان نمازوں کی تکبیرات ہیں اور چالیس میں سے ایک سے مراد چالیس دینار میں سے ایک دینار زکوٰۃ ہے اور زندگی بھر میں ایک فرض' حج ہے اور دو سو میں سے پانچ سے مراد چاندی کی زکوٰۃ ہے۔" خلیفہ ہارون الرشید ان مسائل کی وضاحت اور اعرابی کی عمدہ گفتگو سے بہت خوش ہوا اور اس کو بہت ذہین سمجھا اور اعرابی اس کی نظر میں بہت عظیم ہو گیا۔ پھر اعرابی نے کہا: "تم نے مجھ سے سوال کیا' میں نے جواب دے دیا اب میں سوال کرتا ہوں اور تم جواب دو۔"

ہارون الرشید نے کہا: "آپ پوچھیے۔" اعرابی نے سوال کیا: "مسلمانوں کا امیر اس شخص کے متعلق کیا کہتا ہے جس پر صبح کے وقت ایک عورت کو دیکھنا حرام ہو لیکن جب ظہر ہو تو وہ عورت اس پر حلال ہو جائے اور جب عصر ہو تو پھر حرام ہو جائے جب مغرب ہو تو حلال ہو جائے اور عشا کے وقت پھر حرام حلال ہو جائے؟" اسی طرح دوسرے دن کے بارے بھی کہا: اعرابی کا سوال سن کر ہارون الرشید نے کہا: "آپ نے مجھے ایسے سمندر میں ڈال دیا ہے جس سے آپ کے علاوہ کوئی نہیں نکال سکتا۔" اعرابی نے کہا: "تم تو مسلمانوں کے امیر ہو' تم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا اور تمہیں کسی بات میں لاجواب نہیں ہونا چاہیے پھر میرے سوال سے کیسے عاجز آ گئے ہو؟" ہارون الرشید عرض کرنے لگا: "آپ کے علم کی قدر و منزلت عظیم ہے اور آپ کا ذکر بلند ہے اس بیت اللہ شریف کی عزت کا صدقہ! میں چاہتا ہوں کہ آپ خود اس کی وضاحت فرما دیں۔" اس اعرابی نے

کہا: ”میں بصد محبت واحترام بیان کیے دیتا ہوں۔ میں نے ایک شخص کے متعلق سوال کیا کہ اس کا صبح کے وقت ایک عورت کو دیکھنا حرام ہے تو یہ وہ ہے جو غیر کی لونڈی کو دیکھے کہ یہ لونڈی اس پر حرام ہے اور جب ظہر ہو تو اس کو خرید لے اب وہ اس کے لیے حلال ہو گئی لیکن جب عصر ہو تو آزاد کر دے اب وہ اس پر حرام ہو گئی لیکن جب مغرب ہو تو اس سے نکاح کر لے تو وہ پھر اس پر حلال ہو گئی جب عشا ہو تو طلاق دے دے اب پھر وہ حرام ہو گئی لیکن جب فجر ہو تو رجوع کر لے وہ دوبارہ حلال ہو گئی جب ظہر ہو تو وہ شخص اسلام سے پھر جائے تو وہ اس پر حرام ہو گئی لیکن جب عصر ہو تو توبہ کر کے عورت سے رجوع کر لے تو وہ اس کے لیے حلال ہو گئی جب مغرب ہو تو عورت مرتد ہو جائے تو وہ اس پر حرام ہو گئی لیکن جب عشا ہو تو توبہ کر کے رجوع کر لے تو پھر حلال ہو گئی۔“ ہارون الرشید اعرابی کے اس سوال اور پھر خود ہی جواب دینے سے انتہائی متعجب اور خوش ہوا پھر اس نے اس اعرابی کو دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا جب وہ درہم لائے گئے تو اعرابی نے کہا: ”مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“ اور درہم واپس کر دیے۔ ہارون الرشید نے کہا: ”کیا آپ چاہتے ہو کہ میں آپ کا وظیفہ مقرر کر دوں جو ساری زندگی آپ کو کافی ہو؟“ تو اعرابی نے کہا: ”جو ذات تمہیں روزی دیتی ہے وہی مجھے بھی دیتی ہے۔“ خلیفہ نے کہا: ”اگر آپ پر کوئی قرض ہو تو ہم ادا کر دیتے ہیں۔“ بہر حال اعرابی نے اس سے کچھ قبول نہ کیا پھر اس نے چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے:

”دنیا کے عطیات کئی سالوں سے لگا تار ہمارے پاس آ رہے ہیں کبھی تو میلے کچیلے ہوتے ہیں اور کبھی لذت بخش ہوتے ہیں لیکن میں ان میں سے کسی بھی ایسی شے کو قبول کرنے کو تیار نہیں جو میرے مرنے کے بعد باقی نہ رہے اور میں کل اسے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ جاؤں گویا قبر میں مجھ پر مٹی ڈالی جا رہی ہے اور میرے دوست احباب میرے ارد گرد کھڑے نوحہ کناں ہیں اور گویا وہ دن آ چکا جس میں آگ کے شعلے بھڑک کر لوگوں کو اپنی

لپیٹ میں لے رہے ہیں اور وہ دن سننے والوں کو قسم دے رہا ہے کہ میرے
رب عزوجل کی عزت وجلال کی قسم! میں تم سب سے ضرور انتقام لوں گا۔"

جب اعرابی اشعار کہہ چکا تو ہارون الرشید نے افسوس ناک آہ کھینچی اور اس سے اس کے گھر اور شہر کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت سیدنا موسیٰ رضا بن جعفر صادق بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ دیہاتیوں کے لباس میں ملبوس رہتے ہیں اور زہد و ورع کے پیکر ہیں۔ یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید کھڑا ہو گیا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا پھر (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے) یہ آیتِ مبارکہ تلاوت کی:

(۱۷) اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ؕ

"اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔" (پ۸ الانعام:۱۲۴)

یہ ایسے برگزیدہ بندے ہیں جو لوگوں کے درمیان اپنی حالت مخفی رکھتے ہیں، وہ پراگندہ سر اور غبار آلود ہوتے ہیں، لوگ ان کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ ان کا اللہ عزوجل کے ہاں بہت بلند مقام ہوتا ہے۔ یہ تو مقبول بندوں کی صفات ہیں تو اے راندۂ درگاہ! تیری کیسی صفات ہیں؟ یہ تو مقربین کی صفات ہیں تو اے رب کی بارگاہ سے دھتکارے ہوئے شخص! تیری صفات کیسی ہیں؟ یہ تو نیک بندوں کی صفات ہیں تو اے محروم شخص! اے نفس پرور، اے مسکین! تیرا برا ہو کہ تو دن کے وقت بے کار کاموں میں مصروف رہتا اور رات سونے میں گزارتا ہے۔ (الروض الفائق)

(۱۴۴)

ہمارے آقا علیہ السلام کے موذن رضی اللہ عنہ

جب حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کے ایمان کی خبران کے آقا امیہ بن خلف کو لگی تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے اپنے غلام بلال کو طرح طرح کی سخت سے سخت سزائیں دینی شروع کیں۔ مکہ کی گرمی تپتی زمین پر انہیں چت لٹا کر ان کے بدن پر بھاری پتھر رکھ دیتا یا ان کی گردن میں رسی کا پھندا ڈال کر مکہ کے اوباش بچوں اور لوگوں کی نذر کر دیتا کہ جی بھر کر ان کو گھسیٹیں اور پٹائی کریں جب تک کہ ان کی زبان سے کلمۂ کفر نہ نکل جائے لیکن کمال پختہ ایمان تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا! ہر پہنچنے والی تکلیف پر ان کی زبان سے احد احد (اللہ ایک ہے اللہ ایک ہے) کا نعرہ نکلتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس سے ہوا جن کو سخت سزائیں دی جا رہی تھیں۔ آپ نے حضرت بلال کے مشرک آقا اُمیہ بن خلف سے کہا: اے اُمیہ! میں تجھ سے اس غلام کو خریدنا چاہتا ہوں۔

اُمیہ بن خلف نے کہا:

"خُذْهُ وَلَوْ بِعَشَرَةِ دَنَانِيْرَ۔"

"اس کو لے جاؤ اگرچہ دس دینار کے عوض ہی کیوں نہ ہو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وَاللهِ لَوْ جَعَلْتَ ثَمَنَهُ مِائَةَ أَلْفِ دِيْنَارٍ لَاشْتَرَيْتُهُ مِنْكَ۔"

''اللہ کی قسم! اگر تم اس کی قیمت ایک لاکھ دینار بھی کہتے تو میں اسے خرید لیتا۔''

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور اسی وقت ان کے لیے آزادی کا پروانہ جاری کر دیا۔

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ٥ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ٥ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ٥ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ٥ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ٥

''اور اس (شعلے مارتی ہوئی آگ) سے ایسا شخص دُور رکھا جائے گا جو بڑا پرہیزگار ہے جو پاکی حاصل کرنے کے لیے اپنا مال دیتا ہے کسی کا اس پر کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جا رہا ہو بلکہ وہ صرف اپنے پروردگار بزرگ و بلند کی رضا و خوشنودی چاہتا ہے اور یقیناً وہ (اللہ بھی) عنقریب راضی ہو جائے گا۔'' (اللیل:۹۲/۱۷-۲۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی عوض اور شکرانے کی خواہش کے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا اور ان کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ ان کے کپڑے پھٹ کر چیتھڑے چیتھڑے ہو چکے تھے سخت پٹائی کی وجہ سے خون ٹپک رہا تھا اور ان کے جسم سے گوشت کے لوتھڑے گر رہے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ جونہی حضرت بلال پر پڑی فوراً اُٹھے اور ان کو اپنے سینے سے لگا لیا جیسے ایک ماں اپنے لختِ جگر کو اپنی چھاتی سے لگا لیتی ہے پھر آپ نے ان کے لیے دعائیں کیں اور انہیں اپنا مؤذن بنا لیا اور اسلام کے سب سے پہلے مؤذن کی حیثیت سے ان کا نام تاریخِ اسلام میں ثبت ہو گیا۔

جب جب نماز کا وقت آن پہنچا' اذانِ بلالی کی پُرزور و پُرتاثیر آواز خاموش فضا میں گونجتی ہوئی باشندگانِ مدینہ کے کانوں میں جا پہنچتی:

''اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ' اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ''

اور یہ سنتے ہی مسلمانوں کے جسم میں شوقِ بارگاہِ الٰہی کے باعث جھنجھناہٹ اور کپکپی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی تھی حدیث میں ہے کہ آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آواز دے کر فرماتے:

''يَا بِلَالُ! أَقِمِ الصَّلَاةَ أَرِحْنَا بِهَا۔''

''اے بلال! ہمیں نماز کے ذریعے سے آرام بہم پہنچاؤ''۔

(سنن ابی داؤد الادب باب فی صلاۃ العتمۃ حدیث ۴۹۸۵ و مسند احمد ۵/۳۷۱)

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کھڑے ہوتے اور اپنی حسین و سریلی آواز میں اذان پکارتے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ وضو کا پانی اور چھڑی لے کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کا جوتا اپنے ہاتھ میں لے کر کھڑے رہتے جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے فارغ ہو جاتے تو چھڑی اور جوتا ان سے لے لیتے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس کام کو بہت ہی بڑا شرف سمجھتے تھے کہ ایسا شرف کسی کو بھی حاصل نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اُلفت اس قدر ان کے قلب وجگر میں جاگزیں تھی کہ ہر پل اور ہر لمحہ یہی فکر ان کو دامن گیر ہوتی کہ کسی طرح اپنے محبوب کے ہر ہر عمل کو اپنا معمول بنالیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و اُلفت کو انہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا اور شاعر کا یہ شعر ان کی زبانِ حال سے نکل رہا تھا

أُحِبُّكَ لَا تَسْأَلْ لِمَا ذَا لِأَنَّنِي ... أُحِبُّكَ هٰذَا الْحُبُّ رَأْيِي وَمَذْهَبِي

"میں تم سے محبت کرتا ہوں، مت پوچھو کہ کیوں، میں دل و جان سے زیادہ تم سے محبت کرتا ہوں؟ دراصل یہی محبت میرا عقیدہ ہے اور یہی میرا مذہب بھی!"

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا:

"يَا بِلَالُ! حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ، فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ؟"

"اے بلال! مجھے اپنے اس عمل کے متعلق بتاؤ جسے تم نے اسلام میں کیا ہو اور جس (کی مقبولیت) کی تمہیں زیادہ امید ہو کیونکہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی چاپ اپنے آگے آگے سنی ہے؟"

اللہ اکبر! بھلا اس سے زیادہ خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے کہ ایک انسان کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس دنیا میں چلتا پھرتا جنتی ہے؟

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دیتے ہوئے عرض کی:

"مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى عِنْدِي مِنْ أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طُهُورًا فِي سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلَّا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطُّهُورِ مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ."

"میں نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جس کی (قبولیت کی) مجھے زیادہ امید ہو ہاں رات یا دن کے کسی بھی وقت جب میں وضو کرتا ہوں تو جس قدر نماز میرے مقدر میں ہوتی ہے، پڑھ لیا کرتا ہوں۔"

(صحیح البخاری، التہجد، باب فضل الطہور بالليل والنهار، حدیث ۱۱۴۹ وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل بلال رضی اللہ عنہ، حدیث ۲۴۵۸)

ایک غزوے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلامی کی نگرانی سونپی اور فرمایا:

"مَنْ یُوْقِظُنَا لِلصَّلٰوۃِ؟"

"ہمیں نمازِ فجر کے لیے کون بے دار کرے گا؟"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "میں بے دار کروں گا اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)"

اس کے بعد لشکر اسلامی آغوشِ نیند میں چلا گیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات بھر نماز میں گزارنے کی نیت سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے مگر فجر سے تھوڑا سا پہلے ان کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ تھوڑا سا لیٹ کر آرام کر لیا جائے چنانچہ ان کے لیٹتے ہی آنکھ لگ گئی۔ نمازِ فجر کا وقت ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نہیں کھلی ادھر لشکر بھی نیند سے سو رہا تھا اور ادھر بلال رضی اللہ عنہ بھی آغوشِ نیند میں خراٹے لے رہے تھے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو گیا۔ طلوعِ آفتاب کے بعد سب سے پہلے جن کی آنکھ کھلی وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھلی تو انہیں یہ المیہ نظر آیا جو پہلی دفعہ رونما ہوا تھا اور اس حادثے میں حکمت پنہاں تھی کہ اگر کسی شخص کی آنکھ طلوعِ آفتاب تک نہ کھل سکے اور اس پر نیند غالب رہے تو وہ معذور ہے (جب آنکھ کھلے گی تب ہی وہ نماز کی ادائیگی کرے گا۔)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نیند سے بے دار ہو کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے مگر انہیں شرم آئی کہ وہ اپنے عظیم معلم سے کہیں کہ نماز کے لیے بے دار ہو جائیں چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز سن کر بے دار ہوئے اور اپنے محبوب مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا: "مَا اَیْقَظْتَنَا؟"

''تم نے ہمیں نیند سے بے دار نہیں کیا؟''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

''یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! أَخَذَ بِعَیْنَیَّ الَّذِیْ أَخَذَ بِعَیْنَیْكَ۔''

''اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری آنکھوں کو کھلنے سے اس ذات نے روکے رکھا جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بے دار ہونے سے روکا۔''

یہ سن کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی پھر طلوعِ آفتاب کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔

(صحیح البخاری' مواقیت الصلاۃ' باب الاذان بعد ذہاب الوقت حدیث: ۵۹۵ و مسند احمد: ۵/۳۰۷)

فتح مکہ کے دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں اپنے دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ ایک فاتح سپہ سالار کی حیثیت سے داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بتوں کو دیکھا جن کی کفار عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ اپنے عصا سے ان بتوں کی طرف اشارہ فرماتے جاتے اور وہ منہ کے بل گرتے چلے جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا یہ قول دہراتے جاتے تھے:

''وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا ۔''

''حق آ چکا اور باطل نابود ہو گیا' یقیناً باطل تھا ہی نابود ہونے والا۔''

(بنی اسرائیل: ۱۷/۸۱)

نمازِ ظہر کا وقت آن پہنچا اور تمام لوگ کعبہ مشرفہ کے صحن میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کرنے لگے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''أَیْنَ بِلَالٌ؟''

''بلال کہاں ہے؟''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول! صلی

اللہ علیہ وسلم"

ارشاد ہوا: "اِصْعَدِ الْكَعْبَةَ وَ أَذِّنْ مِنْ فَوْقِهَا ۔"

"کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان پکارو۔"

سبحان اللہ! کیا یہ ضعفاء کے لیے اچھا بدلہ نہیں ہے؟

کیا یہ مسکینوں اور غریبوں کے ساتھ مکمل انصاف نہیں ہے؟

کیا یہ کمزوروں میں بھی سب سے زیادہ کمزور کی رفعت و بلندی نہیں ہے؟

کیا یہ کمال انصاف نہیں ہے کہ ایک کالے رنگ کا غلام بیت اللہ پر چڑھتا ہے تا کہ اس پر سے حق کی صدا بلند کرے؟

کہاں ہے ابوجہل؟ آگ میں!

کہاں ہے ابولہب؟ آگ میں!

کہاں ہیں کفارِ قریش؟ آگ میں!

مگر بلال جو انتہائی مفلس و نادار ہیں' ان کے قدموں کی چاپ جنت میں سنائی دیتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کعبہ مشرفہ کی چھت پر حق کی آواز بلند کرنے کے لیے جلوہ افروز ہوئے اور جب انہوں نے اپنی پُر تاثیر آواز میں اذان پکاری تو سارے کے سارے لوگ زار و قطار رونے لگے اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ کون ہے وہ جس نے اس منظر کے دیدار سے پہلے کے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو اور اب کعبہ کی چھت پر مؤذن رسول کی آواز بلند ہونے سے اس کی آنکھیں آنسو نہ بہاتی ہوں؟

جب اذان کی آواز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں میں پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہ تھمنے والی بارش برسنے لگی کیونکہ آپ کے سامنے دشمنانِ اسلام کا پچھلا کردار تھا کہ کس کس طرح سے ان ظالموں نے آپ کے ساتھیوں کے ساتھ دردانگیز رویے اختیار کیے تھے لیکن اب اذانِ بلالی سن کر آپ اللہ تعالیٰ کے

انعام واکرام کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ ایک مظلوم غلام جس کو مکہ کی گلی گلی میں مارا گیا تھا' پیٹا گیا تھا' گھسیٹا گیا تھا' آج خانہ کعبہ کی چھت پر اللہ اکبر کی صدا بلند کر رہا ہے اور تاریخِ اسلامی کا پہلا مؤذن بن چکا ہے جس کی اذان مکہ کی پہاڑیوں اور وادیوں میں گونج اٹھی ہے اور جس سے زلزلے کا سماں پیدا ہو چکا ہے۔

پھر کچھ ہی عرصے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جاتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے محبوب کے انتقال کے بعد غمزدہ ہو جاتے ہیں' ان دونوں محبّ و محبوب نے ایک ساتھ زندگی گزاری تھی' زندگی کے میٹھے اور کڑوے حالات کا دونوں نے ایک ساتھ سامنا کیا تھا' آسان اور مشکل گھڑیاں ایک ساتھ دیکھی تھیں' دن اور رات کی سرگرمیوں میں ایک ساتھ حصہ لیا تھا اور پھر یکا یک محبوب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے تو محبّ کی تکلیف کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں دنیا اپنی تمام تر رنگینیوں اور رعنائیوں کے باوجود ہیچ ہو چکی تھی کیونکہ ان کی نگاہ کا محور صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی اور بس!

مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے خود کو سنبھالا اور ہوش میں آئے اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: ''کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں؟ کیا اب دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری ملاقات نہیں ہوگی؟ ہاں مگر آپ کا دین موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا اس لیے میرا فرض ہے کہ میں اذان کی ذمہ داری نبھاتا رہوں۔''

جب صبح ہوئی تو اپنے فیصلے کے مطابق حضرت بلال رضی اللہ عنہ فجر کی اذان دینے کے لیے بیدار ہوئے اور اذان سے قبل کے اہم امور کی ادائیگی کی جن کی تعلیم ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی پھر اذان پکارنے لگے: اللہ اکبر اللہ اکبر' اللہ اکبر اللہ اکبر! یکا یک ان کی نگاہ محراب پر پڑی جو امام سے خالی اور سنسان تھی' انہوں نے اپنی نگاہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی طرف دوڑائی لیکن وہ بھی خالی! اب وہ اکیلے ہیں'

کوئی امام نہیں، کوئی رسول نہیں پھر بھلا کیونکر وہ اذان کے اگلے جملے مکمل کریں۔ غرض انہوں نے خود کو سنبھالا اور اپنے نفس پر قابو رکھ کر اذان کا اگلا جملہ کہا:

"أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ۔"

لیکن اب آگے ایک دشوار گزار مرحلہ آن پہنچا ہے کہ آگے ایک جملہ تو کجا ایک کلمہ کہنا بھی دشوار بلکہ ناممکن سا ہو گیا ہے، بہر حال پکارتے ہیں: "أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا......"

اسی پر آواز بند ہو جاتی ہے، باقی اذان مکمل نہیں ہو پاتی۔ بلال رضی اللہ عنہ زور سے رو پڑتے ہیں اور مدینہ کے سارے مسلمان اپنے اپنے گھروں میں آہ وزاری کرنے لگتے ہیں۔ خواتین الگ رو رہی ہیں، بچے الگ رو رہے ہیں اور بوڑھے الگ آہ وزاری کر رہے ہیں ادھر مؤذن کی شدید آہ و بکا سے آواز بند ہو جاتی ہے، اذان مکمل نہیں ہو پاتی چنانچہ اذان کی جگہ سے اُتر پڑتے ہیں اور زمین پر پڑ جاتے ہیں۔

امام کہاں ہیں؟ اللہ کے پاس؟ اور مؤذن ظاہری حیات کے ساتھ زندہ رہ گیا؟

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جلدی سے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے ہیں، دیکھتے ہیں تو مؤذن زمین پر پڑے ہیں اور اس طرح زار و قطار رو رہے ہیں جس طرح ماں سے بچھڑا ہوا ایک بچہ آہ وزاری کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پوچھتے ہیں:

"مَالَكَ يَا بِلَالُ؟"

"اے بلال! رضی اللہ عنہ آپ کو کیا ہو گیا؟"

بلال: "لَا أُؤَذِّنُ" "میں اذان نہیں کہہ سکتا۔"

پھر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے ہیں اور پوچھتے ہیں: "مَالَكَ؟" "آپ کو کیا ہو گیا؟"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لَا أُؤَذِّنُ لِأَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔"

''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اب میں کسی کے لیے اذان نہیں دے سکتا۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہتے ہیں:

''سُبْحَانَ اللّٰہِ! مَنْ یُّؤَذِّنُ لَنَا؟''

''سبحان اللہ! پھر کون ہمارے لیے اذان کہے گا؟''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اِخْتَارُوْا لَکُمْ مُّؤَذِّنًا۔''

''آپ لوگ اپنے درمیان میں سے کسی کو مؤذن منتخب فرمالیں۔''

چنانچہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے ان کی معذرت قبول فرمائی اور اب مؤذن رسول کی آواز سے لوگ محروم ہو گئے۔

دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے برسوں میں داخل ہوتے رہے اور زندگی کے ایام اپنا سفر بلا انقطاع طے کرتے رہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ روحانی و جسمانی حیثیت سے کلمہ لا الہ الا اللہ کی سربلندی کی خاطر مختلف معرکوں میں شریک ہوتے رہے پھر ایک مرتبہ جہاد فی سبیل اللہ میں نکلے اور مجاہدین کے ساتھ شام جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اسلام کو فلسطین کی مقدس سرزمین پر فتح و کامرانی عنایت فرمائی اور مسلمانوں نے انتہائی جوش و خروش سے بیت المقدس پر اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا۔

خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئے آپ کے ہمراہ آپ کا غلام بھی تھا، کبھی سواری پر خود سوار ہوتے اور کبھی غلام یوں باری باری سواری کرتے ہوئے فلسطین کی سرحد میں داخل ہو گئے اور آپ کی حالت یہ تھی کہ جسم پر پھٹے پرانے اور بوسیدہ پیوند لگے کپڑے تھے لیکن دنیا انتہائی ذلت کے ساتھ آپ کے سامنے سرنگوں ہو چکی تھی

قُلْ لِلْمُلُوْكِ تَنَحَّوْا عَنْ مَنَاصِبِكُمْ
فَقَدْ أَتَى آخِذُ الدُّنْيَا وَمُعْطِيهَا

"شاہوں اور حکمرانوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی اپنی کرسیاں چھوڑ کر الگ ہو جائیں کیونکہ دنیا کو ذلیل و رسوا کر کے اس کو حاصل کرنے والا اور لوگوں کے درمیان تقسیم کر دینے والا جلوہ افروز ہو چکا ہے۔"

مسلمان مجاہدین اس عظیم فتح کے موقع پر مسجد اقصیٰ کے پاس اکٹھے ہو چکے ہیں، ان میں جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، دورِ مکی کے ستم رسیدہ بھی ہیں، جنگِ بدر کی آزمائش سے دو چار ہونے والے بھی اور بیعتِ رضوان میں جان کی بازی لگانے کا عزم صمیم کرنے والے بھی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مستحقین بھی ہیں اور دنیا کو ذلیل و رسوا کر کے اسے قدموں میں روندنے والے بڑے بڑے سپہ سالار بھی!

ظہر کی نماز کا وقت آن پہنچا ہے۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نظر کے سامنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گزری ہوئی زندگی کے مختلف النوع نقشے گھوم جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"أَسْأَلُكَ بِاللهِ يَا بِلَالُ أَنْ تُؤَذِّنَ لَنَا۔"

"اے بلال! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ ہمارے لیے اذان پکاریں۔"

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"أَسْأَلُكَ أَنْ لَا تُذَكِّرَنَا أَيَّامَنَا الْأُوْلَى۔"

"میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ ہمیں گزشتہ ایام کی یاد دہانی نہ کرائیں۔"

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گویا ہوئے:

"يَا بِلَالُ اِتَّقِ اللهَ يَسْأَلُكَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔"

"اے بلال! آپ اللہ سے خوف کھائیں، امیر المومنین نے آپ سے درخواست کی ہے۔"

چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جذبات کا لحاظ کیا اور اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ بوڑھے ہو چکے تھے اور جسم کمزور ہو چکا تھا جب اذانِ بلالی کی آواز بلند ہوئی تو ساتھ ہی امیر المومنین کے رونے کی آواز بلند ہونے لگی حتیٰ کہ حضرت بلال کی اذان پر امیر المومنین کی آہ و بکا سبقت لے گئی ادھر سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رونے کی آوازیں بھی ہر طرف بلند ہونے لگیں اب کیا تھا سارا لشکر رو پڑا اور مجاہدینِ اسلام کے رونے سے مسجد اقصیٰ کے در و دیوار لرز اٹھے کیونکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی اذان سے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد دلا دیا تھا۔ مجاہدینِ اسلام اذانِ بلالی سن کر اپنے معلم و محبوب کی یاد میں گم ہو چکے تھے اور رونے سے ان کی ہچکیاں بندھ چکی تھیں۔

پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ملک شام ہی کو اپنا مسکن بنالیا اور مدینہ سے منتقل ہو کر دمشق میں جا کر آباد ہو گئے وہیں انہوں نے بڑھاپے کی سرحد سے گزرتے ہوئے موت کو گلے سے لگایا۔ بلال رضی اللہ عنہ عالم سکرات میں یہ شعر پڑھتے رہے

غَدًا نَلْقَى الْأَحِبَّةْ   مُحَمَّدًا وَحِزْبَهْ

"کل ہم اپنے پیاروں سے ملاقات کریں گے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے۔"

اور پھر وہیں ۲۰ھ میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔"

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(المسک والعنبر فی خطب المنبر، تالیف: دعائض القرنی)

(۱۴۵)

فقیر کے اوصاف

دنیا میں فقیر کے اوصاف یہ ہونے چاہئیں: دن کو روزہ رکھے' رات کو قیام کرے' رکوع و سجود کرنے والا' رب عزوجل کی رحمت کا طالب' اس کی بخشش میں رغبت رکھنے والا' صبر و شکر کرنے والا' دوسروں سے نرمی و شفقت سے پیش آنے والا' تنہائی اختیار کرنے والا' کم گفتگو کرنے والا' کم کھانے والا اور ذکر اللہ عزوجل کی کثرت کرنے والا' اچھی سوچ کا مالک ہو' لوگوں سے دُور رہے' دوست کم بنائے اور حزن و ملال کی کثرت کرے' دنیا کے مال و متاع اور اس کے شبہات سے بچنے والا ہو۔ خواہشات اور دنیا کی حیلہ سازی اور مکر و فریب سے اجتناب کرنے والا ہو اور خرید و فروخت میں مشغول رہنے والا نہ ہو اس کے لیے کسی سے لیا جائے' نہ ہی کسی کو دیا جائے اگر موجود ہو تو پہچانا نہ جائے اور اگر غائب ہو تو یاد نہ کیا جائے' بہت زیادہ تنہائی اختیار کرنے والا' کثرت سے آنسو بہانے والا ہو' خود بھی کسی چیز کا مالک نہ ہو اور کوئی دوسرا بھی اس پر اختیار نہ رکھتا ہو' اپنے نفس کا محاسبہ کرنے والا' رضائے الٰہی عزوجل کو پیش نظر رکھنے والا ہو۔

اس کی سانسیں حرام سونگھنے سے محفوظ ہوں' دل اطاعت الٰہی عزوجل سے مانوس ہو' بہت زیادہ دنیوی فکر نہ کرے بلکہ دنیا کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے' کم خواہشات رکھنے والا اور شبہ والی چیزوں کو ترک کرنے والا ہو' ہمیشہ عبادت پر کمر بستہ' بہت زیادہ قناعت کرنے والا' حیلوں کو چھوڑ دینے والا' بندوں کے وسیلوں کا بہت کم محتاج ہو' اسے کبھی بھی لوگوں کی

ضرورت وحاجت نہ پڑے' اپنے مولیٰ عزوجل پر بھروسہ کرتے ہوئے کل پر نظر نہ رکھے صرف اسی کی عبادت کرے' دنیا سے مکمل طور پر کنارہ کش رہے اور اپنے آپ کو صرف رب عزوجل کی طرف متوجہ رکھے اس کے پاس بقدرِ ضرورت مال بھی نہ ہو اور نہ ہی ذرہ برابر کسی شے کا مالک ہو' صرف رب عزوجل کی عبادت و اطاعت میں مصروف رہے اور اس کے غیر سے مستغنی ہو جائے' اسے منافقت کی ہوا بھی نہ لگی ہو اور نہ ہی بازاروں میں گھومتا پھرتا ہو' رکاوٹ بنے بغیر راستے پر چلنے والا ہو اس کا بدن کمزور' جسم ہلکا پھلکا' نظر پاک ہو' علم و عمل کا پیکر اور دنیا سے کنارہ کش ہو' مجاہدات میں مگن رہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے جلووں میں مستغرق رہنے والا اور ملکوت کی طرف سبقت لے جانے والا ہو اس ذاتِ حق کو ہر لحظہ پیش نظر رکھے جو زندہ ہے جسے کبھی فنا نہیں' اکڑ کر نہ چلنے والا اور نہ ہی خوش وخرم نظر آنے والا ہو۔

لوگوں سے دُور رہنے والا' ان پر امیدیں نہ رکھنے والا' تکبر نہ کرنے والا' سچی بات کہنے والا' اچھے کام کرنے والا' دنیا والوں سے علیحدگی میں سکون محسوس کرے' جنگلات کے درندوں سے مانوس ہو' میدانوں اور پہاڑوں میں گھومنے والا ہو' دنیا کی محبت سے خالی اور محبت کی آنکھ سے اسے کبھی نہ دیکھے۔ اپنے اعزہ واقرباء اور احباب کو اللہ عزوجل کی خاطر چھوڑ دے' اپنے نفس پر حد قائم کرے اور محنت کو لازم پکڑے اس بات کا یقین رکھے کہ دل اللہ عزوجل کا گھر ہے لہٰذا اس کی پاکی وطہارت کا خیال رکھے تاکہ وہ اس میں ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلیات پائے اور اس کے دل میں خدا کے سوا کوئی نہ ہو اور اگر اسے دنیا اور اس کی تمام نعمتیں دے دی جائیں تو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ مذکورہ اوصاف کا حامل شخص ہی فقیر ہو سکتا ہے۔ (الروض الفائق)

(۱۴۶)

رب سے ڈرنے والا کسی اور سے نہیں ڈرتا

جب عبداللہ بن علی عباسی (حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے اور پہلے دو عباسی خلفاء ابو عبداللہ السفاح اور ابو جعفر منصور کے بھائی۔ سیر اعلام النبلاء) نے دمشق فتح کیا تو صرف ایک گھنٹے میں بہت سارے مسلمانوں کی کثیر تعداد کا ناحق خون بہا دیا اور خلافتِ امویہ کی سب سے بڑی مسجد کے اندر اپنے گھوڑوں کو داخل کر دیا۔ پھر وزراء کے ساتھ بیٹھا اور بطورِ فخر پوچھا:

کیا اب کوئی میرا مقابلہ کر سکتا ہے؟ جواب ملا: نہیں! اس نے پھر پوچھا:
کیا تم لوگوں کو کسی کے بارے میں علم ہے جو مجھ پر اعتراض کرنے کی جرأت رکھتا ہو؟

وزراء نے جواب دیا: نہیں! ہاں اگر کوئی جواب دینے کی جرأت کر سکتا ہے تو وہ اوزاعی ہیں۔ (محدث کبیر امیر المومنین فی الحدیث زاہد و عابد بخاری و مسلم کے رواۃ میں سے)

عبداللہ بن علی عباسی نے کہا: اوزاعی کو میری خدمت میں حاضر کرو۔
چنانچہ فوجی امام اوزاعی کو لینے گئے لیکن انہیں دیکھ کر امام صاحب نے اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہیں کی۔

فوجیوں نے کہا: عبداللہ بن علی کے دربار میں آپ کا بلاوا ہے۔

امام اوزاعی نے ان سے کہا:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيلُ۝

''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔'' (آل عمران:۳/۱۷۳)

تم لوگ تھوڑی دیر میرا انتظار کرو۔

پھر اندر گئے، غسل فرمایا، کفن زیب تن کیا اور موت کے لیے خود کو تیار کر لیا اور اپنے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''قَدْ آنَ لَكَ يَا أَوْزَاعِيُّ أَنْ تَقُولَ كَلِمَةَ الْحَقِّ لَا تَخْشٰى فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔''

''اے اوزاعی! اب وقت قریب آن پہنچا ہے کہ تو حق بات کہے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ہرگز نہ ڈرے۔''

امام اوزاعی خود یہ قصہ بیان کرتے ہیں:

میں عبداللہ بن علی کے دربار میں داخل ہوا تو وہاں فوجیوں کا ہجوم تھا، ان فوجیوں کی دو صفیں تھیں اور ہر فوجی اپنی اپنی تلوار میان سے نکال کر سونتے ہوئے تھا۔ میں تلواروں کے سائے میں چلتے ہوئے عبداللہ بن علی تک پہنچا، وہ اپنے پلنگ پر بیٹھا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا اور اس کی پیشانی پر غصے کے آثار نمایاں تھے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں:

''فَلَمَّا رَأَيْتُهُ كَانَ أَمَامِيْ كَأَنَّهُ ذُبَابَةٌ فَمَا تَذَكَّرْتُ أَحَدًا لَا أَهْلًا وَّلَا مَالًا وَّلَا وَلَدًا، إِنَّمَا تَذَكَّرْتُ عَرْشَ الرَّحْمٰنِ إِذْ أَبْرَزَ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْحِسَابِ۔''

''جب میں نے عبداللہ بن علی عباسی کو دیکھا تو وہ میری نگاہ میں مکھی کی مانند حقیر تھا۔ میں نے اس وقت کسی کو یاد نہیں کیا نہ تو اہل کو نہ مال کو اور نہ اولاد کو بلکہ میں نے عرشِ الٰہی کو یاد کیا جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کے

سامنے ظاہر ہوگا۔"

عبداللہ بن علی نے اپنی نگاہ اوپر اُٹھائی تو اس کے چہرے سے غصے کا خون ٹپک رہا تھا۔ وہ گویا ہوا: اے اوزاعی! ہم نے جو بنوامیہ کا خون بہایا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

امام اوزاعی نے جواب دیا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ: اَلثَّیِّبُ الزَّانِیْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِیْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ"

"تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے، شادی شدہ زانی، خون کا بدلہ خون اور دین کو چھوڑنے والا یعنی جماعت سے الگ ہونے والا۔"

(صحیح البخاری، الدیات، باب قول اللہ (ان النفس بالنفس) حدیث: ۶۸۷۸ وصحیح مسلم، القسامۃ، باب ما یباح بہ دم المسلم، حدیث ۱۶۷۶)

لہٰذا تم نے جن کو قتل کیا ہے اگر ان کا شمار ان تین قسم کے لوگوں میں ہو تب تو ٹھیک ہے ورنہ ان کا ناحق خون تمہاری گردن پر ہے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں: یہ سن کر اس نے کوڑے کا بل کھولا اور میں نے اپنا عمامہ اُتار لیا کیونکہ اب میں تلوار کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے وزراء کو دیکھا جو اپنے کپڑے سمیٹ رہے تھے تاکہ کپڑوں پر میرے خون کے چھینٹے نہ پڑنے پائیں۔

پھر عبداللہ بن علی عباسی نے سوال کیا: مال و دولت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ امام اوزاعی نے جواب دیا:

"اِنْ کَانَتْ حَلَالًا فَحِسَابٌ وَّاِنْ کَانَتْ حَرَامًا فَعِقَابٌ"۔

"اگر حلال ہے تو بہر حال حساب دینا ہے اور اگر حرام ہے تو سزا بھگتنی پڑے

گی۔'' عبداللہ بن علی عباسی نے کہا: یہ سونے سے بھرا ہوا تھیلا قبول کریں۔

امام اوزاعی نے کہا: ''لَا أُرِيْدُ الْمَالَ۔''

''مجھے مال و دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔''

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ ایک وزیر نے مجھے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ میں سونے سے بھرا ہوا وہ تھیلا قبول کرلوں۔ چنانچہ امام اوزاعی نے تھیلا لے لیا اور اسے فوجیوں میں تقسیم کر دیا اور خالی تھیلا وہیں پھینک کر یہ پڑھتے ہوئے نکل گئے:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ۝

''ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔'' (آل عمران:۳/۱۷۳)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نعمت و فضل سے نوازا:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ۝

''نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ لوٹے' انہیں کوئی برائی نہ پہنچی' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی پیروی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔'' (آل عمران:۳/۱۷۴)

(۱۴۷)

حضرت منصور حلاج علیہ الرحمتہ

حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ نے جب محبتِ الٰہی کا جام نوش فرمایا تو ان کی زبان پہ انا الحق کا حکم جاری ہوا اس بارے میں ایک وضاحت یاد رکھو عوام میں مشہور ہے کہ حضرت سیدنا حسین بن منصور حلاج علیہ الرحمتہ نے ''انا الحق'' (یعنی میں حق ہوں) کہا تھا اس کا رد کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمتہ فتاویٰ رضویہ شریف میں تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام ''منصور'' کہتے ہیں' منصور ان کے والد کا نام تھا اور ان کا اسمِ گرامی حسین (آپ) اکابر اہلِ حال میں سے تھے' ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبۂ ولایت ومعرفت میں زائد تھیں۔ وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یادِ الٰہی (عزوجل) میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی' بہن کو نہ پایا' گھر میں ہر جگہ تلاش کیا' پتہ نہ چلا' ان کو وسوسہ گزرا' دوسری رات شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے۔ وہ اپنے وقت پر اُٹھ کر چلیں' یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہو لیے' دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیر میں یاقوت کا جام اُترا اور آن کے دہن مبارک (یعنی منہ شریف) کے برابر آ لگا' انہوں نے پینا شروع کیا' ان سے صبر نہ ہو سکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے۔ بے اختیار کہہ اُٹھے کہ بہن! تمہیں اللہ عزوجل کی قسم کہ تھوڑا میرا لیے چھوڑ دو' انہوں نے ایک جرعہ (یعنی ایک گھونٹ) چھوڑ دیا۔ انہوں نے پیا' اس کے پیتے ہی ہر

جڑی بوٹی، ہر درو دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے۔ انہوں نے کہنا شروع کیا ''انا لاحق'' بے شک میں سب سے زیادہ اس کا سزاوار (یعنی حق دار) ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا ''انا الحق'' (یعنی میں حق ہوں) وہ (لوگ) دعویٰ خدائی سمجھے اور یہ (یعنی خدائی کا دعویٰ) کفر ہے اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔''

(صحیح البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین والمعاندین وقتالھم، ص ۵۷۷، حدیث نمبر ۲۹۲۲ پر ہے کہ) رسول اللہ (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں:

''مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ''

ترجمہ: ''جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔'' (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۶، ص ۴۰۰)

(۱۴۸)

جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق

حجاج بن یوسف عمرے کی غرض سے مکہ مکرمہ پہنچا' وہ اپنے ہمراہ اپنی حفاظت و نگرانی کے لیے بہت سارے سپاہیوں کو لے گیا تھا۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد مقامِ ابراہیم کے پاس آیا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا اس کے دربانوں اور فوجیوں نے ہتھیار' تلواریں' نیزے اور خنجر زمین پر ڈال دیئے۔

یہ واقعہ بیان کرنے والے ایک عالم ہیں جن کا نام طاؤس بن کیسان ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں مقامِ ابراہیم کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اتنے میں شور و غل اور چیخ و پکار کی آواز سنائی دینے لگی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو حجاج اور اس کے محافظین تھے۔ حجاج بن یوسف مقامِ ابراہیم کے پاس دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا' اتنے میں یمن کا ایک مسکین آدمی آیا اور خانہ کعبہ کا طواف کرنے لگا۔ اسے کچھ معلوم نہ تھا کہ مقامِ ابراہیم کے پاس حجاج بن یوسف بیٹھا ہوا ہے۔ طواف کے دوران اس یمنی مسکین کے کپڑے سے ایک نیزہ پھنس گیا اور حجاج بن یوسف کے بدن پر جا گرا۔ حجاج گھبرا اٹھا اور حکم دیا: اس کو پکڑو اور میرے پاس لاؤ۔

سپاہیوں نے یمنی مسکین کو پکڑ کر حجاج کے سامنے پیش کیا۔

حجاج بن یوسف گویا ہوا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

یمنی مسکین: نہیں!

حجاج بن یوسف: یمن میں تمہارا والی (حاکم) کون ہے؟

یمنی مسکین: حجاج کا بھائی محمد بن یوسف ہے جو اسی کی طرح ظالم و جابر یا اس سے بھی گیا گزرا ہے۔

حجاج بن یوسف: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں اس کا بھائی ہوں؟

یمنی مسکین: کیا تو حجاج ہے؟

حجاج بن یوسف: ہاں!

یمنی مسکین: ''بِئْسَ أَنْتَ وَبِئْسَ أَخُوكَ۔''

''تم اور تمہارا بھائی کتنے بُرے لوگ ہو۔''

حجاج بن یوسف: یمن کے اندر میرے بھائی کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے؟

یمنی مسکین: وہ کھا کھا کر پیٹ بڑا کیے ہوئے ہے اور موٹاپے کے باعث بھینسے کی طرح ہو گیا ہے۔

حجاج بن یوسف: میں نے اس کی صحت کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا ہے بلکہ اس کے عدل کے بارے میں سوال کیا ہے۔

یمنی مسکین: وہ کیا عدل کرے گا' وہ تو خود ہی ظالم و جابر اور دوسروں کا مال ناجائز طور پر ہڑپ کرنے والا ہے۔''

حجاج بن یوسف: کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ میرا بھائی ہے؟ کیا تجھے مجھ سے خوف نہیں آتا؟

یمنی مسکین: اے حجاج! کیا تو سمجھتا ہے کہ تیرا بھائی تجھے اپنا کر مجھ سے زیادہ عزت و شان والا ہو گیا ہے جب کہ میں صرف اللہ سے اپنی عزت مانگتا ہوں؟

اس قصے کے راوی طاؤس کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اس یمنی مسکین کا جواب سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حجاج بن یوسف' اللہ کے گھر میں اسے کچھ نہ کہہ سکا اور چھوڑ دیا پھر وہ یمنی مسکین بیت اللہ کا طواف کرنے لگا جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں تھا۔ (سنہرے حروف ص ۲۴۸-۲۴۹)

(۱۴۹)

حضرت ایوب علیہ السلام کا امتحان

منقول ہے کہ حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش کا وقت قریب آیا تو حضرت سیدنا جبرائیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی: ''اے ایوب (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) عنقریب آپ کا رب عزوجل آپ پر ایسی آزمائش اور ہولناک معاملہ نازل فرمائے گا کہ جسے پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔'' تو حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں محبوب کے ساتھ تعلق میں ثابت قدم رہا تو ضرور صبر کروں گا یہاں تک کہ کہا جائے گا: ''یہ انتہائی تعجب خیز بندہ ہے۔'' تو انہیں ایک آواز سنائی دی: ''اے ایوب! (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) میری آزمائش کے لیے تیار ہو جاؤ اور میرا حکم و فیصلہ نازل ہونے تک صبر کرتے رہو۔''

آپ کی آزمائش کا سبب یہ تھا کہ ابلیسِ لعین نے حسد کی وجہ سے طرح طرح کے مکر و حیلے سے آپ پر غالب ہونا چاہا لیکن نہ ہو سکا تو کہنے لگا: ''یا اللہ عزوجل! ایوب شکر گزار بندہ ہے اور اس لیے تیرا فرمانبردار ہے کہ تو نے اسے مال، رزق اور اولاد میں وسعت عطا فرمائی اور صحت بخشی ہے اگر تو یہ سب کچھ واپس لے لے تو ایک لمحہ بھی تیری اطاعت نہ کرے گا۔'' تو اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: ''جا! میں نے تجھے اس پر مسلط کر دیا اور وہ اپنی حالت ہرگز تبدیل نہ کرے گا۔'' پس پہلے دن اولاد لے کر آزمائش ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور زیادہ محنت کرنے لگے۔ دوسرے دن مال کو جلا دیا گیا تو حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تمام عطائیں اسی کی ہیں چاہے تو لے لے اور چاہے تو عطا کر

دے۔'' تیسرے دن ابلیس ملعون نے آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم میں پھونک ماری جب کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نمازِ فجر ادا فرما رہے تھے کہ آپ جسمانی بیماری میں مبتلا ہو گئے' سارے بدن میں آبلے پڑ گئے لیکن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہر و باطن میں اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہے۔ مال و اولاد چلے جانے کے بعد جب آپ جسم کی آزمائش میں مبتلا ہوئے تو فرمایا: ''تمام خوبیاں اللہ عزوجل کے لیے جس نے مجھے اپنی عبادت کے لیے چن لیا اور مجھ پر اپنا خاص فضل اور بھلائی فرمائی اور مجھے اپنے علاوہ کسی چیز میں مشغول نہ رکھا۔'' حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ ذکر کرتے رہے اور اپنے رب عزوجل کی حمد اور شکر بجالاتے رہے۔ (الروض الفائق)

اے مسلمانو! آزمائش انسان کے احوال کو ظاہر کر دیتی ہے اور محبت کے دعوے دار کی حالت بہت جلد واضح کر دیتی ہے۔ اللہ عزوجل نے اپنے پیارے نبی حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ستر ہزار قسم کی آزمائشیں نازل فرمائیں لیکن آپ علیہ السلام نے صبر و شکر کیا اور شکوہ نہ کیا تو سن لو! اے بھائیو! تم تو ایک کانٹا بھی برداشت نہیں کر سکتے جب کہ حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اولاد دے کر آزمایا گیا مگر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبادت میں اضافہ کر دیا' مال لے لیا گیا مگر محبتِ الٰہی عزوجل میں ذرّہ برابر کمی نہ آئی' اولاد لے لی گئی پھر بھی زیادہ سے زیادہ عبادت کرتے رہے اور تمام آزمائشوں پر راضی رہے اور ظاہری و باطنی طور پر بالکل کوئی شکوہ نہ کیا۔ چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا دی گئی: ''اے ایوب! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو نے ہماری آزمائشوں پر صبر کیا تو ہم تجھے تیرا مال اور اولاد لوٹا دیں گے اور تیرے جسم کو آزمائش سے عافیت بخش دیں گے اور تیرا نام اپنی آخری کتاب میں لکھ دیں گے اور تیرا ذکر محبوب بندوں کے رجسٹر میں پھیلا دیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ ○

''ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار' یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔''

(پ ۲۳' ص ۴۲)

(۱۵۰)

حضرت خلیل اللہ اور کلیم اللہ علیہما السلام

منقول ہے کہ جب حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی: ''اے میرے مولیٰ عزوجل! مجھے دِکھا تو مردوں کو کیسے زندہ فرماتا ہے؟'' تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اے ابراہیم! (علیہ السلام) تجھے ہماری قدرت میں شک ہے جو تو دلیل طلب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے دِکھا؟'' تو آپ علیہ السلام نے عرض کی: ''اے میرے رب عزوجل! تو نے مجھے دل کی آنکھ سے دِکھایا اب میں ظاہری آنکھ سے بھی دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میں ظاہری و باطنی نگاہ سے دیکھ لوں۔'' تو اللہ عزوجل نے حکم فرمایا: ''چار پرندے پکڑ کر ذبح کر اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر پہاڑ پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دے اور ان کے سروں کو اپنی انگلیوں کے درمیان رکھ کر ان کو بُلا۔''

حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا تو قدرتِ خداوندی سے ایک ایسی ہوا چلی کہ بکھرے ہوئے اجزا اور ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا گوشت جمع ہو کر حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو گئے اور ان میں سے ہر ایک پرندے نے اپنا سر آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں سے لے لیا۔ جب وہ اللہ عزوجل کی قدرت سے زندہ ہو گئے تو حضرت سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رُک کر عرض کرنے لگے: ''اے ابراہیم! (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ ہم سے کیا چاہتے تھے کہ آپ نے ہمیں ذبح کر دیا؟ یاد رکھیں! جو کچھ آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے ہو سکتا ہے آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو چنانچہ اسی رات آپ علیٰ

نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں اپنے بیٹے کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا گویا اللہ عزوجل فرما رہا ہے: ''اے ابراہیم! (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) ہم نے تجھے مردے زندہ کر کے دِکھائے اب تم ہمیں زندوں کو مار کر دِکھاؤ۔'' تو آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹے حضرت سیدنا اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے ارشاد فرمایا:

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ

''اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔'' (پ۲۳، الصافات:۱۰۲)

تو انہوں نے اللہ عزوجل کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا اور صبر کرتے ہوئے عرض کی:

قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○

''اے میرے باپ! کیجیے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔'' (پ۲۳، الصفت:۱۰۲)

اے میرے باپ! کون ہے جو حاکمِ اعلیٰ عزوجل کے حکم پر اعتراض کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ اے میرے باپ! اگر میرا مولیٰ عزوجل مجھ سے راضی ہو جائے تو آپ وہ کام کر گزریئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا۔ بے شک موت بڑی اچھی اور میٹھی ہے۔

منقول ہے کہ جب حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے کلامِ خداوندی عزوجل کا لذیذ جام نوش فرمالیا اور آگ لینے کے لیے نکلے تو جبار کی عنایت سے آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدر بڑھ گئی اور جب آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام درخت کے پاس پہنچے تو آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل انوارِ خداوندی عزوجل کا منتظر تھا کہ ایک ندا سنی: ''اے موسیٰ! (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام)'' تو اس سے آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مزید قرب اور اُنس ملا چنانچہ آپ اس پر غور و فکر کرتے ہوئے ہر سمت کی طرف بڑھنے لگے تو آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو پھر ایک ندا سنائی دی:

''اے موسیٰ! (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) فکر نہ کیجیے۔'' پھر ارشاد ہوا:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝

''تو تو اپنے جوتے اُتار ڈال' بے شک تو پاک جنگل طویٰ میں ہے۔''

(پ۱۶' طہٰ:۱۲)

جو ایسا مقام ہے جہاں گناہوں سے آلودہ بندہ نہیں آسکتا اور وحشت زدہ آئے تو مانوس ہو جاتا ہے۔ آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر ندا سنی:

''اے موسیٰ! (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ۔''

''بے شک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری بندگی کر۔''

(پ۱۶' طہٰ:۱۴)

لہٰذا مجھے پہچان' میں تیرا عظیم معبود ہوں' مجھے ہی عظمت والا جان اور میں رزق دینے والا مالک ہوں لہٰذا میرے سوا کسی سے سوال نہ کر بلکہ مجھ سے مانگ اور میں شدید سزا دینے والا ہوں لہٰذا میرے عذاب سے ڈر اور جو مجھے یاد کرے میں اس کے قریب ہوتا ہوں لہٰذا مجھے یاد کر۔

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی: ''اے میرے مالک ومولیٰ عزوجل! تو نے اپنی طرف میری رہنمائی فرمائی اور مجھے اپنا قرب عطا فرمایا (پھر آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی:)

رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ

''اے رب میرے! مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا ہاں! اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو

عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش۔'' (پ ۹ الاعراف: ۱۴۳)

خزائن العرفان میں اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ ''لن ترنی'' کا معنی یہ ہے کہ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا یعنی ان آنکھوں سے سوال کر کے بلکہ دیدارِ الٰہی بغیر سوال کے محض اس کی عطا و فضل سے حاصل ہوگا وہ بھی اس فانی آنکھ سے نہیں بلکہ باقی آنکھ سے یعنی کوئی بشر مجھے دنیا میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا دیکھنا ممکن نہیں اس سے ثابت ہوا کہ دیدارِ الٰہی ممکن ہے اگرچہ دنیا میں نہ ہو کیونکہ صحیح حدیثوں میں ہے کہ روزِ قیامت مومنین اپنے رب عزوجل کے دیدار سے فیض یاب کیے جائیں گے۔ علاوہ بریں یہ کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام عارف باللہ ہیں اگر دیدارِ الٰہی ممکن نہ ہوتا تو آپ ہرگز سوال نہ فرماتے اور پہاڑ کا ثابت رہنا امر ممکن ہے کیونکہ اس کی نسبت فرمایا: ''جعلہ دکا'' اس کو پاش پاش کر دیا تو جو چیز اللہ تعالیٰ کی مجعول (بنی ہوئی) ہو اور جس کو وہ موجود فرمائے ممکن ہے کہ وہ نہ موجود ہوا گر اس کو نہ موجود کرے کیونکہ وہ اپنے فعل میں مختار ہے اس سے ثابت ہوا کہ پہاڑ کا استقرار امر ممکن ہے' محال نہیں اور جو چیز امر ممکن پر معلق کی جائے وہ بھی ممکن ہی ہوتی ہے محال نہیں ہوتی لہٰذا دیدارِ الٰہی جس کو پہاڑ کے ثابت رہنے پر معلق فرمایا گیا وہ ممکن ہوا تو ان کا قول باطل ہے جو اللہ تعالیٰ کا دیدار محال بتاتے ہیں۔''

معلوم ہوا راہِ سلوک بہت دشوار گزار اور سالک کے لیے بہت مشکل ہے اسی راہ میں حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آنسو بہاتے رہے' حضرت سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گریہ وزاری کی' اللہ عزوجل کے خلیل حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا' حضرت سیدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کیا گیا' حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فروخت کیا گیا' حضرت سیدنا زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آرا چلایا گیا' حضرت سیدنا یحییٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کیا گیا' حضرت سیدنا

ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آزمایا گیا' حضرت سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام خوف الٰہی میں گھومتے رہے اور نبی آخرالزماں حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ' احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی فقر اپنایا۔

اس راہ میں پہلا قدم روح کو فنا کرنا ہے۔ شاہراہ تو موجود ہے سالک کہاں ہے؟ قمیص تو موجود ہے پہننے والے کہاں ہیں؟ طورِ سینا تو موجود ہے اس پر فائز ہونے والے کہاں ہیں؟ اے جنید بغدادی کی سی تڑپ رکھنے والو! آؤ اور اس راہ پہ چلو' اے شیخ ابوبکر شبلی کی محبت کے دعوے دارو! ہماری بات سنو اور اے ابراہیم بن ادہم کے دیوانو! ادھر متوجہ ہو جاؤ۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) (الروض الفائق)

(۱۵۱)

حالتِ مرگ میں احترامِ حدیث

سعید بن مسیب عالم اہلِ مدینہ اور سید التابعین تھے' ان کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تیسرے سال ہوئی۔ انہوں نے متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا اور ان سے فیض حاصل کیا۔ حدیث کے عالم و حافظ ہونے کے ساتھ مفسر قرآن بھی تھے۔ علم قرآن و سنت پر اس قدر عبور تھا کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ حق بات کہنے میں بے باک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد حکمرانوں نے انہیں تشدد کا نشانہ بنایا۔ وہ خوابوں کی تعبیر میں بھی خاصہ علم رکھتے تھے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں: ''سعید بن مسیب سے زیادہ وسیع العلم کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا۔'' انہوں نے ۹۴ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء: ج۴)

حضرت قتادہ کہا کرتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیب سے زیادہ علم رکھنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ خود سعید بن مسیب کہا کرتے تھے:

''مَا أَحَدٌ أَعْلَمَ بِقَضَاءٍ قَضَاهُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَلَا أَبُوْبَکْرٍ، وَلَا عُمَرُ مِنِّیْ''۔

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فیصلوں کا مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا اور کوئی نہیں۔''

(سیر اعلام النبلاء: ۴/۲۲۱' طبقات ابن سعد: ۵/۱۲۰)

سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی کیا کرتے تھے بلکہ ان کا

بیان ہے:

"مَا فَاتَتْنِیَ الصَّلَاۃُ فِیْ جَمَاعَۃٍ مُنْذُ أَرْبَعِیْنَ سَنَۃً۔"

"چالیس سال سے کوئی باجماعت نماز مجھ سے فوت نہیں ہوئی۔"

(حلیۃ الاولیاء: ۲/۱۶۲، سیر اعلام النبلاء: ۴/۲۲۱)

علاوہ ازیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے متعلق جب آپ سے سوال کیا جاتا تو نہایت ہی ادب واحترام کے ساتھ جواب دیا کرتے تھے۔ جانکنی کے عالم میں ایک حدیث کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

"أَجْلِسُوْنِیْ۔" "مجھے اُٹھا کر بٹھادو۔"

لوگوں نے عرض کیا: آپ تو سخت مریض ہیں۔

آپ نے فرمایا:

"أَجْلِسُوْنِیْ کَیْفَ أُسْأَلُ عَنْ کَلَامِ الْحَبِیْبِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مُضْطَجِعٌ۔"

"مجھے اُٹھا کر بٹھادو، مجھ سے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے بارے میں پوچھا جائے اور میں لیٹ کر جواب دوں، یہ کیسے ممکن ہے؟"

(۱۵۲)

مقامِ فنا کیا ہے؟

حضرت سیدنا ابوبکر شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک پہاڑ پر ریحانہ عابدہ رحمۃ اللہ علیہا کو یہ شعر پڑھتے سنا:

اَحْضَرْتَنِیْ فِیْکَ وَلٰکِنْ غَیْبَتِیْ فِی التَّجَلِّیْ

''(اے میرے رب!) تو نے مجھے اپنی بارگاہ میں حضوری عطا فرمائی مگر میں تیری تجلیات میں گم ہو گئی۔''

میں نے اسے دائیں بائیں تلاش کیا تو نظر آئی میں نے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا: ''اے ریحانہ!'' اس نے جواب دیا: ''اے شبلی! میں حاضر ہوں۔'' میں نے پوچھا: ''کس کو ڈھونڈ رہی ہو؟'' تو اس نے جواب دیا: ''ریحانہ کو'' میں نے حیران ہو کر اس سے پوچھا: ''کیا تو ریحانہ نہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''اے شبلی! کیوں نہیں مگر جب سے مجھے اللہ عزوجل کا قرب ملا ہے میں قید ہو گئی ہوں اور مجھے یہ خبر نہیں کہ میں کہاں ہوں؟ میں اپنے آپ سے غائب ہو چکی اور اپنے آپ کو بھول چکی ہوں اور اب مسافروں سے اپنے متعلق پوچھتی رہتی ہوں مگر میں نے کوئی شخص ایسا نہ پایا جو مجھے میرے بارے میں بتا دے۔'' یہ سن کر میں نے اسے کہا: ''اب میں بھی تیری طرف رجوع کرتا ہوں کیونکہ تجھ پر نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں۔'' تو وہ کہنے لگی: ''اے شبلی! میں نے اس سلسلے میں اپنے عناصر سے پوچھا تو کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔ میں نے حواس سے پوچھا تو ان کو بغیر جامِ محبت پیے مدہوش پایا۔ اپنی فہم سے پوچھا تو اس نے وہم کی

طرف میری رہنمائی کی۔ میں نے اپنے راز سے پوچھا تو اس نے کہا میں نہیں جانتا۔ میں نے دل سے پوچھا تو اس نے بھی مجھے میری مراد تک نہ پہنچایا۔ اپنے قلب سے پوچھا تو وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر کہنے لگا: ''مجھے اجازت نہیں، میں نہ تو بتا سکتا ہوں اور نہ ہی ظاہر کر سکتا ہوں۔''

پھر ریحانہ عابدہ رحمۃ اللہ علیہا کہنے لگی: ''اے شبلی! میں نے ہر زندہ سے کہا کہ مجھے میری ذات تک پہنچا دے اور مجھ پر میری رہنمائی کر دے لیکن کوئی بھی میری باتیں نہ سمجھ سکا۔ اے شبلی! اگر تجھے میرا ٹھکانہ معلوم ہے تو میرے ترجمان کو ادھر لے آ۔'' میں نے اسے کہا: ''تیرا ٹھکانہ رحیم و رحمٰن عزوجل کے قرب میں ہے۔'' یہ سنتے ہی اس نے ایک چیخ ماری اور اس کے بعد لمبا سانس لیا۔ میں نے اسے حرکت دی تو اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ میں نے اسے ایک چٹان کے سہارے لٹایا اور خود اس امید پر وسیع و عریض میدان میں چلا گیا تاکہ کوئی ایسا شخص پاؤں جو اس کی تجہیز و تکفین پر میری مدد کرے مگر مجھے کوئی نہ ملا۔ میں واپس آیا تو اس کا کچھ نہ پتہ چلا کہ کہاں گئی۔ ہاں! میں نے وہاں ایک نور دیکھا جو شعاعیں دے رہا تھا اور بجلی چمک رہی تھی۔ میں دل میں کہنے لگا: کاش! میں جان لیتا کہ اس نیک بندی کے ساتھ کیا ہوا تو مجھے ندا دی گئی: ''اے شبلی! ہم جس کو اس کی زندگی میں اس سے لے لیتے ہیں تو موت کے بعد بھی اسے لوگوں کی آنکھوں سے چھپا دیتے ہیں۔''

حضرت سیدنا شبلی فرماتے ہیں، میں نے اسی رات اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا: ''اللہ عزوجل نے تیرے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟'' اس نے جواب دیا: ''اے نوجوان! قید ختم ہو گئی، میں نے اپنی مراد اور نعمتیں پالیں اور میرا مقصد پورا ہو گیا اگر تم بھی ہمیشہ کی عزت چاہتے ہو تو میری طرح موت کو گلے لگا لو۔'' (الروض)

(۱۵۴)

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ

صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"اِنَّ خَيْرَ التَّابِعِيْنَ رَجُلٌ يُّقَالُ لَهٗ اُوَيْسٌ وَّلَهٗ وَالِدَةٌ وَّكَانَ بِهٖ بَيَاضٌ فَمُرُوْهُ فَلْيَسْتَغْفِرْ لَكُمْ."

"تابعین میں سے ایک بہترین شخص اویس نام کا ہوگا جس کی والدہ بقید حیات ہوگی اس کے بدن پر برص کا ایک سفید نشان ہوگا۔ تم لوگ اس سے تقاضہ کرنا کہ وہ تمہارے لیے بخشش و مغفرت کی دعا کرے۔"

چنانچہ جب باشندگانِ یمن کی امدادی فوج امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو آپ ان سے دریافت فرماتے کہ کیا تم میں کوئی اویس بن عامر ہے؟ جب اویس بن عامر رحمتہ اللہ کی آمد کی خبر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود چل کر ان کی خدمت میں پہنچے اور پوچھا: آپ اویس بن عامر ہیں؟

اویس بن عامر رحمتہ اللہ علیہ: جی!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: آپ کا تعلق قبیلہ مراد سے ہے اور پھر قرن سے؟

اویس بن عامر: جی!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: آپ کو برص تھا جو ٹھیک ہو گیا مگر درہم برابر باقی ہے؟

اویس بن عامر: ہاں جی!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ: آپ کی والدہ زندہ ہیں؟

اویس بن عامر: جی ہاں!

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''يَأْتِي عَلَيْكُمْ أُوَيْسُ بْنُ عَامِرٍ مَعَ أَمْدَادِ أَهْلِ الْيَمَنِ مِنْ مُرَادٍ، ثُمَّ مِنْ قَرَنٍ، كَانَ بِهِ بَرَصٌ فَبَرَأَ مِنْهُ إِلَّا مَوْضِعَ دِرْهَمٍ، لَهُ وَالِدَةٌ هُوَ بِهَا بَرٌّ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَكَ فَافْعَلْ.''

''تمہارے پاس یمن کی امدادی فوج کے ساتھ اویس بن عامر آئے گا اس کا تعلق قبیلہ مراد سے ہوگا اور پھر قرن سے (جو مراد کی ایک شاخ ہے) اس کو برص تھا، وہ اچھا ہوگیا مگر درہم برابر باقی ہے اس کی ماں ہے جس کے ساتھ وہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آتا ہے۔ وہ اگر اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کر دے گا لہٰذا اگر تم سے ہو سکے کہ وہ تمہارے لیے بخشش کی دعا کرے تو اس سے دعا کرانا۔''

اس لیے آپ میرے لیے بخشش کی دعا کر دیں چنانچہ اویس رحمتہ اللہ علیہ نے ان کی بخشش کے لیے دعا کر دی۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

اویس بن عامر رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا: ''کوفہ''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کیا میں کوفہ کے حاکم کے نام ایک خط نہ لکھ دوں؟''

اویس بن عامر رحمتہ اللہ علیہ:

"أَكُونُ فِيْ غَبْرَآءِ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَيَّ۔"

"مجھے خاکساروں میں رہنا زیادہ پسند ہے۔"

صحیح مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ کوفہ کے لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک شخص تھا جو اویس سے ٹھٹھا کیا کرتا تھا۔ (صحیح مسلم فضائل الصحابۃ باب من فضائل اویس قرنی حدیث ۲۵۴۲)

جی ہاں! یہ اویس قرنی ہیں جن کی زندگی کے ایام انتہائی فقر و فاقہ کے عالم میں گزر رہے ہیں۔ وہ ایک گمنام شخصیت کے مالک ہیں حتیٰ کہ لوگ ان کی حالتِ زار کو دیکھ کر ان سے ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں لیکن دنیا کی سب سے محبوب ہستی اپنے صحابہ کو خبر دے رہی ہے کہ اگر تم سے ہو سکے تو اس گمنام شخصیت سے دعا کرا لینا کیونکہ اس کا حال یہ ہے کہ اگر وہ اللہ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کرے گا۔

امام نووی کہتے ہیں کہ لوگوں کا اویس بن عامر رحمۃ اللہ علیہ کی حالتِ زار کو دیکھ کر ان سے ٹھٹھا مذاق کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی حالت کو چھپاتے تھے اور اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان راز افشا نہیں کرتے تھے اور ان کے کسی عمل سے یہ عیاں نہیں ہوتا تھا کہ وہ کوئی بڑے بزرگ اور اللہ کے ولی ہیں۔ درحقیقت ہر دور میں اللہ کے مخلص بندوں کا طریقہ ہی یہ رہا ہے کہ وہ زیادہ شہرت اور ناموری کو پسند نہیں کرتے۔

(شرح صحیح مسلم للنووی: ۱۵/۳۳۱ (دار المعرفہ بیروت)

(۱۵۴)

بیٹے کی موت کا صدمہ ماں کی جان لے بیٹھا

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج بیت اللہ شریف کے لیے حاضر ہوا' حج کر کے جب واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ایک نوجوان جس کا جسم دبلا پتلا' رنگ زرد اونٹ کے قریب کھڑا غم کے سانس لیتے ہوئے کہہ رہا تھا: ''کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو میرا پیغام اس بوڑھی عورت تک پہنچا دے جس نے ساری زندگی میری تربیت فرمائی اب وہ مجھے دیکھنے کی مشتاق ہے؟'' کیا تم میں سے کوئی شخص میرے احباب کو میرا پیغام پہنچا کر اجر وثواب لینا چاہتا ہے؟'' پھر کہنے لگا: ''میں تمہیں اللہ عزوجل کی قسم دیتا ہوں جب تم عافیت کے ساتھ پہنچ جاؤ تو میرا خط فلاں بڑھیا کو پہنچا دینا اور اسے میرے متعلق پوچھے تو ان سے کہنا: ''اللہ عزوجل کی قسم! اس نے اللہ عزوجل سے کیا ہوا عہد نہیں توڑا'' وہ بزرگ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس پر بڑا ترس آیا میں نے اس سے خط لے لیا اور پوچھا: ''آپ کو اپنی والدہ کے پاس جانے میں کیا رکاوٹ ہے؟'' تو اس نے کہا: ''اے میرے محترم! جب تقدیر ساتھ نہ دے تو مخلوق کیا کرے۔ میں اس امید پر نکلا تھا کہ لوٹ آؤں گا لیکن یہ نہ جانتا تھا کہ کب لوٹوں گا اگرچہ میں نے اپنے محبوب کو پا کر اپنی اجنبیت میں سرور حاصل کیا لیکن میں آنے والے اس کل کی امید باندھے ہوئے ہوں جب ہم پھر ملیں گے جس طرح جدا ہوئے تھے۔''

جب اس نے اپنی بات مکمل کر لی تو ایک زوردار چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ قافلے والے اس کے اردگرد جمع ہو گئے پھر کچھ دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو کہنے لگا:

''ہائے افسوس! جس موت کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والی ہے قبر قریب ہے اور دارالبقاء کی طرف کوچ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔'' پھر اس نے دوبارہ ایک زوردار چیخ ماری اور اس کی روح خالقِ حقیقی سے جا ملی۔ وہ بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کی تجہیز وتکفین کی اور نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا پھر بصرہ کی جانب رُخ کیا جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو وہاں کے لوگ دُور سے آنے والوں کے استقبال اور اپنے دوستوں کو سلامتی کی مبارک باد دینے کے لیے نکل آئے۔

سب لوگوں سے پیچھے ایک بڑھیا آ رہی تھی جس کی نظر کمزور تھی اس کا دل ذکرِ الٰہی عزوجل میں مشغول تھا' وہ چلتے ہوئے کانپ رہی تھی اور کہہ رہی تھی: ''کیا اس کے آنے کا وقت نہیں آیا جس کا میں انتظار کر رہی ہوں یا قافلے میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس کے متعلق بتائے؟'' پھر اس نے ندا دی: ''اے قافلے والو! تم میں کوئی میرے بیٹے کا خط لانے والا ہے جس میں اس کی خیر خبر ہو؟'' پھر اس نے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے:

''وطن سے دُور جانے والا ہر شخص آخر واپس آتا ہے لیکن میرا بیٹا دُور جانے والوں کے ساتھ ابھی تک نہ آیا۔ بہت زیادہ رونے سے میری آنکھیں چلی گئیں اور اس کی جدائی کے غم میں میرے دل کی آگ تیز ہو گئی۔ میں تو اس کی واپسی اور ملاقات کی تمنا کر رہی تھی لیکن لگتا ہے کہ میری امید بہت دُور ہے۔''

وہ بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر کہا: ''اے کمزور اور غمگین بڑھیا! میرے پاس اس نوجوان کا خط ہے' وہ دُوری کا شکوہ کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس شہر میں اس کے گھر والے ہیں' وہ اپنی والدہ کے دیدار کا بہت مشتاق تھا جو اس سے کافی محبت ومودت رکھتی ہے۔'' اس وقت اس بوڑھی خاتون نے ایک چیخ ماری اور کہنے لگی: ''اللہ عزوجل کی قسم! یہ میرے ہی مسافر بیٹے کی صفت ہے۔'' اس نے مجھ سے

خط لیا تاکہ اپنے شکستہ دل کو جوڑے۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ وہ مجھ سے خط لے کر چومنے لگی اور اپنے دل اور آنکھوں پر رکھ کر پوچھا: "اے میرے پردیسی بیٹے کے قاصد! میرے محبوب بیٹے کا کیا ہوا؟" میں نے اسے بتایا کہ "وہ اپنے رب عزوجل سے جاملا ہے۔" جب اس نے سنا کہ اس کا بیٹا تمہارا راہِ حق کا مسافر ہو گیا ہے تو بہت زیادہ روئی پھر اپنا سر آسمان کی طرف اُٹھا کر کہنے لگی:

"اے میرے مالک و مولیٰ عزوجل! مجھے دنیا میں زندہ رہنا اس لیے پسند تھا کہ اپنے بیٹے سے ملاقات کی امید تھی لیکن اب مجھے دنیا میں رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔"

پھر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور زمین پر گر گئی اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کا ارادہ کیا تو کوئی کہنے والا جس کی صورت نظر نہ آئی کہہ رہا تھا: "اے شخص! ٹھہر جا اس کا معاملہ تیرے ذمہ نہیں۔" (الروض الفائق)

(۱۵۵)

صحابی رسول ﷺ کی للکار

عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کی پیدائش دورِ نبوت کے آخری سالوں میں ہوئی۔ وہ نامور فاتح صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے' ان کا شمار پہلی صدی ہجری کے ان نامور سپہ سالاروں میں ہوتا ہے جنہوں نے شمالی افریقہ میں ابتدائی عربی فتوحات کو استوار اور محکم بنا کر بربری مقاومت کا قلع قمع کرنے کی سعی کی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے قبل انہیں عساکر افریقیہ کا سردارِ اعلیٰ مقرر کیا تھا۔ ۵۳ھ میں مسلمہ بن مخلد انصاری نے انہیں اس عہدے سے معزول کر دیا۔ عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس کی شکایت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کی تو کچھ عرصے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جانشین نے انہیں دوبارہ والی مقرر کر دیا۔ وہ پُر آشوب زندگی گزارنے کے بعد اپنے تین سو ہمراہیوں سمیت بغاوت پسندوں کے ہاتھوں ۶۳ھ میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج:۱۳)

(عقبہ بن نافع کی سوانح کے لیے دیکھیے: المنتظم لابن الجوزی: ۶/۱۰' تاریخ الاسلام: ۳/۱۸۸ الاستیعاب: ۳/۱۸۵ وغیرہ)

بہرحال! حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ والی افریقہ اور عساکر اسلام کے سپہ سالار تھے وہ بحرِ ظلمات (اوقیانوس) کے ساحل پر تن تنہا کھڑے ہوئے اور نماز کی ادائیگی کے بعد اعلائے کلمۃ اللہ کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی تلوار آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَاللّٰہِ لَوْ أَعْلَمُ أَنَّ وَرَآءَ ھٰذَا الْمَاءِ أَرْضًا لَّخُضْتُهٗ بِفَرَسِيْ ھٰذَا رَافِعًا رَّايَةَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔"

"اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس پانی کے پیچھے بھی کوئی خالی زمین ہے تو میں کلمہ لا الہ الا اللہ کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے اپنے اس گھوڑے سے سمندر پار کر جاتا۔"

یہی وہ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ہیں جن کو امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے زمام خلافت سنبھالنے کے بعد دس ہزار مجاہدینِ اسلام کی معیت میں افریقہ روانہ کیا تھا جس کو انہوں نے فتح کر لیا۔ پھر افریقہ کے ایک شہر قیروان کی آبادکاری کا نقشہ مرتب کیا جہاں گھنے درختوں کی کثرت تھی اور جہاں درندوں' حیوانوں اور موذی جانوروں سے کوئی جگہ خالی نہ تھی چنانچہ وہاں کھڑے ہو کر عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور بلند آواز سے گویا ہوئے:

"اِنَّا نَازِلُوْنَ فَاظْعَنُوْا ۔"

"ہم (مجاہدینِ اسلام) یہاں اُترنے والے ہیں اس لیے (تم جتنے بھی درندے یا موذی جانور ہو) سب کے سب نکل جاؤ۔"

راوی کا بیان ہے:

"فَلَمْ يَبْقَ شَيْءٌ مِمَّا كَانَ مِنَ السِّبَاعِ وَغَيْرِھَا اِلَّا خَرَجَ وَجَعَلْنَ يَخْرُجْنَ مِنْ جُحْرِھِنَّ حَتّٰى اِنَّ السِّبَاعَ كَانَتْ تَحْمِلُ أَوْلَادَھَا ۔"

"چنانچہ وہاں کوئی درندہ یا دیگر موذی جانور نہ بچا اور سب کے سب اپنے سوراخوں سے نکلنے لگے حتیٰ کہ جن درندوں کے بچے چل نہیں سکتے تھے' وہ اپنے بچوں کو اُٹھائے ہوئے جا رہے تھے۔"

یہ تھے ہمارے اسلاف! جن کی ایک آواز پر درندے اور موذی جانور اپنا مسکن

چھوڑ کران کی رہائش کا بندوبست کر دیتے تھے اور آج ہم ہیں کہ ہماری ہی زمین وجائے دادودشمنانِ اسلام نے ہڑپ کر رکھی ہیں اور ہم بے بسی سے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔

یادرہے افریقیہ ایک وسیع علاقے کا نام ہے جو جزیرہ صقلیہ کے سامنے (جنوب میں) واقع ہے اور اس کا آخری حصہ اندلس کے بالمقابل ہے۔ افریقیس بن صیفی نے یہاں ایک شہر آباد کیا اور اس کا نام افریقیہ رکھا پھر اس شہر کی نسبت سے تمام علاقہ افریقیہ کہلانے لگا جب مسلمانوں نے یہاں قیروان آباد کیا تو افریقیہ شہر اجڑ گیا۔ افریقیہ کی حدود طرابلس الغرب برقہ (لیبیا) اور اسکندریہ سے بجایہ (الجزائر) تک ہیں جب کہ ابوعبید بکری اندلسی کے بقول افریقیہ کی حدود کا طول مشرق میں برقہ سے لے کر مغرب میں طنجہ (مراکش) تک ہے اور عرض سمندر (بحیرۂ روم) سے بلاد سوڈان میں ریگستان (صحرائے اعظم) تک ہے۔ (معجم البلدان ج:۱ص ۲۲۸)

گویا موجودہ لیبیا' تیونس' الجزائر اور مراکش افریقیہ میں شامل تھے اسی افریقیہ کے نام پر بعد میں پورا براعظم افریقہ کہلانے لگا۔

حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کا بسایا ہوا شہر قیروان مدتوں صوبہ افریقیہ (براعظم افریقہ کا شمالی علاقہ بشمول تیونس' الجزائر وغیرہ) کا دارالحکومت رہا اور یہیں دسویں صدی عیسوی میں فاطمی خلافت قائم ہوئی۔ علامہ اقبال نے کہا

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

(بانگِ درا)

(۱۵۶)

اللہ والوں کے اعمال

حضرت سیدنا ابوالفضل سائح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میں نے مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً سے چند میل کے فاصلے پر ایک نوجوان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا' وہ قافلہ سے بچھڑ گیا تھا۔ میں اس کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا لیکن اس کی نماز طویل ہوگئی جب اس نے سلام پھیرا تو میں نے اسے السلام علیک کہا اس نے وعلیک السلام کہتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔ میں نے اس سے پوچھا: ''معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے ہم سفروں سے پیچھے رہ گئے ہیں' کیا آپ کا کوئی رفیق ہے جو آپ کو ان سے ملانے میں مدد کرے؟'' تو وہ رویا اور کہنے لگا: ''ہاں ہے'' میں نے پوچھا: ''کہاں ہے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''وہ میرے آگے پیچھے اور دائیں بائیں موجود ہے۔'' آپ فرماتے ہیں کہ ''میں نے پہچان لیا کہ یہ عارف ہے۔'' پھر میں نے اس سے پوچھا: ''کیا آپ کے پاس کوئی توشہ ہے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''ہاں ہے'' میں نے پوچھا: ''کہاں ہے؟'' تو اس نے جواب دیا: ''میرے دل میں میرے مالکِ حقیقی عزوجل کے لیے اخلاص ہے۔'' میں نے کہا: ''کیا میں آپ کا رفیق بن سکتا ہوں؟'' تو اس نے کہا: ''رفیق اللہ عزوجل سے غافل کر دیتا ہے اور میں کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی اللہ عزوجل کی یاد سے غافل کرے۔'' پھر میں نے اس سے پوچھا: ''آپ کہاں سے کھاتے ہیں؟'' تو اس نے جواب دیا: ''وہ خدا جس نے مجھے ماں کے پیٹ کی تاریکی میں اور بچپن میں غذا دی وہی جوانی میں میرے رزق کا کفیل ہے جب مجھے کھانے پینے کی

حاجت ہوتی ہے تو کھانا میرے سامنے حاضر ہو جاتا ہے۔" میں نے عرض کی: "کیا آپ کو کسی قسم کی حاجت ہے؟" تو اس نے جواب میں کہا: "میری حاجت یہ ہے کہ آج کے بعد آپ مجھے سلام نہ کریں۔" میں نے عرض کی: "میرے لیے دعا فرمائیں۔" تو وہ مجھے دعا دینے لگا کہ "اللہ عزوجل آپ کو ہر گناہ سے محفوظ فرمائے اور اپنا قرب بخشنے والے اعمال میں مشغول فرمادے۔" پھر میں نے اس سے پوچھا: "آج کے بعد کہاں ملاقات ہوگی؟" جواب ملا: "آج کے بعد ہماری ملاقات نہیں ہوگی اگر آپ مقربین میں سے ہیں تو مجھے کل روزِ قیامت مقربین کے مراتب میں تلاش کرنا۔" پھر وہ غائب ہو گیا اور اس کے بعد میں نے اسے نہیں دیکھا اس کے اچانک نظروں سے اوجھل ہو جانے پر میں عرصہ دراز تک افسوس کرتا رہا۔" (الروض الفائق)

(۱۵۷)

سر لیئے آئے مگر دے کر چلے گئے

فضالہ بن عمیر بن مُلوّح لیثی ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے فضالہ بن وہب' بعض نے فضالہ بن عبداللہ اور بعض نے فضالہ بن عمیر لکھا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے بت شکنی کا کام انجام دیا۔ وہ عبداللہ الزہرانی کے نام سے معروف تھے' ان کے بیٹے عبداللہ ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ (اسد الغابہ ج:۴)

بہر حال ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ فضالہ بن عمیر بن ملوح لیثی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینا چاہا۔ آپ فتح مکہ کے سال خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے جب فضالہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا تو آپ نے پوچھا: اَفضالۃ؟ کیا تم فضالہ ہو؟

فضالہ نے عرض کی: "ہاں! اے اللہ کے رسول! میں فضالہ ہی ہوں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

"مَاذَا کُنْتَ تُحَدِّثُ بِہٖ نَفْسَکَ؟"

"تم نے اپنے دل کے اندر کیا منصوبہ بنا رکھا ہے؟"

فضالہ نے عرض کی: "کچھ نہیں! میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

"اِسْتَغْفِرِ اللّٰہَ" "اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔"

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ فضالہ بن عمیر کے سینے پر رکھ دیا چنانچہ

ان کا دل پُرسکون ہو گیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اس کے بعد حضرت فضالہ کہا کرتے تھے:

"وَاللّٰہِ! مَا رَفَعَ یَدَہٗ عَنْ صَدْرِیْ حَتّٰی مَا مِنْ خَلْقِ اللّٰہِ شَیْءٌ أَحَبَّ اِلَیَّ مِنْہُ۔"

"اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے سینے سے نہیں اُٹھایا یہاں تک کہ میری نگاہ میں اللہ کی مخلوق میں ان سے زیادہ محبوب کوئی نہیں رہا۔"

(سیرۃ ابن ہشام: ۲/۴۱۷، البدایۃ والنھایۃ طبع دار ہجر: ۱۹۹۷ھ (۶/۵۸۵)
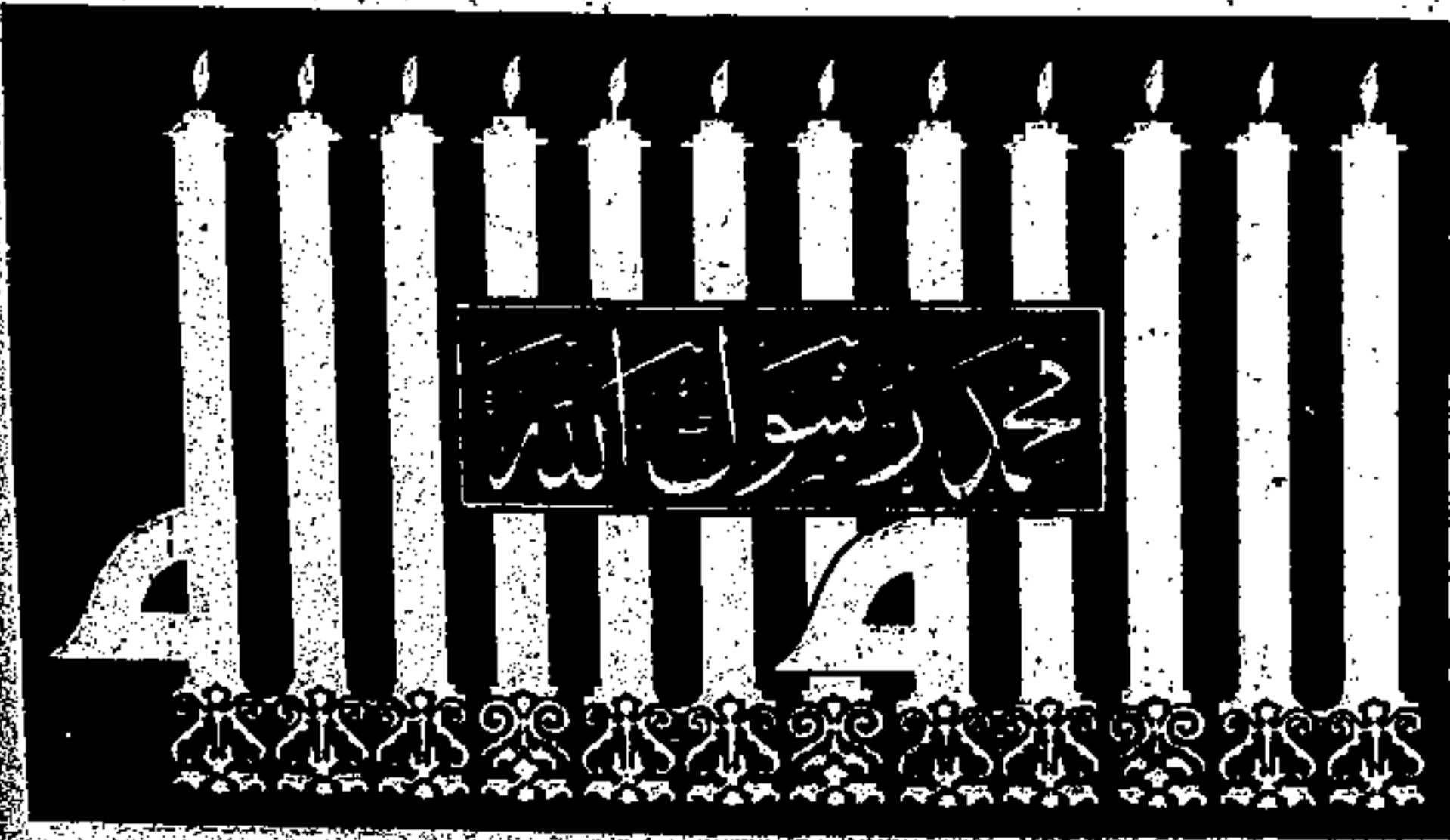
(۱۵۸)

نافرمان اللہ تعالیٰ کا ولی بن گیا

حضرت سیدنا مالک بن دینار علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میرا ایک انتہائی شریر پڑوسی تھا اس کی شکایت لے کر اہلِ محلہ میرے پاس آئے تاکہ میں اسے سمجھاؤں جب میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا: ''تیری نافرمانیاں زیادہ ہو گئی ہیں یا تو توبہ کر لے یا پھر اس محلے سے چلا جا'' تو اس نے جواب دیا: ''میں اپنے ملک میں ہی رہوں گا اور یہاں سے نہیں نکلوں گا۔'' میں نے کہا: ''ہم حاکمِ وقت سے تیری شکایت کریں گے۔'' تو وہ کہنے لگا: ''میری اس سے دوستی ہے۔'' تو میں نے کہا: ''ہم تیرے خلاف اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کریں گے۔'' یہ سُن کر اس نے کہا: ''میرا رب عزوجل تم سے زیادہ مجھ پر رحم فرمانے والا ہے۔'' پھر وہ میرے پاس سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے رات سحری کے وقت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے اور عرض گزار ہوا: ''اے میرے مالکِ حقیقی! فلاں شخص نے ہمیں تکلیف دی ہے لہٰذا تو اسے اس کی سزا دے۔'' تو ہاتفِ غیبی نے پکار کر کہا: ''اسے بد دعا نہ دے کیونکہ یہ ہمارے اولیاء میں سے ہے۔'' میں اسی وقت اُٹھا اور جا کر اس کے دروازے پر دستک دی جب وہ شخص باہر آیا تو سمجھا کہ شاید میں اسے محلے سے نکالنے آیا ہوں تو وہ رونے لگا اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگا: ''اے میرے محترم! میں نے آپ کی بات مان لی ہے اور اب میں اس محلہ سے نکل جاؤں گا۔'' تو میں نے کہا: ''میں اس لیے نہیں آیا بلکہ یہ بتانے آیا ہوں کہ جب میں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں تمہارے خلاف دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو ایک پکارنے والے نے ندا دی:

''اسے بددعا نہ دے کیونکہ یہ ہمارے اولیاء میں سے ہے۔'' جب اس نے یہ سنا تو بہت رویا اور سچے دل سے تائب ہو گیا۔ لوگ اس کی زیارت کرنے اور اس سے برکت حاصل کرنے کے لیے کثرت سے جمع ہونے شروع ہو گئے پھر وہ پیدل مکہ مکرمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً وتکریماً چلا گیا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ اگلے سال میں نے حج کیا۔ ظہر کے وقت مسجد حرام کی دیوار کے سائے میں بیٹھا تھا کہ میں نے مسجد کے کونے میں ایک گروہ دیکھا۔ میں کھڑا ہوا اور دیکھا کہ لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو میرا وہی پڑوسی تھا۔ وہ مٹی پر لیٹا ہوا لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ میں اس کے سر کے قریب بیٹھ کر رونے لگا اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا: ''اے مالک! دیکھو وہ رب عزوجل بُرائیوں سے درگزر کرتا ہے اور آنسو بہانے والوں پر رحم فرماتا ہے۔ میں اس محلّہ سے نکلا اور تجھ سے حیا کرتے ہوئے اپنے وطن اور گھر والوں کو چھوڑ دیا حالانکہ تو بھی میری طرح مخلوق ہے (مگر میں نے خالق عزوجل سے حیا نہ کی تو) میں کل بروزِ قیامت اس کی بارگاہ میں کیسے کھڑا ہوں گا؟ پھر اس نے ایک آہِ سرد دلِ پُر درد سے کھینچی اور اس کے ساتھ ہی اس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے؟

حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ''میں ایک سال بیت اللہ شریف کے سفر پر تھا' راستے میں ایک شخص کی انتہائی پُرسوز آواز سنائی دی۔ میں جلدی سے اس کی طرف گیا اور جا کر اسے سلام کیا اس نے میرا نام لے کر مجھے جواب دیا تو میں نے اس سے پوچھا: ''اے میرے دوست! آپ کو میرا نام کس نے بتایا؟'' اس نے جواب دیا: ''عالمِ ملکوت میں میری اور آپ کی روح کی ملاقات ہوئی تھی لہٰذا مجھے آپ کا نام ہمیشہ رہنے والی اس ذات نے بتایا جس کو موت نہیں۔'' پھر اس نے کہا: ''اے جنید! (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل دینا اور انہیں کپڑوں میں کفن دے کر اس ٹیلے پر چڑھ کر اعلان کرنا:

"اَلصَّلَاۃُ عَلَی الْغَرِیْبِ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ۔"

"یعنی اے لوگو! اللہ عزوجل تم پر رحم فرمائے اس اجنبی اور غریب الدیار کی نمازِ جنازہ پڑھ لو۔"

اس کے بعد اس نوجوان کی پیشانی پر پسینہ آ گیا' وہ زار و قطار رو کر کہنے لگا: "آپ کو اللہ عزوجل کی قسم! جب حج کر کے واپس پلٹو تو بغداد ضرور جانا اور زعفرانی کے گھر کے متعلق دریافت کر کے میری ماں اور میرے بیٹے کے متعلق پوچھنا اور پھر انہیں کہنا کہ: "تمہیں ایک ایسے مسافر نے سلام بھیجا ہے جس کو نہ تو اس کے گھر پہنچایا گیا اور نہ ہی تمہارے پاس چھوڑا گیا۔" اس کے بعد وہ نوجوان اس دنیا سے کوچ کر گیا۔

حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: "میں نے اس کو غسل و کفن دے کر اس ٹیلے پر چڑھ کر جب یہ اعلان کیا:

"اَلصَّلَاۃُ عَلَی الْغَرِیْبِ یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ۔"

تو میں نے دیکھا کہ ایک جماعت پہاڑوں سے آ رہی ہے' ہم سب نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دیا۔ میں نے حج ادا کرنے کے بعد بغداد جا کر جب زعفرانی کے گھر کے متعلق دریافت کیا تو مجھے جو راستہ بتایا گیا تھا میں نے اس پر چند بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا' ان میں سے ایک بچہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا: "اے میرے بزرگ! شاید آپ ہمارے والد کی موت کی خبر دینے آئے ہیں۔" حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "مجھے اس بچے کے کلام سے بڑا تعجب ہوا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھر جا کر دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک بوڑھی عورت باہر آئی اور کہنے لگی: "اے جنید! (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) میرے بیٹے کا انتقال کہاں ہوا؟ شاید عرفہ میں؟" تو میں نے کہا: "نہیں!" یہ سن کر کہنے لگی: "تو پھر شاید کسی وادی میں درخت کے نیچے یا کسی جنگل میں؟" تو میں نے کہا: "جی ہاں!" تو بولی: "ہائے افسوس اس لڑکے پر جسے نہ تو اس کے گھر پہنچایا گیا اور نہ ہمارے پاس چھوڑا گیا۔" پھر اس کے منہ سے آہ نکلی اور اس نے چند اشعار پڑھے جن کا

مفہوم یہ ہے:

''کیا تو نہیں دیکھ رہا کہ زمانے نے مجھ پر کیسے کیسے ستم ڈھائے اور جدائی کے تیر مارے اور میرے دوست' احباب کو مجھ سے دُور کر دیا۔ وہ سب میرے دل میں معزز مقام ومرتبہ رکھتے تھے' ان کی جدائی کے بعد میں نے خود کو بڑا مجبور و بے کس پایا کہ میرے دل کے راز چھپانے کے سارے اصول بھی ختم ہو گئے جس دن وہ مجھ سے جدا ہوئے تھے اس دن میری آنکھ نے خون کے آنسو بہائے اور ان کی جدائی نے مجھے سخت دل نہ بنایا تو لوگوں نے گہرا سانس لے کر کہا: ''اے نوجوان! تو اپنی آنکھوں کی پلکوں کو رو رو کر ورم آلود بنا رہا ہے تو پہلا انسان نہیں کہ جس کے احباب اس سے بچھڑ گئے اور جو حوادثاتِ زمانہ کا شکار ہوا۔ زمانہ ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا بلکہ اس میں خوشی' غمی آتی رہتی ہے۔''

پھر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

(الروض)

(۱۵۹)

حضور کے ہاتھوں ہر اونٹ پہلے قربان ہونا چاہتا تھا

حجۃ الوداع کے موقع پر ایک عجیب و غریب واقعہ دیکھنے میں آیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن سو اونٹوں کو قربانی کے لیے ساتھ لائے تھے انہیں نحر کرنے کے لیے آپ نے چھرا اٹھایا جب چھرا لے کر اونٹ نحر کرنے کے لیے آگے بڑھے تو ہر اونٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگے بڑھ رہا تھا تاکہ سب سے پہلے اس کی قربانی ہو اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پہلے اسی کی گردن پر چھرا چلے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

ہمہ اہوان صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

سبحان اللہ! یہ ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ محبت جس کی اہمیت و اصلیت کو ان اونٹوں نے پہچان لیا تھا اور اللہ کی راہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں قربان ہونا چاہتے تھے۔ یہی وہ سچی محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے دلوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھی ہے چنانچہ اونٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، فضا میں پرندے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے گن گاتے ہیں، منبر کی لکڑی فرطِ محبت میں بچے کی طرح روتی ہے مگر افسوس ان لوگوں پر جو رات دن مسلمانی کا دعویٰ کرتے ہیں، اسلام اسلام پکارتے ہیں، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند کرتے ہیں لیکن عملی طور پر نہ جانے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا کتنا خون کر چکے ہیں۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا تقاضہ یہی ہے کہ صرف محبت کا دعویٰ کیا

جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت پر اپنی خواہشات و رسوم کی قربانی پیش نہ کی جائے؟

ذرا دیکھیں ہر اونٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آگے بڑھ کر اپنے آپ کو پیش کر رہا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ پڑھ کر نحر کرتے جا رہے ہیں اور تریسٹھ اونٹوں کو نحر کرنے کے بعد رُک جاتے ہیں۔

شاید اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ تریسٹھ سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مقدر ہو چکی ہے چنانچہ چھرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور بقیہ اونٹ انہوں نے نحر کیے۔ (کتب حدیث)

یاد رہے اونٹ کا اگلا بایاں پاؤں باندھ کر اسے تین پاؤں پر کھڑا کر کے گردن کے آخر میں ہنسلی کی ہڈی کے ساتھ نرم حصے میں چھرا گھونپا جاتا ہے جس سے اس کا خون بہنا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جب خون زیادہ بہہ جاتا ہے تو اونٹ گر پڑتا ہے پھر اس کو ذبح کر لیا جاتا ہے۔ اونٹ کے ذبح کا یہ طریقہ نحر کہلاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قربانی کے موقع پر اونٹوں کو اسی طرح نحر کیا کرتے تھے۔

(۱۶۰)

زمین سے دینار نکل آئے

حضرت سیدنا ابوبکر بن فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے اپنے ایک رومی النسل دوست سے اسلام لانے کا سبب پوچھا تو اس نے بیان کرنے سے انکار کردیا جب میں نے اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ ہمارے ملک پر مسلمانوں کا لشکر حملہ آور ہوا انہوں نے چند سال تک ہمارا محاصرہ کیے رکھا۔ آخرکار ہم نے باہر نکل کر ان سے جنگ کی، ہمارے کچھ لوگ قتل ہوئے اور کچھ ان کے۔ ہم نے ان کی ایک جماعت کو قتل کر دیا اور ایک کو قیدی بنالیا اور میں نے اکیلے دس مسلمانوں کو گھر میں قید کرلیا۔ روم میں میرا بہت بڑا گھر تھا لہٰذا میں نے ان سب کو اپنے خادمین کے سپرد کردیا۔ انہوں نے ان کو بیڑیوں میں باندھ کر خچروں پر سامان لادنے کے کام پر لگا دیا۔ ایک دن میں نے ان قیدیوں پر مقرر ایک خادم کو دیکھا کہ اس نے ایک قیدی سے کچھ لیا اور اس کو نماز پڑھنے کے لیے چھوڑ دیا، میں نے اس خادم کو پکڑ کر مارا اور پوچھا: ''بتاؤ تم اس قیدی سے کیا لیتے ہو؟'' تو اس نے بتایا: ''یہ ہر نماز کے وقت مجھے ایک دینار دیتا ہے اور میں اسے نماز پڑھنے کے لیے چھوڑ دیتا ہوں۔'' میں نے اس سے پوچھا: ''کیا اس کے پاس دینار ہیں؟'' تو اس خادم نے بتایا: ''نہیں! مگر جب یہ نماز سے فارغ ہوتا ہے تو اپنا ہاتھ زمین پر مارتا ہے اور اس سے ایک دینار نکال کر مجھے دے دیتا ہے۔'' مجھے شوق ہوا کہ میں اس کی حقیقت جانوں لہٰذا جب دوسرا دن ہوا تو میں اس نگران کے کپڑے پہن کر اس کی جگہ کھڑا ہوگیا اور اسے کہا: ''تم جاؤ! آج اس کی نگرانی میں خود کروں گا تاکہ اس بات کی

حقیقت جانوں جو تم نے مجھے بتائی تھی۔'' جب ظہر کا وقت ہوا تو اس نے مجھے اشارہ کیا کہ مجھے نماز پڑھنے دے تو میں تجھے ایک دینار دوں گا۔'' میں نے کہا: ''میں دو دینار سے کم نہیں لوں گا۔'' اس نے کہا: ''ٹھیک ہے'' میں نے اسے چھوڑ دیا اس نے نماز پڑھی جب فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور وہاں سے نئے دو دینار نکال کر مجھے دے دیئے جب عصر کا وقت ہوا تو اس نے مجھے پہلی مرتبہ کی طرح اشارہ کیا۔ میں نے اسے اشارہ کیا کہ ''میں پانچ دینار سے کم نہیں لوں گا۔'' اس نے مان لیا پھر جب مغرب کا وقت ہوا تو حسبِ معمول مجھے اشارہ کیا تو میں نے کہا: ''دس دینار سے کم نہیں لوں گا۔'' اس نے میری بات مان لی اور جب نماز سے فارغ ہوا تو زمین سے دس دینار نکال کر مجھے دے دیئے اور پھر جب عشا کی نماز کا وقت ہوا تو حسبِ عادت اس نے مجھے اشارہ کیا' میں نے کہا: ''میں بیس دینار سے کم نہیں لوں گا۔'' پھر بھی اس نے میری بات تسلیم کر لی اور نماز سے فراغت پا کر اس نے زمین سے بیس دینار نکالے اور مجھے تھما کر کہنے لگا: ''جو مانگنا ہے مانگو! میرا مولیٰ عزوجل بہت غنی اور کریم ہے' میں اس سے جو مانگوں گا' وہ بخل نہیں کرے گا۔'' میں نے وہ رات رو کر گزاری اس کا یہ معاملہ دیکھ کر مجھے بڑا دھچکا لگا اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ عزوجل کا ولی ہے' مجھ پر اس کا رعب طاری ہو گیا اور میں نے اس کو زنجیروں سے آزاد کر دیا۔

جب صبح ہوئی تو میں نے اسے بلا کر اس کی تعظیم و تکریم کی' اسے اپنا پسندیدہ لباس پہنایا۔ میں نے اسے اختیار دیا کہ وہ چاہے تو ہمارے شہر میں عزت والے مکان یا محل میں رہے اور اس کی انتہائی تعظیم و تکریم کی جائے گی اور چاہے تو اپنے شہر چلا جائے اس نے اپنے شہر جانا پسند کیا لہٰذا میں نے ایک خچر منگوایا اور زادِ راہ دے کر اسے خچر پر سوار کیا اس نے مجھے دعا دی: ''اللہ عزوجل اپنے پسندیدہ دین پر تیرا خاتمہ فرمائے۔'' اس کا یہ جملہ مکمل نہ ہوا تھا کہ میرے دل میں دینِ اسلام گھر کر گیا پھر میں نے اس کے ساتھ اپنے دس غلام اور خادم بھیجے۔ انہیں حکم دیا کہ وہ سب اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کریں اور

اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہونے دیں اور یہ کہ وہ لوگ اس کے حکم کی اطاعت کریں اور وہی کریں جو یہ پسند کرے اور اس کی مخالفت بالکل نہ کریں پھر اس کو ایک دوات اور کاغذ دیا اور ایک نشانی مقرر کر لی کہ جب وہ اپنے مقام پر محفوظ پہنچ جائے تو وہ نشانی لکھ کر میری طرف بھیج دے۔ ہمارے اور اس کے شہر کے درمیان پانچ دن کی مسافت تھی جب چھٹا دن آیا تو میرے خدام میرے پاس آئے ان کے پاس رقعہ بھی تھا جس میں اس کا خط اور وہ علامت بھی تھی۔ میں نے اپنے غلاموں سے جلدی پہنچنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ جب ہم اس کے ساتھ یہاں سے نکلے تو ہم کسی تھکاوٹ اور مشقت کے بغیر ایک گھڑی کے اندر اندر وہاں پہنچ گئے لیکن واپسی پر وہی سفر تھکاوٹ اور تکلیف کے ساتھ پانچ دنوں میں طے ہوا۔ ان کی یہ بات سنتے ہی میں نے اسی وقت پڑھا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ دِيْنَ الْاِسْلَامِ حَقٌّ ۔" پھر میں روم سے نکل کر مسلمانوں کے شہر آ گیا۔

اے میرے مولیٰ! اگر تو صرف باعمل لوگوں پر رحم فرمائے گا تو ہمارے جیسے کوتاہ کدھر جائیں گے اگر تو صرف مخلصین کی نمازیں قبول فرمائے گا تو ریاکاروں کے اعمال کون قبول کرے گا اگر تو صرف محسنین پر کرم فرمائے گا تو گناہ گار پر کون کرم کرے گا۔ اے اللہ عزوجل! ہم تجھ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں۔ اے وہ ذات جسے ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں! ہماری تمام لغزشیں معاف فرما۔ (الروض الفائق)

(۱۶۱)

موئے مبارک کی تقسیم کا ایمان افروز منظر

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے سر کے بال منڈانا چاہے تو معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا:

"یَامَعْمَرُ! أَلَدَیْكَ مُوْسیٰ؟"

"اے معمر! کیا تیرے پاس اُسترا ہے؟"

انہوں نے عرض کیا: "ہاں اے اللہ کے رسول! صلی اللہ علیہ وسلم۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سَمِّ اللّٰهَ وَاحْلِقْ رَأْسِیْ۔"

"اللہ کا نام لو اور میرا سر مونڈو۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اپنے مبارک سر کا دایاں حصہ بڑھا دیا۔ معمر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈنا شروع کیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ان سے فرمایا:

"أَفَرَأَیْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاكَ رَأْسَهٗ بَیْنَ یَدَیْكَ وَالْمُوْسیٰ فِیْ یَدَیْكَ۔"

"تم یہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے سامنے اپنا سر دیے ہوئے ہیں حالانکہ تمہارے ہاتھ میں استرا ہے۔"

معمر نے کہا: "اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم! یہ اللہ تعالیٰ کا

فضل واحسان ہے کہ میں آپ کا سر مونڈ رہا ہوں۔"

(مجمع الزوائد ۵۵۹۶ مسند احمد ۶/۴۰۰ المعجم الکبیر للطبرانی باب المیم ۲۰/۴۴۷)

جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کا آدھا حصہ منڈوالیا تو اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا: "اِقْتَسِمُوْهُ بَيْنَكُمْ."

"اسے اپنے درمیان تقسیم کرلو۔"

یہ حکم سنتے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالوں پر ٹوٹ پڑے۔ ہر ایک یہی کوشش کر رہا تھا کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال حاصل کرلے اگرچہ ایک ہی ملے بلکہ کچھ صحابہ کو تو بال کا ایک ٹکڑا ہی مل پایا۔

قارئینِ کرام! اسلام میں کہانت کا کچھ بھی حصہ نہیں اور نہ ہی شخصیت پرستی ہے اسی طرح اللہ کے سوا کسی غیر کی عبادت کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں ہے لیکن اسلام نے مسلمانوں سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بلکہ خوب خوب محبت کرنے کا تقاضہ کیا ہے جنہوں نے ہمیں کفر وضلالت کے عمیق گڑھوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف بلایا اور جن کی محبت کی میزان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت قرار دیا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

"کہہ دیجیے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابع داری کرو خود اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔" (آل عمران:۳۱)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ." (بخاری ۱۵، مسلم ۴۴)

"تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والد اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معمر سے فرمایا: "سر کے دوسرے حصہ کے بال

مونڈو۔'' معمر نے دوسرا حصہ بھی مونڈا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''ابوطلحہ انصاری کدھر ہیں؟''

ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اِقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ''۔

''اسے لوگوں میں تقسیم کردو۔'' (صحیح مسلم: ۱۳۰۵)

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ خوشی سے رو پڑے۔

طَفَحَ السُّرُوْرُ عَلَيَّ حَتّٰى اِنَّنِيْ مِنْ هَوْلِ مَا قَدْ سَرَّنِيْ أَبْكَانِيْ

''میرے اوپر خوشیوں کا جام اس قدر چھلک پڑا کہ مسرت وشادمانی کے غلبہ نے میری آنکھوں کو اشک بار کردیا۔''

یاد رہے! ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا نام زید بن سہل تھا اور ان کا تعلق انصاری قبیلہ بنونجار سے تھا۔ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سے ان کا بھائی چارہ قائم کیا۔ غزوۂ احد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے انہیں ۳۵ سے زیادہ زخم آئے۔ ان کی زوجہ مشہور صحابیہ اُم سلیم رضی اللہ عنہا تھیں جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں۔ زید بن سہل رضی اللہ عنہ نے ۳۱ھ یا ۳۴ھ میں ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ، ج:۲)

(۱۶۳)

بھیڑیوں اور بکریوں میں صلح

حضرت سیدنا عبدالواحد بن زید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''میں تین روز رات کے وقت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں یہی التجا کرتا رہا کہ وہ مجھے جنت میں میرا رفیق دکھا دے تو میں نے دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: ''اے عبدالواحد! جنت میں تیری رفیق میمونہ سوداء ہوگی۔'' میں نے دریافت کیا: ''وہ کہاں رہتی ہیں؟'' تو مجھے بتایا گیا کہ وہ کوفہ کے فلاں قبیلے میں رہتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ پھر میں کوفہ چل پڑا اس کے متعلق لوگوں سے دریافت کرنے پر انہوں نے مجھے بتایا کہ ''وہ تو دیوانی ہے اور ہماری بکریاں چراتی ہے۔'' میں نے ان سے کہا: ''میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' لوگوں نے کہا: ''آپ پہاڑ کی طرف جائیں۔'' میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ وہ اپنے سامنے ڈنڈا نصب کیے نماز میں کھڑی ہے اس پر اون کا جبہ لٹک رہا تھا جس پر لکھا تھا: ''یہ خرید فروخت کے لیے نہیں۔'' اور یہ بھی دیکھا کہ بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ مل کر چر رہی ہیں نہ تو بھیڑیے ان کو کھاتے ہیں اور نہ ہی یہ بھیڑیوں سے ڈرتی ہیں جب اس نے مجھے دیکھا تو نماز مختصر کر کے کہا: ''لوٹ جائیں اے ابن زید! آپ واپس چلے جائیں وعدے کی جگہ یہاں نہیں بلکہ وعدے کی جگہ تو جنت ہے۔'' میں نے کہا: ''اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے! آپ کو کس نے بتایا کہ میں ابن زید ہوں؟'' تو اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: ''آپ کو معلوم نہیں کہ روحیں ایک اکٹھا لشکر تھیں جو ایک دوسرے سے متعارف ہوگئیں وہ باہم محبت کرتی ہیں اور جنہوں نے ایک دوسرے کو نہ پہچانا وہ الگ رہتی ہیں۔'' پھر میں

نے اس سے کہا: ''مجھے نصیحت کرو؟'' تو اس نے کہا: ''تعجب ہے! نصیحت کرنے والے کو بھی بھلا نصیحت کی جائے گی۔ بہرحال اے ابن زید! اگر تم اپنے اعضاء پر عدل کی کسوٹی نافذ کرلو تو میں تمہیں اپنے اعضاء میں چھپے ہوئے ایک راز سے آگاہ کرتی ہوں۔ اے ابن زید! مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جس بندے کو دنیا کی کوئی شے عطا کی گئی پھر اس کو دوسری مرتبہ اس نے طلب کیا تو اللہ عزوجل اس کے ساتھ ہی خلوت کی محبت اس سے سلب کر لیتا ہے اور اس کو قرب کے بدلے جدائی اور انس کے بدلے وحشت دے دیتا ہے۔'' پھر اس نے چند اشعار کہے جن کا مفہوم یہ ہے:

''اے واعظ! تو خود نافرمان ہے اور لوگوں کو گناہوں سے روکتا اور ڈانٹتا ہے۔ حقیقت میں تو ہی بیمار و کمزور ہے کہ گناہوں کو ناپسند کرنے والے سے ان کا وقوع بڑا ہی عجیب ہے۔ اے میرے رفیق! اگر تو نے جلد ہی اپنے ان عیوب سے داغ دار ہونے سے پہلے پہلے توبہ کر لی اور اپنے رب عزوجل سے صلح کر لی تو جان لے کہ تو جو بھی کہے گا اس کا مقام و مرتبہ دِلوں میں سچا ہو گا لیکن اس وقت تیری حالت یہ ہے کہ تو دوسروں کو تو گمراہی و سرکشی سے منع کرتا ہے اور خود منع کرنے میں شک میں مبتلا ہے۔''

اشعار کہنے کے بعد جب وہ خاموش ہوئی تو میں نے اس سے استفسار کیا: ''میں ان بھیڑیوں کو بکریوں کے ساتھ دیکھ رہا ہوں کہ نہ بکریاں بھیڑیوں سے ڈرتی ہیں اور نہ ہی بھیڑیے بکریوں کو کھاتے ہیں۔'' تو اس نے کہا: ''میں نے اپنے اور اپنے مالک کے درمیان رکاوٹ دُور کر کے اس سے صلح کر لی تو اس نے بھی بھیڑیوں اور بکریوں کے درمیان رکاوٹ دُور کر کے ان کی صلح کروادی۔''

اے مسلمان! یہ صادقین کی علامات، مومنین کے فضائل و عادات، متقین کے آثار اور بزرگوں کے لگائے ہوئے باغات ہیں۔ اے وہ شخص جو نافرمانیوں کی راہ میں حیران کھڑا ہے! جان لے کہ نیکی کا راستہ بھی بہت قریب ہے اور اے وہ شخص جس کو گناہوں

نے توبہ سے روک رکھا ہے' جلدی سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لے۔ اے وہ شخص جو مسلسل نافرمانیوں میں غرق ہوتا جا رہا ہے! لوٹ آ اور جس نے تجھے اپنی طرف بلایا ہے وہ تیری پکار سن کر تجھے جواب سے نوازے گا۔

گویا تم امیدوں کو کاٹنے والی موت کے بہت قریب ہو' وہ آئے گی تو تم کیڑوں اور تاریکی کے گھروں کی طرف منتقل ہو جاؤ گے' وہ تمہیں دوستوں کی محفل سے اُچک لے گی پھر نافرمان کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن افسوس! اس وقت اسے اعمال سے خالی عمر ضائع کرنے پر ندامت نفع نہ دے گی۔

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ۝

''اس دن تم سب پیش ہو گے کہ تم میں کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی۔'' (پ۲۹' الحاقۃ: ۱۸)

اے انسان! تجھ پر افسوس ہے' کیا تجھے وعیدوں سے نہ ڈرایا گیا لیکن تو پھر بھی خوف نہیں کرتا کیا تو اس ذات سے حیا نہیں کرتا جس نے تجھے وجود بخشا اور تیری خوب صورت شکل بنائی۔ اللہ عزوجل کی قسم! تجھے تیرے چاہنے والے بھلا دیں گے اور تنگ قبر میں ڈال کر اکیلا چھوڑ دیں گے۔ (الروض)

(۱۶۳)

امیر المومنین اور سپہ سالار باہم روتے رہے

حضرت عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال قرشی فہری رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ انہوں نے جنگِ بدر و احد اور دیگر تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت فرمائی اور حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا تھا،

''ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمت (محمدیہ) کا امین ابوعبیدہ بن جراح ہے۔''

جس زمانے میں یہ ملک شام کے امیر تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے تو ان کی خستہ حالی کو دیکھ کر امیر المومنین نے فرمایا تھا:

''دنیا نے ہم سب کی حالتوں کو بدل کر رکھ دیا ہے' اے ابوعبیدہ! صرف آپ ہی اس سے محفوظ ہیں۔''

ان کی وفات طاعون کی بیماری سے عمواس میں ۱۸ھ میں ہوئی اور نمازِ جنازہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی کنجیاں حاصل کرنے کے لیے نکلے تو آپ کی دید کے لیے لوگ گھروں سے باہر نکل آئے۔ لشکر اسلامی اپنے چار سپہ سالار کی قیادت میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے جھنڈے تلے امیر المومنین کے استقبال کے لیے مقام جابیہ تک جا پہنچا۔

جب امیر المومنین وہاں پہنچے تو فرمایا: لا الٰہ الا اللہ

"اِنَّا کُنَّا اَذَلَّ قَوْمٍ فَاَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ فَمَھْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّ بِغَیْرِ مَا اَعَزَّنَا اللّٰہُ بِہٖ اَذَلَّنَا اللّٰہُ۔"

(مستدرک للحاکم: ۱/۱۳۰، الترغیب والترہیب: ۳/۳۵۱)

"ہم ایسی قوم تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے سے عزت بخشی اگر ہم نے اسلام کے علاوہ کسی اور ذریعے سے عزت چاہی تو پھر اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل ورسوا کردے گا۔"

پھر آپ نے فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ متفرق ہو جائیں اس کے بعد آپ انتہائی تواضع اور سکون کے ساتھ چلنے لگے جب امراء آپ کے قریب آئے تو آپ نے فرمایا:

"مجھ سے الگ ہو جاؤ' میرے بھائی ابوعبیدہ عامر بن جراح کدھر ہیں؟"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے معانقہ کیا اور دیر تک روتے رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے ابوعبیدہ! جب اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہم سے پوچھے گا کہ ہم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کیا کیا تو ہم کیا جواب دیں گے؟"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

"اے امیر المومنین! آئیے ہم الگ ہو کر باہم روتے ہیں تا کہ لوگ ہمیں نہ دیکھ سکیں۔"

پھر وہ دونوں راستے سے الگ ایک طرف جانے لگے' فوجیوں کی نگاہیں ان کا پیچھا کر رہی تھیں۔ نصاریٰ کے امراء ورہبان سب کے سب ان دونوں کو دیکھ رہے تھے' اتنے میں وہ دونوں ایک درخت کی آڑ میں جا کر کھڑے ہو گئے اور دیر تک روتے رہے۔ (یہ واقعہ تاریخ وسیر کی متعدد کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہے اس کا ایک حصہ مستدرک حاکم وغیرہ میں بھی ہے)

(۱۶۴)

قبر کی دل ہلا دینے والی کہانی

امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک جنازے کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے جب لوگوں نے صفیں بنالیں تو آپ سب سے پیچھے چلے گئے (وہاں ایک قبر کے پاس بیٹھ کر غور وفکر میں ڈوب گئے) آپ کے دوستوں نے استفسار کیا: ''اے امیرالمومنین! آپ تو میت کے ولی ہیں اور آپ ہی پیچھے چلے گئے۔'' کسی نے عرض کی: ''یا امیرالمومنین! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تنہا کیسے تشریف فرما ہیں؟'' فرمایا: ''ابھی ابھی ایک قبر نے مجھے پکار کر بلایا اور بولی' اے عمر بن عبدالعزیز! (رضی اللہ عنہ) مجھ سے کیوں نہیں پوچھتے کہ میں اپنے اندر آنے والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہوں؟ میں نے اس قبر سے کہا' مجھے ضرور بتا۔ وہ کہنے لگی جب کوئی میرے اندر آتا ہے تو میں اس کا کفن پھاڑ کر جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی اور اس کا گوشت کھا جاتی ہوں' کیا آپ مجھ سے یہ نہیں پوچھیں گے کہ میں اس کے جوڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہوں؟ میں نے کہا' ضرور بتا' تو کہنے لگی' ہتھیلیوں کو کلائیوں سے' گھٹنوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیوں کو قدموں سے جدا کر دیتی ہوں۔'' اتنا کہنے کے بعد حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہچکیاں لے کر رونے لگے جب کچھ افاقہ ہوا تو کچھ اس طرح عبرت کے مدنی پھول لٹانے لگے' اے مسلمانو! اس دنیا میں ہمیں بہت تھوڑا عرصہ رہنا ہے جو اس دنیا میں (سخت گناہ گار ہونے کے باوجود) صاحب اقتدار ہے وہ (آخرت میں) انتہائی ذلیل وخوار ہے جو اس جہان میں مال دار ہے وہ (آخرت میں) فقیر ہوگا

اس کا جوان بوڑھا ہو جائے گا اور جو زندہ ہے وہ مر جائے گا۔ دنیا کا تمہاری طرف آنا تمہیں دھوکہ میں نہ ڈال دے کیونکہ تم جانتے ہو کہ یہ بہت جلد رخصت ہو جاتی ہے۔ کہاں گئے تلاوتِ قرآن کرنے والے؟ کہاں گئے بیت اللہ کا حج کرنے والے؟ کہاں گئے ماہِ رمضان کے روزے رکھنے والے؟ خاک نے ان کے جسموں کا کیا حال کر دیا؟ قبر کے کیڑوں نے ان کے گوشت کا کیا انجام کر دیا؟ ان کی ہڈیوں اور جوڑوں کے ساتھ کیا ہوا؟ اللہ عزوجل کی قسم! دنیا میں یہ آرام دہ نرم نرم بستر پر ہوتے تھے لیکن اب وہ اپنے گھر والوں اور وطن کو چھوڑ کر راحت کے بعد تنگی میں ہیں' ان کی بیواؤں نے دوسرے نکاح کر کے دوبارہ گھر بسا لیے' ان کی اولاد گلیوں میں در بدر ہے' ان کے رشتہ داروں نے ان کے مکانات و میراث آپس میں بانٹ لی۔ واللہ! ان میں کچھ خوش نصیب ہیں جو قبروں میں مزے لوٹ رہے ہیں اور واللہ! بعض قبر میں عذاب میں گرفتار ہیں۔

افسوس صد ہا افسوس' اے نادان! جو آج مرتے وقت کبھی اپنے والد کی' کبھی اپنے بیٹے کی تو کبھی سگے بھائی کی آنکھیں بند کر رہا ہے' ان میں سے کسی کو نہلا رہا ہے' کسی کو کفن پہنا رہا ہے' کسی کے جنازے کو کندھے پر اُٹھا رہا ہے' کسی کے جنازے کے ساتھ جا رہا ہے' کسی کو قبر کے گڑھے میں اُتار کر دفنا رہا ہے۔ (یاد رکھ! یہ سبھی کچھ تیرے ساتھ بھی ہونے والا ہے) کاش! مجھے علم ہوتا! کون سا گال (قبر میں) پہلے خراب ہوگا'' پھر حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور روتے روتے بے ہوش ہو گئے اور ایک ہفتہ کے بعد اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

معزز قارئین! اللہ عزوجل کی قسم! تمہاری بوئی ہوئی فصل کی کٹائی کا وقت قریب آ گیا ہے' تم کب تک اس غفلت کا شکار رہو گے؟ تمہارے سامنے قیامت کی ہولناکیاں نظر آ رہی ہیں کہ جس دن باپ اپنی اولاد سے بھاگے گا' تمہیں اس وقت انتہائی افسوس ہوگا جب تمہارے اعمال کا حساب ہوگا' تم سوکھی ہوئی اس گھاس کی مانند ہو جاؤ گے جس کو ہوائیں ادھر ادھر پھینک رہی ہوتی ہیں۔ تم کب تک اس غفلت میں مبتلا رہو گے حالانکہ

توبہ کی قبولیت کا علم تو ظاہر ہو چکا ہے۔ اے خواہشات کے سمندر میں غرق ہونے والو! نجات کی کشتی پر سوار ہو جاؤ اور اپنے افعال سے برائیوں کا جڑ سے خاتمہ کردو! اپنے نفس کو ندامت کے ساحل پر ڈال دو پھر تم اللہ عزوجل کو بہت زیادہ کرم فرمانے والا پاؤ گے۔

اے مسلمانو! اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ذلت اور عاجزی کے ساتھ اپنے ہاتھ پھیلاؤ اور ہر گھڑی گریہ وزاری کرتے ہوئے پکارو اے وہ ذات جس کی نافرمانی کرنا اس کو نقصان نہیں دیتا اور نہ ہی جس کی اطاعت کرنا اس کو کوئی فائدہ دیتا ہے۔ یاارحم الراحمین! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ہماری خرابیوں کے بدلے درستی عطا فرما اور خسارے کے عوض نفع عطا فرما۔ اے وہ ذات جس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جس میں چراغ ہے! اپنی رحمت سے ہمارے معاملے میں درگزر فرما۔ (الروض)

ذکرِ خیر

(۱۶۵)

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اونٹ کی فریاد

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے پیچھے مجھے سوار کیا اور مجھ سے ایک راز کی بات کہی جسے میں کسی کو بھی نہیں بتا سکتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قضائے حاجت کے لیے کسی ٹیلے یا کھجور کے درخت کی آڑ میں چھپنا پسند تھا چنانچہ آپ ایک انصاری کے باغ میں رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ تھا' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی وہ باریک آواز میں رونے لگا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے کان کی پچھلی ہڈی پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہوگیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟"

"اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ اونٹ کس کا ہے؟"

ایک انصاری آیا اور اس نے عرض کی: یہ اونٹ میرا ہے اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"أَفَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِي هٰذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللّٰهُ إِيَّاهَا؟"

"کیا تم اس جانور کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنا دیا ہے۔"

اس نے ابھی مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو (چارہ کم دیتے ہو) اور کام زیادہ لے کر اسے تھکا دیتے ہو۔

(سنن ابی داؤد، الجھاد، باب ما یؤمر بہ من القیام علی الدواب والبھائم، حدیث: ۲۵۴۹)

(۱۶۶)

قبولیتِ حج کے عجیب واقعات

حضرت سیدنا علی بن مُوَفق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سال فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد میں مسجد خیف و منیٰ کے درمیان سو گیا' میں نے آسمان سے اُترتے دو فرشتے دیکھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا: ''اے اللہ کے بندے! کیا تو جانتا ہے کہ اس سال کتنے لوگوں نے بیت اللہ شریف کا حج کیا؟ تو اس نے کہا: ''نہیں!'' پھر پہلے نے خود ہی بتایا: ''چھ لاکھ افراد نے'' پھر اس نے پوچھا: ''کیا تو جانتا ہے کہ کتنے افراد کا حج قبول ہوا؟'' اس نے جواب دیا: ''نہیں!'' تو اس نے بتایا کہ اس بار صرف چھ افراد کا حج قبول ہوا ہے پھر وہ دونوں فضا میں پرواز کر گئے۔ میں بے دار ہوا اس حال میں کہ ڈر رہا تھا۔ میں نے کہا: ''ہائے افسوس! میں ان چھ میں سے کہاں ہوں گا؟'' جب میں نے عرفات میں وقوف کیا اور مزدلفہ میں رات گزاری تو انہی دونوں فرشتوں کو دیکھا کہ وہ حسبِ عادت آسمان سے نازل ہوئے۔ ایک نے دوسرے کو سلام کیا اور کہا: ''اے اللہ کے بندے! کیا تو جانتا ہے کہ تیرے رب عزوجل نے اس رات کیا فیصلہ فرمایا ہے؟'' اس نے کہا: ''نہیں'' تو پہلے نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان چھ مقبولین میں سے ہر ایک کی وجہ سے ایک ایک لاکھ کو بخش دیا اور تمام کا حج قبول فرمالیا ہے پھر میں بے دار ہو گیا اور مجھے اتنی خوشی تھی کہ جس کو اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ تمام حجاج کا حج قبول فرمالیا گیا اور جود و کرم سے نوازا گیا اور کسی کو بدبخت و محروم نہ کیا گیا۔

☆ ... حضرت سیدتنا رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے ننگے پاؤں پیدل بیت

اللہ شریف کا حج کیا۔ اللہ عزوجل ان کو جو بھی کھانا عطا فرماتا اس کو ایثار کر دیتیں۔ کعبہ مشرفہ پہنچتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ہوش میں آنے کے بعد اپنے رخسار کو بیت اللہ شریف پر رکھ کر عرض کی: ''یہ تیرے بندوں کی پناہ گاہ ہے اور تو ان سے محبت کرتا ہے اب تو آنکھوں میں آنسو ختم ہو گئے ہیں'' پھر طواف کیا' سعی کرنے کے بعد جب وقوف عرفہ کا ارادہ کیا تو حائضہ ہو گئیں۔ روتے ہوئے عرض گزار ہوئیں: ''اے میرے مالک و مولیٰ عزوجل! اگر یہ معاملہ تیرے غیر کی طرف سے ہوتا تو میں ضرور تیری بارگاہ میں شکایت کرتی اب جب کہ یہ سب کچھ تیری مشیت سے ہوا ہے تو اب کیسے شکایت کر سکتی ہوں؟'' پس انہوں نے ہاتفِ غیبی کو یہ کہتے سنا: ''اے رابعہ! ہم نے تیرے سبب تمام حاجیوں کا حج قبول کر لیا اور تیری اس کمی کی وجہ سے ان کے نقائص بھی پورے کر دیئے۔''

☆......حضرت سیدنا محمد بن منکدر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تینتیس حج کیے جب آخری حج کیا تو عرفات کے مقام پر عرض کی: ''یا اللہ عزوجل! تو جانتا ہے کہ میں نے عرفات میں تینتیس بار وقوف کیا۔ ایک مرتبہ اپنی طرف سے' ایک مرتبہ اپنے باپ کی طرف سے اور ایک مرتبہ اپنی ماں کی طرف سے' یارب عزوجل! میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میں نے باقی تیس اس شخص کو ہبہ کر دیئے جو یہاں عرفات میں ٹھہرا لیکن اس کا وقوفِ عرفات قبول نہ کیا گیا۔'' جب آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ عرفات سے مزدلفہ پہنچے تو خواب میں ندا دی گئی: ''اے ابن منکدر! کیا تو اس پر کرم کرتا ہے جس نے کرم پیدا کیا؟ کیا تو اس پر سخاوت کرتا ہے جس نے سخاوت کو پیدا کیا؟ حالانکہ اللہ عزوجل تو تجھ سے فرماتا ہے: ''مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! میں نے وقوفِ عرفات کرنے والوں کو عرفات پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ہی بخش دیا تھا۔'' (الروض)

(۱٦۷)

شراب اور اس کی تباہ کاریوں پر مشتمل واقعات

اُم الخبائث شراب کی تباہ کاریوں کی ایک مثال پچھلے پندرہ برسوں میں روسیوں کی شرح اموات میں غیر معمولی اضافہ ہے جو جون ۲۰۰۵ء تک ۱٦۰۔ اموات فی ہزار تک پہنچ گیا۔ اموات میں اضافے کا ایک بڑا سبب روسی شراب ''وڈکا'' بتائی گئی ہے۔ ماسکو ٹائمز کے مطابق ''ماسکو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف سائیکیٹری'' کے محقق الیگزینڈر نیمٹسوف کہتے ہیں کہ روس کے سابق سربراہ گورباچوف نے ۸۷-۱۹۸۴ء میں شراب نوشی کے خلاف مہم چلائی تو روسیوں کی شرح اموات میں بارہ فیصد کمی ہو گئی تھی۔ نیمٹسوف کے بقول ''ہر سال چالیس ہزار سے زیادہ روسی شراب نوشی کی سمیت (زہر) سے مرتے ہیں اور روسی اموات (ساتھ لاکھ سالانہ اوسطاً) کا ایک تہائی شراب نوشی کا براہِ راست یا بالواسطہ نتیجہ ہے۔'' دلچسپ بات یہ ہے کہ روس کی غریب ترین مسلم اکثریتی ریاستوں انگوشیتیا اور داغستان میں شرح اموات سب سے کم ہے۔ (ڈیلی نیشن ۱٦ جولائی ۲۰۰۵ء)

شراب نوشی ایک ایسی بُری اور گھناؤنی عادت ہے جو شراب پینے والے کو گناہوں کے ارتکاب پر جری بنا دیتی ہے اور ہلاکت خیز گناہوں کا ارتکاب اس پر آسان ہو جاتا ہے بلکہ شراب کے عادی افراد اس قدر بے غیرت ہوتے ہیں کہ نشے کی حالت میں وہ خود اپنی ہی محرم عورتوں پر دست درازیاں کر بیٹھتے ہیں جن کی مثالیں ہر اس سوسائٹی میں دیکھی جا سکتی ہیں جہاں شراب نوشوں کی کثرت ہے۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے:

وَکُلُّ اُنَاسٍ یَحْفَظُوْنَ حَرِیْمَھُمْ وَلَیْسَ لِاَصْحَابِ النَّبِیْذِ حَرِیْمُ

"ہر آدمی اپنی محرم خواتین کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے لیکن شراب نوشوں کی کوئی محرم نہیں (جس پر موقع ملے بلا جھجک دست درازی کر بیٹھتے ہیں۔)"

فَاِنْ قُلْتُ هٰذَا لَمْ أَقُلْ عَنْ جِهَالَةٍ وَلٰكِنَّنِيْ بِالْفَاسِقِيْنَ عَلِيْمُ

"میں نے جو یہ کہا ہے کوئی لاعلمی یا جہالت کی بنیاد پر لب کشائی نہیں کی ہے بلکہ میں ان فاسق شرابیوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہوں (جنہوں نے اپنی ہی محرم خواتین کی عفت و عصمت کی چادر کو پھاڑ ڈالا۔")

☆ زمانہ جاہلیت میں اپنے اوپر شراب حرام کرنے والوں میں ایک نام قیس بن عاصم کا آتا ہے جنہوں نے شراب سے مدہوش ہو کر ایک رات خود اپنی ہی بیٹی پر دست درازی کی کوشش کی' ان کی بیٹی بھاگ کھڑی ہوئی۔ صبح کو جب انہیں رات کی کارستانی کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر لی۔

(موسوعہ نضرۃ النعیم ۱۰-۷۰۲۷ تہذیب الکمال للحافظ المزی ۲۴-۶۳)

اور پھر اس نے یہ اشعار پڑھے

فَوَاللّٰهِ لَا أَشْرَبُهَا صَحِيْحًا وَلَا أَشْفِيْ بِهَا أَبَدًا سَقِيْمًا

وَلَا أُعْطِيْ لَهَا ثَمَنًا حَيَاتِيْ وَلَا أَدْعُوْ لَهَا أَبَدًا نَدِيْمًا

فَاِنَّ الْخَمْرَ تَفْضَحُ شَارِبِيْهَا وَتَجْنِيْهِمْ بِهَا الْأَمْرَ الْعَظِيْمَا

"اللہ کی قسم! آئندہ میں نہ حالت صحت میں شراب پیوں گا' نہ کسی بیمار کا اس سے علاج کروں گا' نہ زندگی بھر شراب خانہ خراب پر کوئی پیسہ خرچ کروں گا' نہ کسی دوست کو اس کے پینے کی دعوت دوں گا' یہ بدبخت پینے والوں کو رسوائی سے دوچار کر دیتی ہے اور انہیں ہولناک گناہوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔"

اس لیے شراب کو "اُم الخبائث" (تمام برائیوں کی ماں) کا نام دیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان یہ بات چھڑ گئی کہ کونسا گناہ سب سے بڑا ہے؟ ان کے پاس اس سلسلے میں کوئی تشفی بخش جواب نہیں تھا چنانچہ انہوں نے مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں اس بارے میں پوچھنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ سب سے بڑا گناہ شراب نوشی ہے۔ میں نے واپس آ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس جواب سے آگاہ کیا لیکن انہوں نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور سب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا:

"بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے ایک آدمی کو گرفتار کیا۔ بادشاہ نے اس آدمی کو تین باتوں کا اختیار دیا' بصورتِ دیگر اسے قتل کر دیا جائے گا۔ شراب پیئے یا ایک بچے کو قتل کرے یا سور کا گوشت کھائے اس آدمی نے شراب نوشی کو اختیار کیا جب اس نے شراب نوشی کر لی تو پھر اس نے ان سارے گناہوں کا بھی یکے بعد دیگرے ارتکاب کیا۔" (مجمع الزوائد ۵/۷۰)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّھَا اُمُّ الْخَبَائِثِ."

"شراب پینے سے بچو کیونکہ یہ تمام گناہوں کی ماں (اصل' جڑ) ہے۔"

☆ گزشتہ زمانے میں ایک بدکار عورت ایک عابد و زاہد کے عشق میں گرفتار ہو گئی اس نے اپنی لونڈی کو اس عابد کو بلانے کے لیے یہ کہہ کر بھیجا کہ ہم آپ کو گواہی کے لیے بلا رہے ہیں۔ وہ عابد لونڈی کے ساتھ آیا جس جس دروازے سے وہ عابد داخل ہوتا گیا' وہ لونڈی ان دروازوں کو بند کرتی گئی یہاں تک کہ وہ ان حسین و جمیل عورت کے پاس پہنچ گیا۔ عورت کے پاس ایک بچہ تھا اور ایک شراب کا برتن بھی رکھا ہوا تھا اس نے عابد سے

کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے کسی گواہی کے لیے آپ کو نہیں بلایا ہے بلکہ میرے بلانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ مجھ سے زنا کاری کریں اگر یہ نہیں کر سکتے تو ایک گلاس شراب کا پئیں اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس بچے کو قتل کر ڈالیں۔ عابد نے کہا مجھے اس شراب ہی سے ایک گلاس پلا دو (تاکہ میں اور گناہوں سے بچ جاؤں) چنانچہ اس نے عابد کو ایک جام پلا دیا۔ ایک جام پینے کے بعد عابد نے دوسرے کا بھی تقاضہ کیا یہاں تک کہ جب مدہوش ہو گیا تو اس بدکار عورت سے منہ کالا کیا اور بچہ بھی قتل کر ڈالا لہٰذا تم لوگ شراب سے کوسوں دُور رہو کیونکہ ایمان اور شراب نوشی جب کسی میں اکٹھے ہوں تو ان میں سے ایک چیز دوسرے کو نکال باہر کرتی ہے۔'' (سنن نسائی حدیث ۵۶۶۹)

غرض شراب تمام بُرائیوں کی جڑ ہے اسی لیے شریعتِ اسلامیہ نے شراب نوشی کرنے والوں کے لیے سزا مقرر کی ہے اور آخرت میں بھی انہیں جہنمیوں کی پیپ پلائی جائے گی جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَّاِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ عَهْدًا لِّمَنْ يَّشْرَبُ الْمُسْكِرَ اَنْ يَّسْقِيَهُ مِنْ طِيْنَةِ الْخَبَالِ۔''

''ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے شرابی سے عہد کر رکھا ہے کہ وہ اسے طینۃ الخبال سے پلائے گا۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

یہ طینۃ الخبال کیا ہے؟ اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عُصَارَةُ اَهْلِ النَّارِ۔''

''دوزخیوں کی پیپ۔'' (صحیح مسلم ۲۰۰۲)

(۱۶۸)

وسیلۂ اولیاء ذریعۂ شفاء

حضرت سیدنا یحییٰ بن جلاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اپنے والد محترم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ فرماتے سنا: ''میں حضرت سیدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس حاضر تھا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر ان سے عرض کی: ''اے ابو محفوظ! (یہ آپ کی کنیت ہے) میں نے اس رات عجیب چیز دیکھی۔'' انہوں نے دریافت فرمایا: ''کیا دیکھا؟'' عرض کی: ''میرے گھر والوں کو مچھلی کھانے کی خواہش ہوئی' میں بازار گیا اور مچھلی خرید کر ایک مزدور بچے کو ساتھ لیا کہ وہ مچھلی اُٹھا کر گھر تک میرے ساتھ چلے۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ چل پڑا' راستے میں جب اس نے ظہر کی اذان سنی تو مجھے کہا: ''اے محترم! کیا آپ نماز نہیں پڑھیں گے؟'' گویا اس نے اچانک مجھے غفلت سے بیدار کر دیا ہو۔ میں نے کہا' ہاں! ہاں! کیوں نہیں! ضرور پڑھیں گے۔'' اس نے مچھلی والا برتن مسجد کے دروازے پر رکھا اور مسجد میں داخل ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا: ''اس بچے نے طشت کو نماز پر قربان کر دیا تو کیا میں مچھلی قربان نہیں کر سکتا۔'' بہر حال وہ نماز پڑھتا رہا یہاں تک کہ اقامت کہی گئی اور ہم نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور نماز کے بعد چند رکعتیں بھی ادا کیں جب باہر نکلے تو دیکھا کہ طشت اپنی جگہ موجود تھا۔ میں نے گھر آ کر یہ واقعہ گھر والوں کو سنایا تو وہ کہنے لگے: ''اس بچے کو ہمارے ساتھ مچھلی کھانے کی دعوت دیں۔'' جب میں نے اسے دعوت دی تو اس نے کہا: ''میں روزے سے ہوں۔'' میں نے اس سے کہا: ''پھر تم ہمارے ہاں روزہ افطار کرو۔'' اس نے کہا: ''مجھے آپ کی

دعوت قبول ہے اب مجھے مسجد کا راستہ دِکھا دیجیے۔'' میں نے اسے راستہ دِکھایا تو وہ مسجد میں جا کر بیٹھ گیا جب ہم نے نمازِ مغرب ادا کر لی تو میں نے اسے کہا: ''اب ہمارے گھر چلئے۔'' اس نے جواب دیا: ''نمازِ عشا پڑھ کر چلیں گے۔'' نمازِ عشا پڑھنے کے بعد میں اس کو اپنے گھر لے آیا جس میں تین کمرے تھے۔ ایک میرا اور میرے بچوں کی امی کا تھا' دوسرے میں ہماری بیس سال سے معذور لڑکی رہتی تھی اور تیسرے میں ہمارا مہمان تھا۔ رات کے آخری حصے میں میں اپنی بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا: ''کون ہے؟'' تو باہر سے آواز آئی: ''میں آپ کی فلاں بیٹی ہوں۔'' میں نے کہا: ''وہ تو بیس سال سے معذور ہے اور گھر میں پڑا ہوا محض گوشت کا ایک ٹکڑا ہے' وہ کیسے سیدھی ہو کر چل سکتی ہے؟'' یہ سن کر وہ کہنے لگی: ''میں آپ کی وہی بیٹی ہوں' آپ دروازہ کھولیں۔'' جب میں نے دروازہ کھول کر دیکھا تو بالکل سیدھی کھڑی تھی۔ ہم نے اس سے کہا: ''ہمیں بتاؤ کہ تم کیسے شفایاب ہوئی ہو؟'' تو اس نے بتایا کہ: ''میں نے آپ کو اپنے اس مہمان کا بھلائی کے ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے سنا تو میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس کا وسیلہ پیش کروں کہ وہ میری تکلیف دُور کر دے لہٰذا میں نے عرض کی: ''یا اللہ عزوجل! تیری بارگاہ میں ہمارے اس مہمان کی عظمت کا صدقہ! میری تکلیف دُور فرما اور مجھے عافیت عطا فرما۔'' یہ دعا کرتے ہی میں سیدھی کھڑی ہو گئی جیسا کہ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔'' اس کی یہ بات سن کر میں اپنے مہمان کی طرف گیا تو گھر میں اس کو نہ پایا' دروازے پر آیا تو اس کو بھی بند پایا۔'' یہ سارا واقعہ سماعت فرمانے کے بعد حضرت سیدنا معروف کرخی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! واقعی اولیاء کرام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں چھوٹے بڑے بھی ہوتے ہیں (اور یہ بھی انہیں میں سے تھے)۔'' (الروض)

سبحان اللہ عزوجل! کیا شان ہے ان لوگوں کی جنہوں نے محبت الٰہی عزوجل کی وجہ سے عبادت کی نہ کہ جنت کے لیے اور وہ خدا کو پانے کے لیے اس کی بارگاہ میں حاضر

رہے نہ کہ بخشش کے لیے۔ پس وہی لوگ معرفت کے نور سے اس کا دیدار کرتے ہیں' شوق کے پروں سے اس کی طرف اُڑتے ہیں اور سحری کے وقت اس کی مناجات سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

''سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔''

(پ ۱۱، یونس: ۶۲)

(۱۶۹)

حفاظ کرام کی عزت وتکریم کا ایک منظر

مسجد حرام میں مال کا ڈھیر لگا ہوا ہے' بہت سارے کپڑوں کے تھان رکھے ہوئے ہیں۔ حجاج کرام کی نظریں جب اس مال کے ڈھیر اور کپڑوں کے تھانوں پر پڑتیں' ان کے ذہن ودماغ میں ایک سوال اُبھرتا:

''آخر یہ مال کس وجہ سے بکھرا پڑا ہے؟ اس کا مالک کون ہے؟ اور اس کا سبب کیا ہے؟''

یہ ۴۲ ہجری کی بات ہے اس سال کے حجاج میں ابوربیع بھی تشریف لائے ہیں۔ وہ بھی یہ مال دیکھتے ہیں اور اردگرد کے لوگوں سے سوال کرتے ہیں:

''مَا هٰذَا۔'' ''یہ سب کیا ہے؟''

جواب ملتا ہے:

''اس کا مالک ایک خراسانی ہے اس کا نام علی زرّاد ہے' وہ ایک نہایت مالدار وصاحبِ ثروت انسان ہے' فیاضی اور سخاوت اس کی سرشت میں داخل ہے۔ گزشتہ سال اس نے ایک ثقہ آدمی کو کپڑے اور مال دے کر مکہ بھیجا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ قریشیوں میں سے جو کوئی بھی حافظِ قرآن ہو یہ ان پر تقسیم کردینا۔ چنانچہ وہ آدمی علی زراد کا دیا ہوا مال اور کپڑے کے تھان لے کر گزشتہ سال مکہ مکرمہ آیا تھا اس نے حکم کے مطابق اعلان عام کرادیا کہ قریش کے جن جن لوگوں کو قرآن پاک یاد ہے وہ تشریف لائیں اور اپنے

حصے کا مال اور کپڑا لے جائیں لیکن سوئے اتفاق کہ قریش میں ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں تھا جس کو پورا کلام اللہ یاد ہو ہاں بنو ہاشم کا صرف ایک آدمی تھا جس کو قرآن پاک یاد تھا۔ چنانچہ اس ہاشمی کو بہت سارا مال اور کپڑا دے کر علی زراد کا آدمی مکہ مکرمہ سے چلا گیا جو مال اور کپڑے بچ گئے انہیں لے جا کر علی زراد کی خدمت میں ڈال دیا اس سال بھی علی زراد کا وہی نمائندہ بہت ساری رقم اور کپڑوں کا گٹھر لے کر حاضر ہوا ہے مگر امسال کا منظر بڑا خوش کن ہے کیونکہ مکہ کے بہت سے افراد قرآن پاک حفظ کر چکے ہیں اور تمام کے تمام علی زراد کے بھیجے ہوئے مال اور کپڑوں کا ہدیہ قبول کر چکے ہیں اس سال صورتِ حال یہ ہے کہ ایلچی جو مال و متاع لے کر آیا ہوا تھا قریشیوں میں تقسیم کر چکا ہے اس کا سارا مال اور سامان ختم ہو چکا ہے مگر ابھی کافی حفاظ باقی ہیں جن کو اس مال میں سے کچھ نہیں ملا اور وہ لوگ اس نمائندہ سے اپنا حصہ طلب کر رہے ہیں۔" (اخبار الاذکیاء ابن جوزی ص ۱۳۸)

(۱۷۰)

متوکلین کا حال

حضرت سیدنا ابو عامر واعظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں ایک پہاڑ میں چل رہا تھا کہ میں نے ایک زخمی دل والے کی چیخ و پکار سنی جو کہہ رہا تھا: ''اے بیابانوں میں حیرت زدوں کی رہنمائی فرمانے والے! اے خلوتوں میں وحشت محسوس کرنے والوں کی وحشت دُور کرنے والے! جب بہادروں کو توانائی کی تلاش ہوتی ہے' میں تجھ سے توانائی کا سوال کرتا ہوں اور جب جاہل فخر و ناز کرتے ہیں تو میں تجھ سے فخر طلب کرتا ہوں۔'' آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جلدی سے اس طرف بڑھا اور اس شخص کو جا کر سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا: ''اس رات کی تاریکی میں آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جانا چاہتے ہیں؟'' میں نے کہا: ''سیدھی راہ سے بھٹکا ہوا ہوں' میں نے آپ سے ایسا کلام سنا ہے کہ جس نے میرے دل کے زخموں کو تازہ کر دیا ہے اور وجد و غم کو حرکت دے دی ہے۔'' یہ سن کر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آنے کے بعد رونے لگا۔ میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا: ''میں تمناؤں اور فانی زندگی میں وقت ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔'' پھر وہ منہ پھیر کر چل دیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ ایک وادی میں جھک کر بیٹھنے کے بعد وہ دوبارہ رونے لگا تو میں نے کہا: ''اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے' مجھے بھی راستہ دِکھایئے۔'' تو اس کی آہ و بکا میں زیادتی ہو گئی اور کہنے لگا: ''افسوس ہے تجھ پر! کہاں ہے راستہ؟ کہاں ہیں دائیں طرف والے اور کہاں ہیں اعلیٰ علیین کے مراتب؟''

پھر اس نے میرے ہاتھ پر ضرب لگائی اور آگے لے گیا تو اچانک ہم ایک وادی کے کنارے پر پہنچ گئے۔

میں نے کہا: "فجر طلوع ہوگئی ہے اور ہمیں وضو کرنا ہے۔" تو اس نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا جس سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا اور مجھے کہا: "لیجیے وضو کر لیجیے۔" ہم دونوں نے وضو کیا پھر اس نے اذان و اقامت کہی اور ہم نے نماز پڑھی جب سلام پھیرا تو اس نے کہا: "اللہ عزوجل کے بندے! تم سلامت رہو اب جدائی کا وقت آ گیا ہے۔" میں نے کہا: "اس ذات کی قسم! جس نے آپ کے لیے اپنی بارگاہ تک رسائی آسان فرما دی ہے! میرے لیے دعا فرمائیں۔" پھر میں نے اپنے توشہ دان کی طرف اشارہ کیا تو اس نے پوچھا: "کیا آپ بھوک سے ہیں؟" میں نے کہا: "جی ہاں!" تو اس نے کہا: "غذا طلب کر کے آپ نے اپنے دل کو کائنات میں غور و فکر سے غافل کر دیا ہے اگر آپ یقین کا ذائقہ چکھ لیتے اور متقین کے لیے اللہ عزوجل کی تیار کی گئی نعمتیں ملاحظہ کر لیتے تو آپ کا خشوع ہمیشہ رہتا اور آپ کی بھوک ختم ہو جاتی۔" پھر اس نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا تو یکایک گرم گرم روٹی برآمد ہوئی گویا کہ آگ سے نکلی ہو اور اس نے مجھ سے کہا: "کھایئے" میں نے حیران ہو کر اسے کھایا اور دل میں اس کے متعلق پوچھنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ وہ خود ہی کہنے لگا: "اے نوجوان! بے شک اللہ عزوجل کے ایسے بندے بھی ہیں جنہوں نے سچے دل سے خواہشاتِ نفسانیہ کو ترک کیا تو اب پوری کائنات زندگی و موت میں ان کی خدمت کرتی ہے۔" اس کے بعد اچانک وہ میرے پاس سے غائب ہو گیا پھر میں اس کو نہ دیکھ سکا۔ (الروض الفائق)

سبحان اللہ عزوجل! کیا خوب ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے دل میں محبوبِ حقیقی کے علاوہ کسی کے لیے کوئی جگہ نہ چھوڑی۔

اللہ عزوجل کی ان پر رحمت ہو اور ان کے صدقے ہماری مغفرت ہو۔ امین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۷۱)

مرنے والے کو تلقین کا انوکھا انداز

محدث ابن زرعہ کا پورا نام عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید ہے' اپنے وقت کے امام اور سید الحفاظ تھے۔ ان کی ولادت ۲۰۰ھ کے بعد ہوئی۔ صغرسنی میں انہوں نے علم حاصل کرنا شروع کیا اور اس کے لیے کئی اسلامی ممالک کا سفر کیا۔ یونس بن عبدالاعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے تواضع میں ابوزرعہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ بلا کے ذہین تھے' لاکھوں احادیث انہیں ازبر تھیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول انہیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ابن ابی شیبہ کہتے ہیں کہ میں نے حفظ میں ابوزرعہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کا رنگ گندمی اور داڑھی سیاہ تھی اور نحیف تھے۔ وہ پنیر کھاتے تھے نہ سرکہ نوش فرمایا کرتے تھے۔ انہوں نے ۲۶۴ھ میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء ج:۱۳)

علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محدث ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ان پر غشی طاری ہوگئی تو ان کے شاگردوں نے اس حالت میں انہیں کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنی چاہی مگر وہ شرم کے مارے اپنے استاذ سے یہ نہیں کہہ سکے کیونکہ ابوزرعہ بہت بڑے محدث' شیخ الاسلام اور مسلمانوں کے امام تھے۔

شاگردوں نے باہمی مشورے سے کہا کہ ہم حدیث ''لا الہ الا اللہ'' کی سند کے متعلق گفت وشنید کریں کیونکہ جب ہم سند کے متعلق گفتگو کریں گے تو استاذ محترم کو متن کی یاددہانی ہو جائے گی چونکہ یہ محدث ہیں اور محدثین کے سامنے جب سند کا ذکر ہوتا ہے تو متن خود بخود ان کے ذہن و دماغ میں گردش کرنے لگتا ہے لیکن سارے ہی شاگرد موت

کے اس عظیم حادثے کی ہولناکی میں حدیث کی سند یکسر بھول گئے چنانچہ ایک شاگرد نے کہنا شروع کیا: "حَدَّثَنَا فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ"۔

"ہم سے فلاں نے اور فلاں نے فلاں سے حدیث بیان کی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ شاگرد خاموش ہو رہا۔

دوسرے شاگرد نے کہا: "حَدَّثَنَا فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ عَنْ فُلَانٍ"۔

"اور پھر اس کے بعد چپ ہو گیا۔

امام ابوزرعہ نے کہا: "حَدَّثَنَا فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ"۔

اور اس کے بعد پوری سند بیان کی اور فرمایا: "حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ"۔

"جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔"

(سنن ابی داود ۳۱۱۶)

پھر ابوزرعہ کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے ۶۴ سال کی عمر پائی۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۷۶-۷۷)

(۱۷۲)

ایک عارف کی عارفانہ گفتگو

حضرت سیدنا ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: ''ایک دفعہ میں ایک پہاڑ میں گھوم پھر رہا تھا جب میں ایک ایسی وادی سے گزرا جس میں بہت سے درخت' نباتات اور پھل تھے تو میں اللہ عزوجل کی قدرت اور حسنِ کاریگری کے بارے میں غوروفکر کرنے لگا۔ اچانک مجھے ایک آواز سنائی دی جس نے میرے سب آنسوؤں کو بہا دیا اور میری آتشِ عشق بھڑک اُٹھی۔ چنانچہ میں اس آواز کے پیچھے پہاڑ کے نچلے حصے میں ایک غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ وہ کلام غار کے اندر سے سنائی دے رہا تھا۔ میں اندر گیا تو وہاں ایک عبادت گزار شخص کو پایا جو نہایت ہی کمزور تھا اور اس پر مقبولیت کے آثار نمایاں تھے' میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''پاک ہے وہ ذات جس نے عشاق کے دِلوں کو اپنی بارگاہ میں مناجات کے ذریعے زندہ کیا اور ان کو طلبِ معاش کی مشقت سے بے نیاز کر دیا اب وہ صرف اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس نے انہیں اپنی محبت کے لیے چن لیا تو اب وہ بھی صرف اسی کے مشتاق ہیں۔'' جب اس نے مجھے محسوس کیا تو میں نے کہا: ''السلام علیک! اے غموں کے رفیق اور دُکھوں کے ہم نشین!'' تو اس نے جواب دیا: ''وعلیک السلام! آپ کو کس نے اس شخص کا راستہ دِکھایا جسے خوفِ الٰہی نے مخلوق سے علیحدہ کر رکھا ہے اور جو اپنے نفس کے محاسبہ کی وجہ سے کلام میں فصاحت سے غافل ہے؟'' تو میں نے کہا: ''مجھے غوروفکر کی رغبت اور پُراسرار اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے بارے میں جاننے کی خواہش آپ کے پاس لائی ہے۔'' تو اس نے کہا: ''اے نوجوان

بے شک اللہ عزوجل کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ جن کے دلوں میں ان کی اپنے محبوبِ حقیقی سے انتہائی محبت اثر انداز ہوتی ہے تو اس کے ساتھ شدید محبت کی بناء پر ان کی ارواحِ عالمِ ملکوت میں سیر کرتی ہیں اور اللہ عزوجل کے جمع شدہ خزانوں کو دیکھتی ہیں تو ذاتِ باری تعالیٰ ان کو اپنے جمال کا مشاہدہ کراتی ہے اور وہ اس کو اس طرح دیکھتے ہیں کہ ان کے دل اس کی محبت میں آباد ہوتے ہیں اور ان کی ارواح اس سے ملاقات کے لیے اُڑتی رہتی ہیں، وہ دنیا و آخرت کے بادشاہ ہیں۔'' پھر اس شخص نے رونا شروع کر دیا اور دعا کی: ''یا اللہ عزوجل! ان اولیائے کرام جیسے اعمال کی مجھے بھی توفیق دے اور مجھے بھی ان کے ساتھ ملا دے۔'' پھر اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور زمین پر تشریف لے آیا اور اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

اللہ عزوجل کی قسم! یہ خائفین کی صفات اور عارفین کی علامات ہیں۔

(الروض الفائق)

(۱۷۳)

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر

اس کا شمار کم عمر صحابہ میں ہوتا تھا' وہ ایک آزاد کردہ غلام تھا' نہایت ذہین وفطین تھا' خوش آوازی نے اسے اور زیادہ اہم بنا دیا تھا۔ یہ نوجوان قرآن پاک کا حافظ اور قاری تھا' تلاوت اتنے خوب صورت انداز میں کرتا کہ سننے والے دَم بخود رہ جاتے اس کے ساتھ ساتھ وہ عالمِ دین بھی تھا۔ اسلامی قانون وراثت میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ وراثت کے معاملات اور جھگڑوں میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے آقا نافع بن عبدالحارث کو مکہ کا والی مقرر کر رکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ مکہ مکرمہ کے علاقے کے دورے پر تھے۔ عسفان نامی جگہ جو مکہ کے قریب وجوار میں واقع ایک وادی ہے وہاں پر نافع اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوتی ہے اس واقعہ کے راوی عامر بن واثلہ ہیں' وہ فرماتے ہیں: ''ملاقات کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع سے پوچھ لیا:

''مَنِ اسْتَعْمَلْتَ عَلٰی اَھْلِ الْوَادِیْ ۔؟''

''تم نے اہلِ وادی یعنی مکہ والوں پر اپنی عدم موجودگی میں حاکم کسے مقرر کیا ہے؟'' حضرت نافع نے عرض کی:

''ابْنَ اَبْزٰی ۔''

''ابن ابزی کو متعین کر کے آیا ہوں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

''فَاسْتَخْلَفْتَ عَلَيْهِمْ مَوْلًی ؟''

''اہلِ مکہ کو ایک آزاد کردہ غلام کے سپرد کر آئے ہو؟''

حضرت نافع نے عرض کی:

''اِنَّهُ قَارِیءٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاِنَّهُ عَالِمٌ بِالْفَرَائِضِ ۔''

''وہ قرآنِ کریم کے قاری اور اسلامی قانون وراثت کے ماہر ہیں۔''

جواب بڑا معقول اور مناسب تھا۔ قرآن پاک کا حافظ' قاری اور عالمِ دین ہونا بہت بڑی اہلیت ہے لیکن ایک غلام کا ایک نہایت اہم عہدہ پر فائز ہونا ایک غیر معمولی کامیابی تھی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بات کو سراہتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرما دی۔ اس حدیث پر غور فرمائیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ ارشاد ہوا:

''اَمَا اِنَّ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَّيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ ۔''

''آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ اس قرآن پاک سے تعلق کی بدولت بعض لوگوں کو عروج عطا فرمائے گا اور بعض کو قرآن سے تعلق چھوٹ جانے کے باعث ذلت و پستی میں گرا دے گا۔''

(صحیح مسلم صلوٰۃ المسافرین ص ۸۱۷)

وہ ایک غلام تھا نہ جاہ نہ مال نہ حسب نہ نسب' نہ ہی معاشرہ میں کوئی خاص مقام اور مرتبہ مگر قرآن پاک کی بدولت اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمٰن بن ابزی خزاعی کو یہ مقام عطا فرمایا کہ اہلِ مکہ پر ان کو گورنر متعین کیا گیا۔ ان کا مقام اور مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں یہ تھا کہ انہوں نے اپنے عہد خلافت میں انہیں خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ علامہ اقبال نے بلاشبہ سچ فرمایا ہے

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

(۱۷۴)

سمندر پر چلنے والا شخص

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن ازدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''میں بیروت کے ساحل پر چلتے ہوئے سمندر پر بیٹھے ایک شخص کے پاس سے گزرا جس کی دونوں ٹانگیں پانی میں تھیں اور وہ کہہ رہا تھا: ''پاک ہے وہ ذات جس کا عرش آسمان میں اور حکم زمین پر ہے' پاک ہے وہ ذات جس کی قدرت ہوا میں اور حکومت سمندر پر ہے۔'' پھر وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے اس سے دریافت کیا: ''کیا ہوا' آپ اکیلے کیوں بیٹھے ہیں؟'' تو وہ کہنے لگا: ''اللہ عزوجل سے ڈرو اور حق کے سوا کچھ نہ کہو جب سے میں پیدا ہوا ہوں کبھی بھی اکیلا نہیں رہا۔ بے شک میں جہاں بھی رہوں میرا خدا عزوجل میرے ساتھ ہوتا ہے اور دو فرشتے میری حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کہاں رہتے ہیں؟'' جواب دیا: ''میرا کوئی معروف مقام نہیں نہ ہی کوئی مخصوص ٹھکانہ ہے۔'' میں نے عرض کی: ''کہاں سے کھاتے ہو؟'' تو اس نے کہا: ''جب مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو میں اپنے رب عزوجل کی بارگاہِ خاص میں اپنے دل سے سوال کرتا ہوں' صرف زبان سے دعا نہیں کرتا تو وہ میری حاجت پوری کر دیتا ہے۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کو یہ مرتبہ کیسے ملا؟'' تو اس نے جواب دیا: ''اس ذات عزوجل پر صدق' توکل اور لوگوں کو چھوڑ کر اسی کی طرف التجا کے ذریعے۔'' میں نے عرض کی: ''میرے لیے دعا فرمائیں۔'' تو اس نے کہا: ''میں اس میدان کا شہسوار نہیں بلکہ آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔'' تو میں نے کہا: ''مجھے کوئی تاکیدی حکم فرما دیں۔'' اس نے کہا: ''اس ذات کے دروازے پر

ذلت کا اظہار کرتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ اور اس کی بارگاہ سے نہ ہٹو وہ آپ کو اپنے محبوب بندوں کا قرب عطا فرمادے گا۔'' پھر وہ شخص سمندر پر چلتے ہوئے میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

معزز قارئین! بادِ نسیم کے الفاظ کو سوائے محب کے کوئی سمجھ نہیں سکتا اور بجلیوں کی گفتگو سوائے عشاق کے کسی کو خوش نہیں کر سکتی۔ اللہ عزوجل کی قسم! یہ لوگ دارِ مناجات میں محبوب کی بارگاہ میں تنہائی اختیار کرتے ہیں تو ان کو وصال کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے اور ان کو معاملہ کی خوشبو اور انتہائی مہنگی غالیہ (مشک، عنبر اور کافور سے بنی ہوئی ایک مرکب خوشبو) سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل قرآن پاک میں اولیائے کرام کی شان بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

''وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۔''

''اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدے اور قیام میں۔''

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر خزائن العرفان میں اس آیتِ مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں: ''یعنی نماز اور عبادت میں شب بے داری کرتے ہیں اور رات اپنے رب کی عبادت میں گزارتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کرم سے تھوڑی عبادت والوں کو بھی شب بے داری کا ثواب عطا فرماتا ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ: ''جس کسی نے بعد نماز عشاء دو رکعت یا زیادہ نفل پڑھے وہ شب بے داری کرنے والوں میں داخل ہے۔'' مسلم شریف میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: ''جس نے عشاء کی نماز با جماعت ادا کی اس نے نصف شب کے قیام کا ثواب پایا اور جس نے فجر بھی با جماعت ادا کی وہ تمام شب کے عبادت کرنے والے کی مثل ہے۔'' (الروض الفائق)

(۱۷۵)

یارِ غارِ مصطفیٰ سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

ابوبکر صدیق بن ابوقحافہ! یعنی عبداللہ بن عثمان القرشی التیمی ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اوّل بلافصل بالتحقیق ہیں۔ آپ نے بعثتِ نبوی سے قبل بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اختیار کی تھی اور بعد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ مردوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا۔ مؤرخ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا:

"مَا دَعَوْتُ أَحَدًا اِلَى الْإِسْلَامِ اِلَّا كَانَتْ عِنْدَهٗ كَبْوَةٌ وَّتَرَدُّدٌ وَّنَظَرٌ اِلَّا اَبَابَكْرٍ، مَا عَكَمَ عَنْهُ حِيْنَ ذَكَرْتُهٗ وَلَا تَرَدَّدَ فِيْهِ۔"

"میں نے ابوبکر کے علاوہ جس کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی اسے تھوڑی دیر کے لیے توقف وتردد ہوا صرف ابوبکر ہی ہیں جن کو میری دعوت پر ذرا بھی توقف وتردد نہیں ہوا۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ غارِ ثور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے ساتھی تھے جن کا تذکرہ قرآنِ کریم میں آیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے ساتھ سارے غزوات میں شریک رہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کرایا۔ آپ کے ذریعے بڑے بڑے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسلام قبول کیا جن میں حضرت

عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم وغیرہم ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تجارت میں مصروف تھے۔ آپ کی تجارت اپنے شباب پر تھی اس وقت آپ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے مگر ہجرت کے وقت ان میں سے صرف پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے بقیہ سارا مال آپ نے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔ آپ نے ان سات مظلوم مسلمانوں کو خرید کر آزاد کیا تھا جنہیں مکہ کے کفار سخت سزائیں دیا کرتے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو صدیق کا لقب دیا تھا۔ (البدایہ والنھایہ: ۳/ ۲۷، والاصابہ: ۲/ ۳۴۱)

مسلمانوں کی تعداد اب اٹھاسی تک پہنچ چکی تھی جب بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا اجتماع ہوتا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے: ''کیوں نہ اب ہم لوگوں کے سامنے اپنے ایمان وعقیدہ کا برملا اظہار کریں۔ آخر کب تک ہم چھپتے چھپاتے رہیں گے؟''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات سن کر صرف اتنا فرماتے: ''یَا أَبَا بَکْرٍ إِنَّا قَلِیْلٌ۔''

''ابوبکر! ابھی ہماری تعداد تھوڑی سی ہے۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بار بار رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے برملا اظہار کرنے کے بارے میں اصرار کرتے رہے۔ بالآخر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے ہی دی۔ چنانچہ سارے مسلمان خانہ کعبہ کے اردگرد پھیل گئے اور اپنے اپنے خاندان والوں کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے اب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے سامنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ تاریخی واقعہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے والے اسلام کے پہلے خطیب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ابھی چند ہی کلمات کہہ پائے تھے کہ وہاں موجود سارے مشرکین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسجد حرام کے کونے

میں پھیلے دوسرے مسلمانوں پر برس پڑے اور بُری طرح سے مارنے لگے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مار کھاتے کھاتے زمین پر گر چکے تھے اور انہیں انتہائی شدید ضرب لگی تھی اس وقت عتبہ بن ربیعہ کا رویہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیسا گھناؤنا تھا؟ ذرا تاریخ سے پوچھیں:

"وَدَنَا مِنْهُ الْفَاسِقُ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ فَجَعَلَ يَضْرِبُهُ بِنَعْلَيْنِ مَخْصُوْفَتَيْنِ وَيُحَرِّفُهُمَا لِوَجْهِهٖ وَنَزَا عَلٰى بَطْنِ أَبِيْ بَكْرٍ حَتّٰى مَا يُعْرَفُ وَجْهُهٗ مِنْ أَنْفِهٖ۔"

"فاسق عتبہ بن ربیعہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریب آیا اور انہیں اپنے پیوند لگے دونوں جوتوں سے مارنے لگا۔ ان کے منہ پر بھی ان جوتوں سے مار رہا تھا پھر وہ کود کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیٹ پر بیٹھ گیا اور اتنا مارا کہ کثرتِ خون سے ان کی ناک ان کے چہرے سے پہچانی نہیں جاتی تھی۔"

جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو تیم کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ ان کی مدد کو پہنچ گئے۔ انہوں نے مشرکین کو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہٹایا۔ ایک کپڑے میں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اتنی شدید مار پڑی تھی کہ بنو تیم کو یقین ہو چلا تھا کہ اب ان کی موت یقینی ہے۔ بنو تیم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے گھر پہنچا کر مسجد حرام میں واپس آئے اور کہنے لگے:

"وَاللّٰهِ! لَئِنْ مَاتَ أَبُوْبَكْرٍ لَنَقْتُلَنَّ عُتْبَةَ بْنَ رَبِيْعَةَ۔"

"اللہ کی قسم! اگر ابوبکر مر جائیں گے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو ضرور قتل کر ڈالیں گے۔"

بنو تیم مسجد حرام میں برسرِ عام یہ دھمکی دے کر سیدھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ اور بنو تیم کے افراد نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان کھل جائے اور وہ کچھ باتیں کریں

سارے اسی انتظار میں ان کے ارد گرد بیٹھے تھے۔ دن کے آخری پہر کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کچھ افاقہ ہوا اور زبان کھلی۔ پہلا جملہ جو ان کی زبان سے نکلا' وہ یہ تھا:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ وہ کیسے ہیں؟''

سارے لوگوں کو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مرنے کا یقین ہو چکا تھا' مار کھانے کے بعد کافی دیر سے وہ یک دم خاموش تھے' آنکھیں بند تھیں اور کافی دیر کے بعد جب زبان کھلی تو سب سے پہلے انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا اس بات سے ان کی قوم کے لوگوں کو قدرے غصہ بھی آیا اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملامت کرتے ہوئے وہاں سے نکل گئے اور ان کی ماں سے کہا کہ ابوبکر کو کچھ کھلا پلا دو۔

جب بنو تیم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکل گئے اور اب صرف ان کی ماں ان کے پاس باقی رہ گئیں تو وہ اپنے بیٹے سے اصرار کرنے لگی کہ کھانا کھالو مگر اپنی ماں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صرف یہی پوچھتے رہے:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ وہ کیسے ہیں؟''

ماں نے جواب دیا: ''بیٹے! اللہ کی قسم! مجھے تیرے ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے کہ وہ کس حال میں ہیں اور ابھی کہاں ہیں؟''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ماں سے کہا: ''ام جمیل فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کرو کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟''

بیٹے کی فرمائش پوری کرنے کی غرض سے ماں کھڑی ہوئی اور ام جمیل کے پاس پہنچ کر کہا: ''میرا بیٹا ابوبکر تم سے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں پوچھ رہا ہے کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟'' ام جمیل نے جواب دیا: ''نہ تو مجھے ابوبکر کے بارے میں کچھ معلوم ہے اور نہ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بن عبداللہ کے بارے میں۔ ہاں! اگر تم چاہو تو میں تمہارے بیٹے کو دیکھنے چلوں؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماں نے

کہا: ''ہاں! چلو۔'' اُمِ جمیل جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو شدتِ مرض سے ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی' وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قریب ہوئی اور زور زور سے کہنے لگی: ''فسق و کفر میں ڈوبی ہوئی آپ کی قوم نے آپ کو یہ تکلیف دی ہے' مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ضرور ان ظالموں سے انتقام لے گا۔'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبان کھلی اور پوچھا:

''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا؟ وہ کیسے ہیں؟''

اُمِ جمیل نے کہا: ''یہ آپ کی ماں بھی موجود ہے' میں اگر کچھ بتاؤں گی تو وہ بھی سن لے گی۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کوئی بات نہیں ہے' تمہیں اس سے کوئی حرج نہیں۔''

اُمِ جمیل نے بتایا: ''سالم صالح'' ''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل صحیح سالم ہیں۔''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟''

اُمِ جمیل نے کہا: ''دار ابن ارقم میں ہیں۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

''فَإِنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ أَنْ لَا أَذُوقَ طَعَامًا وَّأَشْرَبَ شَرَابًا أَوْ آتِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ''

''میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ جب تک میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں' نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔''

اُمِ جمیل اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ان کا اصرار دیکھا تو وہ تھوڑی دیر تک رُکی رہیں پھر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں اور راستہ خالی پڑا ہے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سہارا دیتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ

عنہ پر پڑی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف جھک پڑے اور بوسہ دیا۔ دوسرے مسلمان بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف جھک پڑے اس منظر کو دیکھ کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی کوفت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں نم ہوگئیں مگر اس حالت میں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بے لاگ محبت کا ثبوت دیا اور عرض کرنے لگے:

"بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! لَيْسَ بِيْ بَأْسٌ إِلَّا مَا نَالَ الْفَاسِقُ مِنْ وَجْهِيْ، وَهٰذِهٖ أُمِّيْ بَرَّةٌ بِوَلَدِهَا وَأَنْتَ مُبَارَكٌ فَادْعُهَا إِلَى اللّٰهِ وَادْعُ لَهَا، عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَسْتَنْقِذَهَا بِكَ مِنَ النَّارِ۔"

"اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان! (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سالم ہیں تو پھر) مجھے کوئی پرواہ نہیں، صرف اتنی تکلیف ہے کہ فاسق نے میرے چہرے پر جوتا مارا اور یہ میری ماں ہے جو بلاشبہ اپنے بیٹے کے حق میں مہربان اور وفادار ہے، آپ کی ہستی مبارک ہے۔ آپ میری ماں کو اللہ کی طرف دعوت دیں اور اس کے حق میں دعائے خیر فرمادیں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ میری ماں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے جہنم کی آگ سے بچادے۔"

چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خواہش پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ماں کے لیے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ماں مسلمان ہوگئیں۔

(البدایۃ والنہایۃ (۳/۳۰) تاریخ الخلفاء للسیوطی ۳۸)

(۱۷۶)

سیاہ فام متّقی غلام کا توکّل

حضرت سیدنا علی بن بکار علیہ الرحمۃ اور حضرت سیدنا ابو اسحاق فزاری علیہ الرحمۃ جو کہ اولیاء و صالحین میں سے تھے' لکڑیاں کاٹ کر اس کی کمائی سے کھاتے تھے۔ ایک دن ان دونوں نے باہم اتفاق کیا کہ کل صبح پہاڑ پر چڑھنے اور لکڑیاں کاٹنے میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ حضرت سیدنا علی بن بکار علیہ الرحمۃ پہاڑ پر چڑھنے میں سبقت لے گئے اور لکڑیوں کا گٹھا بھی جمع کر لیا لیکن جب ان کے رفیق نے ان کے پاس پہنچنے میں دیر کر دی تو وہ ان کو پہاڑ میں تلاش کرنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ حضرت سیدنا ابو اسحاق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ چار زانو تشریف فرما ہیں اور ایک شیر کا سر ان کی گود میں ہے اور وہ خود اس شیر سے مکھیوں کو دُور کر رہے ہیں۔ حضرت سیدنا علی بن بکار علیہ الرحمۃ نے استفسار فرمایا: ''اے ابو اسحاق! یہ کیا ہے؟'' فرمایا: ''شیر نے مجھ سے التجا کی تو مجھے اس پر ترس آ گیا اب میں انتظار کر رہا تھا کہ یہ بے دار ہو اور میں آپ کے پاس جا سکوں۔'' حضرت سیدنا علی بن بکار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو اسی حالت میں چھوڑ کر آگے چلے گئے۔ اچانک انہوں نے چٹان پر ایک تھیلی دیکھی جس میں ایک ہزار دینار تھے اس پر غبار اور مٹی پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے دل میں سوچا: ''میں اس کو لے جا کر صدقہ کر دوں گا۔'' چنانچہ پہاڑ سے اُترے تو ایک سیاہ فام غلام کے پاس سے گزر ہوا جو چہرے کے بل گرا ہوا تھا اس کے پاؤں کٹے ہوئے اور سر کے قریب لکڑیوں کا ایک گٹھا پڑا ہوا تھا جسے وہ بیچنا چاہتا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ ''اس سونے کا حق دار اس غلام سے زیادہ کون ہو سکتا ہے؟''

چنانچہ انہوں نے تھیلی سے دس دینار نکالے اور اس کے پاس آکر کہا: ''یہ لیجیے اور اپنی حالت درست کر لیجیے۔'' غلام نے اپنا سر اُٹھایا اور کہا: ''اس سونے کو اس کی جگہ پر واپس رکھ دیں اور جو اپنے ہاتھ کی کمائی نہیں اسے صدقہ نہ کریں۔ اللہ عزوجل کی قسم! میں ایک سال سے اس چٹان پر پڑی ہوئی تھیلی کے پاس سے گزر رہا ہوں مگر مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ اس میں کیا ہے؟ تو آپ دنیا میں کیسے راغب ہو گئے اور جس کو لینا جائز نہ تھا اس کو لے لیا؟'' آپ فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی باتوں سے بڑی شرمندگی ہوئی اور میں نے جان لیا کہ یہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے ہے لہٰذا میں تھیلی کو اس کی جگہ پر رکھ کر واپس آیا تو وہ اپنی جگہ پر نہ تھا۔ میں نے دریافت کیا تو بتایا گیا کہ یہ ہر ہفتہ ایک مرتبہ لکڑیوں کا گٹھا لے کر آتا ہے اور پھر اسے ایک درہم کے عوض فروخت کرتا ہے اور اسی سے ہفتہ کے باقی ایام غذا حاصل کرتا ہے اور کسی سے کوئی چیز نہیں مانگتا۔

اللہ عزوجل کی قسم! یہ زاہدین کے احوال اور صالحین کی صفات ہیں۔ (الروض)

(۱۷۷)

ہم اس تقسیم پر خوش ہیں

جنگِ حنین ختم ہو چکی ہے وہ دشمنانِ اسلام لشکر اسلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے بے بس قیدی بن چکے ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی قسمیں کھا رکھی تھیں۔ ان کا سارا غرور ٹوٹ چکا ہے ان کی ساری طاقت مسلم مجاہدین کی پنجہ آزمائی اور ان کی شجاعت و بسالت کے سامنے دم توڑ چکی ہے۔ مجاہدینِ اسلام کی تلواروں کی جھنکار تو بدر و احد کے بعد پورے عرب میں گونج رہی تھی اور اس کا تذکرہ چہار سو ہو رہا تھا مگر اب دنیائے کفر میں آخری زلزلہ کو مشرکینِ عرب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ میدانِ حنین میں جدھر بھی نگاہ جاتی دشمن کی پسپائی کے آثار نظر آتے۔

میدانِ حنین میں اموالِ غنیمت کا انبار لگا ہوا ہے بہت سا سونا چاندی اور اونٹ گھوڑے مسلمانوں کو غنیمت کے طور پر حاصل ہوئے ہیں۔ مجاہدین بہت خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو شکستِ فاش سے دوچار کر کے مسلمانوں کو سرخروئی عطا کی ہے اب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں سے حاصل شدہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے لیے جلوہ افروز ہیں جو حاضرِ خدمت ہو رہا ہے منہ مانگی دولت لے کر واپس جا رہا ہے۔ وہ دیکھو سو اونٹ لے کر گیا!! یہ دیکھو ایک بڑی جاگیر کا مالک بن گیا!! مگر ان لوگوں میں ایک ایسا بھی گروہ ہے جو مالِ غنیمت کو تقسیم ہوتے دیکھ رہا ہے مگر اسے کچھ نہیں مل پا رہا ہے حتیٰ کہ مالِ غنیمت کا آخری ڈھیر بھی ختم ہو چکا اور وہ محروم ہی رہا!! یہ گروہ تھا انصارِ مدینہ کا جنہوں

نے دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ تعاون کیا تھا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے اموال قریش اور عرب کے دیگر قبائل میں بانٹ دیئے۔ انصارِ مدینہ کو اس میں سے کچھ بھی حصہ نہیں ملا اس بات سے انصار کو خاصی تکلیف ہوئی چنانچہ ان میں اس موضوع پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور کہنے لگے: ''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نظر انداز کر کے اپنی قوم میں یہ اموالِ غنیمت تقسیم کر دیئے جب کہ ہم اس کے زیادہ مستحق تھے۔ لگتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرانی حمیت جاگ اٹھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان اپنی قوم کی طرف ہو گیا۔ نیز انہوں نے کہا:

''يُعْطِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا تَقْطُرُ سُيُوْفُنَا مِنْ دِمَآئِهِمْ أَوْ سُيُوْفُهُمْ مِنْ دِمَآئِنَا۔''

''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ اموال انہیں دے رہے ہیں جن کا خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے یا جن کی تلواریں ہمارے خون سے رنگین ہیں۔''

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصار کی طرف سے یہ شکایت نامہ لے کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ وَجَدُوْا عَلَيْكَ فِيْ أَنْفُسِهِمْ لِمَا صَنَعْتَ فِيْ هٰذَا الْفَيْءِ الَّذِيْ أَصَبْتَ، قَسَمْتَ فِيْ قَوْمِكَ وَأَعْطَيْتَ عَطَايَا عِظَامًا فِيْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ، وَلَمْ يَكُنْ فِيْ هٰذَا الْحَيِّ الْأَنْصَارِ شَيْءٌ۔''

''اے اللہ کے رسول! آپ نے حاصل شدہ مالِ فئے میں جو تصرف فرمایا ہے کہ اپنی قوم میں تقسیم کر دیا اور عرب کے قبائل کو بڑے بڑے عطیات سے نواز دیا جب کہ انصار کی اس جماعت کو اس میں سے کچھ نہیں ملا اس

بات پہ لوگ آپ پر من ہی من میں پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا شکوہ سن کر فرمایا:

"فَأَيْنَ أَنْتَ مِنْ ذٰلِكَ يَا سَعْدُ؟"۔

"سعد! پھر تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا أَنَا إِلَّا مِنْ قَوْمِيْ۔"

"اے اللہ کے رسول! میں بھی اپنی قوم ہی کا ایک فرد ہوں (اس لیے فطری طور پر مجھے بھی وہی شکوہ ہے جو میری قوم کو ہے۔)"

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَاجْمَعْ لِيْ قَوْمَكَ فِي الْحَظِيْرَةِ۔"

"اچھا! اپنی قوم کو اس چھولداری (راوٹی) میں اکٹھا کرو۔"

چنانچہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور اپنی قوم کو راوٹی میں اکٹھا ہونے کا اعلان کیا۔ اعلان سن کر مہاجرین و انصار وہاں آ پہنچے مگر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کو چھولداری میں داخل ہونے سے منع کر دیا اور صرف انصاریوں ہی کو اندر جانے کی اجازت دی گئی جب انصارِ مدینہ اکٹھا ہو چکے تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! انصار راوٹی میں جمع ہو چکے ہیں' آپ تشریف لے چلیں۔" رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھولداری میں تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد مجمع سے مخاطب ہوئے:

"يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! مَا قَالَةٌ بَلَغَتْنِيْ عَنْكُمْ وَمَوْجِدَةٌ وَجَدْتُمُوْهَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ، أَلَمْ آتِكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللهُ بِيْ؟ وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللهُ بِيْ؟ وَأَعْدَاءً فَأَلَّفَ اللهُ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ؟"

''انصار کے لوگو! یہ کیسی چہ میگوئی تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے اور یہ کیسی ناراضی ہے جو اپنے دِلوں میں محسوس کرنے لگے ہو؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم راہِ راست سے بھٹکے ہوئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں (میرے ذریعے) رشد و ہدایت سے نوازا؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ تم محتاج تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے مگر اللہ تعالیٰ نے (میری برکت سے) تمہارے دِلوں کو جوڑ دیا؟''

انصار نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' ان پر خاموشی طاری تھی' سب سر جھکائے ہوئے تھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مالِ غنیمت کے حوالے سے یہ لب کشائی کر کے بہت بھاری غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ شرم و حیا کے آثار ان کے چہروں سے ہویدا تھے' ان کی زبانیں بالکل ہی گنگ تھیں۔ کوئی لفظ ان کی زبان سے نہیں نکلا صرف اتنا ہی کہہ سکے:

''بَلٰی، لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہِ الْمَنُّ وَالْفَضْلُ۔''

''کیوں نہیں! ہمیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فضل و احسان کا اعتراف ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''اَلَا تُجِیْبُوْنِیْ یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ؟''

''جماعتِ انصار! تم میری بات کا جواب نہیں دو گے؟''

عرض کیا: ''بھلا ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیا جواب دیں اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یقین ہے کہ ہمارے اوپر جو کچھ بھی فضل و کرم اور نوازشات و احسانات کی بارش ہوئی ہے وہ سب اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کے باعث ہے اور بس!!''

جب ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان کی طرف مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا:

''أَمَا وَاللهِ! لَوْ شِئْتُمْ لَقُلْتُمْ فَصَدَقْتُمْ وَلَصُدِّقْتُمْ' أَتَيْتَنَا مُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ' وَمَخْذُولًا فَنَصَرْنَاكَ' وَطَرِيْدًا فَآوَيْنَاكَ' وَعَائِلًا فَآسَيْنَاكَ۔''

''ہاں اللہ کی قسم! اگر تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور تمہارا کہنا بجا بھی ہوگا اور تمہاری بات سچی ہی مانی جائے گی کہ ''آپ ہمارے پاس جھٹلائے ہوئے آئے تو ہم نے آپ کی تصدیق کی' آپ ہمارے پاس بے یار و مددگار آئے تو ہم نے آپ کی حمایت و مدد کی' آپ ہمارے پاس گھر سے نکالے ہوئے آئے تو ہم نے آپ کو پناہ دی' آپ مفلس و محتاج آئے تو ہم نے آپ کی غم خواری و غم گساری کی۔''

''وَجَدْتُمْ فِیْ أَنْفُسِكُمْ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ فِیْ لُعَاعَةٍ مِّنَ الدُّنْيَا' تَأَلَّفْتُ بِهَا قَوْمًا لِيُسْلِمُوْا' وَوَكَلْتُكُمْ إِلٰى إِسْلَامِكُمْ۔''

''جماعتِ انصار! تم دنیا کی اس عارضی اور معمولی سی چیز کے لیے دل ہی دل میں ناراض ہو گئے جسے میں نے کچھ لوگوں کو تالیفِ قلب کے لیے دیا ہے تا کہ ان کے دلوں میں اسلام راسخ ہو جائے اور تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا ہے (کہ تم تو سچے پکے مسلمان ہو' تمہیں تالیف قلب کی کوئی ضرورت نہیں۔)''

''أَفَلَا تَرْضَوْنَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالشَّاءِ وَالْبَعِيْرِ وَتَرْجِعُوْا بِرَسُوْلِ اللهِ إِلٰى رِحَالِكُمْ؟''

''جماعتِ انصار! کیا تمہیں اس بات سے خوشی نہ ہوگی کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ؟''

"وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ! لَوْلَا الْھِجْرَۃُ لَکُنْتُ امْرَءً مِّنَ الْاَنْصَارِ، وَلَوْ سَلَکَ النَّاسُ شِعْبًا وَّسَلَکَتِ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَکْتُ شِعْبَ الْاَنْصَارِ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ۔"

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار کا ایک فرد ہوتا اگر سارے لوگ ایک گھاٹی میں چلیں اور انصار ایک دوسری گھاٹی میں تو میں انصار ہی کی گھاٹی میں ان کے ساتھ چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر، انصار کی اولاد پر اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی تقریر ختم کی تو انصار صحابہ کی حالت دیکھنے والی تھی۔ سارے کے سارے خاموش تھے ان کی آواز بالکل ہی بند تھی ہاں جدھر بھی کان کی سماعت جاتی ادھر سے ایک ہی قسم کی آواز سنائی دیتی اس جانب دیکھو! سسکیاں ہی سسکیاں! اس طرف دیکھو! ہچکیاں ہی ہچکیاں!! کسی کا سر اوپر نہیں ہے سبھوں کا سر جھکا ہوا ہے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا ہے۔ ان کی خوب صورت داڑھیوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں جیسے موسم سرما میں درخت کے پتوں سے صبح صبح شبنم کی لڑیاں گرتی ہیں۔ تاریخ طبری میں لکھا ہوا ہے:

"فَبَکَی الْقَوْمُ حَتّٰی اَخْضَلَتْ لِحَاھُمْ۔"

"انصار اتنا روئے کہ ان کے (اشکوں کی کثرت سے) ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔"

جب کچھ افاقہ ہوا تو بیک زبان ان کی طرف سے ایک ہی جملہ نکلا جو تاریخ اسلامی میں سنہرے حروف سے لکھا ہوا ہے:

"رَضِیْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰہِ قِسْمًا وَّحَظًّا۔"

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم اور اپنی خوش نصیبی پر تہ دل سے راضی اور مطمئن ہیں۔''

(تاریخ الطبری ۲/۱٦۵، صحیح مسلم ۲/۲۳۸، صحیح ابن حبان :۱۱/۸۸، مصنف ابن أبی شیبۃ: ۷/۴۱۸، مصنف عبدالرزاق ۱۱/٦۴، المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲/۱۹٦، مسند عبد بن حمید :۱/۲۸٦، البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر ۴/۳۵۸ مکتبۃ المعارف، بیروت)

حسبنا الله ونعم الوكيل نعم المولى ونعم النصير

(۱۷۸)

دل جب ذکر سے بھرپور ہو جائے......

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ: ''میں رات کے وقت مسجد حرام سے جبل اُبی قبیس جانے کے ارادے سے نکلا' راستے میں ایک بڑی ناک والے حبشی غلام سے میری ملاقات ہوئی جو یوں کہہ رہا تھا:

''اَنْتَ اَنْتَ یا ھُوْ یا ھُوْ۔''

''یعنی بس تو ہی تو ہے اے وہ ذات! اے وہ ذات!''

اس کے علاوہ کچھ نہ کہتا جب کئی بار کہہ چکا تو میں نے پوچھا: ''اے شخص! کیا تو دیوانہ ہے؟'' کہنے لگا: ''اے شیخ! دیوانہ تو وہ ہوتا ہے جو ہزار قدم چلتا ہے پھر بھی اپنے پروردگار حقیقی عزوجل کا ذکر نہیں کرتا۔'' تو میں نے کہا: ''محققین کے نزدیک تو افضل ذکر وہ ہے جو دل سے ہو۔'' تو اس نے کہا: ''آپ نے سچ کہا ہے لیکن دل جب بھر جائے تو ذکر زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔'' پھر وہ میری آنکھوں سے غائب ہو گیا تو اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے پر میں بے حد نادم ہوا جب رات ہوئی اور میں سو گیا تو غیب سے کسی پکارنے والے نے ندا دی: ''بے شک بروزِ قیامت اس غلام کے لیے ایسا نور ہوگا جو زمین و آسمان کے درمیان کو بھر دے گا۔''

سبحان اللہ عزوجل! کیا خوب ہیں یہ لوگ جن کی عیدیں اس کے احکام کی بجا آوری' جن کی مراد مقاصد تک پہنچنا' جن کے احوال کمال کا حاصل کرنا اور جن کا کمال تقویٰ ہے۔ وہ کیسے انوکھے لوگ ہیں کہ جب لوگ لذات کی طرف مائل ہوتے ہیں تو

وہ اللہ عزوجل کی عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں جب مخلوق اپنے گھروں میں آرام کر رہی ہوتی ہے تو وہ محبتِ حقیقی کے غموں میں مبتلا ہوتے ہیں اور جب تجار اپنے مال کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہ اپنے گمشدہ احوال کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جب غافل نیند کے ذریعے لذت حاصل کرتے ہیں تو وہ تاریکی میں اپنے محبوب کے کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آخرت کو اپنے پیشِ نظر رکھتے ہیں تو اس کے لیے جدوجہد کرتے ہیں اور موت کی ندا دینے والے کو سنتے ہیں کہ "تیار ہو جاؤ" تو وہ اپنے آقا و مولیٰ عزوجل کی بارگاہ میں سچائی کا نذرانہ لے کر آتے ہیں تو پھر رد نہیں کیے جاتے اور جب انہیں اپنے گناہ یاد آتے ہیں تو مضطرب ہو جاتے ہیں اور انہیں نیند نہیں آتی' ان کو مقصود کی امید حرکت دیتی ہے تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر اللہ عزوجل کے سامنے پیش ہونے کو یاد کرتے ہیں تو سیدھے ہو جاتے ہیں اس کی منظر کشی قرآن پاک یوں کرتا ہے:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ

"جس دن بدل دی جائے گی زمین اس زمین کے سوا"(پ۱۳' ابراھیم:۴۷)

جب موت کے بارے میں سوچتے ہیں تو احکام کی بجا آوری میں ہمیشہ جدوجہد کرتے رہتے ہیں اور جب اپنے گزشتہ گناہوں کو یاد کرتے ہیں تو اپنے نفس کو ملامت کرتے ہیں۔

اے غفلت و لاپرواہی کی نیند سونے والے! بیدار ہو جا اور پرہیزگاری سے اپنے ظاہر کی اصلاح کر اس سے پہلے کہ تیرے لیے تلافی مشکل ہو جائے اور کوچ کرنے کے لیے خوب زادِ راہ اکٹھا کر لے کیونکہ تھوڑا سا زادِ راہ طویل سفر میں تجھے کافی نہ ہوگا' اپنے گناہوں کو نیکی سے مٹا دے۔ ممکن ہے کہ تیرا رب عزوجل تیری خطاؤں سے درگزر فرما دے اور موت کی یاد کی صاف ریت سے اپنی امید کی بیماریوں کا علاج کر اور اللہ عزوجل سے شفا طلب کر امید ہے کہ وہ تجھے شفا عطا فرمائے گا۔ (الروض)

(۱۷۹)

وہ جس کو خدا نے بڑھایا ہے......

آفتابِ رسالت کو طلوع ہوئے چھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا، سردارانِ مکہ کا ظلم و استبداد ان ہی کی زبانی صادق و امین کا لقب پانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے متبعین کے خلاف اپنی حدیں چھوڑ رہا تھا۔ اسلام کی طاقت ور آواز کو دبانے کے لیے قریش نے اپنے ظلم کے ترکش کے کسی بھی تیر کو آزمانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا بلکہ ظلم و جور کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر تھی۔ اسلام کے روشن مستقبل کا اندازہ کر کے مشرکین کے حق وحسد کا شعلہ تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ حالات کی رفتار بدل رہی تھی، گردوپیش کے ماحول میں فرق آچکا تھا اب مشرکین علانیہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے، ان کے اسی فیصلے کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ ہے:

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۝

"اگر ان کافروں نے ایک بات (میرے پیغمبر کے قتل) کا تہیہ کر رکھا ہے تو ہم بھی (انہیں بچانے کا) تہیہ کیے ہوئے ہیں۔" (الزخرف: ۷۹)

ابوطالب مشرکین کے ناروا سلوک پر غور کرتے تو انہیں ایک ایسے سنگین خطرے کی بو محسوس ہوتی جس سے ان کا دل کانپ اٹھتا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ قریش ہر جانب سے ان کے بھتیجے کی مخالفت پر تل گئے ہیں تو انہوں نے اپنے جدِ اعلیٰ عبد مناف کے دو صاحب زادوں ہاشم اور

مطلب کی اولاد پر مشتمل خاندانوں کو اکٹھا کیا اور یہ تجویز رکھی کہ اب تک وہ اپنے بھتیجے کی حمایت وحفاظت کا جو کام تنہا انجام دیتے رہے ہیں اب اسے سب مل کر انجام دیں۔ ابوطالب کی یہ تجویز عربی حمیت کے پیشِ نظر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے سارے مسلم اور کافر افراد نے قبول کی البتہ ابوطالب کا بھائی ابولہب تنہا ایسا فرد تھا جس نے اسے منظور نہ کیا اور سارے خاندان سے الگ ہو کر مشرکینِ قریش سے جاملا اور انہی کا ساتھ دینے لگا اب اس کے بعد کے حالات ''الرحیق المختوم'' کے حوالے سے پڑھتے ہیں:

''صرف چار ہفتے یا اس سے بھی کم مدت میں مشرکین کو چار بڑے بڑے دھچکے لگ چکے تھے یعنی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیش کش یا سودے بازی مسترد کی پھر قبیلۂ بنی ہاشم و بنی مطلب کے سارے ہی مسلم و کافر افراد نے ایک ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا عہد و پیماں کیا اس سے مشرکین چکرا گئے اور انہیں چکرانا ہی چاہیے تھا کیونکہ ان کی سمجھ میں آ گیا کہ اگر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا اقدام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں مکہ کی وادی مشرکین کے خون سے لالہ زار ہو جائے گی۔ بلکہ ممکن ہے ان کا مکمل صفایا ہی ہو جائے اس لیے انہوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم کی ایک اور راہ تجویز کی جو ان کی اب تک کی تمام ظالمانہ کارروائیوں سے زیادہ سنگین تھی۔

اس تجویز کے مطابق مشرکین وادی محصب میں خیف بنی کنانہ کے اندر جمع ہوئے اور آپس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف یہ عہد و پیماں کیا کہ نہ

ان سے شادی بیاہ کریں گے نہ خرید وفروخت کریں گے نہ ان کے ساتھ اُٹھے بیٹھیں گے نہ ان سے میل جول رکھیں گے نہ ان کے گھروں میں جائیں گے نہ ان سے بات چیت کریں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے نہ کردیں۔ مشرکین نے اس بائیکاٹ کی دستاویز کے طور پر ایک صحیفہ لکھا جس میں اس بات کا عہد و پیماں کیا گیا تھا کہ وہ بنی ہاشم کی طرف سے کبھی بھی کسی صلح کی پیش کش قبول نہ کریں گے نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مروّت برتیں گے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے مشرکین کے حوالے نہ کر دیں۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ یہ صحیفہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے لکھا تھا اور بعض کے نزدیک نضر بن حارث نے لکھا تھا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی اور اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔

(زاد المعاد ج ۲/۴۶)

بہر حال یہ عہد و پیماں طے پا گیا اور صحیفہ خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا گیا اس کے نتیجے میں ابولہب کے سوا بنی ہاشم اور بنی مطلب کے سارے افراد خواہ مسلمان رہے ہوں یا کافر سمٹ کر شعب ابی طالب میں محبوس ہو گئے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتویں سال محرم کی چاندرات کا واقعہ ہے۔

اس بائیکاٹ کے نتیجے میں حالات نہایت سنگین ہو گئے' غلے اور سامانِ خورد و نوش کی آمد بند ہو گئی کیونکہ مکے میں جو غلہ یا فروختنی سامان آتا تھا اسے مشرکین لپک کر خرید لیتے تھے اس لیے محصورین کی حالت نہایت پتلی ہو گئی انہیں پتے اور چمڑے کھانے پڑے۔ فاقہ کشی کا حال یہ تھا کہ بھوک سے بلکتے ہوئے بچوں اور عورتوں کی آوازیں گھاٹی کے باہر

سنائی پڑتی تھیں۔ ان کے پاس بمشکل ہی کوئی چیز پہنچ جاتی تھی وہ بھی پسِ پردہ۔ وہ لوگ حرمت والے مہینوں کے علاوہ باقی ایام میں اشیائے ضرورت کی خرید کے لیے گھاٹی سے باہر نکلتے بھی نہ تھے۔ وہ اگرچہ قافلوں سے سامان خرید سکتے تھے جو باہر سے مکہ آتے تھے لیکن ان کے سامان کے دام بھی مکے والے اس قدر بڑھا کر خریدنے کے لیے تیار ہو جاتے تھے کہ محصورین کے لیے کچھ خریدنا مشکل ہو جاتا تھا۔

حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بھتیجا تھا کبھی کبھی اپنی پھوپھی کے لیے گیہوں بھجوا دیتا تھا۔ ایک بار ابوجہل سے سابقہ پڑ گیا وہ غلہ روکنے پر اڑ گیا لیکن ابوالبختری نے مداخلت کی اور اسے اپنی پھوپھی کے پاس گیہوں بھجوانے دیا۔

ادھر جناب ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں برابر خطرہ لگا رہتا تھا اس لیے جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جاتے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ تم اپنے بستر پر سو رہو۔ مقصد یہ ہوتا کہ اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کی نیت رکھتا ہو تو دیکھ لے کہ آپ کہاں سو رہے ہیں پھر جب لوگ سو جاتے تو ابوطالب آپ کی جگہ بدل دیتے یعنی اپنے بیٹوں، بھائیوں یا بھتیجوں میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سُلا دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ تم اس کے بستر پر چلے جاؤ۔

اس محصوری کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان حج کے ایام میں باہر نکلتے تھے اور حج کے لیے آنے والوں سے مل کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ان حالات پر پورے تین سال گزر گئے اس کے بعد محرم ۱۰ نبوت میں صحیفہ چاک کیے جانے اور اس ظالمانہ عہد و پیمان کو ختم کیے جانے کا واقعہ پیش آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ شروع ہی سے قریش کے کچھ لوگ اگر اس عہد و پیمان سے راضی تھے تو کچھ ناراض بھی تھے اور ان ہی ناراض لوگوں نے اس صحیفے کو چاک کرنے کی تگ و دو کی۔

اس کا اصل محرک بنو عامر بن لوی کا ہشام بن عمرو نامی ایک شخص تھا۔ یہ رات کی تاریکی میں چپکے چپکے شعب ابی طالب کے اندر غلہ بھیج کر بنو ہاشم کی مدد بھی کیا کرتا تھا۔ یہ زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس پہنچا۔ (زہیر کی ماں عاتکہ عبدالمطلب کی صاحب زادی یعنی ابوطالب کی بہن تھیں) اور اس سے کہا: ”زہیر! کیا تمہیں یہ گوارا ہے کہ تم تو مزے سے کھاؤ پیو اور تمہارے ماموں کا وہ حال ہے جسے تم جانتے ہو؟“ زہیر نے کہا: ”افسوس! میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں؟ ہاں اگر میرے ساتھ کوئی اور آدمی ہوتا تو میں اس صحیفے کو پھاڑنے کے لیے یقیناً اُٹھ پڑتا اس نے کہا: ”اچھا تو ایک آدمی اور موجود ہے۔“ پوچھا: ”کون ہے؟“ کہا: ”میں ہوں۔“ زہیر نے کہا: ”اچھا تو اب تیسرا آدمی تلاش کرو۔“

اس پر ہشام، مطعم بن عدی کے پاس گیا اور بنو ہاشم اور بنو مطلب سے جو کہ عبد مناف کی اولاد تھے، مطعم کے قریبی نسبی تعلق کا ذکر کر کے اسے ملامت کی کہ اس نے اس ظلم پر قریش کی ہمنوائی کیونکر کی؟ یاد رہے کہ مطعم بھی عبد مناف ہی کی نسل سے تھا۔ مطعم نے کہا: ”افسوس! میں تن تنہا کیا کر سکتا ہوں؟“ ہشام نے کہا: ”ایک آدمی اور موجود ہے۔“ مطعم نے پوچھا: ”کون ہے؟“ ہشام نے کہا: ”میں“ مطعم نے کہا: ”ایک تیسرا آدمی تلاش کرو۔“ ہشام نے کہا: ”یہ بھی کر چکا ہوں۔“ پوچھا: ”وہ کون ہے؟“ کہا: ”زہیر بن ابی اُمیہ۔“ مطعم نے کہا: ”اچھا تو اب چوتھا آدمی تلاش کرو۔“ اس پر ہشام بن عمرو، ابوالبختری بن ہشام کے پاس گیا اور اس سے بھی اسی طرح کی گفتگو کی جیسی مطعم سے کی تھی اس نے کہا: ”بھلا کوئی اس کی تائید بھی کرنے والا ہے؟“ ہشام نے کہا: ”ہاں!“ پوچھا ”کون؟“ کہا: ”زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی اور میں۔“ اس نے کہا: ”اچھا تو اب پانچواں آدمی ڈھونڈو اس کے لیے ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد کے پاس گیا اور اس سے گفتگو کرتے ہوئے بنو ہاشم کی قرابت اور ان کے حقوق یاد دلائے اس نے کہا: ”بھلا جس کام کے لیے مجھے بلا رہے ہو اس سے کوئی اور بھی متفق

ہے؟'' ہشام نے اثبات میں جواب دیا اور سب کے نام بتلائے اس کے بعد ان لوگوں نے حجون کے پاس جمع ہو کر آپس میں یہ عہد و پیماں کیا کہ صحیفہ چاک کرنا ہے۔ زہیر نے کہا: ''میں ابتدا کروں گا یعنی سب سے پہلے میں ہی زبان کھولوں گا۔'' صبح ہوئی تو سب لوگ حسبِ معمول اپنی اپنی محفلوں میں پہنچے۔ زہیر بھی ایک جوڑا زیب تن کیے ہوئے پہنچا۔ پہلے بیت اللہ کے سات چکر لگائے پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا:

''مکے والو! کیا ہم کھانا کھائیں' کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ و برباد ہوں' نہ ان کے ہاتھ بیچا جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے۔ خدا کی قسم! میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس ظالمانہ اور قرابت شکن صحیفے کو چاک کر دیا جائے۔''

ابو جہل جو مسجد حرام کے ایک گوشے میں موجود تھا' بولا: ''تم غلط کہتے ہو' خدا کی قسم! اسے پھاڑا نہیں جا سکتا۔''

اس پر زمعہ بن اسود نے کہا: ''بخدا! تم زیادہ غلط کہتے ہو جب یہ صحیفہ لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس سے راضی نہ تھے۔

اس پر ابو البختری نے گرہ لگائی: ''زمعہ ٹھیک کہہ رہا ہے اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے نہ ہم راضی ہیں نہ اسے ماننے کو تیار ہیں ان کے بعد مطعم بن عدی نے کہا: ''تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے' غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفہ سے اور اس میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اللہ کے حضور براءت کا اظہار کرتے ہیں۔'' پھر ہشام بن عمرو نے اسی طرح کی بات کہی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابو جہل نے کہا: ''ہونہہ! یہ بات رات میں طے کی گئی ہے اور اس کا مشورہ یہاں کے بجائے کہیں اور کیا گیا ہے اس دوران ابو طالب بھی حرم پاک کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ ان کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صحیفے کے بارے میں یہ خبر دی تھی کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے کیڑے بھیج دیے ہیں

جنہوں نے ظلم وستم اور قرابت شکنی کی ساری باتیں چٹ کر دی ہیں اور صرف اللہ عزوجل کا ذکر باقی چھوڑا ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو یہ بات بتائی تو وہ قریش کو یہ کہنے آئے تھے کہ ان کے بھتیجے نے انہیں یہ اور یہ خبر دی ہے اگر وہ جھوٹا ثابت ہوا تو ہم تمہارے اور اس کے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور تمہارا جو جی چاہے کرنا لیکن اگر وہ سچا ثابت ہوا تو تمہیں ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آنا ہوگا جب قریش کو یہ بتایا گیا تو انہوں نے کہا: ''آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔''

ادھر ابوجہل اور باقی لوگوں کی نوک جھونک ختم ہوئی تو مطعم بن عدی صحیفہ چاک کرنے کے لیے اُٹھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ واقعی کیڑوں نے اس کا صفایا کر دیا ہے صرف 'باسمک اللھم' باقی رہ گیا ہے اور جہاں جہاں اللہ کا نام تھا وہ بچا ہے یا کیڑوں نے اسے نہیں کھایا تھا۔

اس کے بعد صحیفہ چاک ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بقیہ تمام حضرات شعب ابی طالب سے نکل آئے اور مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی عظیم الشان نشانی دیکھی لیکن ان کا رویہ وہی رہا جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ۝

''اگر یہ مشرکین کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو رُخ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو چلتا پھرتا جادو ہے۔'' (القمر:۲)

(تفصیل دیکھیے بخاری ۱/۲۱۶، زاد المعاد ۲/۴۶، ابن ہشام ۱/۳۵۰، رحمۃ للعالمین ۱/۷۰، مختصر السیر ۃ ۱۰۶)

حافظ ابن کثیر ابن ہشام کے حوالے سے خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے بائیکاٹ کے صحیفے سے سنہرے حروف یعنی اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے نہ مٹنے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب کو خبر دیتے ہوئے فرمایا:

يَا عَمِّ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَلَّطَ الْاَرَضَةَ عَلٰى صَحِيْفَةِ قُرَيْشٍ، فَلَمْ تَدَعْ

فِيهَا اسْمًا هُوَ لِلّٰهِ إِلَّا أَثْبَتَتْهُ فِيهَا وَنَفَتْ مِنْهَا الظُّلْمَ وَالْقَطِيعَةَ وَالْبُهْتَانَ ۔"

"چچا جان! اللہ تعالیٰ نے (خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے) قریش کے صحیفے پر دیمک کو مسلط کر دیا ہے جو اللہ کے اسمائے گرامی کو چھوڑ کر ظلم و قطع تعلقی اور بہتان پر مشتمل سارے الفاظ چٹ کر گیا ہے۔"

جناب ابوطالب نے پوچھا:

"أَرَبُّكَ أَخْبَرَكَ بِهٰذَا؟"

"کیا تمہارے رب نے تمہیں اس بات کی خبر دی ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں!"

ابوطالب نے کہا:

"فَوَاللّٰهِ! مَا يَدْخُلُ عَلَيْكَ أَحَدٌ ۔"

"پھر اللہ کی قسم! تم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔"

اس کے بعد ابوطالب شعب ابی طالب سے نکل کر قریش کے پاس آئے اور ان سے یوں مخاطب ہوئے:

"يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّ ابْنَ أَخِي أَخْبَرَنِي بِكَذَا وَكَذَا، فَهَلُمَّ صَحِيفَتَكُمْ، فَإِنْ كَانَتْ كَمَا قَالَ، فَانْتَهُوا عَنْ قَطِيعَتِنَا وَانْزِلُوا عَنْهَا، وَإِنْ كَانَ كَاذِبًا دَفَعْتُ إِلَيْكُمُ ابْنَ أَخِي ۔"

"قریشیو! میرے بھائی کے بیٹے (محمد) نے مجھے یہ بات بتائی ہے (کہ اللہ کے نام کے سوا ظلم و عدوان اور قطع تعلقی اور بہتان پر مشتمل سارے الفاظ دیمک چٹ کر گیا ہے) لہٰذا تم اپنے صحیفے کے پاس چلو (اور اسے اُتار کر دیکھو) اگر بات وہی ہے جیسا کہ اس نے مجھے بتائی ہے تو تم ہمارے ساتھ قطع تعلقی سے باز آجاؤ اور صحیفہ میں مکتوب باتیں واپس لے لو

اور اگر وہ (میرا بھتیجا اپنی بات میں) جھوٹا ہے تو پھر میں اسے تمہارے سپرد کر دوں گا۔''

قریش نے کہا: ''بات معقول سی ہے، ہم اس بات سے راضی ہیں۔''

چنانچہ صحیفہ دیکھا گیا تو سنہرے حروف یعنی اللہ عزوجل کے اسمائے گرامی جوں کے توں باقی تھے اس کے برخلاف ظلم وعدوان اور بہتان وقطع تعلقی پر مشتمل الفاظ دیمک کی نذر ہو گئے تھے۔ (البدایہ والنھایہ ۴/۲۲۸، سیرت ابن ہشام ۱/۳۷۷)

(۱۸۰)

اولیاء کا قافلہ اور سمندر کی موجیں

حضرت سیدنا مسمع بن عاصم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سیدنا عبدالعزیز بن سلیمان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا کلاب بن حرب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت سیدنا سلمان بن اعرج رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک رات سمندر کے ساحل پر گزاری۔ حضرت سیدنا کلاب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ رونے لگے حتیٰ کہ مجھے یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائیں، ان کے رونے کی وجہ سے حضرت سیدنا عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بھی رونے لگے۔ ان کے رونے کی وجہ سے حضرت سیدنا سلمان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بھی رو دیئے۔ اللہ عزوجل کی قسم! ان سب کے رونے کی وجہ سے مجھے بھی رونا آ گیا حالانکہ مجھے ان کے رونے کا سبب معلوم نہ تھا؟ جب میں نے حضرت سیدنا عبدالعزیز علیہ الرحمۃ سے پوچھا: ''کس چیز نے آپ کو رلایا؟'' تو انہوں نے فرمایا: ''اللہ عزوجل کی قسم! میں نے سمندر کی موجوں کو دیکھا تو مجھے جہنم کی ہولناکیاں اور اس کے لمبے لمبے سانس یاد آ گئے تو اس چیز نے مجھے رلا دیا۔'' پھر میں نے حضرت کلاب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا اور جب میں نے حضرت سیدنا سلمان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''لوگوں میں مجھ سے زیادہ برا کوئی نہیں، میں ان پر ترس کھاتے ہوئے رو رہا تھا جو وہ اپنی جانوں کے ساتھ کر رہے تھے۔'' (الروض)

مطلب یہ تھا کہ ذرا تصور کیجئے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا وہ دن آ چکا ہے جس کا

تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور تمہیں اچانک اس چیز نے پکڑ لیا ہے جس سے تم اپنی اولاد اور والد کے ذریعے چھٹکارا نہیں پا سکتے' وہ ایسا مقام ہے کہ جس میں زبانیں' اعضاء اور جلد تمہارے خلاف گواہی دیں گے اور کوئی شخص جہنم اور اس کے انگاروں کو برداشت نہیں کر پائے گا۔

(۱۸۱)

حضرت سیدنا سری سقطی کا وصالِ باکمال

حضرت سیدنا جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: ''میں حضرت سیدنا سری سقطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے انتقال کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے دل کو اللہ عزوجل کے خوف اور عشقِ الٰہی نے جلا دیا تھا۔ میں نے عرض کی: ''اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں؟'' تو آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ شعر پڑھا:

''کَیْفَ اَشْکُوْ اِلٰی طَبِیْبِیْ مَابِیْ وَالَّذِیْ بِیْ اَصَابَنِیْ مَنْ طَبِیْبِیْ

''میں اپنے طبیب سے اس بیماری کی شکایت کیسے کروں جس میں اس نے خود ہی مجھے مبتلا کیا ہے۔''

پھر میں نے پنکھا لیا تا کہ آپ کو ہوا دوں تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: ''پنکھے کی ہوا اس شخص کو کیسے راحت پہنچائے گی جس کا دل جل رہا ہو؟'' پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے:

''دل جل رہا ہے' آنسو بہہ رہے ہیں' غم جمع ہو رہے ہیں اور صبر ٹوٹ رہا ہے اس شخص کو کیسے اطمینان آئے جس کے لیے راحت وسکون کی کوئی جگہ ہی نہ ہو کیونکہ وہ تو بے چینی واضطراب اور عشقِ الٰہی عزوجل میں گرفتار ہے۔''

پھر آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ذکرِ الٰہی عزوجل کرتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا اور

اس دنیائے فانی سے کوچ فرما گئے۔ (الروض)

اے مسلمانو! اطاعت کی مٹھاس میں سے تم نے کیا تیار کیا تا کہ تم موت کا کڑوا گھونٹ پی سکو؟ اور موت کے آنے سے پہلے تقویٰ کے توشہ میں تم نے کون سی چیز آگے کر رکھی ہے؟ اور کس چیز نے حق کی آواز سننے سے غافلوں کے کانوں پر پردہ ڈال رکھا ہے؟ اے تنہائی میں گناہ کرنے والے! کاش! تو نے خلوت اختیار نہ کی ہوتی' کتنے ہی وعظ و نصیحت کرنے والے اہلِ غفلت کو پکار رہے ہیں مگر وہ نصیحت قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

"اور انہیں ڈر سناؤ پچھتاوے کے دن کا جب کام ہو چکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ نہیں مانتے۔" (پ۱۶، مریم: ۳۹)

(۱۸۲)

بوئے ہجر و فراق اور یارِ غارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ خَیَّرَ عَبْدًا بَیْنَ الدُّنْیَا وَبَیْنَ مَا عِنْدَہٗ فَاخْتَارَ ذٰلِکَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ۔"

"اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو دنیا اور اپنے پاس موجود چیز (موت) کا اختیار دیا تو اس بندہ نے اس چیز کو اختیار کیا جو اللہ عزوجل کے پاس ہے۔"

یہ تقریر سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور زار و قطار رونے لگے۔

حضرت ابو سعید کا بیان ہے: "ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے سے بڑا تعجب ہوا کیونکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی عام بندہ کے متعلق یہ خبر دی تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیا ہو گیا کہ زار و قطار رونے لگے؟ مگر ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ درحقیقت وہ بندہ کوئی اور نہیں بلکہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تھی یقیناً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے اور دُور اندیش تھے۔ (بخاری ۳/۱۳۳۷، مسند احمد ۳/۱۸)

(۱۸۳)

محبوبۂ محبوبِ خدا

(رضی اللہ عنہا، صلی اللہ علیہ وسلم، جل جلالہٗ)

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نہایت عالمہ، فاضلہ، مبلغہ، اور خطیبہ قرآن مجید کی حافظہ اور ہزاروں احادیث کی راویہ تھیں۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلَّا وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا۔"

"ہم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب بھی کسی حدیث میں اشکال ہوتا تو اس کی توضیح کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف رجوع کرتے اور ان کے پاس ہمیں اس سلسلے میں کوئی وضاحت ضرور ہی مل جایا کرتی۔"

(جامع ترمذی ۳۸۸۳)

بلاغت میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ احنف کہتے ہیں: "میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ سنا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خطبے سنے، بڑے بڑے قادر الکلام، بڑے بڑے مقررین اور خطباء کو سنا لیکن:

"فَمَا سَمِعْتُ الْكَلَامَ مِنْ فَمِ مَخْلُوْقٍ أَفْخَمَ وَلَا أَحْسَنَ مِنْهُ مِنْ

فِیْ عَآئِشَۃَ۔"

"میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر کسی شخص کو عمدہ اور خوب صورت کلام کہتے ہوئے نہیں سنا۔" (الحاکم)

وہ نہایت سخی تھیں' دل بہت غنی تھا ہر چند کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں فقر وفاقہ کے دن گزارے۔ کئی کئی ہفتے گزر جاتے ان کے گھر میں روٹی پکنے یا سالن تیار کرنے کے لیے چولہا نہ جلتا تھا۔ گزارہ صرف کھجور اور پانی پر ہوتا تھا اس کے باوجود کبھی شکوہ نہ کیا۔

ان کے بھانجے عروہ بن زبیر رحمتہ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھیجے۔ اللہ کی قسم! شام ہونے تک انہوں نے اس لاکھ درہم کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ شام کو ان کی لونڈی نے عرض کیا: "اگر اس رقم میں سے ایک درہم کا گوشت خرید لیتیں تو رات کے کھانے کا بندوبست ہو جاتا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "تم نے پہلے مجھے کیوں نہ بتلایا کہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے؟"

اسی واقعے سے ملتا جلتا ایک دوسرا واقعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی اُم ذر بیان کرتی ہیں کہ ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے دو تھیلیوں میں درہم ارسال کیے جو ایک لاکھ درہم کے برابر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک تھال منگوایا' تمام درہم اس میں رکھ دیے اور اسے لوگوں میں تقسیم کرنے لگیں اس روز اُم المومنین خود روزے سے تھیں۔ شام ہوئی تو خادمہ سے بولیں کہ روزہ کھولنے کے لیے افطاری کا سامان لاؤ۔

خادمہ (اُم ذر) نے عرض کیا: "اے اُم المومنین! (رضی اللہ عنہا) آپ نے لاکھ درہم تقسیم کر دیئے' ان میں سے ایک درہم کا گوشت ہی خرید لیتیں کہ افطاری کا بندوبست ہو جاتا۔"

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''میری سرزنش مت کر اگر تو مجھے پہلے بتاتی کہ گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے تو میں ضرور خرید لیتی۔''

مشہور مؤلف زرکشی نے اپنی کتاب ''الاجابۃ'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے چالیس مناقب بیان کیے ہیں جو دیگر ازواجِ مطہرات کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر شادیاں بھی کیں مگر وہ تمام خواتین یا تو بیوہ تھیں یا مطلقہ اور یہ شادیاں قبائل سے تعلقات قائم کرنے یا اُمت کو تعلیم دینے کی غرض سے کی گئی تھیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ واحد شخصیت ہیں جو کنواری تھیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بیویوں سے زیادہ محبوب تھیں۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو انہی کے پاس قیام پذیر ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوئے تو جسم مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا' انہی کے گھر کو یہ فضیلت نصیب ہوئی کہ اس میں قبر مبارک بنائی گئی۔

جب حبشی غلام مسجد نبوی میں جنگی کرتب دِکھا رہے تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دِکھلانے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا کندھا پیش کیا۔ انہوں نے اپنا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کندھے پر رکھ کر کھیل دیکھا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ دو مرتبہ دوڑ لگائی۔ پہلی مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا سبقت لے گئیں اور دوسری مرتبہ جب جسم بھاری ہو گیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیت گئے اور آپ نے ارشاد فرمایا:

''هٰذِهٖ بِتِلْكَ۔''

''عائشہ! یہ اس دن کا بدلہ ہے۔''

(مسند احمد ۶' ۲۶۴' ابن ماجہ ۱۹۷۹' ابوداؤد ۲۵۷۸)

ایک دن ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کے گھر آئے اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معاملے میں بحث کر رہی تھیں جیسا کہ عورتیں بعض اوقات

اپنے خاوندوں سے کرتی ہیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصے میں آئے اور اپنی بیٹی کو مارنا چاہا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اُٹھے ہوئے ہاتھ کو روک دیا۔ چند لمحات میں معاملہ ختم تھا جب ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر سے واپس چلے گئے تو ارشاد فرمایا:

"اَلَا تَرَیْنَ اَنِّیْ قَدْحُلْتُ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَكِ؟"

"تم نے دیکھا نہیں کہ میں تمہارے اور آدمی (تمہارے والد) کے درمیان حائل ہو گیا (اور تم پٹتے پٹتے بچیں)؟"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ ایک فارسی نے آپ کو دعوتِ ولیمہ پر بلایا یہ اس وقت کی بات ہے جب پردے کے احکامات نازل نہیں ہوئے تھے اور ازواجِ مطہرات پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا:

"وَھٰذِہٖ مَعِیْ"

"یعنی میری زوجہ عائشہ رضی اللہ عنہا میرے ساتھ ہوگی۔"

اس نے کہا: "میرے پاس ایک ہی مہمان کا انتظام ہے چند روز کے بعد پھر اس نے کھانے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس سے کہا کہ یہ میرے ساتھ ہوگی اس نے پھر عائشہ رضی اللہ عنہا کو دعوت دینے سے معذرت کی۔ تیسری مرتبہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا میرے ساتھ ہوگی۔

اب اس کے لیے رضامندی کے اظہار کے سوا کوئی راستہ نہ تھا اس سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اندازہ کریں کہ بار بار اس شخص سے فرمارہے ہیں کہ میں اکیلا نہیں آؤں گا۔ بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی میرے ساتھ ہوگی اور اس شخص کی صراحت دیکھیے کہ اس نے دو مرتبہ انکار کیا پھر تیسری مرتبہ ہاں کہا۔

پھر ایک دن ایسا بھی آیا جب قرآن میں اختیار دینے والی آیات نازل ہوئیں کہ زوجات رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا چاہتی ہیں تو ان کو دے دلا کر رخصت کر دیا جائے

یعنی طلاق دے دی جائے۔

اب ذرا محبت کا اندازہ دیکھیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس مسئلے میں ان کی مرضی دریافت کر رہے ہیں تو کیا فرمایا:

"لَاتُبَادِرِیْنِیْ بِالْجَوَابِ حَتّٰی تَسْتَأْمِرِیْ اَبَوَیْكِ."

"جب تک تم اپنے والدین سے مشورہ نہ کر لو جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔"

ڈر یہ تھا کہ کہیں جلد بازی میں دنیا کا انتخاب نہ کر لیں مگر ادھر بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، فوراً بولیں:

"أَفِيْكَ أَسْتَأْمِرُ؟ أُرِيْدُ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ."

"یہ بھی کوئی مشورہ کرنے کی بات ہے۔ بات صاف ہے میں اللہ اس کے رسول اور آخرت کے گھر کی طلب گار ہوں۔"

(مسند احمد ۳/۳۲۸، سنن الکبریٰ ۵/۳۸۳)

انہوں نے مال و دولت دنیا کو ذہن سے نکال دیا پھر دیگر امہات المومنین نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نقشِ قدم پر چلنا پسند کیا اور سبھی نے اللہ اس کے رسول اور دارِ آخرت کو پسند کیا۔ دنیا جس قدر گزارنے لائق ملی اسی پر صبر و شکر کر کے اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئیں۔

(۱۸۴)

نفس کے محاسبہ کا انوکھا طریقہ

حضرت سیدنا ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (اپنے نفس کا محاسبہ کرنے کا انداز بیان کرتے ہوئے) فرماتے ہیں' ایک مرتبہ میں نے یہ تصور باندھا کہ میں جنت میں ہوں وہاں کے پھل کھا رہا ہوں اور اس کی نہروں سے مشروب پی رہا ہوں اس کے بعد میں نے یہ خیال جمایا کہ میں جہنم میں ہوں اور تھوہڑ (کانٹے دار درخت) کھا رہا ہوں اور دوزخیوں کا پیپ پی رہا ہوں۔ ان تصورات کے بعد میں نے اپنے نفس سے پوچھا ''تجھے کس چیز کی خواہش ہے (جنت کی یا جہنم کی) اس نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں جا کر نیک عمل کر کے آؤں (لہٰذا جنت کی خواہش ہے) تب میں نے اپنے نفس سے کہا فی الحال تجھے مہلت ملی ہوئی ہے تو اسی حساب سے عمل کرتا رہ۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۴ص ۲۳۵ رقم ۵۳۶۱ مکاشفۃ القلوب ص ۲۶۵)

اس نعمت کے حصول کے لیے ہمارے آقا علیہ السلام کے ہزار ہا ارشادات ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے:

فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''بے شک اللہ عزوجل کے ایسے بندے بھی ہیں جو نہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور نہ شہداء لیکن انبیائے کرام علیہم السلام اور شہدائے عظام ان کے مقام و مرتبہ اور اللہ عزوجل سے ان کے قرب پر رشک کریں گے۔'' ایک اعرابی نے عرض کی: ''یارسول اللہ عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہوں گے؟'' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ مختلف شہروں کے لوگ ہوں گے' ان کے

درمیان کوئی خونی رشتہ نہ ہوگا مگر وہ ایک دوسرے سے صرف رضائے الٰہی عزوجل کی خاطر محبت کرتے اور تعلق رکھتے ہوں گے۔ بروزِ قیامت اللہ عزوجل ان کے لیے اپنے (عرش کے) سامنے نور کے منبر رکھنے کا حکم فرمائے گا اور ان کا حساب بھی انہی منبروں پر فرمائے گا۔ لوگ تو خوف زدہ ہوں گے لیکن وہ بے خوف ہوں گے۔

(المعجم الکبیر، الحدیث: ۳۴۳۳، ص ۲۹۰ بتغیر)

(۱۸۵)

نماز باجماعت کتنی ضروری ہے؟

حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اگرچہ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ اہلِ مدینہ ان کا نام عبداللہ بن قیس جبکہ اہلِ عراق ان کا نام عمرو بتاتے ہیں۔ بہرحال آپ اپنی کنیت ابن اُم مکتوم ہی سے معروف ہیں ان کی والدہ اُم مکتوم عاتکہ بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سابقین مہاجرین میں سے تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کیا۔ بچپن ہی میں ان کی بینائی جاتی رہی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ وہ مدینہ میں ایک یہودیہ کے ہاں رہتے تھے جو ان کا بہت خیال رکھتی تھی لیکن تھی گستاخ رسول چنانچہ انہوں نے اسے قتل کردیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گستاخِ رسول یہودیہ کے خون کورائیگاں قرار دے دیا۔ عہد فاروقی میں انہوں نے معرکۂ قادسیہ میں شرکت کی اور وہیں شہید ہوئے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ا ص: ۳۶۰-۳۶۵)

عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معرکوں میں شریک ہوتے رہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بصارت سے محروم لوگوں کو جنگوں میں شرکت سے مستثنیٰ قرار دیا تھا لیکن عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں شرکت کرتے اور باضابطہ قتال کرتے تھے چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں شہادت کے شرف سے مشرف ہوئے۔

عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک نابینا آدمی ہوں، میرے اور مسجد کے درمیان راستہ ناہموار ہے، درختوں اور جھاڑیوں کی رکاوٹیں بھی ہیں، میرا گھر بھی مسجد سے خاصہ دُور ہے اور میرے پاس کوئی آدمی بھی نہیں ہے جو میری رہنمائی کر سکے اور ہاتھ پکڑ کر مسجد تک لا سکے۔

"فَهَلْ تَجِدُلِيْ رُخْصَةً أَنْ أُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِيْ؟"

"تو کیا آپ میرے لیے اس بات کی کوئی رخصت پاتے ہیں کہ میں اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کروں (اور مسجد میں حاضری کی مشقت سے بچ جاؤں؟ (مسند احمد ۳/۴۲۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن اُم مکتوم کی مشقت و پریشانی دیکھی، عذر معقول تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں! گھر میں نماز پڑھ سکتے ہو۔" عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ جب واپس ہو گئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی ان کے پیچھے روانہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عَلَيَّ بِهِ۔"

"اسے میرے پاس بلا کر لاؤ۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت تو عطا فرما دی تھی مگر جماعت کی فرضیت واہمیت کے پیشِ نظر انہیں واپس بلا لیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

"هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟"

"کیا تم نماز کے لیے اذان سنتے ہو؟"

عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ نے عرض کی: "جی ہاں!"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فَأَجِبْ" "پھر تو تمہیں مسجد میں نماز کے لیے آنا ہی ہوگا۔"

(صحیح مسلم' المساجد' باب یجب اتیان المسجد علی من سمع النداء' حدیث: ۶۵۳ وابن ماجہ' المساجد والجماعات' باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ' حدیث: ۷۹۱)

ایک دوسری روایت میں ہے: "مَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً"

"میں تمہارے لیے (گھر میں نماز پڑھنے کی) کوئی رخصت نہیں پاتا ہوں۔"

مطلب یہ تھا کہ میں تمہارے لیے جماعت چھوڑ کر گھر میں نماز پڑھنے کی کوئی رخصت' کوئی گنجائش نہیں پاتا ہوں اگرچہ تم نابینا ہو اگرچہ تمہارے اور مسجد کے درمیان رکاوٹیں ہیں اگرچہ تمہارا گھر دُور بہت دُور ہے اگرچہ تمہارے پاس کوئی آدمی نہیں ہے جو مسجد تک تمہاری رہنمائی کر سکے اور اگرچہ تم اس (اندھے پن کی) مصیبت میں پھنسے ہو لیکن جب اذان کی آواز تمہارے کانوں سے ٹکراتی ہے' یہ ربانی آواز تمہارے دل کے شعور واحساس تک رسائی حاصل کرتی ہے تو پھر تمہارے لیے مسجد کی جماعت چھوڑ کر گھر کے اندر نماز پڑھنا درست نہیں' مسجد میں ضرور حاضر ہوا کرو۔"

(۱۸۶)

امتحان میں کامیاب ہونے والا نوجوان

حضرت سیدنا عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''بنی اسرائیل میں ایک مال دار شخص تھا جو اپنا مال بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا تھا' وہ اپنی بیوی اور ایک بیٹے کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گیا تو اس کی بیوی نے دل میں کہا: ''میں اپنے شوہر کے چھوڑے ہوئے مال کے لیے اس سے افضل جگہ نہیں پاتی جہاں وہ خرچ کیا کرتا تھا لہٰذا اس نے تمام مال صدقہ کر دیا سوائے دو سو درہموں کے جو اس نے اپنے بیٹے کے لیے جمع کر رکھے تھے جب بچہ بڑا ہوا تو اس نے پوچھا: ''اے میری ماں! میرا باپ کون تھا؟'' اس نے جواب دیا: ''تیرا باپ بنی اسرائیل کے معززین میں سے تھا۔'' بیٹے نے پھر پوچھا: ''کیا اس نے کوئی مال چھوڑا ہے؟'' ماں نے جواب دیا: ''کیوں نہیں! لیکن وہ ہمیشہ بھلائی کے راستے میں خرچ کرتا تھا تو میں نے بھی اسی راستے میں خرچ کر ڈالا۔'' بیٹے نے پوچھا: ''آپ نے میرے حصے کا سارا مال کیوں صدقہ کر دیا اور اس میں سے کچھ نہ بچایا؟'' اس کی ماں نے کہا: ''تمہارے حصے کے دو سو درہم باقی ہیں۔'' تو لڑکے نے عرض کی: ''لائیں! میرا مال مجھے دیں تاکہ اس کے ذریعے میں اللہ عزوجل کا فضل تلاش کروں۔''
چنانچہ وہ اپنی ماں سے درہم لے کر گھر سے نکل کھڑا ہوا' چلتے چلتے ایک برہنہ مردے کے پاس سے گزرا جو زمین پر پڑا ہوا تھا اس نے سوچا کہ مال خرچ کرنے کی اس سے افضل جگہ کوئی نہیں اس کے لیے ایک سو اسی درہم کا کفن خرید کر اس کے کفن و دفن کا اہتمام کیا اور قبر پر مٹی ڈالی اور بقیہ بیس درہم لے کر روانہ ہو گیا راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی

اس نے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟'' لڑکے نے جواب دیا: ''اللہ عزوجل کا فضل تلاش کرنے نکلا ہوں۔'' اس نے کہا: ''اگر میں ایسی چیز کی طرف رہنمائی کروں جس سے تو اللہ عزوجل کا فضل پائے تو اس میں سے نصف میرا ہوگا۔'' لڑکا رضامند ہوگیا تو اس شخص نے کہا: ''اس شہر کی طرف چلے جاؤ وہاں تم ایک عورت کو پاؤ گے جس کے پاس ایک بلی ہوگی، وہ اسے فروخت کر رہی ہوگی، تم اس سے بیس درہم میں خرید کر ذبح کر دینا اور آگ میں جلا دینا پھر اس کی راکھ جمع کر کے دوسرے شہر کی طرف روانہ ہو جانا وہاں کے بادشاہ کی بصارت زائل ہو چکی ہے، تم بطورِ سرمہ اس کی آنکھوں میں راکھ لگانا اس کی بینائی لوٹ آئے گی، وہ لڑکا گیا اور بلی کی راکھ لے کر جب بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے کہا: ''اس کو اس وادی میں لے جاؤ جس میں سرمہ لگانے والے ہیں پھر اس کو بتانا کہ اگر اس نے مجھے ٹھیک کر دیا تو منہ مانگا انعام پائے گا اور ٹھیک نہ کر سکا تو میں اسے قتل کر دوں گا پھر اگر وہ چاہے تو علاج کے لیے آگے بڑھے اور چاہے تو وہیں سے لوٹ آئے۔'' جب لڑکا وادی میں گیا تو وہاں سرمہ لگانے والوں کی لاشیں دیکھیں پھر بھی اس نے کہا: ''میں سرمہ لگاؤں گا چنانچہ اس نے سرمہ لگایا تو بادشاہ کہنے لگا: ''گویا مجھے کچھ کچھ نظر آرہا ہے'' پھر دوسری مرتبہ لگایا تو بادشاہ نے کہا: ''اب میں کچھ دیکھ رہا ہوں۔'' پھر جب تیسری مرتبہ سرمہ لگایا تو اس کی بینائی مکمل طور پر لوٹ آئی۔ بادشاہ نے کہا: ''میں تجھ پر اس سے بڑھ کر احسان نہیں کر سکتا کہ تیری شادی اپنی بیٹی سے کر دوں'' پھر بادشاہ نے اسکی حاجت پوچھ کر اپنا سب سے پسندیدہ مال اسے دے دیا۔ وہ لڑکا اس کے پاس کچھ عرصہ رہا پھر اسے اپنی ماں کی یاد ستائی تو اس نے بادشاہ سے جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے کہا: ''ٹھیک ہے، اپنے ساتھ اپنی بیوی اور مال کو بھی لے جاؤ۔'' واپسی پر وہ لڑکا اسی شخص کے پاس سے گزرا تو اس نے پوچھا: ''کیا مجھے پہچانتے ہو؟'' لڑکے نے نفی میں جواب دیا تو اس نے کہا: ''میں وہی ہوں جس نے تجھے فلاں فلاں بات بتائی تھی۔'' پھر وہ لڑکا سواری سے اُتر آیا اور جو کچھ اس کے پاس تھا، دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ شخص کہنے لگا: ''میرے

جسے کی ایک چیز ابھی باقی ہے۔'' لڑکے نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' تو وہ بولا: ''تیری بیوی' میں تجھے اللہ عزوجل کی قسم دیتا ہوں کہ اپنا وعدہ پورا کر۔'' اس لڑکے نے کہا: ''پھر ہم اس کی تقسیم کیسے کریں؟'' اس شخص نے کہا: ''اس کو آرے سے چیر دو۔'' لڑکے نے حامی بھر لی کہ میں ایسا ہی کرتا ہوں۔'' جب اس نے آرا اپنی بیوی کے سر پر رکھا تو وہ شخص کہنے لگا: ''رُک جاؤ بے شک مجھے اللہ عزوجل نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ اللہ عزوجل اسی طرح تیری حفاظت فرمائے جیسے تو نے اس سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا۔'' پھر اس شخص نے لڑکے کا سارا مال اسے واپس کر دیا۔ (الروض الفائق)

(۱۸۷)

مولا علی کرم اللہ وجہہ کی وصیت

امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو اپنی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا جب وہ حاضر ہو گئے تو آپ نے انہیں ایک قیمتی وصیت کی جو کہ ہر مسلمان کے لیے اسوہ ہے۔ آپ کی وصیت درج ذیل الفاظ میں تھی:

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے' وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور حق دین دے کر اس دنیا میں مبعوث کیا تاکہ وہ اپنے دینِ اسلام کو دنیا کے سارے ادیان و مذاہب پر غالب کرے۔ اگرچہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک وساجھی نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔"

"اس کے بعد میں اے حسن! تمہیں اور اپنے تمام بچوں اور بیویوں کو وصیت کرتا ہوں کہ تم لوگ اللہ رب العزت کا تقویٰ اختیار کرنا اور تمہارا خاتمہ اسلام ہی پر ہونا چاہیے۔ تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنا' اختلاف وانتشار کا شکار مت ہونا کیونکہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو

ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

''اپنے خاندان اور گھرانے میں اصلاح کرنا' عام صلہ رحمی اور روزے سے افضل ہے۔''

اپنے رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کیا کرو' اللہ تعالیٰ تمہارے حساب کتاب کو آسان فرما دے گا۔ اللہ اللہ! تم لوگ یتیموں کا خیال رکھنا' انہیں مشقت میں مت ڈالنا' دیکھنا کہ وہ تمہاری موجودگی میں ضائع نہ ہونے پائیں۔ اللہ اللہ! تم لوگ اپنے پڑوسیوں کا پاس و لحاظ رکھنا کیونکہ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلسل وصیت فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔ اللہ اللہ! قرآن پڑھتے رہنا اور اس پر عمل کرتے رہنا' کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اس پر دوسرے لوگ عمل پیرا ہو کر تم سے سبقت کر جائیں۔ اللہ اللہ! نماز کا خیال رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دین کا ستون ہے۔ اللہ اللہ! بیت اللہ کو آباد رکھنا' اسے خالی مت چھوڑ دینا کیونکہ اسے چھوڑ دینے کے بعد اس کے مثل کوئی دوسرا بیت اللہ نصیب نہیں ہو سکتا۔ اللہ اللہ! اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کرنا۔ اللہ اللہ! زکوٰۃ کی ادائیگی میں پس و پیش مت کرنا کیونکہ زکوٰۃ رب کے غصے کو بجھا دیتی ہے۔ اللہ اللہ! ذمیوں کے بارے میں اپنے نبی کی وصیت کا خیال رکھنا' تمہاری موجودگی میں کسی ذمی پر ہرگز ظلم نہ ہونے پائے۔ اللہ اللہ! اپنے نبی کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا احترام قائم رکھنا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا لحاظ رکھنے کی وصیت فرمائی ہے۔ اللہ اللہ! فقیروں اور مسکینوں کی دیکھ بھال کرنا اور انہیں بھی اپنی معیشت میں شریک رکھنا۔ اللہ اللہ! اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے حقوق کا

خیال رکھنا۔ اللہ اللہ! نماز قائم کرنا۔ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اور سرزنش سے ہرگز پریشان نہ ہونا' اللہ تعالیٰ نے تمہاری سرزنش کرنے والوں کے لیے تمہیں اس کا حکم دیا ہے۔ لوگوں کو بھلائی کا حکم دینے اور بُرائی سے روکنے میں کوتاہی سے کام مت لینا ورنہ تمہارے شریر لوگ غالب آ جائیں گے اور پھر تم دعائیں مانگو گے مگر قبول نہ ہوں گی۔ باہمی تعلقات اور خیر خواہی کا جذبہ رکھنا۔ ایک دوسرے کو پسِ پشت ڈالنے' قطع تعلقی اور فرقہ بندی سے گریز کرنا۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ اور بُرے کاموں میں کسی کا ہاتھ نہ بٹانا' اللہ تعالیٰ سے خوف کھانا' بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم اہلِ بیت کی حفاظت فرمائے اور تمہارے درمیان اپنے نبی کے طریقہ کو برقرار رکھے' میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔''

اس وصیت کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سوائے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے کوئی دوسرا کلمہ اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکے اور آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ آپ کو آپ کے دونوں صاحبزادوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے غسل دیا۔ (تاریخ طبری ۴/۳۹۶)

(۱۸۸)

ڈوبا ہوا بچہ مل گیا

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ: ''سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''بنی اسرائیل کی ایک عورت کا شوہر گھر سے باہر تھا اس شخص کی ماں نے اپنی بہو کو جدائی پر اُبھارا تو اس کی بیوی اسے ناپسند کرنے لگی پھر اس کی ماں نے اپنے بیٹے کی جانب سے ایک جھوٹا طلاق نامہ اپنی بہو کو لکھا اس عورت کے دو بیٹے تھے جب وہ خط اسے ملا تو وہ اپنے بچوں کو لے کر والدین کے پاس چلی گئی۔ وہاں کا ظالم بادشاہ مسکینوں کو کھانا کھلانا پسند کرتا تھا۔ ایک دن ایک مسکین اس عورت کے قریب سے گزرا' وہ روٹی پکا رہی تھی۔ مسکین نے سوال کیا: ''مجھے کچھ روٹی کھلا دو۔'' عورت نے کہا: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ بادشاہ نے سختی کے ساتھ مساکین کو کھانا کھلانے سے منع کیا ہوا ہے؟'' اس نے کہا: ''مجھے یہ بات معلوم ہے لیکن اگر تم مجھے کھانا نہ کھلاؤ گی تو میں ہلاک ہو جاؤں گا۔'' یہ سن کر اس عورت کو ترس آ گیا اور اس نے دو روٹیاں مسکین کو دے دیں اور کہا: ''کسی کو پتہ نہ چلے کہ میں نے تجھے کھانا دیا ہے۔'' وہ روٹیاں لے کر پہرے داروں کے پاس سے گزرا جب انہوں نے اس کی تلاشی لی تو اس سے روٹیاں برآمد ہوئیں۔ انہوں نے اس سے پوچھا: ''یہ تجھے کہاں سے ملیں؟'' اس نے کہا: ''فلاں عورت نے دی ہیں۔'' پہرے دار اس مسکین کو اس عورت کے پاس لے آئے اور پوچھا: ''کیا اس مسکین کو یہ روٹیاں تو نے دی ہیں؟'' اس عورت نے جواب دیا: ''جی ہاں!'' انہوں نے پوچھا: ''کیا تو نہیں جانتی کہ بادشاہ نے سختی کے ساتھ مساکین کو کھانا کھلانے

سے منع کر رکھا ہے؟'' اس عورت نے کہا: ''ہاں! یہ مجھے معلوم ہے۔'' تو انہوں نے پوچھا: ''پھر کس چیز نے تمہیں اس پر اُبھارا؟'' وہ بولی: ''مجھے اس پر ترس آ گیا اور مجھے امید تھی کہ یہ کسی کو نہ بتائے گا۔'' بہر حال پہرے داروں نے اس کو بادشاہ کے دربار میں پیش کرتے ہوئے بتایا: ''اس عورت نے مسکین کو کھانا دیا ہے۔'' بادشاہ نے اس سے پوچھا: ''کیا تو نے ایسا کیا ہے؟'' اس نے ہاں میں جواب دیا۔ بادشاہ نے کہا: ''کیا تو نہیں جانتی تھی کہ میں نے مساکین کو کھانا کھلانے سے منع کر رکھا ہے؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں! مجھے معلوم تھا۔'' بادشاہ نے پوچھا: ''پھر تمہیں کس چیز نے اس پر اُبھارا؟'' عورت بولی: ''مجھے اس پر ترس آ گیا اور مجھے امید تھی کہ یہ کسی کو نہ بتائے گا اور مجھے اللہ عزوجل کا خوف ہوا کہ کہیں یہ ہلاک نہ ہو جائے۔'' پھر بادشاہ نے اس کے دونوں ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ وہ اپنے بچوں کو لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی یہاں تک کہ ایک بہتی نہر کے کنارے پہنچی اس نے اپنے ایک بیٹے کو پانی پلانے کا کہا جب بچہ پانی لینے کے لیے اُترا تو ڈوب گیا اس نے دوسرے بیٹے کو کہا: ''اے بیٹے! اپنے بھائی کو تھامو۔'' وہ بھائی کو بچانے کے لیے نیچے اُترا لیکن وہ بھی ڈوب گیا اب وہ بے چاری تنہا رہ گئی۔

اچانک اس کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ عزوجل کی بندی! تجھے کیا ہوا؟ میں تیری حالت بہت بُری دیکھ رہا ہوں۔'' اس نے جواب دیا: ''اے اللہ عزوجل کے بندے! مجھے چھوڑ دے کیونکہ میرے ساتھ جو کچھ ہوا اس نے مجھے تجھ سے بے خبر کر دیا ہے۔'' اس نے اصرار کیا: ''مجھے اپنا حال تو بتایئے'' تو اس عورت نے سارا واقعہ بیان کر دیا اور یہ بھی بتایا کہ اس کے دونوں بچے ڈوب گئے ہیں۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا: ''تم اپنے ہاتھوں اور بچوں میں سے کس کی واپسی چاہتی ہو؟'' عورت نے کہا: ''تو میرے دونوں بچوں کو زندہ نکال دے۔'' چنانچہ اس نے دونوں لڑکوں کو زندہ نکال دیا پھر اس کے ہاتھ بھی لوٹا دیئے اور کہنے لگا: ''مجھے اللہ عزوجل کی طرف سے تیری طرف بھیجا

گیا ہے اس نے تجھ پر رحم کرتے ہوئے مجھے بھیجا ہے۔ پس ان دو روٹیوں کے عوض تیرے ہاتھ لوٹا دیئے گئے ہیں اور اس مسکین پر ترس کھانے اور مصیبت پر صبر کرنے کی وجہ سے تیرے دونوں بیٹے لوٹا دیئے گئے ہیں اور تجھے یہ بھی بتا دوں کہ تیرے شوہر نے تجھے طلاق نہیں دی تھی تو اس کے پاس لوٹ جا' وہ اپنے گھر میں ہی ہے اور اس کی ماں کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ جب وہ عورت اپنے شوہر کے گھر گئی تو تمام معاملہ ایسا ہی پایا جیسا کہا گیا تھا۔"

(عیون الحکایات' الحکایۃ العشرون بعد المائۃ' المعروف لا یضیع' ص ۱۴۸ ملخصاً)

(۱۸۹)

اہلِ حق کا بے مثال گروہ

مفسرینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل نے دین میں باطل چیزوں کی آمیزش کر دی تو ایک گروہ ان سے جدا ہو گیا۔ انہوں نے اللہ عزوجل سے دعا کی کہ وہ ان کو دین میں باطل چیزوں کی ملاوٹ کرنے والوں سے دُور کر دے۔ چنانچہ زمین کے نیچے ایک سوراخ ظاہر ہوا اس میں چلتے ہوئے انہوں نے ایک کشادہ اور وسیع میدان دیکھا تو انہوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ ان کے بیٹے اور سب نسلیں مستقل طور پر وہیں قیام پذیر ہو گئیں یہاں تک کہ حضرت سیدنا ذوالقرنین ایک دن سیر کرتے ہوئے جب وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں لوگوں کی عمریں دراز ہیں' کوئی فقیر نہیں' قبریں گھر کے دروازوں کے قریب اور عبادت گاہیں گھروں سے دُور ہیں' گھروں پر دروازے بھی نہیں ہیں' نہ ان پر کوئی حاکم ہے' نہ ان کا کوئی امیر ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''ان سب باتوں کا راز کیا ہے؟'' تو عرض کی گئی: ''اے بادشاہ! ہماری عمروں میں برکت کا سبب ہمارا ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے' ہم میں سے جب کوئی محتاج ہو جاتا ہے تو ہم مل کر اس کی محتاجی دُور کرتے ہیں اس طرح ہم سب اغنیاء ہیں اور ہماری قبروں کے گھر سے قریب ہونے کا سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنے علمائے کرام رحمہم اللہ علیہم سے سنا ہے کہ قبر زندوں کو موت کی یاد دِلاتی ہے اور عبادت گاہوں کے دُور ہونے کا سبب ہمیں انبیائے کرام علیہم السلام اور علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ان کی طرف قدموں کی

کثرت سے نیکیوں میں اضافہ ہوتا ہے اور ہمارے گھروں کے دروازے اس لیے نہیں کہ ہم کسی کی چوری نہیں کرتے تو ہمیں دروازوں کی حاجت نہیں ہوتی اور ہم پر کوئی حاکم یا امیر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے بلکہ ہم باہم عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں تو ہمیں پھر امیر و حاکم کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔'' حضرت سیدنا ذوالقرنین نے ارشاد فرمایا: ''میں نے تمہاری مثل کوئی قوم نہیں دیکھی اور اگر میں نے کسی شہر کو وطن بنانے کا ارادہ کیا تو تمہارے حسنِ معاشرت اور اخلاقِ جمیلہ کی وجہ سے اس شہر کو وطن بناؤں گا۔'' (الروض)

(۱۹۰)

دو روٹیاں صدقہ کرنے کی برکت

مروی ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک عابد کئی سال اپنی جھونپڑی میں اللہ عزوجل کی عبادت کرتا رہا۔ ایک دن اس نے جھونپڑی سے نکل کر سامنے صحن کے درمیان جاری پانی کو دیکھا تو اسے نفس نے جھونپڑی سے اُترنے پر اُبھارا۔ چنانچہ وہ اُترا اور پانی پی کر وہیں بیٹھ گیا اچانک اس کے پاس سے ایک زیور سے آراستہ عورت گزری جو ایک بستی سے دوسری کی طرف جا رہی تھی۔ وہ عابد اس کے فتنے میں مبتلا ہو کر زنا کر بیٹھا پھر اس کے قریب سے ایک سائل گزرا' عابد کو روزانہ غیب سے دو روٹیاں ملتی تھیں اس نے وہ روٹیاں اس سائل کو دے دیں اور خود بھوکا رہا۔ اللہ عزوجل نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: ''اس سے کہو کہ زنا کے سبب تمہارے اعمال برباد ہو گئے پھر تیری صدقہ کی دو روٹیوں اور خود پر مسکین کو ترجیح دینے نے تمام اعمال کو زندہ کر دیا۔ پس یہ تیرے صدقے کا ثواب ہے' میں نے اسے قبول کر کے تمہیں تمہاری سابقہ حالت پر لوٹا دیا ہے۔''

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان' کتاب البر والاحسان' باب ماجاء فی الطاعات وثوابها الحدیث ۳۷۹' ج ۱' ص ۲۹۸ بتغیر)

(۱۹۱)

گھر میں قبر

حضرت سیدنا محمد بن سماک واعظ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ایک دفعہ میرے سامنے ایک عابد کی تعریف کی گئی چنانچہ میں اس کی زیارت کے لیے چل پڑا۔ میں نے اس کو گھر میں پایا اور دیکھا کہ اس نے ایک قبر کھود رکھی ہے اور قبر کے کنارے بیٹھ کر اپنے سامنے کھجور کے پتے سیدھے کر رہا ہے۔ میں نے اسے سلام کیا اس نے دھیمی آواز میں سلام کا جواب دینے کے بعد پوچھا: ''آپ کون ہیں؟'' میں نے کہا: ''محمد بن سماک'' وہ بولا: ''محمد بن سماک واعظ؟'' میں نے ہاں میں جواب دیا اس نے کھجور کے پتے رکھ دیئے اور کہنے لگا: ''اے ابن سماک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ! سننے والے کے لیے واعظ اسی طرح ہے جیسے بیمار کے لیے طبیب لہٰذا آپ مجھے کچھ نصیحت کیجیے۔''

میں نے اسے وعظ و نصیحت کرتے ہوئے کہا: ''کیا آپ اس سے ڈرتے نہیں کہ آپ کی خطائیں بھلائی نہ جائیں گی اور آپ کے گناہ مٹائے نہ جائیں گے پھر آپ کے سامنے کتنی سختیاں، ہولناکیاں، تکالیف اور مصائب و آلام ہیں جن میں سے پہلی قبر کی تاریکی ہے پھر حشر و نشر کی تاریکی پھر پل صراط کی تاریکی پھر اعمال کا وزن کیا جانا پھر امیدوں کا منقطع ہو جانا اور پھر اللہ عزوجل کا غضب فرمانا۔'' یہ سن کر وہ شدت سے رونے لگ گیا پھر کہنے لگا: ''اے ابن سماک! اس کے بعد کیا ہوگا؟'' میں نے کہا: ''اس کے بعد گناہوں کا بھاری بوجھ اٹھا کر جہنم کی آگ پر سے گزرنا ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل کا زجر و توبیخ فرمانا ہے۔'' اس نے جب یہ سنا تو ایک زوردار چیخ ماری اور قبر میں

جا گرا۔ایک بہت بوڑھی عورت باہر نکلی' وہ اس کے چہرے سے مٹی صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی: ''ان دو آنکھوں پر میرے ماں باپ قربان! انہوں نے عرصۂ دراز سے اللہ عزوجل کی اطاعت میں شب بے داری کی اور عرصۂ دراز تک اللہ عزوجل کے خوف سے روتی رہیں پھر اس نے اسے حرکت دی اور دیکھا تو اس کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکا تھا میں اس کے گھر سے نکلا تو اچانک حضرت سیدنا سری سقطی' حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم' حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور عابدوں کا ایک قافلہ دیکھا۔انہوں نے مجھ سے پوچھا: ''کیا حضرت سیدنا ابو یزید خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہو گیا؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' پھر میں نے ان کو ان کے گھر کا راستہ بتایا' وہ اندر داخل ہوئے تاکہ اسے قبر سے نکال کر غسل و کفن کا انتظام کریں تو اس کو اس حال میں پایا کہ اسے غسل دیا جا چکا تھا اور پاکیزہ کفن بھی پہنا دیا گیا تھا پھر مسلمانوں نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور میں اپنے گھر لوٹ آیا اس وقت میں اپنے آپ کو بہت ذلیل وحقیر محسوس کر رہا تھا۔'' (الروض الفائق)

(۱۹۲)

انصاری جوان کا اپنی والدہ کی دعا سے زندہ ہو جانا

شیخ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبیداللہ بن ابی الدنیا بیان کرتے ہیں کہ خالد بن خداش بن عجلان المہلبی اور اسماعیل بن ابراہیم بن بسام فرماتے ہیں کہ صالح مری عن ثابت بنانی عن انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک نوجوان کی بیمار پرسی کی اس کے بعد وہ فوراً فوت ہو گیا تو ہم نے اس کی آنکھیں بند کیں اور اس پر کپڑا ڈال دیا۔ ہم میں سے کسی نے اس کی والدہ کو صبر کی تلقین کی تو اس کی والدہ نے پوچھا کیا میرا بیٹا فوت ہو گیا۔ ہم نے کہا جی ہاں! اس نے کہا کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ ہم نے کہا جی ہاں تو اس کی والدہ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور کہنے لگی اے اللہ! میں تجھ پر ایمان لائی اور میں نے تیرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہجرت کی اب مجھ پر بہت سخت مصیبت نازل ہوئی ہے۔ اے اللہ تعالیٰ! میں نے جب بھی تجھے پکارا تو نے میری مشکل حل کی ہے پس میں تجھ سے سوال کرتی ہوں اے اللہ! آج مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈال اس کے بعد اس کی والدہ نے اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ زندہ تھا اور اس نے ہمارے ساتھ کھانا بھی کھایا۔" (من عاش بعد الموت لابن ابی الدنیا ترجمہ بولتی لاشیں)

اس حدیث کو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مجاب الدعوہ صفحہ ۴۶ پر نقل کیا ہے اور یہ حسن لغیرہ ہے۔ ابن عدی اور امام بیہقی اور ابو نعیم نے اس کو دلائل میں نقل کیا ہے۔ صالح المری سے اور وہ ضعیف راوی ہے اور بیہقی میں یہ واقعہ عن ابن طریق عیسیٰ بن یونس عن عبداللہ بن عون عن انس مروی ہے اور اس میں ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی موجودگی کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن کثیر اپنی تاریخ میں اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیتے ہیں مگر چونکہ اس میں انقطاع ہے اس لیے میں کہتا ہوں یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ واللہ اعلم (ابو معاذ ایمن بن عارف دمشقی)

یہی واقعہ ایک دوسری روایت سے بھی بیان ہوا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عبداللہ بیان فرماتے ہیں کہ محمد بن محمد بن الاسود التیمی عن ابی النضر ہاشم بن قاسم عن صالح مری روایت کرتے ہیں یہ واقعہ میں نے حفص بن نضر اللمی کو بھی سنایا اس نے بھی بہت تعجب کیا دوسرے جمعہ کو مجھے ملے پھر کہا مجھے آپ کے بیان کردہ واقعہ سے بہت تعجب ہوا ہے؟ پس میں ربیعہ بن کلثوم سے ملا اس نے مجھے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک میری ہمسائی بہت بوڑھی عورت تھی' آنکھوں سے اندھی کانوں سے بہری اور اپاہج اس کا صرف ایک ہی بیٹا تھا اور وہی کما کر والدہ کو کھلاتا تھا۔ وہ مر گیا ہم نے اس بڑھیا کو آواز دے کر بتایا:

"اِحْتَسِبِیْ مُصِیْبَتَكِ عَلَى اللهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی ـ"

"یعنی اللہ تعالیٰ سے اپنی مصیبت پر ثواب کی امید رکھ۔"

یعنی صبر کر اس نے کہا کیا مصیبت ہے کیا میرا بیٹا مر گیا ہم نے کہا جی ہاں اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی:

"مَوْلَایَ اِرْحَمْ بِیْ لَاتَاْخُذْ مِنِّیْ اِبْنِیْ ـ"

"اے میرے مولا! مجھ پر رحم کر مجھ سے میرا بیٹا نہ لے۔"

بار بار یہ دعا مانگتی ہے میں نے کہا شاید ان کی عقل خراب ہوگئی ہے۔ میں بازار جا کر اس کے لیے کفن خرید کر لایا میں نے دیکھا تو وہ لڑکا زندہ ہو کر بیٹھا ہوا ہے۔

(اسنادہ صحیح اخرجہ البیہقی فی دلائل ۶/۵۵' ابن عساکر تاریخ دمشق ۴۸۵)

ایک سوال اور اس کا جواب

امام العصر ابوبکر عبداللہ بن محمد القرشی البغدادی (المتوفی ۲۸۱ھ المعروف حافظ ابن

ابی الدنیا) کی کتاب من عاش بعد الموت کا ترجمہ ایک دیوبندی عالم مفتی مبشر احمد صاحب نے بولتی لاشیں کے نام سے کیا اور اس کتاب میں تمام واقعات حیات بعد الموت سے متعلقہ میں جس میں ایک واقعہ آپ نے دو مختلف روایات سے پڑھ لیا اس سے پر جب سوال پیدا ہوا کہ قرآن مجید میں تو صاف لکھا ہے کہ حیات دو مرتبہ ہے ایک دنیا میں دوسری آخرت میں لیکن اس کتاب میں بیان ہونے والے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگ ایک بار زندہ ہوئے پھر مرے پھر زندہ ہوئے تو اس طرح یہ واقعات اس نقص قطعی (كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللهِ...... پ ۱ رکوع ۳) کے خلاف ہیں اس طرح جن احادیث سے تین دفعہ کی حیات کا ثبوت ملتا ہے نیز جن احادیث سے حیات فی القبر ثابت ہوتی ہے وہ بھی نص قرآنی کے خلاف ٹھہری تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے مترجم نے بہت کچھ لکھا ہے اس میں سے کچھ تھوڑا سا ہم من وعن نقل کر رہے ہیں۔

"حضرت تھانوی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ میت کو حیاتِ برزخی دفن ہونے سے پہلے مل جاتی ہے"۔ (وعظ حیات طیبہ ص ۹' المصالح العقلیہ ج ۳ ص ۲۷)

اس کی مثال بیان کرتے ہوئے حضرت تھانوی سلطانِ الاولیاء خواجہ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کا جنازہ لے چلے تو آپ کے ایک مرید شدت غم کی حالت میں یہ پڑھنے لگے

سرو سیمینا بصحرا مے روی
سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشہ گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشہ میروی

ترجمہ: اے میرے محبوب آپ جنگل میں جا رہے ہیں آپ کتنے بے مہر ہیں کہ ہمارے بغیر جا رہے ہیں اے محبوب آپ کا رخ انور جہان کی تماشہ گاہ ہے آپ کس کو دیکھنے کہیں اور جگہ جا رہے ہیں۔

کتاب میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین اولیاء کا ہاتھ کفن سے باہر نکلا اور اس شعر پڑھنے والے کو اشارہ کر کے شعر پڑھنے سے منع کر دیا۔ (وعظ روح الصیام ص ۵۳)

یہ تو ہے موجودہ دور کے ایک ولی اللہ کا حال کہ ابھی وہ دفن نہیں ہوئے مگر کلام کو سنا اور اشارے سے منع بھی کیا لہٰذا ''من عاش بعد الموت'' میں جو واقعات ہیں وہ زیادہ تر قرونِ اولیٰ کے ہیں جس کو خیر القرون کا لقب دیا گیا ہے تو کیا وہ لوگ اس طرح کی حیات پا کر گفتگو کریں تو وہ کیوں محال سمجھی جائے۔

☆ مثلاً اس کتاب میں حضرت زید بن خارجہ کا واقعہ متعدد سندوں کے ساتھ مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر (الاصابہ ج اوّل ص ۵۶۵) لکھتے ہیں:

''شَهِدَ اَبُوْهُ اُحُدًا وَّشَهِدَ هُوَ بَدْرًا وَّذَكَرَ الْبُخَارِيُّ وَغَيْرُهٗ اَنَّهُ الَّذِيْ تَكَلَّمَ بَعْدَ الْمَوْتِ۔''

(نیز حاشیہ تہذیب ج ۳ ص ۴۱۰) میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ روایت مذکور ہے (جیسا کہ آگے مستقل واقعہ آئے گا ان شاء اللہ) اب میں سائل سے پوچھتا ہوں کہ ایک امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی صحیح بخاری میں اس واقعہ کا ذکر فرما رہے ہیں ان کو حقیقتِ حال کا علم نہ تھا کہ اس طرح کے واقعات نہ ... ای کے خلاف معلوم ہوتے ہیں نہیں بلکہ وہ سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ عالمِ برزخ کا حال ہے اس میں حیاتِ برزخی حاصل ہوتی ہے اور اس طرح گفتگو کرنا اور سننا ممکن ہے۔

حیات فی القبر کے چند واقعات

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی شخص بے علمی کے سبب قبر پر بیٹھ گیا اس نے قبر سے سورۃ ملک پڑھنے کی آواز سنی اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک سورۃ ملک منجیہ ہے جو اسے عذابِ قبر سے بچا رہی ہے۔ (اخرجہ الترمذی عن ابن عباسؓ ج ۲ ص ۱۱۲)

☆ عَنْ جُبَیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ لَقَـدْ اَدْخَلْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِیِّ فِیْ لَحْدِہٖ وَمَعِیَ حَمِیْدُ الطَّوِیْلُ فَلَمَّا سَوَّیْنَا عَلَیْہِ اللَّبِنَ سَقَطَتْ لَبِنَۃٌ فَاِذَا ھُوَ فِیْ قَبْرِہٖ یُصَلِّیْ ۔

(شوق وطن ص ۲۳ حضرت تھانوی)

''حضرت جبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں بخدا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں نے خود ثابت بنانی کو قبر میں اُتارا میرے ساتھ حمید الطویل بھی تھے جب ہم نے اس پر اینٹیں لگائیں تو ایک اینٹ گر پڑی ہم نے قبر میں دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔''

فائدہ: حضرت ثابت بنانی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں اور حدیث اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ کے راوی ہیں۔ یہ دعا مانگا کرتے تھے یا اللہ اگر انبیاء کے علاوہ کسی کو حیات فی القبر حاصل ہو تو مجھے بھی عطا کرنا۔ حضرت جبیر اور حضرت حمید رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں ہم دونوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ زندہ ہو کر قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

☆ ایک بزرگ کہتے ہیں میں نے ایک شخص کے لیے قبر کھودی میں لحد بنا رہا تھا کہ ساتھ کی قبر سے ایک اینٹ گری۔

فَاِذَا شَیْخٌ جَالِسٌ فِی الْقَبْرِ عَلَیْہِ ثِیَابٌ بِیْضٌ تَقَعْقَعُ وَفِیْ حَجْرِہٖ مُصْحَفٌ وَھُوَ یَقْرَءُہٗ فَرَفَعَ رَاْسَہٗ وَقَالَ لِیْ اَقَامَ الْقِیَامَۃُ رَحِمَکَ اللّٰہُ قُلْتُ لَا قَالَ رُدَّ اللَّبِنَۃَ اِلٰی مَوْضِعِھَا عَافَاکَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَرَدَدْتُھَا ۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۱۷۸)

''کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ قبر میں بیٹھے ہیں ان کے کپڑے سفید ہیں ان کی گود میں قرآن مجید ہے وہ اسے دیکھ کر پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سر اُٹھایا اور مجھے کہا کیا قیامت ہو گئی؟ میں نے کہا نہیں اس بزرگ نے کہا پھر

اینٹ کو اپنی جگہ پر رکھ دو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے پھر میں نے اینٹ کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔"

☆ امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابن مینا کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ کسی قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھے تو اندر سے آواز آئی:

"یَقُوْلُ قُمْ فَقَدْ اٰذَیْتَنِیْ ۔" (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۱۷۹)

یہاں سے اُٹھ جا تو نے مجھے بہت تکلیف دی ہے۔

☆ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ شیخ محمد ترک کے گھر کے قریب دو شہیدوں کی قبریں تھیں وہ دونوں حافظ قرآن تھے وہ دونوں قبر میں دور کرتے تھے اور میں ان کی آواز سنتا تھا۔

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں عبداللہ بن عبیداللہ الانصاری سے روایت کرتے ہیں:

"فَلَمَّا اَدْخَلْنَاهُ قَبْرَهٗ سَمِعْنَاهُ یَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّیْقُ عُمَرُ الشَّهِیْدُ عُثْمَانُ اَمِیْنٌ رَحِیْمٌ ۔"

"جب ہم نے انہیں قبر میں اُتارا تو وہ کہہ رہے تھے (۱) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ (۲) ابوبکر صدیق ہیں۔ (۳) عمر شہید ہیں۔ (۴) عثمان امانت دار اور رحم دل ہیں۔

☆ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مزار پر قوالی ہو رہی تھی کسی عارف نے مراقبہ کیا کہ معلوم کریں خواجہ صاحب راضی ہیں یا نہیں تو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ایں بدبختاں مارا پریشان کردہ اند

یعنی ان بدبختوں نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات مولانا احمد رضا خان بریلوی حصہ اوّل سلوک الاحسان علامہ خالد محمود پی ایچ

ڈی لندن' ص ۱۶۸ (حصہ دوم)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا اولیاء کرام رحمہم اللہ علیہم اجمعین کے ابدان مبارکہ میں حیاتِ برزخی موجود ہے جس سے وہ نیک اعمال کی برکات محسوس کرتے ہیں اور بدعات سے شدید نفرت کرتے ہیں اور انہیں پریشانی ہوتی ہے۔

بہت سی مثالیں میں نے ذکر کردی ہیں جن سے واضح ہوگیا کہ برزخی زندگی حق ہے خواہ قبر سے باہر ہو یا قبر کے اندر صرف فرق اتنا ہے کہ عالمِ برزخ کی زندگی ان تمام دنیوی لوازمات کے ساتھ نہیں ہوتی یعنی اس میں تغذیہ وتمیہ (کھانا اور بڑھنا) نہیں ہوتا۔

سوال پیدا ہوا کہ اس کتاب میں بعض ایسے واقعات بھی ہیں کہ میت زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگا اور لوگوں نے اسے کھاتے پیتے دیکھا اور کام کاج کرتے دیکھا۔

تو اس کا جواب دیا کہ پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حیاتِ برزخی کا پھیلاؤ بہت وسیع ہے یہ اپنے اصلی بدن پر سایہ ڈالتے ہوئے جسد مثالی تک اثر انداز ہوتی ہے یعنی میت کو اس جسد عنصری کے علاوہ ایک بدن مثالی ملتا ہے اور اس کی روح اس جسد مثالی میں آجاتی ہے لوگ اسے چلتا پھرتا دیکھتے ہیں اور اس کا پہلا نام ہی گمان کرتے ہیں حالانکہ وہ جسد مثالی ہوتا ہے عالمِ برزخ کے مسافر اس جسد مثالی کے واسطہ سے اس جہاں میں رہنے اور حج وعمرہ کرتے نظر آتے ہیں۔

☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد شاہ عبدالرحیم رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ذکر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ حضرت مرزا زاہد ہروی رحمتہ اللہ علیہ کے درس سے فارغ ہو کر جا رہے تھے راستہ میں ایک غیر آباد جگہ پر پہنچے اور شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کا شعر پڑھنے لگے:

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است
جز سرِ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق

آخری مصرعہ یاد نہ آرہا تھا تو اچانک پیچھے سے ایک درویش نکلا اور کہنے لگا آخری مصرعہ ہے علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں میں نے اس درویش سے نام پوچھا تو وہ کہنے لگا سعدی ہمیں فقیر است۔ (فتاوی رحیمیہ ج ۷ ص ۱۰۰)

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ شیخ سعدی وہاں کیسے پہنچ گئے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے جسد مثالی سے وہاں ظاہر ہو کر شعر کی اصلاح کرنے لگے اسی طرح شب معراج میں بیت المقدس میں انبیائے کرام علیہم السلام کا جمع ہونا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جسد مثالی ہی کے ذریعے تھا۔

☆ شیخ عطاء اللہ اسکندری کے ایک شاگرد حج پر گئے تو انہوں نے شیخ عطاء اللہ کو حج کے تمام ارکان ادا کرتے ہوئے دیکھا صفا مروہ مقامِ ابراہیم عرفات منیٰ میں حالانکہ شیخ عطاء اللہ اسکندری اس سال حج پر گئے ہی نہ تھے۔ شاگرد نے آکر جب پوچھا کہ آپ حج پر گئے تھے میری ملاقات آپ کے ساتھ فلاں فلاں مقام پر ہوئی تھی تو شیخ مسکرانے لگے دراصل وہ ان کی مثالی شکل تھی جو شاگرد کو نظر آئی۔ (سلوک الاحسان ص ۱۷۱ حصہ دوم)

شہیدانِ وفا کو کبھی مرتے نہیں دیکھا
حیاتِ جاوداں ملتی تو ہے مگر فنا ہو کر

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر متعدد سالوں تک اس دنیا میں رہنے کے جو واقعات ملتے ہیں اس کا دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آدمی پر سکتہ یا قومہ کی حالت طاری ہو۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جس میں آدمی بے حس وحرکت ہو جاتا ہے دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شخص مر چکا ہے اور اس کے کفن دفن کے انتظام میں لگ جاتے ہیں کچھ گھنٹوں کے بعد وہ ہوش میں آجاتا ہے سارے انتظامات وہیں رہ جاتے ہیں بعض اوقات تو تو بے والا شخص دو دو تین تین دن بھی اس حالت میں رہتا ہے۔

ایک واقعہ میں نے سنا کہ ایک آدمی کو دفن کر دیا گیا' دوسرے دن اس کو ہوش آ گیا اس نے دیکھا میں تو قبر میں ہوں اس نے اپنے اوپر سے مٹی ہٹائی اور قبر سے نکل کر گھر پہنچ گیا لوگ ڈر گئے تو ان پر راز کھلا کہ یہ تو سکتہ اور قوما کی حالت میں تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حافظ ابن ابی الدنیا رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب من عاش بعد الموت میں جو واقعات مذکور ہیں ان سے اہلِ سنت و جماعت کے اس عقیدہ کو تقویت ملتی ہے کہ عالمِ برزخ اور قبر میں حیاتِ انبیاء و شہداء و اولیاء و مومنین حق ہے ہاں انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا فرمائی ہے جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو جو حیات عطا ہوتی ہے وہ اولیائے کرام کی حیات سے ممتاز ہوتی ہے اور عام مومنین کی حیات اس قدر رہوتی ہے کہ وہ ثواب و عذاب کو محسوس کرتے ہیں۔

(کفایۃ المفتی ج اول ص ۱۹۶ فتاویٰ شامی ج ۳ ص ۳۴۴)

قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْوَاسِعِ الْمَوْتٰى يَعْلَمُوْنَ بِزُوَّارِهِمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَوْمًا قَبْلَهٗ وَيَوْمًا بَعْدَهٗ۔"

"فوت شدگان جمعرات' جمعہ اور ہفتہ کے دن اپنی قبروں پر آنے والوں کو پہچانتے ہیں۔" (ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری ص ۳۲۲)

اس سے پتہ چلا کہ عام مومنین کو بھی حیاتِ برزخی حاصل ہے گو ان کے بدن محفوظ نہ رہیں ان کی خاک کے ذروں میں ادراک حیات ہوتا ہے اور جو ایصالِ ثواب کیا جائے انہیں اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔

(رسالہ ایصالِ ثواب حضرت تھانوی)

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیات دو روز کا کیا عیش و غم
سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

ہذا التحریر لابی نعمان مبشر احمد استاذ الحدیث والتفسیر جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور)

لہٰذا کسی بزرگ کا بطورِ کرامت وفات کے بعد کلام کرنا اظہر من الشمس ثابت ہو گیا اب کسی دیو بندی عالم یا مقرر کو اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

اگلا واقعہ پڑھنے سے پہلے امام ابی الدنیا کا محدثین کی نگاہ میں کیا مقام ہے یہ ذرا ملاحظہ فرمالیں۔

ابو حاتم رازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر ابن الدنیا بغداد کے رہنے والے اور صدوق راویوں میں سے ہیں۔ ابن الجوزی فرماتے ہیں وہ صاحبِ مروت اور ثقہ اور صدوق راوی ہیں۔ المزی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ محدث کبیر اور عالم اور صدوق ہیں اور ان کی بے شمار تصانیف ہیں جن میں عجیب حکمتیں اور اسرار و رموز ہیں۔ ابن کثیر فرماتے ہیں حافظ الحدیث اور مصنف فی کل فن اور ہر فن میں نفع مند کتب کے مشہور مؤلف خاص کر فکرِ آخرت کی کتابیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں: صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ حافظ اور صدوق ہیں ابن تغزی بردی فرماتے ہیں ابن ابی الدنیا بہت بڑے عالم اور زاہد عابد پرہیز گار انسان تھے اور بہت عمدہ تصنیف کرنے والے اور لوگ ان کی تصانیف کے محتاج اور ان سے بے شمار انسانوں نے روایات کی ہیں اور ان کی صداقت و امانت اور ثقاہت پر متفق ہیں۔

(۱۹۳)

حضرت زید بن خارجہ کا زندہ ہونا

حضرت عبداللہ راوی ہیں کہ ابو مسلم عبدالرحمن بن یونس عن عبداللہ بن ادریس عن اسماعیل بن ابی خالد فرماتے ہیں یزید بن نعمان بن بشیر قاسم بن عبدالرحمن کے حلقہ میں اپنے والد نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا خط لے کر حاضر ہوا خط کا عنوان تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ نُّعْمَانَ بْنِ بُشَیْرٍ اِلٰی اُمِّ عَبْدِاللّٰہِ بِنْتِ اَبِیْ ھَاشِمٍ سَلَامٌ عَلَیْکِ۔

”تجھ پر سلام ہو میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

آپ نے میری طرف خط لکھا ہے کہ میں آپ کو زید بن خارجہ کا حال بتاؤں۔ وہ یہ ہے کہ زید بن خارجہ کے حلق میں درد شروع ہوا (اور وہ اس دن اہل مدینہ میں سب سے زیادہ صحت مند تھا) تو وہ ظہر اور عصر کی نماز کے درمیانی وقت میں فوت ہو گیا۔ ہم نے اسے پیٹھ کے بل پر لٹا دیا اور اس پر دو چادریں اور ایک کمبل ڈال دیا۔

ایک شخص میرے گھر پر حاضر ہوا اس وقت میں نوافل بعد المغرب پڑھ رہا تھا اس نے آکر کہا کہ زید بن خارجہ تو مرنے کے بعد باتیں کرنے لگا ہے۔ میں اس کی طرف جلدی سے گیا۔ ایک انصار کی جماعت اس کے پاس موجود تھی اور وہ کلام کر رہا تھا یا اس کی زبان کو قوت گویائی دی گئی تھی:

”اَلْاَوْسَطُ اَجْلَدُ الْقَوْمِ الَّذِیْ کَانَ لَا یُبَالِیْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ۔“

درمیان والا قوم کا بہادر اور قوی تھا اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈرتا تھا اور وہ لوگوں کو حکم نہیں دیتا تھا کہ ان میں سے طاقت ور کو کھا جائے اس اوسط کا نام اللہ کا بندہ امیر المومنین عمر ہے۔ صدق صدق! اس نے سچ کہا کہ کتاب اوّل میں بھی اسی طرح لکھا ہے پھر کہا حضرت عثمان امیر المومنین وہ لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرنے والے تھے' دو راتیں گزر گئیں اور چوتھی رہ گئی پھر لوگوں نے اختلاف شروع کر دیا اور ایک دوسرے کو کھانے لگے پس کوئی نظام نہیں ہے مخلص لوگ مباح کر دیئے گئے پھر مومنین گھبرا گئے۔

اے لوگو! اپنے امیر کیطرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کی بات سنو اس کی اطاعت کرو جو شخص روگردانی کرے گا وہ اپنا خون محفوظ نہیں کر سکے گا۔ اللہ کا حکم مقدر ہو چکا۔

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ هٰذِهِ الْجَنَّةُ وَهٰذِهِ النَّارُ ۔"

"اللہ سب سے بڑا ہے اور یہ جنت ہے اور یہ دوزخ ہے اور انبیاء اور صدیقین کہہ رہے ہیں:

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ ۔"

"کیا خارجہ نے میری اور اپنے باپ اور سعد کی خبر معلوم کی ہے جب کہ وہ دونوں غزوۂ احد میں شہید ہو چکے ہیں۔"

كَلَّا اِنَّهَا لَظٰى نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى تَدْعُوْ مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ۔" (سورۃ المعارج)

"ہرگز نہیں وہ تپتی ہوئی آگ ہے کلیجہ کھینچ لینے والی پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ پھیر لی اور پھر کر چلا گیا اور جوڑا اسینت کر رکھا۔"

پھر اس کی آواز پست ہو گئی میں نے اس جماعت انصار سے سوال کیا' کیا میرے آنے سے قبل بھی اس نے کچھ بات کی ہیں انہوں نے کہا ہاں ہم نے سنا ہے وہ کہہ رہا تھا: "اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا"

"خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ۔"

ہم ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے تو دیکھا اچانک کپڑے کے نیچے سے آواز آ رہی تھی پس ہم نے اس کے چہرے سے کپڑا اٹھایا پس اس نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کے رسول احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

"سَلَامٌ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔"

پھر اس نے کہا:

اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ الْاَمِيْنُ خَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (كَانَ ضَعِيْفًا فِيْ جِسْمِهٖ قَوِيًّا فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ۔)

"یعنی ابوبکر صدیق الامین جسم کے اعتبار سے کمزور مگر اللہ کا حکم نافذ کرنے میں قوی تھے۔"

صَدَقَ صَدَقَ وَكَانَ فِي الْكِتَابِ الْاَوَّلِ۔"

(امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ صفحہ ۳۸۳ میں زید بن خارجہ کے کلام کا تذکرہ کیا ہے۔ امام بیہقی نے دلائل صفحہ ۱۵۸ میں صحیح سندوں کے ساتھ اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں ۵۶۱ اور ابن کثیر نے ہدایہ ۲۹۲/۶۷ میں لکھا ہے:

وَاَمَّا وَاقِعَةُ زَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ وَكَلَامُهٗ بَعْدَ الْمَوْتِ وَشَهَادَتُهٗ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِاَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ بِالصِّدْقِ فَمَشْهُوْرَةٌ مَرْوِيَّةٌ مِّنْ وُّجُوْهٍ كَثِيْرَةٍ صَحِيْحَةٍ۔"

یہی واقعہ مزید چار روایات کے ساتھ لکھا گیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔

دوسری روایت

حضرت عبداللہ سے روایت ہے حضرت علی بن جعد نے کہا کہ حضرت عکرمہ بن ابراہیم عن عبدالملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے وہ خط پڑھا جو حبیب بن سالم کے پاس تھا جس کو حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے ام خالد کی طرف لکھا تھا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّكَ كَتَبْتَ تَسْأَلُنِىْ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ الَّذِىْ تَكَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهٖ فَذَكَرَ نَحْوَهٗ.

''اے اُم خالد تو نے مجھ سے زید بن خارجہ کے متعلق پوچھا ہے کہ جس نے اپنی وفات کے بعد کلام کی تھی۔ بقیہ واقعہ اسی طرح ہے جس طرح گزشتہ حکایات میں مذکور ہے۔

تیسری روایت

حضرت عبداللہ عن زیاد بن ایوب عن شبابہ عن ابی بکر بن عیاش عن مبشر مولی آل سعید بن العاص عن الزہری عن سعید بن المسیّب روایت کرتے ہیں کہ ایک انصاری شخص کو موت واقع ہوگئی لوگوں نے اس پر کپڑا ڈھانپ دیا اس کے بعد وہ بولنے لگا اور اس نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کرنے میں تو قوی ہیں اور ضعیف ہیں جسمانی اعتبار سے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی انہیں کے طریق پر ہیں۔ انصاف کا دور ختم ہو چکا طاقت ور کمزور کو کھانے لگا یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا دور شروع ہو چکا ہے۔

(مصنف رحمتہ اللہ علیہ مکمل واقعہ اس کتاب کے ساتویں نمبر پر نقل کر رہے ہیں۔ طبرانی ۱۱۴۴ ابن عساکر ۲۱۶ نیز امام طبرانی کہتے ہیں اس کے راوی وہی ہیں جو مسلم شریف کے ہیں۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق ۵۷ میں ۱۲۳ پر عمر بن شیبہ نے تاریخ مدینہ ۱۱۰۵ اور امام بیہقی نے دلائل میں ۶/۵۵ پر اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں ۱/۵۶۱ پر لکھا ہے اس کے سب راوی معتمد ہیں اور اس کی سند صحیح ہے)

چوتھی روایت

حضرت عبداللہ روایت فرماتے ہیں کہ شیخ محمد بن حماد الرازی نے فرمایا میں نے ہشام بن عبیداللہ سے عن رواح بن عطاء الانصاری سے سنا قال حدثنی ابی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہ میرے والد مکرم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت

کیا ہے کہ جب زید بن خارجہ وفات پا گئے تو انصار اس کے غسل دینے کے متعلق جھگڑنے لگے بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ دو مرتبہ اس کو غسل دے دیا جائے پھر تیسری مرتبہ ہر خاندان کا سردار آئے اور اس پر پانی ڈالے اور میں بھی انہیں سرداروں میں سے ایک تھا جب ہم غسل دے کر پیچھے ہٹے تو دیکھا کہ زید بن خارجہ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور باتیں کرنے لگے۔ ان کے کلام کے الفاظ یہ تھے دو گزر گئے چوتھائی باقی رہ گیا۔ دولت مند لوگ فقیروں اور غریبوں کو کھانے لگے پس سب بکھر گئے کوئی ان کا نظارہ نہیں (یعنی لاقانونیت)

"اَبُوْبَكْرٍ لَيِّنٌ رَحِيْمٌ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شَدِيْدٌ عَلَى الْكُفَّارِ لَا يَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔"

"ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہت نرم مزاج ہیں' مومنوں پر بہت مہربان ہیں' کافروں پر بہت سخت ہیں اور اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔"

اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی نرم مزاج ہیں مومنوں پر بہت مہربان ہیں اور کافروں پر بہت سخت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی بہت نرم مزاج مومنوں پر مہربان ہیں اور تم حضرت عثمان کے طریقے پر رہو پس سنو اور اطاعت کرو پھر وہ خاموش ہو گیا اس کی زبان حرکت کر رہی تھی اور جسم مردہ تھا۔

پانچویں روایت

حضرت عبداللہ احمد بن محمد بن ابی بکر سے اور وہ ابو ہمام محمد بن صلت سے وہ مسلمہ بن علقمہ سے وہ داؤد بن ابی ہند سے وہ یزید بن نافع سے وہ حبیب بن سالم سے وہ نعمان بن بشیر سے روایت کرتے ہیں کہ یزید بن خارجہ سرداران انصار میں شمار ہوتے ہیں اور ان کے والد خارجہ بن سعد تھے جب حضرت ابوبکر نے ہجرت کی تو ان کے گھر میں مہمان بنے اس کا باپ اور اس کا بھائی سعد بن خارجہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے اس کے بعد زید

بن خارجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں زندہ رہے اور خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور خلافت عمر رضی اللہ عنہ اور کچھ سال خلافت عثمان رضی اللہ عنہم کے بھی پائے ایک دن وہ مدینہ کی کسی گلی میں جا رہے تھے' عصر اور ظہر کے درمیان اچانک گر پڑے اور وفات پا گئے۔ ان کی وفات کی خبر انصار کو دی گئی' وہ آئے اور اس کو اٹھا کر گھر لے گئے اس کو ایک کمبل اور دو چادروں سے ڈھانپ دیا اور گھر میں انصار کے مرد اور عورتیں ان پر رونے لگے تو وہ اسی حالت میں پڑے رہے جب مغرب اور عشا کے درمیان کا وقت تھا اچانک لوگوں نے ایک آواز سنی۔ حضرت زید بن خارجہ کہہ رہے تھے۔ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا۔ خاموش ہو جاؤ' خاموش ہو جاؤ۔

وہ آواز اس کپڑے کے نیچے سے آ رہی تھی لوگوں نے اس کے سینے اور چہرے سے کپڑا اٹھایا' تو اس کی زبان پر کسی کی آواز جاری تھی اس کے الفاظ یہ تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اُمی ہیں۔ خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ کتاب اوّل میں بھی یہی لکھا ہے پھر قائل نے اس کی زبان سے کہا: صدق صدق صدق پھر اس کی آواز آئی کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے۔ حضرت ابوبکر خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صدیق و امین ہیں' جسم کے اعتبار سے کمزور لیکن حکم خداوندی کے نافذ کرنے میں قوی ہیں (کتاب اوّل میں یہی لکھا ہے) پھر کہنے والے نے اس کی زبان پر کہا: صَدَقَ صَدَقَ صَدَقَ۔ پھر کہا درمیانہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) قوم کا بہادر طاقتور ہے جو اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے جو لوگوں کو منع کرتے تھے کہ ان میں سے قوی آدمی کمزور آدمی کو نہ کھائے (یہ بھی کتاب اوّل میں لکھا ہے پھر کہنے والے نے اس کی زبان پر کہا صدق صدق صدق۔ پھر کہا حضرت عثمان امیر المؤمنین بہت رحیم تھے اور لوگوں کی غلطیوں سے بہت درگزر کرتے تھے۔ دو راتیں گزر گئیں اور دو سال دو راتوں کے برابر کر دیئے گئے اور چار سال باقی رہ گئے اور کوئی نظام اور قانون نہ رہا سرکاری خزانے حلال سمجھ لئے گئے' قیامت قریب آ گئی اور لوگ آپس میں

ایک دوسرے کو کھانے لگے اور مومن کانپ اٹھے گھبرا گئے اور وہ کہنے لگے اللہ کی کتاب اور تقدیر میں یہی ہوگا تم اپنے امیر کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کی بات سنو اس کی اطاعت کرو پس وہ تمہارے راستے پر تھا جو اس کے بعد روگردانی کرے گا وہ اپنا خون محفوظ نہیں کر سکے گا۔ اللہ کا حکم پورا ہو چکا یہ جملہ اس نے دو مرتبہ دہرایا پھر کہا یہ دوزخ ہے یہ جنت ہے وہ انبیاء اور شہداء ہیں۔ السلام علیکم یا عبداللہ بن رواحہ کیا تو نے اطلاع پائی ہے میرے والد خارجہ اور میرے بھائی سعد کی جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو چکے ہیں پھر کہا: (کَلَّا اِنَّهَا لَظٰى، نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى، تَدْعُوْ مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى) ہرگز نہیں وہ تپتی ہوئی آگ ہے کھینچ لینے والی کلیجہ پکارتی ہے اس کو جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا اور مال جمع کیا اور سنبھال کر رکھا۔ پھر کہا یہ اللہ کے رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت نعمان بن بشیر نے بتایا کہ مجھے اطلاع دی گئی کہ زید بن خارجہ مرنے کے بعد کلام کر رہے ہیں تو میں لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آیا میں اس کے سرہانے کھڑا ہو گیا میں نے بھی اس کے کلام کو پایا (یعنی کچھ باتیں سنیں) وہ کہہ رہا تھا (اَلْاَوْسَطُ اَجْلَدُ الْقَوْمِ) یعنی آخری کلام تک میں نے سب کچھ سنا اور میں نے لوگوں سے پوچھا اس سے قبل اس نے کیا کہا تو لوگوں نے مجھے وہ باتیں بتائیں جو اس نے کی تھیں۔

(من عاش بعد الموت الحافظ الامام ابن ابی الدنیا)

(۱۹۴)

خوفِ خدا سے رونے والا بچہ

حضرت سیّدنا عبداللہ بن واسان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ایک دن میں بصرہ کی گلیوں میں سے گزر رہا تھا کہ میں نے ایک بچے کو گریہ وزاری کرتے دیکھا اور پوچھا:

''اے بیٹے! تجھے کس چیز نے رُلایا؟''

اس نے جواب میں کہا: 'جہنم کے خوف نے''۔ میں نے کہا:

''اے میرے بیٹے! تو چھوٹا ہے' پھر بھی جہنم سے ڈرتا ہے''۔ وہ کہنے لگا:

''اے میرے محترم! میں نے اپنی امی جان کو دیکھا کہ وہ آگ جلاتے ہوئے پہلے چھوٹی لکڑیاں جلاتی ہیں پھر بڑی تو میں نے پوچھا: ''اے امی جان! آپ پہلے چھوٹی لکڑیاں کیوں جلاتی ہیں اور بعد میں بڑی لکڑیاں کیوں؟'' تو انہوں نے جواب دیا: ''اے میرے بچے! چھوٹی لکڑیاں ہی بڑی لکڑیوں کو جلاتی ہیں۔'' بس اسی بات نے مجھے رُلا دیا۔'' میں نے اس لڑکے سے کہا: ''اے بیٹے! کیا تو میری صحبت اختیار کرے گا تا کہ تو ایسا علم سیکھ جائے جو تجھے نفع دے؟'' اس نے کہا: ''ایک شرط پر اگر آپ وہ شرط قبول فرمالیں تو میں آپ کی صحبت اختیار کرلوں گا اور آپ کی اطاعت بھی کروں گا۔'' میں نے کہا: ''وہ شرط کیا ہے؟'' وہ بولا: ''اگر مجھے بھوک لگے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجھے کھانا کھلائیں گے اور اگر میں پیاسا ہو جاؤں تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ مجھے سیراب کریں گے اگر مجھ سے خطا ہو جائے تو آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مجھے معاف فرما دیں گے اور اگر میں مر جاؤں تو آپ رحمتہ اللہ علیہ مجھے زندہ کریں گے۔" میں نے اسے کہا: "اے میرے بیٹے! میں تو ان کاموں پر قادر نہیں۔" تو اس نے کہا: "اے میرے محترم! پھر مجھے چھوڑ دیجیے اس لیے کہ میں اس کے دروازے پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں جو یہ سارے کام کر سکتا ہو۔"

(الروض الفائق)

(۱۹۵)

اللہ عزوجل کے نام پر وقف کر کے واپس نہ لو

جب حضرت سیدنا سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ کی عمر پندرہ برس ہوئی تو اپنی ماں سے عرض کی: ''اے امی جان! مجھے راہِ خدا عزوجل میں وقف فرما دیجیے۔'' تو آپ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ کہنے لگیں: ''اے میرے بیٹے! بادشاہوں کو وہ چیز ہدیہ کی جاتی ہے جو ان کے شایانِ شان ہو اور تجھ میں ایسی کوئی خوبی نہیں کہ اللہ عزوجل کی شان کے مطابق ہو۔'' آپ رحمتہ اللہ علیہ کو حیا آئی اور ایک کمرے میں داخل ہو کر پانچ سال تک وہیں عبادت کرتے رہے اس کے بعد آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی والدہ محترمہ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آئیں اور دیکھا کہ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ عبادت میں مصروف ہیں اور آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پر سعادت کے آثار نمایاں ہیں تو انہوں نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: ''اے میرے بیٹے! اب میں تجھے اللہ عزوجل کی راہ میں وقف کرتی ہوں۔'' چنانچہ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں سے نکلے اور دس سال سفر میں رہے اور عبادت سے لذت حاصل کرتے رہے پھر آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو اپنی والدہ محترمہ کی زیارت کا اشتیاق ہوا تو گھر کی طرف چل پڑے جب آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے رات کے وقت دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی والدہ محترمہ نے پردے کے پیچھے سے آواز دی:

''اے سفیان (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) جو اللہ عزوجل کے نام پر کوئی چیز وقف کر دیتا ہے وہ واپس نہیں لیتا اور میں نے تجھے اللہ عزوجل کے نام پر پیش کر دیا ہے اب میں تجھے صرف اسی کے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' (ایضاً)

(۱۹۶)

واصل باللہ نوجوان

حضرت سیدنا منصور بن عمار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے عراق کے ایک شہر میں ایسا نصیحت بھرا بیان کیا کہ جس سے پتھر دل بھی پگھل جاتے اور جگر پاش پاش ہو جاتے لیکن میری اس محفل میں کسی نے آنسو کا ایک قطرہ تک نہ بہایا اور ایسی بات نہیں تھی کہ میری تقریر ان کے کانوں کے راستے دلوں میں نہ اُتر رہی ہو۔ میری گفتگو کی سحرانگیزی نے دِلوں کو دَم بخود کر رکھا تھا اور لوگوں کی ارواح جلوۂ محبوب میں کھوئی ہوئی تھیں اچانک میں نے صاف ستھرے لباس میں ملبوس ایک خوب صورت نوجوان دیکھا اس نے کھڑے ہو کر چیخ ماری پھر گھبرا کر بیٹھ گیا لیکن اس کی اس چیخ سے میرے بیان میں خلل آ گیا۔ میں اپنے منبر سے نیچے اُتر آیا اور اس کے مدہوشی سے افاقہ پانے تک انتظار کرتا رہا جب وہ ہوش میں آیا تو میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا: ''اے میرے محترم! آپ کے وجدان کے گھوڑے کہاں تک رسائی پا چکے ہیں (یعنی آپ قربِ الٰہی عزوجل کی کس منزل تک پہنچ چکے ہیں؟)'' تو اس نے جواب دیا: ''میرے وجد وسرور کے گھوڑوں نے اپنا مقصود پا لیا۔'' میں نے پوچھا: ''آپ کو وصالِ بارگاہِ الٰہی عزوجل کی یہ دولت کیسے نصیب ہوئی؟'' تو اس نے جواب دیا: ''طویل مشقت وتھکاوٹ کے بعد میں نے اس راحت ووصال کو پایا۔'' میں نے پوچھا: ''کس شرط پر آپ نے اپنا مقصود پایا؟'' جواب ملا: ''مجھے اپنے مقصود کی انتہائی طلب کی وجہ سے کامیابی ملی۔'' میں نے

پوچھا: ''کیا آپ کا گزر بارگاہِ قرب سے بھی ہوا؟'' جواب ملا: ''ہاں! وہی میرے حصولِ فیض کی جگہ ہے۔'' میں نے پوچھا: ''کیا آپ نے صاحبِ وقار مردوں کا مشاہدہ کرلیا اور ان کے قرب میں آپ کی جھجک ختم ہوگئی؟'' جواب ملا: ''اے ابن عمار! بغیر ہچکچائے آگے بڑھنا ہی میرا طریقہ ہے؟'' میں نے پوچھا: ''پھر آپ کس وسیلے سے بارگاہِ قرب تک پہنچے؟'' جواب ملا: ''میں درِ رحمت پر کھڑا رہا اور اس کے آداب کو ہر لمحہ ملوظِ خاطر رکھا جب اللہ رب العالمین عزوجل نے میرے انتہائی شوق کو ملاحظہ فرمایا تو مجھ پر کرم کے بادل برساتے ہوئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے اور سارے حجابات اُٹھا دیئے اور مجھے ندا دی: ''تمام حجابات اُٹھے ہوئے ہیں لہٰذا تم میرے دیدار سے کیف و سرور حاصل کرلو۔'' (ایضاً)

(۱۹۷)

ایک راہب کا قبولِ اسلام

---- منقول ہے کہ ابوالقاسم حضرت سیدنا جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور صوفی فقراء کا ایک قافلہ حج کے لیے روانہ ہوا' راستے میں کچھ دنوں کے بعد پانی ختم ہو گیا' قافلے نے ایک پہاڑ کے دامن میں پڑاؤ کیا ہوا تھا۔ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک مرید سے کہا: ''یہ مشکیزہ لو اور اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر پاک مٹی لے آؤ تاکہ ہم اس سے تیمم کریں کیونکہ نماز کا وقت ہو چکا ہے۔'' اس نے حسب حکم مشکیزہ لیا اور پہاڑ پر چڑھ کر مشکیزے میں مٹی ڈالنے لگا اچانک اس نے ایک آواز سنی ادھر ادھر دیکھا تو گرجا گھر میں ایک راہب نظر آیا۔ راہب نے پوچھا: ''اس مٹی کا کیا کرو گے؟'' اس نے جواب دیا: ''ہم اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لوگ ہیں جب پانی نہیں ملتا تو ہم مٹی سے تیمم کر لیتے ہیں۔'' راہب بولا: ''میرے ہاں ایک صاف وشفاف کنواں ہے' تم اس سے پانی بھی پی لو اور وضو بھی کر لو۔'' اس سے مرید نے کہا: ''پہاڑ کے نیچے ہمارا ایک قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔'' راہب نے کہا: ''تم جاؤ اور سب کو بلا لاؤ۔'' وہ حضرت سیدنا جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور راہب کے متعلق بتایا۔ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: ''جا کر اسے کہو' ہم ستر افراد ہیں' کیا اس کھنڈر میں آ جائیں گے؟'' وہ مرید دوبارہ گیا اور راہب کو جا کر ساری بات بتائی تو اس نے کہا: ''اگرچہ ایک ہزار ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی قدر کرتا اور ان

سے محبت کرتا ہوں۔'' جب مرید نے واپس جا کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بتایا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سارے قافلے کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ راہب نے اس کھنڈر کا دروازہ کھول دیا' سبھی نے خوب سیر ہو کر اس کنویں سے پانی پیا اور وضو کر کے نماز ادا کی جب فارغ ہوئے تو راہب نے سب کو ایک ایک بڑی پلیٹ پیش کی جس میں طرح طرح کے کھانے تھے۔ سب نے کھانا کھایا پھر ایک طشت اور لوٹا حاضر کیا' سب نے اپنے ہاتھوں کو دھو کر مشک لگائی جب راہب نے مہمان نوازی کر لی تو پوچھا: ''کیا تم میں سے کوئی اس مناسبت سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے والا ہے؟'' حضرت سیدنا جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرید کو اشارہ کیا تو اس نے اس آیتِ کریمہ کی تلاوت شروع کی:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۝

''بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں۔'' (پ ۱۷' الانبیآء: ۱۰۱)

آیتِ مبارکہ سن کر راہب کی چیخیں نکل گئیں اور کہنے لگا: ''ربّ کعبہ عزوجل کی قسم! ہم نے صلح کر لی۔'' جب قاری نے قرآن کریم کی تلاوت مکمل کی تو اس نے پھر کہا: ''میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں کوئی اچھا شعر کہنے والا ہے؟ کیونکہ میں سماع کو پسند کرتا ہوں۔'' آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرید کی طرف اشارہ کیا تو اس نے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ ہے: ''اس نے طویل عرصہ تک دوریوں کو برقرار رکھا تو اسے معلوم ہوا کہ عذر خواہی کے راستے کیسے ہیں پھر بھی دوری برقرار رکھنے کو اس نے پسند کیا اور فراق کے سمندر میں غوطہ زن رہا اور وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ وفا کے ساتھ ناانصافی کے زخم اگرچہ ختم بھی ہو جائیں تب بھی ان کے نشانات نہیں مٹتے۔'' ان اشعار کو سن کر راہب کافی دیر تک روتا رہا پھر بولا: ''مزید اشعار سنایئے۔''

مرید نے دوبارہ اسی طرح کا شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ ہے: ''میں حاضر ہوں اے

وہ جو ازل سے مجھے اپنی طرف بلاتا رہا اور اپنے پوشیدہ لطف و کرم سے بار بار اپنی بارگاہ کی طرف میری رہنمائی فرماتا رہا (لیکن میں اس سے روگردانی کرتا رہا)'' راہب نے پھر چیخ ماری اور کہا: ''میں حاضر ہوں' اے میرے مالک! میں حاضر ہوں' اے میرے مالک عزوجل! تو نے مجھے اپنی رحمت کی طرف بلایا ہے۔

''اَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔''

''یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول ہیں۔''

عیسائیت کے نشان کو توڑ دیا' عیسائیوں کا لباس اُتار دیا۔ حضرت سیدنا جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو گدڑی پہنائی اور آپ اور آپ کا قافلہ اس کے اسلام لانے اور اس کی گردن جہنم سے آزاد ہونے پر بہت مسرور ہوئے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ہزار دینار نکال کر اس کو دیئے جو آپ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جمع تھے پھر وہ راہب اپنے گرجا گھر وغیرہ کو چھوڑ کر چہرہ چھپائے ہوئے کہیں چلا گیا' نہیں معلوم کہ وہ کس سمت گیا۔

جب حضرت سیدنا جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قافلہ مکہ مکرمہ پہنچا اور حرم پاک میں داخل ہوا اور طواف کر کے جب سب ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو ایک شخص کو کعبۃ اللہ شریف کے غلاف سے لپٹا ہوا دیکھا' وہ کہہ رہا تھا: ''اے میرے ربّ عزوجل! تو نے مجھ پر اپنا پردہ اُٹھا دیا حتیٰ کہ میں نے تیری وحدانیت کی گواہی دی تو نے مجھے اپنی بارگاہ میں بلایا تو میں ''لبیک'' کہتے ہوئے حاضر ہو گیا' اے وہ ذات جس نے مجھے عرفان کی دولت عطا فرمائی تو مجھے اس کی معرفت حاصل ہو گئی! مجھے اپنی رضا کے لیے حج کرنے کی توفیق عطا فرما۔ حضرت سیدنا جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرید سے فرمایا: ''دیکھو! یہ کلام کرنے والا کون ہے؟'' وہ مرید اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ یہ تو وہی راہب ہے جب اسے حضرت جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے کہا گیا تو راہب نے کہا: ''اے بھائی! حضرت سیدنا جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں میرا اسلام عرض کرنا

اور یہ بھی عرض کرنا کہ میں نے آپ کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کھانا بھی حاضر کیا تو اللہ عزوجل نے مجھے اسلام کی دولت عطا فرمائی اور عزت کے لباس سے نوازا یہاں تک کہ میں احرام باندھ کر حرم پاک میں داخل ہو گیا ہوں اب میری عزت و ذلت اسی کے پاس ہے۔"

چنانچہ مرید لوٹا اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس کے متعلق بتایا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ خود اُٹھ کر اس کے پاس چلے گئے اور اسے سینے سے لگا کر آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور ارشاد فرمایا: "اے میرے دوست! آپ کو قربِ الٰہی عزوجل کی لذت کیسے نصیب ہوئی؟"

اس نے جواب دیا: "اے میرے سردار! جب میں نے کھنڈرات کو چھوڑا اور سفر اختیار کیے تو مجھ پر قبولیت کی ہوائیں چلنے لگیں اور اللہ عزوجل نے اپنی بارگاہ تک پہنچنے کا دروازہ کھول دیا جس سے میرے لیے اپنے مقصود تک رسائی حاصل کرنا ممکن ہو گیا۔" پھر اس نے ایک چیخ ماری اور زمین پر تشریف لے آیا جب ہم نے دیکھا تو اس کی جان جانِ آفریں کے سپرد ہو چکی تھی۔ (ایضاً)

میرا ہر عمل بس تیرے واسطے ہو
کر اخلاص ایسا عطا یا الٰہی

(۱۹۸)

مسیلمہ کے مقتول کی گفتگو

حضرت عبداللہ نے روایت کیا خلف بن ہشام سے اس نے خالد الطحان سے اس نے حصین سے اس نے عبداللہ بن عبید اللہ انصاری سے کہ ایک شخص جو کہ مقتولان مسیلمہ کذاب میں سے تھا اس نے کلام کی اس کے الفاظ تھے:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَابُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ وَعُثْمَانُ اللَّيِّنُ الرَّحِيْمُ۔"

"یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نرم مزاج' مہربان شخصیات ہیں۔" (مَنْ عَاشَ بَعْدَ الْمَوْتِ' لِابْنِ اَبِی الدُّنْیَا)

(رجالہ ثقات غیر عبداللہ بن عبید الدلائل للبیہقی ۶/۵۸ خطیب بغدادی نے فرمایا ہے کہ عبداللہ بن عبید بھی ثقہ راوی ہے اور مسلم شریف کے راویوں میں سے ہے۔ التقریب والتہذیب ۵/۳۰۸ اور امام بیہقی نے علی بن عاصم اور حصیف بن عبدالرحمٰن کے طریق سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ یوم صفین یا یوم جمل کا ہے۔ امام بیہقی نے کہا کہ خالد الطحان جو سند اوّل میں ہے' وہ علی بن عاصم سے زیادہ حافظے والا اور موثوق ہے۔ واللہ اعلم!

(۱۹۹)

حضرت ربعی بن حراش کے بھائی کا زندہ ہونا

حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بیان کیا اور میرے والد نے سفیان بن عیینہ سے اس نے عبدالمالک بن عمیر سے اس نے ربعی بن حراش سے اس نے محمد بن بکار سے اس نے حفص بن عمیر سے اس نے عبدالمالک بن عمیر سے کہ ہم تین بھائی تھے اور ہم میں سے جو درمیانہ بھائی تھا وہ بہت عابد اور روزے دار اور ہم سے افضل تھا۔ میں کچھ مدت عراق میں غائب رہا پھر واپس اپنے گھر آیا تو گھر والوں نے کہا تمہارا بھائی فوت ہو گیا ہے اس کی میت کے پاس جاؤ میں دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچا اس کی وفات ہو چکی تھی اور اسے کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ میں اس کے سرہانے بیٹھ کر رونے لگا اس نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور کہنے لگا: "السلام علیکم!" میں نے کہا: "اے میرے بھائی! کیا تو مرنے کے بعد زندہ ہے؟ قال نعم" اور کہا: "میں نے اپنے رب عزوجل سے ملاقات کی ہے بڑی راحت اور خوشی کے ساتھ اس حال میں کہ وہ مجھ سے ناراض نہیں ہے اور اس نے مجھے سندس اور استبرق کا ریشمی سبز لباس پہنایا اور میں نے اپنا معاملہ بہت آسان پایا تمہارے گمانوں کے برعکس یہ جملہ اس نے تین مرتبہ دہرایا: "فَاعْمَلُوْا وَلَا تَغْتَرُّوْا۔"

"پس عمل کرو اور دھوکہ میں نہ رہو" یہ جملہ بھی اس نے دو مرتبہ دہرایا اس نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ملا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ میں تیرے پاس آؤں گا۔ پس میرا کفن دفن جلدی کرو پھر وہ خاموش ہو گیا پس اس نے کہا جلدی جتنا تیزی کے

ساتھ کنکری پانی میں گرتی ہے پس میں نے اپنے گھر والوں کو کہا:

''عَجِّلُوْا جِهَازَ اَخِیْ۔''

''یعنی میرے بھائی کا کفن دفن جلدی کرو۔''

(صحیح اخرجہ ہشام بن عمار فی الکتاب البعث من طریق عبدالملک بن عمیر البدایہ ۱۵۸/ ج ۶ اخرجہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب ۵۶۳/۱ من طریق علی بن مدینی اخرجہ البیہقی فی الدلائل ۴۵۴/۶ من طریق ابی اسماعیل بن ابی خالد اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ ۳۶۸......۴ من طریق حوض بن عمر)

اس واقعہ کے متعلق مزید روایات

(۱) حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں یعقوب بن عبید سے وہ یزید بن ہارون سے وہ کہتے ہیں خبر دی ہمیں مسعودی اور عبدالملک بن عمیر نے ربعی بن حراش سے کہ میرا ایک بھائی گرمیوں کے موسم میں بھی روزے رکھا کرتا تھا اور سردیوں کے موسم میں شب بے دار رہتا تھا یعنی صائم النہار قائم اللیل تھا باقی مکمل واقعہ گزشتہ روایت میں مذکور ہے جب یہ واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچا تو انہوں نے بھی تصدیق کی اور کہتی تھیں کہ ہم سنا کرتی تھیں کہ ایک آدمی اس اُمت میں ایسا ہوگا جو مرنے کے بعد کلام کرے گا۔

(اس روایت کے راوی حسن ہیں اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ ۳۶۸/۴ والبیہقی ۴۵۴/۶ فی الدلائل)

(۲) حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ شریح بن یونس نے خالد بن نافع سے اس نے علی بن عبیداللہ الغطفانی اور حفص بن یزید سے روایت کیا ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پہنچی کہ ابن حراش نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہ ہنسوں گا جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں اسی طرح اس نے ساری زندگی گزار دی اسے لوگ ہنسانے کی کوشش کرتے مگر وہ نہ ہنستا لیکن جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے بعد وہ ہنسا۔ باقی قصہ اسی طرح ہے جس طرح عبدالملک بن عمیر نے ذکر کیا ہے پھر کہا یہ خبر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے کہا کہ بنو عبس کا بھائی سچ کہتا ہے:

''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَتَكَلَّمُ رَجُلٌ

مِنْ اُمَّتِیْ بَعْدَالْمَوْتِ مِنْ خَیْرِ التَّابِعِیْنَ."

"یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ ایک شخص میری اُمت میں سے مرنے کے بعد کلام کرے گا وہ تابعین میں سب سے بہتر شخص ہوگا۔"

(یہ روایت تمام طرق کے اعتبار سے حسن ہے۔ اخرجہ البیہقی فی الدلائل ۴۵۵/۶ اس کی سند میں خالد بن نافع الاشعری ضعیف ہے لسان المیزان ۳۸۸/۶ اور ظاہر السند منقطع ہے اخرجہ البیہقی ۴۵۵/ج ۶ من طریق شریک بن منصور لیکن اس میں ربعی بن خراش کا سماع عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصریح نہیں ہے۔ نیز اس سند میں شریک بن عبداللہ صدوق راوی ہیں تغیر حافظہ کی وجہ سے اکثر غلطی بھی کرتے تھے جب وہ کوفہ کے قاضی بنائے گئے۔ اخرجہ ابونعیم فی الحلیہ ۳۶۷/۱۴ الی آخرہ اس کی بہت سندیں ہیں دیکھو من عاش بعد الموت)

(۳) حضرت عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ محمد بن الحسین سے وہ کہتے ہیں ہمیں خبر دی محمد بن جعفر بن عون نے ان کو خبر دی مکبر بن محمد العابد نے الحارث الغنوی نے کہتے ہیں قسم کھائی ربیع بن حراش نے۔ میں اپنے دانت ہنستے ہوئے اس وقت تک نہ کھولوں گا یعنی میں نہ ہنسوں گا جب تک کہ مجھے یہ معلوم نہ ہوجائے کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے پس وہ نہ ہنسا مگر اپنے مرنے کے بعد یعنی جب اسے اپنا ٹھکانہ جنت میں معلوم ہوگیا تو وہ ہنسا اس طرح اس کے بعد اس کے بھائی ربعی بن حراش نے بھی قسم کھائی کہ وہ بھی اس وقت تک نہ ہنسے گا جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ میرا ٹھکانہ جنت میں ہے یا دوزخ میں۔

حارث غنوی کہتے ہیں کہ مجھے اس کے غسل دینے والے نے بتایا کہ ربعی بن حراش اپنے تختے پر ہنستے رہے اور ہم اس کو غسل دیتے رہے حتیٰ کہ ہم اس کے غسل سے فارغ ہو گئے۔

(اس کی سندیں ضعیف ہیں اخرجہ الخطیب فی تاریخ بغداد ۴۳۳/۸ ذکر کیا ہے حافظ ذہبی نے النبلاء میں ۳۶۱/۵ عن البرجلانی اور وہ مصنف کے شیخ ہیں۔ نیز محقق ایمن بن عارف کہتے ہیں کہ یہ روایت ابن عساکر نے ۱۰۳/۶ پر ذکر کی ہے۔)

(۲۰۰)

مریضِ عشقِ الٰہی عزوجل

اللہ عزوجل کے ایک ولی فرماتے ہیں میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ وہ راکھ بچھا کر اس پر لوٹ پوٹ ہو کر شدت سے رو رہا تھا' میں نے اپنے ایک دوست سے کہا: ''چلو! اس بیمار کی عیادت کرتے ہیں۔'' وہ بولا: ''یہ بیمار نہیں بلکہ محبین میں سے ہے اور اسے ''عبید مجنون'' کہا جاتا ہے۔'' آپ فرماتے ہیں کہ میں اس کی طرف بڑھا تو دیکھا کہ وہ ایک نوجوان ہے اور اس پر اون کا جبہ ہے' وہ کہہ رہا ہے: ''اے میرے مالک و مولیٰ! تعجب ہے اس پر جسے تیری معرفت کی دولت حاصل ہوئی اور تیری محبت کی مٹھاس سے لطف اندوز ہوا پھر تیری بارگاہ سے کیسے ہٹ گیا؟'' وہ نوجوان یہی بات دہراتا رہا یہاں تک کہ اس پر غشی طاری ہوگئی۔ میں نے اپنے اس دوست سے کہا: ''اللہ عزوجل کی قسم! مجنون تو وہ ہوتا ہے جو اس مقام و مرتبہ تک نہ پہنچا ہو۔'' جب اسے افاقہ ہوا تو ہماری طرف دیکھ کر کہنے لگا: ''تم میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟'' ہم نے کہا: ''ہمارے پاس ایک دوا ہے شاید وہ آپ کو اس بیماری سے شفا دے دے۔'' تو وہ کہنے لگا: ''اس کی دوا اسی کے پاس ہے جس نے مجھے اس بیماری میں مبتلا کیا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ پہلے مجھے بیمار کرے پھر اس کا علاج کرے۔'' میں نے کہا: ''یہ بیماری کیسے آتی ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''حرام کو چھوڑنے' گناہوں کا ارتکاب نہ کرنے' اللہ عزوجل کو ہر لمحہ پیشِ نظر رکھنے' رات کو تہجد ادا کرنے جبکہ لوگ سو رہے ہوں' گزر بسر کا سامان کم لینے' خوشحالی اور تنگ دستی کی حالت میں آفات و بلیات پر صبر کرنے' پاک دامنی اختیار کرنے' استطاعت

ہوتے ہوئے کم کھانے' موت کی تیاری کرنے' منکر نکیر کے سوالات کے جوابات کی تیاری کرنے اور اللہ عزوجل کے سامنے حاضر ہونے کی تیاری کرنے سے اس بیماری کی دولت نصیب ہوتی ہے اس کے بعد یا تو جنت ٹھکانہ ہوگا یا جہنم میں جانا ہوگا۔'' اتنا کہنے کے بعد وہ بلند آواز سے رونے لگا' ہمیں بھی رونا آ گیا' ہم نے اس سے کہا: ''ہم آپ کے مہمان ہیں لہٰذا ہمارے لیے دعا فرمائیں۔'' اس نے کہا: ''میں اس میدان کا شہسوار نہیں (یعنی میں اس مرتبہ کا اہل نہیں)'' ہم نے اسے قسم دی کہ آپ ضرور دعا فرمائیں تو اس نے دعا دیتے ہوئے کہا: ''اللہ عزوجل آپ کو جنت میں جگہ عطا فرمائے' میری اور آپ کی موت آسان کر دے۔'' وہ ولی اللہ فرماتے ہیں: ''پھر ہم وہاں سے لوٹ آئے اور ہمارے دل اس کے حسین الفاظ اور وعظ و نصیحت سے زندہ ہو گئے اور اس کے کلام اور محبت کی مٹھاس نے ہمیں بہت راحت و مسرت پہنچائی۔'' (الروض)

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 042 - 37352022